سلسلۂ نصابیات علمیۂ جامعۂ عثمانیہ

معاشی تاریخ ہند

جلد اول

ابتدائی برطانوی حکومتِ ہند

تالیف

رامیش دت، سی۔ آئی۔ ای۔

۱۱۴۵

ترجمہ

محمد نصیر الدین خاں، ایم۔ اے (ایڈنبرا)۔

۱۳۵۱ھ م ۱۳۴۱ف م ۱۹۳۲ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین معاشی تاریخ ہند جلد اوّل

(ابتدائی برطانوی حکومت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معاشی تاریخ ہند جلد اول

(ابتدائی برطانوی حکومت)

دیباچہ مولف

برطانوی ہند کے جنگی اور سیاسی معاملات پر سربرآوردہ اور ممتاز مورخوں نے اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں لیکن خود اہل ہند کے متعلق یعنے انکی تجارت حرفت اور زراعت یا انگریزوں کے راج میں ان کی معاشی حالت کے متعلق آبتک کسی نے کوئی تاریخ نہیں لکھی۔

اس اثنار میں ہندوستان میں قحط پر قحط پڑنے کی وجہ سے اس اہم مضمون پر اب توجہ مبذول ہونے لگی ہے اور اہل ہند کے حالات یعنے ان کی دولت کے ذرائع اور افلاس کے اسباب سمجھنے کا شوق عام طور پر پیدا ہونے لگا ہے۔ اس لئے موجودہ زمانے میں برطانوی ہند کی ایک مختصر معاشی تاریخ لکھنے کی سخت ضرورت ہے۔

مانا کہ انگریز ہندوستان میں اپنے کارناموں کو خالص اطمینان کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے تاہم کم سے کم اپنے امن کے کارناموں پر تو وہ جائز طور سے فخر کر سکتے ہیں بنی نوع انسان کے لئے امن و امان ہی سب سے بڑی برکت ہے۔ اور یہ برکت انگریزوں نے اہل ہند پر نازل کی مغربی تعلیم کی اشاعت بھی کی جس سے ایک قدیم اور متمدن قوم عصر جدید کے تخیلات

علم و حکمت ادارات اور زندگی سے روشناس ہوگئی اور بتدریج ایک ایسے نظم و نسق کی بنا ڈالی جس میں اگرچہ زمانے کی رفتار ترقی کے ساتھ ساتھ اصلاح کی بھی ضرورت ہے پھر بھی وہ مستحکم و موثر ہے انھوں نے نہایت ہی دانشمندانہ قوانین منضبط کئے اور عدالتیں قائم کیں جنکی دیانت اور راستبازی بنفسہٖ ایسی ہی خالص ہے جیسی روئے زمین کے کسی بہتر سے بہتر ملک میں ہوسکتی ہے یہ ہیں وہ نتائج جن کی بنا پر انگریزوں کے کارنامۂ ہند کا کوئی نقاد، اگر وہ راستباز اور حق شناس ہے تو ان کی پُرجوش تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

برخلاف اس کے کوئی صاف دل انگریز ایسا نہیں ہے جکو انگریزوں کے راج میں اہل ہند کی مادّی حالت پر غور کرنے کے بعد اطمینان خاطر حاصل ہوتا ہو نہ موجودہ زمانے میں اہل ہند کے افلاس کی نظیر کسی متمدن ملک میں ملتی ہے اور نہ عصر جدید اور ازمنۂ قدیم کی تاریخ میں ان شدید اور عالمگیر قحطوں کی مثال موجود ہے جن سے انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں ہندوستان اس سرے سے اُس سرے تک تباہ و برباد ہوگیا چنانچہ ۱۸۷۷ء اور ۱۸۷۸ء میں میں پھر ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۰ء میں متواتر ایسے قحط پڑے کہ ان میں کم سے ڈیڑھ کروڑ نفوس پیوند زمین ہو گئے۔ یعنے بیس سال کے عرصے میں کسی ایک یورپی ملک کی اچھی خاصی آبادی کے برابر ہندوستان کی آبادی کا صفایا ہوگیا۔ مثلاً انگلستان کی نصف آبادی کے مساوی ہندوستان کی آبادی دیکھتے ہی دیکھتے اس طرح نیست و نابود ہوگئی کہ آجکل کی ادھیڑ عورتوں اور مردوں کو ابھی تک وہ زمانہ یاد ہے۔

ہندوستان میں اس طرح سخت افلاس پیدا ہونے اور پے در پے قحط پڑنے کے اسباب کیا ہیں؟ انکی متعدد بار سطحی تشریحیں پیش کی گئی ہیں لیکن غور کرنے کے بعد وہ قابل قبول نہیں معلوم ہوتیں مثلاً یہ کہا جاتا تھا کہ ہندوستان کی آبادی میں افزائش بہت سرعت کے ساتھ ہوتی ہے اور ایسی افزائش کا یقینی نتیجہ آگے چل کر قحط ہوتا ہے۔ مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان

کی آبادی کی شرح افزائش انگلستان کے برابر کبھی نہیں ہوئی بلکہ گزشتہ دس سال کے عرصے میں تو آبادی کا بڑھنا ہی موقوف ہو گیا۔ یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے کاشتکار بے پروا اور ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو فراخی اور افراط کے زمانے میں پس انداز کرنا نہیں جانتے تنگی کے زمانے میں جانبر نہیں ہو سکتے۔ لیکن جنھوں نے ان کاشتکاروں کے ساتھ ایک عمر گزاری ہے وہی خوب جانتے ہیں کہ روئے زمین پر ان کسانوں سے زیادہ کفایت شعار محتاط اور اعتدال پسند کوئی نہیں یہ بھی بیان کیا جاتا تھا کہ دیسی ساہوکار ہندوستان کے لئے آفت سے کم نہیں ان مہاجنوں نے مکروفریب اور استحصال بیجا سے کاشتکاروں کو ایک زمانۂ دراز سے ناگزیر طور پر اپنا مقروض بنا رکھا ہے۔ لیکن قحط کمیشن کی تازہ ترین تحقیقات سے منکشف ہوتا ہے کہ ہندوستان کے کاشتکاروں کا غلاموں کی طرح ساہوکاروں کا دست نگر بنا رہنا محض سرکاری مطالبات مالگزاری کی غیر متبدل حالت کی بناء پر ہے یہ کہا جاتا تھا کہ ایک ایسے ملک میں جہاں کے باشندوں کی معیشت کا انحصار صرف فصل پر ہی ہو خشک سالی یا قلت بارش کی وجہ سے اگر وہاں فصل نہ ہو تو وہ لوگ بھوکوں نہ مریں تو کیا کریں لیکن کبھی ایسا ہوا ہی نہیں کہ ہندوستان میں ہر جگہ فصل اچھی نہ ہوئی ہو اور ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا جس میں ملک کے اشیائے خوردنی تمام آبادی کے لئے کافی نہ ہوئے ہوں پھر اگر کسی ایک صوبے میں قحط سالی کی وجہ سے وہاں کے لوگ آس پاس کے صوبوں سے جہاں فصل خوب ہوئی ہو اپنے مایحتاج نہ خرید سکیں تو انتظامات میں کہیں نہ کہیں غلطی ضرور ہے۔

ان تمام سطحی تشریحات کی تہ تک پہنچکر ہمیں ہندوستان کے افلاس اور قحط کے حقیقی اسباب تلاش کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کے اور ممالک کے لئے جو معاشی قوانین ہیں وہی ہندوستان کے لئے بھی ہیں اور دوسرے اقوام کی دولتمندی یا افلاس کے جو وجوہ ہیں وہی ہندوستان کے مرفہ الحالی یا ناداری کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے دوسرے اقوام کی دولت یا افلاس کی تحقیقات کے لئے ایک ماہر فن معاشیات جن طریقوں کو اختیار کر سکتا ہے انھیں کو ہندوستان کے متعلق بھی اختیار

کرتا ہے مثلاً ان امور کی تحقیقات ضروری ہے کہ کیا زراعت خوب پھلتی پھولتی ہے؟ کیا صنعت و حرفت فروغ پر ہے؟ کیا مالی انتظام ایسا اچھا ہے کہ محصول ادا کرنے پر لوگوں کو اس کا ایک معقول معاوضہ کسی نہ کسی شکل میں ملجاتا ہے؟ کیا حکومت قومی آمدنی کے ذرائع کو لوگوں کو مادی رفاہ کی خاطر وسیع کر رہی ہے؟ یہی سوالات ہیں جن کو ایک متوسط الخیال انگریز دنیا کے کسی ملک کی معاشی حالت دریافت کرنے کے لئے پیش نظر رکھتا ہے اور یہی سوالات ہندوستان کی حقیقت حال دریافت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

یہ ایک امر واقع ہے جس کو ہندوستان کا کوئی واقف حال اور واقف کار عہدہ دار نظر انداز نہیں کرسکتا کہ انگریزوں کی حکومت میں قومی دولت کے چشمے کئی وجہ سے خشک ہو رہے ہیں اٹھارھویں صدی عیسوی میں ہندوستان نہ صرف زراعت بلکہ صناعی کا ایک بہت بڑا مرکز تھا اور ہندوستانی کارگہ کی پیداوار ایشیا اور یورپ کی سب منڈیوں میں بکتی تھی یہ سچ ہے کہ بدنصیبی سے ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی پارلیمنٹ دونوں نے اپنے عہد حکومت کی ابتدا میں ایک صدی کی پرانی تاجرانہ حکمت عملی کی تتبع میں جو محض خودغرضی پر مبنی تھی انگلستان کے نوخاستہ صنائع کو فروغ دینے کی خاطر ہندوستانی صنعت کی مزاحمت کی اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے قرون آخرین اور انیسویں صدی عیسوی کے قرون اولیٰ میں اس نے ہندوستان کو برطانیۂ عظمیٰ کی حرفت کا دست نگر بنائے رکھنے اور ہندوستان کی رعایا کو صرف برطانیۂ عظمیٰ کی کارگاہ اور وہاں کے صنعتی کارخانوں کے لئے خام پیداوار فراہم کرنے کا ایک ذریعہ بنا لینے کی ٹھان لی تھی چنانچہ اس حکمت عملی کی پابندی میں ان کا ارادہ کبھی متزلزل نہیں ہوا بلکہ انھیں ایسی کامیابی نصیب ہوئی جو ہندوستان کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ ہندوستانی کاریگروں کو کمپنی کے کوٹھیوں میں بجبر کام پر لگانے کے احکام صادر کئے گئے۔ ہندوستانی جولاہوں کی برادری اور قصبوں پر تجارتی رزیڈنٹ کو قانوناً وسیع اختیارات عطا کئے گئے۔ امتناعی محصول کی وجہ سے انگلستان میں ہندوستان کے ساختہ ریشمی اور سوتی پارچوں کی درآمد بند ہوگئی۔ مگر انگلستان کا تجارتی مال بلا محصول یا برائے نام محصول ادا کرنے پر ہندوستان

آنے لگا۔

مورخ ایچ ایچ۔ ولسن کے الفاظ میں برطانوی صناعوں نے سیاسی ناانصافی کے بل بوتے پر ایک ایسے حریف کو سرنگوں کرنے اور آخر کار اس کا گلا گھونٹ دینے میں پس و پیش نہیں کیا جس سے مساوی شرائط پر وہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے"
ہندوستان کے لاکھوں دستکاروں کی روزی چلی گئی اور دولت کمانے کا ایک بڑا ذریعہ ہندوستان کے لوگوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کا ایک المناک قصہ ہے اور اس کا بیان کر دینا اس لئے ناگزیر ہے کہ اس سے ہندوستان کے لوگوں کی موجودہ معاشی حالت اور عصر حاضر میں محض زراعت پر ان کی معیشت کا انحصار ہونے کی تشریح ہوتی ہے یورپ میں بھاپ سے چلنے والے کارخانوں کی ایجاد نے تو ہندوستان کی صنعت و حرفت کو قعر انحطاط میں پہنچا دیا اور آج سے چند سال قبل جب ہندوستان میں بھاپ سے چلنے والے کارخانے قایم ہوئے تو انگلستان نے پھر ہندوستان کے ساتھ غیر منصفانہ رشک وحسد سے کام لیا ہندوستان کے سوتی کپڑوں پر انگریزوں نے ایک نیا محصول لگا دیا جس سے ہندوستانی صناع چین اور جاپان کے صناعوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے اس طرح ہندوستان کی جدید بھاپ سے چلنے والی گرنیوں کا گویا گلا گھونٹ دیا گیا۔

اب ہندوستان میں دولت پیدا کرنے کا رہا سہا ذریعہ ایک زراعت ہی ہے اور چار خمس آبادی کا انحصار زیست محض زراعت پر ہے لیکن انگریزوں کی حکومت میں محصول اراضی نہ صرف حد سے زیادہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خرابی کی یہ بات ہے کہ متعدد صوبوں میں یہ محصول غیر معین ہونے کی وجہ سے کم و بیش متغیر رہتا ہے۔ انگلستان میں ۱۷۹۸ء سے قبل ایک صدی تک محصول اراضی ایک پونڈ مالیت کی زمین پر ایک شلنگ اور چار شلنگ کے درمیان تھا یعنے لگان کے ۵ اور ۲۰ فیصدی کے بین بین ۱۷۹۸ء میں ولیم پٹ نے اس محصول کو دوامی کر دیا اور اس کی بھی اجازت دیدی کہ دوامی میعاد کے حساب سے نقد رقم یکمشت دینے پر پھر محصول ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ برخلاف اس کے ۱۷۹۳ء اور ۱۸۲۲ء کے مابین بنگالے میں محصول اراضی لگان کا ۹۰ فیصدی

اور شمالی ہند میں لگان کا ۸۰ فیصدی مقرر کیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ انگریزوں کی حکومت نے اس میں سابق مسلمان بادشاہوں کی تقلید کی تھی۔ کیونکہ مسلمان بادشاہ بھی کثیر محصول اراضی کا مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن فرق یہ تھا کہ مسلمان بادشاہ اپنا مطالبہ کبھی پورا وصول نہیں کر سکتے تھے اور انگریز حکمران جو کچھ مطالبات کرتے تھے نہایت تشدد کے ساتھ وصول کر لیتے تھے مثلاً بنگالے کے آخری فرمانروا نے اپنی حکومت کے آخری سال میں (سنہ ۱۷۶۴ء) ۸۱۷۵۵۳ پونڈ محصول اراضی وصول کیا تھا لیکن انگریز حکمرانوں نے اسی صوبے میں تین سال کے اندر اندر ۲۶۸۰۰۰۰ پونڈ محصول اراضی وصول کر لیا۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں نواب اودھ نے الہ آباد کے علاوہ شمالی ہند کے چند زرخیز اقطاع انگریزوں کے تفویض کر دیئے تھے نواب کے عہد حکومت میں مفوضہ ممالک کا محصول اراضی ۱۳۵۲۲۴۷ پونڈ تھا مگر تفویض سے تین سال کے اندر اندر انگریزی حکومت نے ۱۶۸۲۳۰۲ پونڈ محصول اراضی کا مطالبہ کیا اس سے زیادہ تعجب اس پر ہوتا ہے کہ مدراس میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلی دفعہ جو محصول اراضی لگایا وہ زمین کی تمام پیداوار کا نصف تھا۔ صوبۂ بمبئی میں مرہٹوں سے جو مقبوضات سنہ ۱۸۱۷ء میں حاصل کئے تھے ان کا محصول اراضی اس فتح کے سال ۸۰۰۰۰۰ پونڈ ہوا تھا مگر انگریزی حکومت کے چند سال کے اندر اندر اس محصول کو بڑھا کر ۱۵۰۰۰۰۰ پونڈ کر دیا گیا اور اس کے بعد سے اس محصول میں مسلسل اضافے ہوتے رہے۔ بشپ ہیبر نے تمام ہندوستان کی سیاحت اور انگریزی عملداری اور دیسی ریاستوں کو دیکھنے کے بعد سنہ ۱۸۲۶ء میں لکھا ہے کہ "وہ کوئی دیسی رئیس ہمارے مطالبے کے برابر لگان کا مطالبہ نہیں کرتا"۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں کرنل برگز نے لکھا ہے کہ "ایشیا اور یورپ کی کسی حکومت کے تحت ہندوستان کے موجودہ محصول اراضی کے مماثل محصول کہیں نہیں جس میں صریحاً مالک اراضی کا پورا پورا لگان جذب ہو جاتا ہو"

رفتہ رفتہ انگریزوں کی ابتدائی حکومت کے سنگین محصول اراضی سے بنگالہ اور شمالی ہند کے باشندوں کو کسی قدر نجات ملی چنانچہ بنگالے میں یہ محصول دوامی کر دیا گیا اور چونکہ توسیع کاشت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ نہیں کیا گیا اس لیئے لگان کے ساتھ اس محصول کا تناسب (بشمول مقامی محصول تعمیرات وشاہراہ

جو اس کے بعد سے لگان پر عائد کیا گیا) تقریباً ۳۵ فیصد ہوتا ہے۔ مگر شمالی ہند میں محصول دوامی نہیں کیا گیا البتہ ۱۸۵۵ء میں دیگر مقامی محصولات کے ساتھ اسمیں تخفیف عمل میں آئی جس سے یہ محصول ۵۰ فیصدی سے کسی قدر زیادہ رہ گیا۔ مگر اور نئے مقامی محصولات اس میں شامل کیے گئے اور موجودہ لگان کی بجائے آیندہ کے متوقعہ لگان پر حساب لگایا گیا حتیٰ کہ یہ محصول بڑھتے بڑھتے لگان پر (۶۰) فیصدی ہو گیا۔

مدراس اور بمبئی کے حالات بدتر ہیں۔ ان صوبوں کے اکثر اقطاع میں کسی مالک اراضی کے رعایا اور سرکار کے درمیان نہ رہنے کی وجہ سے عام طور پر کاشتکار ہی سرکار کو براہ راست محصول اراضی ادا کرتے ہیں۔ ۱۸۶۴ء میں انگریزی حکومت نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ معاشی لگان کا نصف بطور محصول اراضی وصول کیا جائے لیکن فی الوقت جو محصول انگریزی حکومت وصول کرتی ہے وہ بعض وقت کاشتکاروں کے لیے ان کی محنت کی اجرت اور ان کے زرعی سرمائے کے منافع کے لگ بھگ کچھ چھوڑ کر اراضی کے مجموعی معاشی لگان کے برابر ہوتا ہے تیس سال میں ایک مرتبہ محصول اراضی پر نظر ثانی کیجاتی ہے اور جن وجوہ پر اس محصول میں اضافہ کیا جاتا ہے ان کا علم کاشتکاروں کو مطلق نہیں ہوتا۔ کاشتکار مجبور ہیں کہ یا تو ہر جدید اضافے کو قبول کر لیں یا اپنے آبائی کھیتوں سے دست بردار ہو کر خود خاک میں مل جائیں لوگوں کو اگر محصول اراضی میں کسی اضافے کا احتمال ہو تو زراعت پر اس کا اثر نہایت مضر پڑتا ہے ان کو کچھ پس انداز کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور کسان بھی مفلس و مقروض بنے رہتے ہیں۔

مذکور الصدر واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں محصول اراضی نہ صرف سنگین وغیر معین ہے بلکہ جس اصول پر وہ وصول کیا جاتا ہے خود وہ اصول دنیا کے ان تمام ممالک کے اصول اجرائے محصولات سے جن کا انتظام مملکت نہایت اچھا ہے۔ بالکل مختلف ہے کیونکہ ان ممالک میں مملکت خود اجتماع دولت کی مدد و معاون ہوتی ہے اور رعایا کی جیبیں بھرنے میں کچھ دریغ نہیں کرتی رعایا کو دولتمند و خوش حال دیکھ کر مملکت خود خوش ہوتی ہے اور اپنے مصارف

کے لئے رعایا کی کمائی سے صرف ایک قلیل حصے کا مطالبہ کرتی ہے برخلاف اسکے ہندوستان میں دراصل مملکت ہی زمین سے پیدا ہونے والی دولت کے اجتماع میں مخل ہے۔ کسانوں کی آمدنی اور منافع کی سد راہ ہے اور عموماً ہر بندوبست پر مطالبہ مالگزاری میں اضافہ کرتی ہے۔ انھیں وجوہ سے کاشتکار ہمیشہ مفلس و نادار رہتے ہیں۔ انگلستان ہو کہ جرمنی۔ ممالک متحدہ امریکہ ہوں کہ فرانس یا دوسرے ممالک کو لیجئے ہر جگہ خود مملکت لوگوں کی آمدنی میں فراخی ان کی منڈیوں میں وسعت اور ملک کے لئے دولت کے نئے ذرائع پیدا کرتی ہے۔ قوم کے ساتھ یکجان و دو قالب کا مصداق ہوتی ہے چنانچہ قوم کی ترقیٔ دولت کے ساتھ ساتھ مملکت کی بھی ترقیٔ دولت ہوتی ہے مگر ہندوستان میں مملکت نے رعایا کے لئے کہیں جدید صنعتوں کا نشوونما نہیں کیا اور نہ کسی قدیم صنعت کو دوبارہ زندہ کیا۔ برخلاف اس کے ہر متوالی بندوبست پر زمین کی پیداوار میں مملکت جو کچھ اپنا حصہ سمجھتی ہے اس کے حصول میں ہر دفعہ مداخلت کرتی ہے مدراس اور بمبئی میں ہر جدید بندوبست کو رعایا اپنے اور مملکت کے درمیان اس طرح کی حجت اور تکرار کا ایک موقع سمجھتی ہے کہ کتنا رعایا کے لئے بچے گا اور کتنا مملکت ہضم کر جائے گی۔ ان چپقلش کے تصفیے کے لئے کوئی صاف و صریح قانونی حد اختیار بھی مقرر نہیں ہے بلکہ عہدہ داران مالگزاری کی رائے اور ان کا فیصلہ اس بارے میں حکم قطعی ہے اور اس کا استغاثہ نہ تو ججوں کے اجلاس پر کیا جاسکتا ہے اور نہ عدالت ہائے اراضی میں اس کی سماعت ہوسکتی ہے۔ اس طرح مالگزاری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور رعایا جیسی تھی ویسی ہی مفلس و محتاج رہتی ہے۔

کسی ہندوستانی شاعر کا مقولہ ہے کہ بادشاہ کا محصول وصول کرنا ایسا ہی ہے جیسا سورج کا زمین کی رطوبت جذب کرلینا جو پھر بارش کی شکل میں زمین پر برکتیں نازل کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان کی زمین سے جو بخارات اوپر اٹھتے ہیں وہ بارش کی شکل میں ہندوستان پر نہیں بلکہ دوسرے ممالک پر برکت نازل کرتے ہیں۔ ہر قوم اس بات کی توقع رکھنے میں حق بجانب ہے کہ جو محصول اس کے اپنے ملک میں وصول ہوں ان کا بیشتر حصہ اسی ملک پر

صرف ہونا چاہیئے ۔ زمانہ سابق میں بری سے بری حکومت میں بھی یہی ہوتا تھا ۔ افغانی النسل سلاطین اور مغلیہ بادشاہوں نے اپنے اپنے عساکر و افواج پر بڑی بڑی رقمیں صرف کیں جس سے نہ صرف اعلیٰ رئیس گھرانوں کی دستگیری ہوتی تھی بلکہ لکھوکھا سپاہیوں اور ان کے خاندانوں کی پرورش بھی ہوتی تھی ۔ کیا شاندار محلات اور یادگاروں کی تعمیر میں کیا ان کی عیش و عشرت اور شان و شوکت کے سامان کی تیاری میں ہندوستان کے صناعوں اور کاریگروں کے روزی نکل آتی تھی اور عمدہ سے عمدہ کام کرنے کی ان کو ترغیب ہوتی تھی ۔ امرا سپہ سالار صوبہ دار ۔ دیوان اور قاضی حتیٰ کہ ہر صوبہ اور ہر ضلع میں تحت کے متعدد عہدہ دار سب اپنے بادشاہ کی تقلید کرتے تھے ۔ مساجد اور مینادر شاہراہیں اور نہریں تالاب اور پانی کے خزانے ان کی عام فیاضی یا کبھی کبھی ان کے گھمنڈ پر بھی زبان حال سے شاہد ہیں ۔ بادشاہ دانشمند ہوں یا نادان ہر حالت میں محصول کی آمدنی کسی نہ کسی شکل میں رعایا کو واپس مل جاتی تھی جس سے ان کی حرفت و تجارت بارور ہوتی تھی لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمرانی میں ہندوستان کی حالت بالکل بدل گئی ۔ انگریزوں کی نظروں میں ہندوستان اس غرض سے منافع پیدا کرنے کے لئے کہ یورپ میں وہ سب منافع جمع کیا جائے ایک اچھی خاصی جاگیر یا نخلستان سے بڑھ کر نہ تھا کمپنی نے ہندوستان کی اعلیٰ خدمتیں چیدہ چیدہ یورپی اشخاص کے لئے مخصوص کردی تھیں جن کو مشرق میں اسباب معیشت کی تلاش تھی ۔ اس کے علاوہ کمپنی ہندوستان کے محاصل سے تجارتی مال خرید لیتی تھی اور محض اپنے نفع کی خاطر اس مال کو یورپ میں فروخت کردیتی تھی اس طرح اپنے تجارتی سرمائے پر ہندوستان سے بیش مقدار سود جبرا وصول کرلیتی تھی ۔ جس قدر آمدنی بے انداز محصولوں سے مہیا ہوتی تھی وہ ایک فاقہ کش نظم و نسق کا برائے نام حلق تر کرنے کے بعد تمام و کمال کسی نہ کسی شکل میں یو۔پ کی طرف بہادی جاتی تھی ۔

اگرچہ ۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت موقوف اور ۱۸۵۸ء میں خود کمپنی ہی برخاست ہوگئی لیکن کمپنی کی حکمت عملی اب بھی باقی ہے کمپنی کے اصل کو بے باق کردینے کے لئے زر قرض طلب کیا گیا جس کو بعد میں "قرضہ سرکار ہند"

کی شکل میں تبدیل کیا گیا اور ہندوستان کے محصولوں سے ہی اس قرضہ کا سود ادا ہوتا ہے بالفاظ دیگر شاہنشاہی کمپنی سے تاج برطانیہ پر منتقل ہوئی لیکن اہل ہند نے اس کا زر انتقال ادا کیا۔ ہندوستان کا "سرکاری قرضہ" جو ۱۸۵۷ء میں ۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵ پونڈ تھا ۱۸۶۲ء میں ۔۔۔۔۔۔ ۹۷ پونڈ تک پہنچ گیا اور مابعد کے چہل سالہ امن کے باوجود اس قرضے میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ اب یعنی سنہ ۱۹۰۱ء میں اسکی مقدار ۔۔۔۔۔۔ ۲ پونڈ ہوگئی ہے۔ ہندوستان کے معارف لاحقہ کی تکمیل کے لیے ہندوستان کے محاصل سے سالانہ جو رقم "مطالبات وطن" کی شکل میں برطانیہ عظمیٰ کو ارسال ہوتی تھی وہ بڑھتے بڑھتے اب ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں ہندوستان کے یورپی عہدہ داروں کی صرف تنخواہوں کی رقم جن کے لیئے تمام اعلیٰ خدمتیں مخصوص تھیں ایک کروڑ پونڈ ہوتی ہے۔ ہندوستان کی خالص آمدنی اب چار کروڑ چالیس لاکھ پونڈ انگلیشیہ ہے جس کا آدھا حصہ ہر سال ہندوستان سے بیرون ملک چلا جاتا ہے۔ سچ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین سے جو بخارات اُٹھتے ہیں وہ دوسرے ہی ممالک کے لیئے ابر رحمت ثابت ہوتے ہیں۔

ایک ایسے شخص کے لئے جس نے اپنی زندگی کا بہترین اور خوشگوار ترین حصہ ہندوستان کے نظم ونسق میں رہ کر گزارا ہو نظم ونسق کے اس کمزور جزو کا ذکر کرنا یعنی حکومت ہند کی مالی اور معاشی حکمت عملی کا بیان کرنا ناگوار اور افسوسناک امر ہوگا۔ مگر محض اس لیئے میں نے اس فریضے کی انجام دہی اپنے ذمہ لی ہے کہ اس زمانے میں برٹش انڈیا کا معاشی قصہ بھی بیان کردینا نہایت ضروری ہے تاکہ ہندوستانیوں کے افلاس کے گہرے اسباب کی تشریح ہو جائے۔ کسی اور ملک کو اس حالت پر رکھئے کہ وہاں کی حرفت گویا اپاہج بن گئی ہو۔ زراعت پر سنگین اور غیر معینہ محصول اراضی عائد ہو اور مالی انتظام ایسا ہو کہ نصف محاصل ہر سال بیرون ملک ارسال ہوتے رہیں تو وہ ملک خواہ روئے زمین پر سرسبز سے سرسبز اور شاداب سے شاداب کیوں نہو چند ہی روز میں قحط وخشک سالی کے گوناگوں مصائب سے مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قوم اسی وقت ترقی کرسکتی ہے جبکہ دولت کے وسیع ذرائع پیدا کئے جائیں۔ اور محصول کی آمدنی قوم پر قوم ہی کے مفاد میں صرف کی جائے۔ اور قوم اس وقت مفلس بن جاتی ہے جبکہ دولت کے ذرائع تنگ ہو جائیں اور

محصول کی آمدنی زیادہ تر بیرون ملک ارسال ہوتی رہی ہے یہ بالکل صاف وصریح اور بدیہی قوانین معاشیات ہیں جو ہندوستان پر بھی اسی طرح موثر ہیں جس طرح کسی اور ملک پر اس لئے ہندوستان کے مدبرین و منتظمین مملکت کو اچھی طرح محسوس کر لینا چاہئے کہ اس وقت تک ہندوستان کا افلاس دور نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہندوستان کی حرفت کو دوبارہ زندہ نہ کیا جائے محصول اراضی پر ایک معقول حد معین کی جائے اور ہندوستان کے محاصل زیادہ تر ہندوستان پر ہی صرف نہ کئے جائیں۔

ہندوستان کے مدبرین و منتظمین مملکت کو خاص قسم کی دشواریوں کا سامنا رہتا ہے یکے بعد دیگرے تین گورنر جنرل یعنی لارڈ ویلزلی، لارڈ منٹو اور لارڈ ہیسٹنگز نے ہندوستان میں محصول اراضی پر ایک دوامی حد مقرر کر دینے کی خواہش کی تھی لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس خواہش کو پورا ہونے نہ دیا اور اپنے مطالبات پر کسی طرح کی حد قائم کرنے پر کمپنی راضی نہ ہوئی۔ جب ہندوستان تاج برطانیہ کے زیر نگرانی آیا تو تین وائسرایوں نے یعنی لارڈ کیننگ لارڈ لارنس اور لارڈ رپن نے محصول اراضی کے مطالبے کی ایک حد مقرر کر دینے کے مسئلے پر پھر زور دیا لیکن وزیر ہند نے ان کی یہ تجویز نامنظور کی۔ موجودہ عہد میں تین مرتبہ برطانوی صناعوں کے گویا حکم پر اور ہندوستان کے اغراض کے خلاف بلکہ بعض دفعہ تو وائسرائے کی کونسل کے غلبۂ آرا کے بھی خلاف ہندوستان کے نرخنامۂ محصول میں تغیر و تبدل کیا گیا۔ اور اسی عہد میں تین مرتبہ ان ہندوستانی مزدوروں کے تحفظ حقوق کی معقول کوششیں کی گئیں جن کو آسام کے چائے کے مرغزاروں کے لئے بھرتی کیا جاتا تھا کیونکہ ان مزدوروں کی حالت یہ تھی کہ عورت ہو کہ مرد ایک دفعہ اقرار نامے پر دستخط کر دینے کے بعد خواہ وہ غلط فہمی یا دغا بازی ہی سے کیوں نہ ہو ہمیشہ کے لئے طوق غلامی ان کی گردن میں پڑ جاتا تھا۔ اور جن تعزیری قوانین کی رو سے یہ مزدور چائے کے مرغزاروں میں گویا پابزنجیر ہو گئے تھے وہی قوانین ابھی تک نافذ العمل ہیں چنانچہ حال ہی میں جب چیف کمشنر آسام آنریبل مسٹر کاٹن نے ان مزدوروں کو معقول تنخواہیں دینے کی تحریک کی تو وائسرائے کی کونسل نے اس کی کانٹ چھانٹ کر ڈالی اور محض اس لئے کہ چائے کے کاروبار میں برطانوی حصہ دار اس تجویز پر معترض

تھے لارڈ کرزن نے اس کا نفاذ دو سال تک موتوف کردیا۔ ایسے موقع پر ہندوستان کے منتظمین مملکت بالکل بے دست و پا ہیں کیونکہ ہر ایسے چارہ کار کو جس سے ہندوستان کے محصول پر واجبی قیود عائد ہوتے ہیں انگلستان کے حکام ملکی منظور ہی نہیں کرتے اور جب کبھی کسی بات میں انگلستان کے اہل دار یا صناعوں کے اغراض کے متاثر ہونے کا شائبہ بھی ہوتا ہے جن کو پارلیمنٹ ووٹ حاصل ہے تو ایسی تاینی تدابیر جو ہندوستانیوں کے فلاح و بہبود کیلئے خواہ کتنی ضروری ہی کیوں نہ ہوں ان مفروضہ اغراض پر قربان کردیئے جاتے ہیں۔

یوں تو ہندوستان کے منتظمین مملکت بھی ہندوستانیوں کی کوئی پُرزور حمایت نہیں کرتے کیونکہ حکومت ہند سے مطلب ہے درحقیقت وائسرائے اور وائسرائے کی عاملانہ کونسل کے ارکان یعنے سپہ سالار ہند رکن فوج۔ رکن تعمیرات عامہ۔ رکن مالیہ۔ اور رکن قانونی۔ اور اس کونسل میں رعایا کی طرف سے کوئی نمایندہ شریک نہیں ہے۔ نہ مزارعین کا نہ مالکان اراضی کا نہ تاجروں کا اور نہ صناعوں کا۔ نہ آج تک کوئی ہندوستانی اس کونسل کا رکن ہوا۔ اور نہ اب ہے۔ اس کونسل کے سب ارکان اُن محکموں کے افسر اعلیٰ ہیں جن کے ذمے سرکاری محاصل کی وصول یابی نہیں ہے بلکہ صرف خرچ ہی خرچ ہے جیسا کہ سر آکلینڈ کالون اور سر ڈیوڈ باربر نے ہندوستان کے خرچ کی تحقیقات کے لئے جو شاہی کمیشن منعقد ہوا تھا اس کے سامنے بیان کیا کونسل کے ارکان اعلیٰ انگریز عہدہ دار ہوتے ہیں جن کو بیشک رفاہ عام سے دلچسپی ہوتی ہے لیکن وہ بھی اپنے فرائض منصبی سے مجبور ہیں کہ اپنے اپنے سررشتوں کی ضرورتوں کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم طلب کریں۔ اور حکومت پر رعایا کے اغراض و مقاصد کا اظہار کرنے کے لئے کونسل میں کوئی ہندوستانی رکن ہے ہی نہیں۔ ازدیاد مصارف کی تائید پر تمام زور و اقتدار کمربستہ موجود ہے لیکن تخفیف مصارف کا حامی ایک بھی نہیں۔ سر ڈیوڈ باربر کہتا ہے کہ "آج کل یہی معمول بندھا ہوا ہے کہ روز افزوں خرچ عائد کرنے کی خاطر محکمۂ مالیہ پر دباؤ ڈالا جائے۔ سررشتہ جات کے طریق کار کو عملاً دباؤ ہی کہا جاسکتا ہے کیونکہ

سررشتہ جات ہر وقت اور زیادہ روپے خرچ کرنے پر زور دیتے اور مستقل مسلسل مطالبات کرتے رہتے ہیں۔ مگر تخفیف مصارف یا محصول کو اعتدال پر لانے کے لئے رعایا سے کے زرعی حقوق کے تحفظ اور انکی حرفت وصنعت کو فروغ پر پہنچانے کے لئے کوئی اُدھر سے دباؤ ڈالنے والا نہیں ہے۔ اس طرح حکومت ہند کا دستور خود ایسا ہے کہ اس سے روز بروز پردیسیوں کی حکمرانی کمزور اور رعایا سے دور ہوتی جا رہی ہے اور ہر اہم مسئلے پر دراصل یکطرفہ فیصلہ ہوتا ہے۔ ماناکہ ارکان کونسل لائق دانشمند تجربہ کار اور راست باز ہوتے ہیں۔ مگر عقلمند سے عقلمند جج بھی صحیح طور پر فیصلے نہیں کرسکتا اگر وہ صرف ایک ہی فریق کی شہادت پر فیصلے صادر کردے اسی طرح حکومت ہند اپنے فریضے کی بجا آوری کی سچی خواہش رکھنے کے باوجود رعایا کی مادی فلاح وبہبود کے ذرائع اس لئے پیدا نہیں کرسکتی کہ وہ رعایا سے بالکل علٰحدہ ہے اور اپنی رعایا کو اپنا شریک کار بنانا قبول نہیں کرتی۔ اس حکومت کا دستور ہی کچھ ایسا ہے کہ اس سے رعایا کے مقاصد و اغراض کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

جان اسٹوارٹ مل کا مقولہ ہے کہ "قوم کا اپنے آپ پر حکومت کرنا ایک معنی اور ایک اصلیت رکھتا ہے لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر حکومت کرتی ہے تو اس کی نہ کوئی اصلیت ہے اور نہ یہ واقعہ ہو سکتا ہے البتہ ایک قوم محض اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے دوسری قوم پر قابض رہ سکتی ہے یعنی اپنے پیسے پیدا کرنے کے لئے ایک ایسے مرغزار کی طرح جہاں انسانی جانوروں کو دوسروں کے جلب منفعت کے لئے رکھا جاتا ہے۔"

ایک سرسری نظر میں جو صداقت مذکورالصدر پُر زور بیان سے ظاہر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اس میں مضمر ہے۔ تاریخ عالم میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملیگی جہاں ایک قوم دوسری قوم پر محض محکوم کے مفاد کی خاطر حکمران رہی ہو۔ آج تک نوع انسان نے کوئی ایسا طریقہ اختراع نہیں کیا جس سے محکوم قوم کو اپنے معاملات کے انتظام میں کچھ حصہ دیئے بغیر قومی حقوق کا پورا پورا تحفظ ہوسکے مزید برآں اس طرح کی بلا شرکت مخصوص اور مطلق حکمرانی سے خود حکمران قوم کو کچھ

فائدہ نہیں ہوتا چنانچہ ہندوستان کے ساتھ انگلستان کی دلچسپی کی سب سے بڑی وجہ
تجارت ہے مگر گزشتہ دہ سالہ مدت میں یہ تجارت کسی اضافے کے بغیر بالکل ایک
ہی حال پر قائم ہے اور ہندوستان کو اوسط سالانہ درآمد مال کی قیمت جس کا
بیشتر حصہ برطانوی اشیائے تجارت پر مشتمل ہے گزشتہ دس بارہ سال کے اثناء
میں پانچ کروڑ پونڈ انگلینڈ سے بھی کم تھی اور اسی حال پر رہی ۔ اس حساب سے
ہندوستان میں فی کس تین شلنگ اس درآمد پر صرف ہوتا ہے مگر اس صرفے
میں ابھی دو تین شلنگ کا اضافہ اس صورت میں ممکن ہے کہ ہندوستان خوش حال
رہے ورنہ افلاس اور قحط کے ہوتے ہوئے خود موجودہ مصارف میں کمی کا
امکان ہے ۔ دراصل اس طرح کی تجارت برطانیۂ عظمیٰ اور ہندوستان دونوں
کے لئے باہمی تقویت اور دولت پیدا کرنے کا ایک جائز ذریعہ ہے مگر ہندوستان
میں افلاس کی موجودگی میں یہ تجارت بارور نہیں ہو سکتی ۔ ہندوستان کے زر محاصل
کا بیرون ملک بھیجدیا جانا اور بقول لارڈ سالسبری "جس کا کوئی معاوضہ ہندوستان
کو براہ راست نہ ملتا ہو" ایک طرف تو ہندوستان کا افلاس بڑھاتا ہے اور
دوسری طرف اس سے نہ تو انگلستان ہی کو تقویت ہوتی ہے اور نہ انگلستان
کے ادارت کی آزادی ہی میں کچھ اضافہ ہوتا ہے ۔ اس طرح کسی قوم کو
دولت کے "بلا معاوضہ" حاصل ہونے سے صنعت محنت یا ترقی کے لئے
قوم میں نئے قوی نہیں پیدا ہو جاتے ۔ یہ بات جیسی ایک قوم پر صادق آتی
ہے اسی طرح قوم کے ہر فرد پر صادق آتی ہے اگر محنت کی روٹی ہو تو وہ
جزو بدن ہو کر رگ رگ کی پرورش کرتی ہے اور ہمارے اعصاب کو تقویت
دیتی ہے مگر عرق ریزی کئے بغیر جو غذا ہم کھاتے ہیں وہ ہمارے حق میں سم قاتل
بن جاتی ہے ۔ تاریخ اقوام گزشتہ اور سوانح ایام گزشتہ کا قلمبند ہونا محض
بے سود ہوگا اگر ان سے ہمیں یہ سبق حاصل نہ ہو کہ سابق زمانے میں محکوم
شاہنشاہیوں سے کثیر خراج وصول کرنا ہی اقوام گزشتہ میں عیش پسندی کا مادہ پیدا
کرنے کا باعث ہوا اور اس سے جسطرح ان اقوام پر زوال آگیا اسی طرح موجودہ زمانے میں بھی ممکن ہے
انگلستان نے شاہنشہی ہند کو فتح اس زمانے میں کیا ہے جس وقت برطانوی نوآبادیاتوں میں موجودہ آئینیت

پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے گو آج کل یہ کہنا کفر و الحاد سے
کم نہ سمجھا جائے گا کہ اُس وقت بھی ہندوستان میں انگریزوں کی شاہنشاہی باقی رہے گی
جبکہ برطانوی نوآبادیات سرکار برطانیہ کے حلقہ وفاداری سے باہر ہو جائینگی۔
نوآبادیات کی مثال ایک پھل کی سی ہے جو پکتا بھی ہے تو اسی درخت سے ٹپکنے
کے لئے جس پر اس کا نشوونما ہوا۔ وہ پیشین گو بڑا ہی دلیر ہو گا۔ جو یہ دعوے
کرے کہ اسٹریلیشیا اور کینیڈا اپنی آبادی طاقت اور ذرائع دولت میں کچھ اضافہ
ہونے کے بعد بھی زیادہ نہ سہی بیسویں صدی عیسوی کے وسط تک ہی برطانیۂ عظمیٰ کے
زیر نگین رہیں گے۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں عامتہ الخلائق حقیقتاً برطانیۂ عظمیٰ
کے ساتھ زیادہ مدت تک روابط قائم رکھنا ہی پسند کرتے ہیں۔ اور یہ محض عقیدت
اور وفاداری کے خیال سے نہیں بلکہ جیسا کہ لارڈ ڈفرن نے کسی وقت کہا تھا انکے
ذاتی اغراض پر مبنی ہے۔ ان کا عقیدہ اب بھی یہی ہے کہ مغرب سے ان کو بہت
کچھ سیکھنا باقی ہے اور کسی مغربی طاقت کی زیر حکمرانی رہنے سے ہی مغرب سے
ان کے گہرے تعلقات قائم رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ برطانیۂ عظمیٰ کی حکمرانی ان کی
تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ یہ لوگ یکدل و یکجہت ہو گئے اور اب
ان کی دلی خواہش یہی ہے کہ یہ حکمرانی برقرار رہے۔ لیکن اس کی موجودہ مطلق العنانی
اس خاص شکل میں باقی نہ رہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ نظم و نسق کی موجودہ تشکیل
وارن ہیسٹنگز اور کارنوالس کی ممنون احسان ہے۔ اور اس میں منرو، الفنسٹن
اور بینٹنک نے بھی اصلاحیں کی ہیں لیکن ستر سال گزرنے کے بعد اس تشکیل میں
کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس ہفتاد سالہ مدت میں عام طور
پر ہندوستان میں تعلیم پھیل گئی ہے اور تعلیم یافتہ لوگوں کا اقتدار و اثر روز بروز بڑھ
رہا ہے۔ تعلیم یافتہ ہندوستانی از روئے انصاف اپنے ملک میں اعلیٰ خدمتوں پر
مامور ہونے کا حق مانگ رہے ہیں اور شاہنشاہی کی اعلیٰ ترین کونسلوں میں شرکت
کے طالب ہیں۔ اس مطالبے کو نظر انداز کرنا آسان ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہو گا
کہ نہ صرف ایک تعلیم یافتہ اور ذی اثر طبقہ برگشتہ خاطر ہو جائے گا اور ملک
میں بے اطمینانی اور بے چینی بڑھے گی بلکہ بلا شرکت غیرے برطانوی حکمرانی

جاری رکھنے سے خود شاہنشاہی کمزور ہو جائے گی درحقیقت دانشمندی اسمیں ہے کہ ذی اقتدار اشخاص کو حکومت کا حامی وہواخواہ بنالیا جائے تعلیم یافتہ اور ذی اثر ہندوستانیوں کو حکومت میں شریک کیا جائے۔ زراعت وحرفت کے علاوہ وہ خود اپنے ذاتی اغراض کے نمائندے اور اپنے ہم وطنوں کی مادی حالت کی اصلاح اور انسداد قحط کے ذمہ دار بنائے جائیں۔ جان اسٹوارٹ مل کی تصنیف سے ایک اور اقتباس پیش کیا جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ "انسانی معاملات میں یہ فطری شرط مضمر ہے کہ دوسروں کے تحفظ کا ارادہ (خواہ کتنا ہی مخلصانہ کیوں نہ ہو) دل میں رکھ کر خود اپنے ہاتھ پیر باندھ لینا نہ تو مفید ہے اور نہ سلامت روی کی بات ہے۔ لوگوں کی زندگی میں حقیقی اور پائدار اصلاح حالات جو کچھ بھی ہو سکتی ہے وہ خود لوگوں کے ہی ہاتھوں ہو سکتی ہے۔"

ہندوستان کے لوگ ناگہانی تغیرات اور انقلابات کے دلدادہ نہیں اور نہ اس جدید دستور کے خواہاں ہیں جو کسی مجلس وضع قانون سے اس طرح صادر ہوتا ہے جس طرح دیوی منروا سب ہتیار باندھے ہوئے دیوتا جوپیٹر کے سر میں سے برآمد ہوتی ہو۔ ایسے دستور پر تو لوگ موجودہ طریقہ کار ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان کی خواہش یہ ہے کہ حکومت کو اور مستحکم بنائیں اور رعایا کے حالات سے اس کو زیادہ واقف کریں۔ ان کی یہ بھی تمنا ہے کہ وزیر ہند کی کونسل میں اور والسرائے کی عاملانہ کونسل میں چند ہندوستانی ارکان ایسے بھی وہ دیکھیں جو ہندوستان کے اہل حرفہ اور زراعت پیشہ کے نمائندے ہوں۔ ہر صوبے کی عاملانہ کونسل میں بھی وہ ہندوستانی ارکان کی شرکت کے خواہاں ہیں اور نظم ونسق کے ہر اہم مسئلے پر بحث کے وقت رعایا کے اغراض بھی پیش کرنے کے وہ خواہشمند ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ شاہنشاہی اور شاہنشاہی کے تمام بڑے صوبوں کے انتظام مملکت میں رعایا کی امداد شامل رہے۔

ہندوستان کے ہر بڑے صوبے میں وضع قانون کی کونسل موجود ہے ان کونسلوں کے بعض ارکان کا انتخاب سنہ ۱۸۹۲ء کے قانون کے تحت کیا گیا

اور یہ ایک کامیاب تجربہ ثابت ہوا۔ اب بعض کونسلوں کے ارکان کی تعداد میں کسی قدر اضافہ کرنے سے نظم ونسق میں استحکام پیدا ہو جائے گا اور رعایا کے ساتھ حکومت کے روابط بھی بڑھیں گے۔ ہندوستان کا ہر صوبہ بیس تیس یا ان سے زیادہ اضلاع پر منقسم ہے اور ضلع انگلستان کے کونٹی کے مماثل ہے ہر ضلع میں دس لاکھ یا اس سے بھی کچھ زیادہ آبادی ہوتی ہے۔ اب وقت آچکا ہے کہ صوبے کی وضع قانون کی کونسل کے لئے ہر ضلع اپنا اپنا رکن انتخاب کرے۔ جس صوبے میں تیس اضلاع اور تین کروڑ نفوس ہوں تو قرین انصاف یہی ہے کہ وہاں سے وضع قانون کی کونسل کے لئے تیس ارکان انتخاب کر کے بھیجے جائیں۔ ہر ضلع کو اس بات کا پورا پورا احساس ہونا چاہئے کہ صوبے کے نظم ونسق میں اس کا بھی حصہ ہے۔

ہندوستان میں اصولاً اعلیٰ خدمتوں تک پہنچنے کی راہیں ہندوستانیوں کے لئے ۱۸۳۳ء اور ۱۸۵۳ء میں نیز ملکہ وکٹوریہ کے مشہور اعلان شاہی کی رو سے ۱۸۵۸ء میں بہ ظاہر کھول دی گئی تھیں مگر درحقیقت اعلیٰ خدمتیں ان نوجوان انگریزوں کے لئے مخصوص کر دی گئی تھیں جن کو مشرق میں تلاش روزگار کی دھن لگی ہوئی تھی۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستانیوں کو ان اعلیٰ عہدوں پر فائز کرنے کے لئے عملی طور پر تمام راہیں کھول دینی ضروری ہیں اور فقط ہندوستان کی ملازمت دیوانی کی حد تک ہی نہیں بلکہ تعلیمات انجینئرنگ ڈاک تار برقی کوتوالی اور طبابت کے سررشتہ جات میں بھی یہی ہونا چاہیئے جس سے اعلیٰ خدمتوں پر ترقی پانا ہندوستانیوں کے لئے ممکن بن جائے۔ ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ان سررشتہ جات میں انگریز نہ ہوں بلکہ نہایت خوشی کے ساتھ ہم انگریزوں سے امداد قبول کرینگے لیکن ہم یہ کبھی نہیں چاہتے کہ یہیں کی خاک سے بنے ہوئے بندگان خدا کو محروم کر کے تمام اعلیٰ خدمات انگریز اپنی ہی قوم کے افراد کے لئے اجارے کے طور پر مخصوص کرلیں۔

ہندوستان کے ہر ضلع میں ضلع کا افسر اعلیٰ ہی کلکٹر ہوتا ہے۔ اور مجسٹریٹ بھی اور یہ نہ صرف عاملہ کا بلکہ عدالت وکوتوالی کا بھی افسر اعلیٰ ہوتا ہے۔

لیکن یہ سب فرائض اب علیحدہ علیحدہ اشخاص کو تفویض ہونے چاہئیں۔ اگر ضلع میں مالہ اور کوتوالی کا افسر اعلیٰ علیحدہ ہو اور مجسٹریٹ ایک علیحدہ شخص ہو تو نظم و نسق موجودہ خرابیوں اور نقائص سے پاک صاف ہی نہ رہے گا بلکہ زیادہ ہر دلعزیز بھی بن جائے گا۔

ہر ضلع میں ایک مجلس ضلع ہے اور اب دیہی انجمنیں بھی قائم کیجا رہی ہیں۔ یہ انجمنیں زمانۂ حال میں ان قدیم دیہاتی شرکتوں کا جواب ہیں جن کا تفصیلی بیان اس کتاب میں آگے کئی جگہ آیا ہے شرکتیں ہندوؤں اور مسلمانوں کی حکومت میں چھوٹی چھوٹی خودمختار جمہوریہ کی حیثیت سے ہندوستان میں ہر جگہ پھیلی ہوئی تھیں لیکن انگریزوں کی حکمرانی میں کسی قدر تعجیل و ناعاقبت اندیشی کے ساتھ ان کو بالکل مسدود کر دیا گیا۔ گر موجودہ حالات میں احتیاط اور دور اندیشی کے ساتھ ان کو دوبارہ زندہ کرنا ممکن ہے۔ ان پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اور کچھ نہ کچھ مفید کام کلی طور پر ان کے سپرد کرنا بھی ضروری ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر قصبے کے دیوانی اور فوجداری تنازعات کا تصفیہ انھیں انجمنوں کے تفویض کر دینا چاہئے۔ یہ اسلئے نہیں کہ یہ انجمنیں عدالتی فیصلے صادر کریں بلکہ اس لئے کہ وہ فریقین کی رضامندی پر آپس میں مصالحت اور تصفیہ کرا دیں۔ بمقابل ہماری عدالتوں کے جو مقام وقوع سے بیسیوں میل پر منعقد ہوتی ہیں دیہی انجمنیں برسر موقع رہنے کی وجہ سے ان امور کا بہتر تصفیہ کر سکتی ہیں۔ اس طرح حاضری عدالت کی خاطر لکھو کھا گواہوں کے دور و دراز نہ جانے سے ان کے اخراجات کے علاوہ وقت عزیز بھی بچے گا۔ لکھو کھا سادہ منش گاؤں والے مقدمہ بازی کے برے اثرات اور جھوٹی شہادت دینا سیکھنے سے جو عدالتوں میں جاتے جاتے آجاتی ہے محفوظ رہیں گے۔ اس سے زیادہ یہ ہوگا کہ دیہی انجمنیں اور ان کے ارکان رعایا اور حاکم کے درمیان رشتۂ اتحاد قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہونگے جو دور حاضر میں مفقود ہے۔

یہ ہیں وہ چند تدابیر جن کو اختیار کرنا عقلمندی کی بات ہے۔ کیونکہ

اس سے رعایا اور حکومت کے درمیان روابط بھی زیادہ ہو سکیں گے اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت زیادہ کار آمد بھی ثابت ہوگی اور رعایا کی عزت بھی بڑھ جائیگی حکمراں طبقے کا رعایا سے اس طرح علیحدہ رہنا شاہنشاہی کو مستحکم نہیں بناتا بلکہ اس کی وجہ سے ایسے قوانین وضع ہوتے ہیں جن سے تعجیل پسندی ناعاقبت اندیشی اور ناموزونیت ٹپکتی ہے اور رعایا میں بے اطمینانی اور بے چینی پھیلتی ہے۔

برطانیہ عظمیٰ میں جب حکومت ایک سیاسی فرقے کے ہاتھوں سے نکل کر دوسرے سیاسی فرقے کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے تو اس کا مضر اثر ہندوستان میں حکمت عملی کے ناگہانی اور پریشان کن تغیرات کی شکل میں نظر آتا ہے بجائے تخفیف مصارف کے خرچ میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ تخفیف مصارف کا معاملہ جیسا کہ دوسرے ممالک میں ہے اسی وقت ممکن ہے جبکہ محصول ادا کرنے والے سرکاری خرچ پر نگاہ رکھنے کے بھی مجاز ہوں اس کے علاوہ ملک کا نظم و نسق رعایا کی اقتصادی حالت میں اصلاح کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ کیونکہ ایسی اصلاح محض رعایا کی امداد باہمی ہی سے ممکن ہے۔ ملک کا بہترین تعلیم یافتہ اور نہایت اعتدال پسند اور ذی اثر طبقہ اپنے ہم وطنوں کی فلاح و بہبود اور نظم و نسق کے کاروبار میں برابر کا شریک رہنے کے بجائے حکومت سے بالکل بددل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قوم افلاس میں گرفتار رہتی ہے اور شاہنشاہی میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔

گزشتہ زمانے میں منرو الفنسٹن و بنٹنگ (جن کا کارنامہ پہلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے) کے سے دانشمند ترین منتظمین مملکت نے اپنے زمانے میں جہاں تک ممکن ہوا رعایا کی فلاح و بہبود کو ترقی دینے میں رعایا کی امداد سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ آج کل بھی اسی بات کی ضرورت ہے کہ ایک ایسی حکمت عملی اختیار کرنے کے بجائے جس میں کسی کا دخل نہ ہو اور کسی پر اعتبار نہ کیا جائے۔ ایک ایسی حکمت عملی کو جاری کیا جائے اور آئندہ عمل بھی کیا جائے۔ جس سے ملک کی دولت اور رعایا و راعی میں رابطۂ اتحاد قائم ہو آج کل اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ انگریز حکام جنھیں بمقابل اپنے

پچاس سال قبل کے پیش روؤں کے ہندوستان کے حالات سے کم واقفیت ہے اپنی سرچکرا دینے والی بلندی سے نیچے آئیں رعایا کے ساتھ دوش بدوش کھڑے رہیں۔ رعایا کے ساتھ مل کر کام کریں۔ رعایا کو اپنا ہمدم و شریک کار اور نظم و نسق کے برقرار رکھنے کا ذمہ دار بنائیں۔ ہر متمدن ملک میں رعایا کا شریک کار رہونا نظم و نسق کی کامیابی کے لیئے لازمی ہے اور رعایا کی اسطرح کی امداد بمقابل روئے زمین کے کسی اور مقام کے ہندوستان کے لیئے زیادہ ضروری ہے۔

بمقابل تاریخ کے کسی اور دور کے نئی صدی کی ابتدا ہی میں ہندوستان بے چینی اور مصیبتوں میں زیادہ گھرا ہوا نظر آتا ہے چنانچہ قحط سے ملک تباہ و برباد ہے جس کا حلقۂ اثر گزشتہ زمانے کے قحطوں کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے۔ ہندوستان کے اُن اقطاع میں بھی جو اس قحط کی زد میں نہیں آئے لوگوں کی اتری ہوئی صورتوں سے پتا چلتا ہے کہ انھیں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہی نہیں ہوتا۔ ان میں سے اکثروں کو تو کافی غذا بھی میسر نہیں ہوتی اور غریبوں کو عمر بھر بھوکے رہنے کی گویا عادت سی ہوگئی ہے اور ایسی عادت کہ سدرمق کے برابر غذا پر اپنی زندگی گزار دیں۔ ان واقعات کے ہوتے جماعت واری اختلافات کی جگہ باقی نہیں رہتی۔ اور انگریز ہو کہ ہندوستانی جو شخص نظم و نسق کا تجربہ رکھتا ہے اور برطانوی شاہنشہی کا وفادار خادم ہے وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس خطرے کو جس سے شاہنشہی ہند کی بنیاد متزلزل ہونے والی ہے دور کرنے کی ہر ممکنہ تدبیر سوچے۔

رامیش ون دت

(لندن دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء)

دیباچہ طبع ثانی

مکرر طباعت کے وقت اس کتاب کے بعض مقامات میں تصحیح و ترمیم کی گئی ہے اور بعض مضامین جن پر "ہندوستان ملکہ وکٹوریہ کے عہد میں" نامی کتاب میں خامہ فرسائی کی گئی تھی۔ موجودہ اشاعت میں حذف کر دیئے گئے۔ یہ دونوں جلدیں بہ حیثیت مجموعی ہندوستان میں انگریزوں کے عہد حکومت کی تاریخ پر مشتمل ہیں یعنے ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی سے لیکر موجودہ صدی کی اور موجودہ عہد سلطنت عہد کی ابتدا تک کے حالات ان دونوں جلدوں میں درج ہیں؛

رمیش دت

(لندن اگست سنہ ۱۹۰۶ء)

پہلا باب

عروج شہنشاہی

"مجھکو یقین ہے کہ ایک میں ہی ہوں جو ملک کو بچا سکتا ہوں، میرے سوا کسی دوسرے میں یہ قوت نہیں" یہ دعویٰ اس جلیل القدر ولیم پٹ کا ہے، جو بعد کو لارڈ چیتھم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا یہ تمکنت آمیز دعویٰ تعلّی کی بنا پر نہ تھا، بلکہ اسکی بنیاد اس زبردست احساس طاقت اور اس غیر معمولی قوت مدرکہ پر تھی جو مستقبل کے عظیم الشان کارناموں کی روشنی بہت پہلے سے دیکھ لیتی ہے، اور جس کا پرتو، بعض اوقات ان لوگوں پر پڑتا ہے جن کے دل و دماغ پر زندگی کے اعلیٰ مقاصد کا القا ہوا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ولیم پٹ نے توقعات سے بھی بڑھ کر اپنے دعوے کو سچ کر دکھایا اس نے سنہ ۱۷۵۶ء سے سنہ ۱۷۶۱ء تک انگلستان کے نظم و نسق کو اپنی نگرانی میں چلایا اور واقعۃً یہ کہ اسی پنجسالہ زمانے میں موجودہ برطانوی شہنشاہی نے عروج پایا۔ انگلستان کے حلیف فریڈرک اعظم نے سنہ ۱۷۵۷ء میں جنگ روس باخ میں فتح پائی پروشیا کو پروشیا بنایا اور فرانس کو نیچا دکھایا ولف نے سنہ ۱۷۵۹ء میں کیوبک سر لیا اور سنہ ۱۷۶۰ء میں سارا کناڈا جو فرانسیسیوں کے زیر تسلط تھا فتح کر لیا۔ سنہ ۱۷۵۷ء میں ادھر کلائیو نے جنگ پلاسی میں کامیابی حاصل کی اور ادھر ایرکوٹ نے سنہ ۱۷۶۱ء

میں فرانسیسی اقتدار کو ہندوستان میں پامال کر دیا۔ انھی پانچ برسوں کے اندر اندر انگلستان کی عظمت پرتھوی راج (ایک عالم پناہ قوت) کے برابر مان لی گئی۔ فرانس کا اقتدار یورپ میں حقیر سارہ گیا اور ایشیا و امریکہ سے تو نیست و نابود ہی ہو گیا۔

ہم جو قصہ بیان کرنے کو ہیں وہ ہندوستان میں برطانوی شہنشاہی کے عروج پانے سے متعلق ہے یا یوں کہنا بجا ہو گا کہ اس کا تعلق شہنشاہی کے زیر نگین لوگوں کے اقتصادی حالات سے ہے۔ اگر ہم اس ابتدائی باب میں ان اہم سیاسی واقعات پر مختصراً نظر ثانی کریں جو جنگ پلاسی سے (۱۷۵۷ء) ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی تک (۱۸۳۷ء) یعنے اس اسی سال کے عرصے میں جس پر یہ جلد اول مبنی ہے برطانوی راج کے مستقل آغاز اور توسیع کے متعلق شمع ہدایت کا کام دیتے رہے ہیں تو یہ امر لوگوں کی اقتصادی تاریخ کا زیادہ واضح خاکہ کھینچنے میں ممد و معاون ہو گا۔

اس اسی سال کے اثنا میں برطانوی مدبرین اور منتظمین مملکت تین پشت تک شہنشاہی ہند کے استحکام اور توسیع کے لئے عرق ریزی کرتے رہے مگر ہر دور کی حکمت عملی مخصوص اور مختلف رہی پہلا دور کلائیو اور وارن ہیسٹنگز کا تھا جو مردانہ جرات آزمائی اور سخت کشاکش کا زمانہ رہا اور جس میں تاجروں کی ایک کمپنی ہندوستان کی زبردست ترین قوت ملکی بن گئی۔ ۱۷۸۴ء میں پٹ کے مرتبہ قانون ہند کی منظوری کے بعد اور سال مابعد میں وارن ہیسٹنگز کی مراجعت وطن پر اس دور کا اختتام ہوا دوسرا دور کارنوالس ولزلی اور لارڈ ہیسٹنگز کا تھا جس میں مرہٹوں اور میسور کی آخری لڑائیوں کے بعد ہی کمپنی ہندوستان میں ایک سطوت اعلےٰ مان لی گئی۔ ۱۸۱۷ء میں صوبہ بمبئی کے الحاق کے بعد اور اس کے دوسرے ہی سال آخری پیشوا کی گرفتاری پر یہ دور ختم ہو گیا۔ تیسرا دور امن تخفیف مصارف اور اصلاحات انتظامی کا تھا اور منرو الفنسٹن اور بینٹنک کا عہد بھی یہی ہے جن کے نام دیگر مشہور فاتحین و مبارزین کے ناموں کی بہ نسبت ہندوستان میں زیادہ تشکر کے ساتھ آج تک عزیز رکھے جاتے ہیں ۱۸۳۲ء میں لارڈ آکلنڈ کے ہندوستان میں ورود کے بعد اور ۱۸۳۷ء میں

ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی پر یہ دور بھی ختم ہو گیا۔

۱۔ کلائیو اور وارن ہیسٹنگز کا زمانہ اور اس دور کا ۱۸۵۸ء میں اختتام

ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۶۰۰ء میں ستر ہزار پونڈ کے اصل سے قائم کی گئی اس کمپنی نے ۱۶۳۹ء میں قلعہ سینٹ جارج مدراس میں تعمیر کیا۔ چارلس دوم سے بمبئی کے جزیرہ کو خرید لیا اور ۱۶۸۷ء میں اپنے کارخانے وہاں منتقل کر دئے۔ ۱۷۰۰ء میں کلکتہ کو بنگالہ کا مستقر حکومت قرار دیا گیا۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب مدراس کے جنوب میں پونڈیچری اور کلکتے کے شمال میں چندر نگر فرانسیسیوں کے تجارتی مرکز تھے۔

۱۷۴۴ء سے ۱۷۶۳ء تک یعنے قریب قریب بیس سال تک فریڈرک اعظم کی لڑائیوں میں انگریز اور فرانسیسی براعظم یورپ و ایشیا و امریکہ کے جنگ کے میدانوں میں ایک دوسرے کے حریف رہے اور انگریزی و فرانسیسی کمپنیوں کے عاملوں نے بھی ہندوستان میں شوق سے اس مناقشے میں حصہ لیا دیسی والیان ریاست سے معاہدے کئے ایک دوسرے کی تجارتی نوآبادیوں کا محاصرہ کر لیا اور مشرق میں بھی اسی تلخ رشک و حسد کا اظہار کیا جو مغرب میں ان دونوں کے اختلاف کا باعث تھا اور یہ تین لڑائیاں جن کا سلسلہ بیس سال تک انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان قائم رہا۔ جنگ کرناٹک کے نام سے مشہور ہیں۔

پہلی جنگ کرناٹک میں فرانسیسیوں نے قطعی طور پر قابو پاکر انگریزوں سے مدراس چھین لیا، اور نواب کرناٹک کی فوج کو جو شہر واپس لینے کے لئے بڑھی تھی پسپا کر دیا۔ مگر ۱۷۴۸ء میں ایلا شاپل کی صلح سے مدراس انگریزوں کو واپس مل گیا۔

ہندوستان میں اپنے ہم وطنوں کو سطوت اعلےٰ پر پہنچانے کی آتش ہمت فرانسیسی کمپنی کے صدر ناظم ڈوپلے کے سینے میں شعلہ زن تھی کچھ دنوں تک تو اس کی کامیابی مکمل نظر آئی مثلاً اس نے اپنے ایک ہندوستانی حلیف کو سریر آرائے دکن ہونے میں مدد دی اور ایک دوسرے حلیف کی نواب

کرناٹک بننے میں امداد کی - اس طرح جنوبی ہند میں وہ سب سے بڑھ کر ذی اقتدار "بادشاہ گر" کہا جا سکتا تھا جس کے مقابل برطانوی رسوخ سراسر کالعدم نظر آتا تھا۔ مگر چند ہی روز میں لارڈ کلائیو نے اپنی بیدار مغزی سے انگریزوں کا پلہ بھاری کر دیا - اس نے سب سے پہلے یوں نام پیدا کیا کہ نواب وقت کے ہچشم ایک برطانوی حلیف کی خاطر دارالسلطنت کرناٹک یعنے ارکاٹ کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا - دوسری جنگ کرناٹک آخر کار جب خاتمے پہ پہنچی تو اس وقت برطانیہ کے حلیف نواب کرناٹک رہے اور فرانسیسیوں کے حلیف نظام دکن - اور یوں جنوبی ہند میں ان دو یورپی اقوام کے درمیان ایک طرح کا توازن قوت قائم ہو گیا کیونکہ مشرقی ساحل کا پورا علاقہ جو شمالی سرکار کہلاتا ہے فرانسیسیوں کو نظام دکن سے مل گیا۔

تیسری جنگ کرناٹک فرانسیسی قوت کی بالکلیہ تباہی پر ختم ہوئی اس وقت لالی فرانسیسیوں کا سرگروہ تھا جس میں وطن پرستی کے ساتھ جلد بازی بھی ضرور تھی اس نے مدراس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا لیکن اس کی فتح میں ناکام رہا ۱۷۶۰ء میں ایرکوٹ نے جنگ واندوش میں لالی کو شکست دی اور پھر انگریزوں نے سخت جد و جہد کے بعد فرانسیسیوں سے پونڈیچری بھی لے لیا - جس کو ۱۷۶۳ء میں صلح پیرس کی بناء پر واپس تو دیدیا گیا لیکن فرانسیسیوں کی شمع اقتدار ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے بجھ گئی - اور ۱۷۶۳ء کے بعد برطانیہ کا کوئی حریف ہندوستان میں باقی نہ رہا۔

اس اثناء میں بنگالہ میں عظیم واقعات ظہور پذیر ہوئے سراج الدولہ نواب بنگالہ نے ۱۷۵۶ء میں انگریزوں سے کلکتہ لے لیا اور اسی ہنگامے میں جو انگریز گرفتار ہوئے تھے ان میں سے اکثر و بیشتر ایک تنگ و تار زندان میں جو "تاریک کالی کوٹھری" کے نام سے مشہور ہے گرمی کی ایک تپتی ہوئی رات میں گھٹ گھٹ کر مر گئے - یورپ سے واپس آ کر دوسرے ہی سال کلائیو نے کلکتہ فتح کر لیا اور نواب سے صلح کر لینے کے

باوجود نواب کے خلاف ایک درپردہ سازش میں شریک ہوا جس وقت خفیہ خفیہ سب تیاریاں ہو چکیں تو نواب کے مقابلے کے لئے فوج لے کر بڑھا اور ۱۷۵۷ء میں نواب کو جنگ پلاسی میں شکست دے دی اور اس طرح سے سارا بنگالہ ہی در اصل فتح ہو گیا۔ کلائیو نے شمالی سرکار کو بھی فرانسیسیوں سے لے لیا اور اس طرح ۱۷۶۰ء میں کلائیو کے یورپ جانے سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج ہندوستان کے ایک بڑے خطے میں پھیل چکا تھا۔

نوابان بنگالہ عمال کمپنی کے ہاتھ میں اب محض کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ جنگ پلاسی کے بعد میر جعفر کو نواب بنگالہ بنایا گیا اور اس کو معزول کر کے ۱۷۶۰ء میں میر قاسم کو مسند نشیں کیا گیا۔ میر قاسم ایک زبردست حکمراں تھا جس کی کوشش یہی رہی کہ عمال کمپنی کی بدعملی کی روک تھام ہو جائے کیونکہ یہ بدعملی ملک کی اندرونی تجارت میں رخنہ انداز تھی۔ اس پر ایک جنگ چھڑ گئی شکست کھا کر میر قاسم روپوش ہو گیا۔ پھر میر جعفر کی دوبارہ مسند نشینی ہوئی مگر چند ہی روز میں اس ضعیف و عمر رسیدہ نواب نے رحلت کی معاً میر جعفر کے ایک مجہول النسب فرزند کو بنگالے کا برائے نام حکمران بنا دیا گیا۔ اس وقت بنگالے کا نظم و نسق حد سے زیادہ تہ و بالا ہو رہا تھا اور رعایا پر شدید مظالم ہو رہے تھے۔

۱۷۶۵ء میں جب کلائیو نے تیسری اور آخری مرتبہ ہندوستان میں قدم رکھا تو اس نے ایک جدید یادگار حکمت عملی کی ابتدا کی شہنشاہان دہلی کا یادگار ضعیف القویٰ جانشین خانہ بدوش مارا مارا پھر رہا تھا اور برائے نام ہندوستان کا خود مختار فرمان روا تسلیم کیا جاتا تھا' اس وسیع بر اعظم کے سارے روسا و والیان ریاست اسی کی اطاعت کا ظاہر ہر دم بھرتے تھے اور ان تمام ریاستوں اور صوبوں میں جنھیں انھوں نے اپنی قوت بازو سے فتح کیا تھا شہنشاہ ہی سے حصول اقتدار کا نمائشی اعتراف کرتے تھے کلائیو نے بھی انھیں کے قدم بہ قدم اٹھایا۔ یوں تو ۱۷۵۷ء میں اس نے بنگالے کو بزور شمشیر فتح کر لیا تھا

لیکن اس کے باوجود ۱۷۶۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے شہنشاہ دہلی سے اس صوبے کے منصب دیوانی کا منشور حاصل کیا جس سے کمپنی کی ایک باضابطہ حیثیت بن گئی اور اس صوبے میں جس کی فتح آٹھ سال پیشتر ہو چکی تھی انتظام مملکت کی ذمہ داری بھی قانوناً اس کے تفویض ہو گئی۔ لارڈ کلائیو نے دیوانی اور فوجی نظم و نسق میں دوسری چند اصلاحات کیں اور ۱۷۶۷ء میں آخری دفعہ ہندوستان کو خیرباد کہا۔

کلائیو کا منصوبۂ نظم و نسق ناکامیاب رہا۔ بنگالے کی رعایا نے نواب اور کمپنی کی دو عملی میں شدید مظالم برداشت کئے محاصل میں بھی کمی ہوئی اور ۱۷۷۰ء و ۱۷۷۱ء کے درمیانی قحط نے تو بنگالے کی ایک تہائی آبادی کا صفایا ہی کر دیا۔

مدراس میں انگریز حکام نے حیدر علی سے جنگ چھیڑ دی۔ حیدر علی اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں ہندوستان کا قابل ترین سپہ سالار تھا۔ وہ کرناٹک کو تاخت و تاراج کر کے مدراس سے چند میل کے فاصلے پر جو نمودار ہوا تو کونسل میں کھلبلی سی پڑ گئی اور ۱۷۶۹ء میں کونسل نے اس مہیب غنیم سے ڈر کر صلح کر لی۔

ہندوستان کی صورت حالات کی اصلاح کی غرض سے برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۷۷۳ء میں قانون ہند منظور کیا۔ اس قانون کی رو سے کمپنی کو ہندوستان میں انتظام مملکت کے باضابطہ حقوق پیدا ہو گئے اور کمپنی کے تمام ہندوستان کے مقبوضات کی نگرانی کے لئے گورنر جنرل کی ایک خدمت بھی قائم کی گئی وارن ہیسٹنگز جو اس وقت بنگالے کا گورنر تھا ۱۷۷۴ء میں پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا۔

وارن ہیسٹنگز سے بڑھ کر قابل یا ملک و اہل ملک کے حالات سے بخوبی واقف کوئی دوسرا انگریز اس وقت ہندوستان بھر میں نہ تھا۔ ۱۷۵۰ء میں وارن ہیسٹنگز کا عنفوان شباب ہی تھا کہ وہ ہندوستان آیا اس نے اقتدارات کے بیجا استعمال پر بنگالہ اور مدراس دونوں جگہ

اپنے ہم وطنوں پر سخت اعتراضات کئے تھے۔ اور اب جو عنان حکومت اس کے ہاتھ میں آئی تو اس کی مخلصانہ خواہش یہی تھی کہ نظم و نسق کی کسی طرح اصلاح ہو جائے۔ لیکن اس کے مالی مشکلات، کونسل کی مخالفت جس کا قلب فرانسیس بانی تھا متعدد لڑائیاں اور مطلق العنانی کی طرف خود اس کا میلان طبع ان سب کے باعث اس سے خود رائی کے افعال سرزد ہوئے جو آگے چل کر برطانوی پارلیمنٹ میں اس کے واسطے مواخذے اور رسوائی کا سبب بن گئے

ہیسٹنگز نے شہنشاہ دہلی کے مقررہ خراج کو موقوف کر دیا اور شہنشاہ کے مقبوضات جو کورہ اور الٰہ آباد میں تھے نواب اودھ کے ہاتھ (پانچ لاکھ ملین) روپیہ لے کر بیچ ڈالے۔ روہیلوں کی سرکوبی کے لیے (چالیس ہزار لاکھ) روپیہ کے معاوضے میں انگریزی رسالہ اور توپ خانہ بھی نواب کو مستعار دے دیا۔

بمبئی کی حکومت بھی مرہٹوں کی (جو اس وقت ہندوستان میں ایک زبردست ترین قوت مانے جاتے تھے) مشکلات میں گرفتار تھی۔ پیشوا کی گدی کے دو دعویدار تھے بمبئی کی حکومت نے ان میں سے ایک کی امداد کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ اور یوں پہلی جنگ مرہٹہ کی ابتدا ہوئی۔ انگریزی فوج نے یہ کارنمایاں کیا کہ احمد آباد اور گوالیار پر قبضہ کر لیا مگر لڑائی کے اصل مقصد میں ناکامی رہی۔ انگریزوں کا حلیف وظیفے پر علیحدہ ہو گیا اور ۱۷۸۲ء کی صلح کی رو سے انگریزوں کے مقبوضات میں سالسٹ اور دوسرے چند جزائر کا اضافہ ہوا۔

ادھر حیدر علی اعظم والی میسور سے دوسری جنگ میسور شروع ہوئی سرایر کوٹ نے بیس سال قبل وانڈوش پر فرانسیسیوں کو جیسی شکست دی تھی۔ اب حیدر علی کو بھی چار معرکوں میں شکست دی۔ لیکن حیدر علی ہر میدان کارزار سے اپنی فوج بچا کر نکال لیجانے میں کامیاب رہا۔ جس سے اس کا زور نہ ٹوٹ سکا۔ اور یہی نہیں بلکہ ایک بہتر چال چلکے دو انگریزی متفرق دستوں

کو انہوں نے گھیر لیا۔ جو کرنل بیلی اور کرنل برتھویٹ کی کمان میں تھے اور ان سب کا قلع قمع کر ڈالا۔ مگر حیدر علی نے ۱۷۸۲ء میں رحلت کی اور ۱۷۸۴ء میں اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کے ساتھ صلح پر یہ جنگ ختم ہوئی۔

۱۷۷۵ء میں نواب اودھ کی وفات پر اس کے جانشین سے وارن ہیسٹنگز نے ریاست بنارس اپنی تحویل میں لے لی اور اس طرح بنارس کا راجہ انگریزوں کا دست نگر بن گیا ہیسٹنگز نے مقررہ خراج کے علاوہ راجہ سے کثیر پیشکش کا مطالبہ کیا۔ اور اس کے ادا نہ کرنے پر ایک سنگین تاوان طلب کیا۔ اور پھر راجہ کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ اب راجہ کی رعایا کے لئے بغاوت ناگزیر ہو گئی۔ اسی وقت راجہ کو معزول کر کے اس کے ایک رشتہ دار کو اس شرط پر مسند نشین کیا گیا کہ وہ مقررہ خراج میں اضافہ قبول کر لے۔

نو مسند نشین نواب اودھ سے واجب الوصول بقایا کا تقاضہ شروع ہوا۔ اور جب اس نے مجبوری کا عذر کیا تو اس کی ماں اور دادی کا خزانہ اور جواہرات لوٹ لینے میں اس کی مدد کی گئی اور اس طرح دس لاکھ پونڈ جمع کر کے نواب نے اپنا قرضہ بیباق کر دیا اودھ اور مدراس دونوں صوبوں میں انگریز قرض خواہوں کے نام آمدنی مالگزاری کے انتقال کے باعث رعایا سخت تکالیف اٹھا رہی تھی۔ اور بنگالہ میں تو وارن ہیسٹنگز نے زمینداروں کے موروثی حقوق کی کچھ پرواہی نہ کی اور کمپنی کی آمدنی میں توفیر کی غرض سے ان کی جاگیریں نیلام کر دیں۔

یہ تمام افعال وارن ہیسٹنگز کے نظم و نسق پر دھبہ لگا گئے۔ پٹ کا مرتبہ قانون ہند ۱۷۸۴ء میں منظور ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس قانون کی رو سے ہندوستان میں کمپنی کا تمام نظم و نسق سرکار برطانیہ کی زیر نگرانی آ گیا۔ وارن ہیسٹنگز نے اس کے دوسرے ہی سال ہندوستان سے مراجعت کی۔

۱۷۸۵ء تک ہندوستان میں برطانوی حکومت کے عروج کی مختصر تاریخ

یوں ہے کہ تین لڑائیاں فرانسیسیوں کے ساتھ لڑی گئیں جن سے برطانوی قوم کرناٹک میں سطوت اعلیٰ مان لی گئی پھر دو لڑائیاں میر قاسم اور سراج الدولہ سے ہوئیں جن سے وہ بنگالہ کے مالک بن گئے۔ اور ایک ایک ابتدائی لڑائی میسور اور مرہٹوں سے ہوئی۔ یہی ہیں وہ اہم جنگی معاملات جن میں کلائیو اور ہسٹنگز کے معاصرین ہندوستان میں مشغول رہے جب وارن ہسٹنگز نے ۱۷۸۵ء میں ہندوستان کو خیرباد کہا تو اس وقت کمپنی کے اصلی مقبوضات کی وسعت بنگالہ و شمالی سرکار اور بنارس کے سوا بمبئی اور مدراس دونوں کے اکناف کے چند مختصر خطوں تک پہنچ چلی تھی۔

۲۔ کارنوالس، ولزلی اور لارڈ ہسٹنگز کا عہد ۱۷۸۵ء سے ۱۸۱۸ء تک پٹ کا مرتبہ قانون ہند ۱۳ اراست ۱۷۸۴ء کو منظور ہوا۔ کمپنی کے تمام دیوانی فوج اور مالگزاری کے معاملات سرکار برطانیہ کے مقرر کردہ چھ کمشنروں کی زیر نگرانی آگئے۔ ان انتظامات کا صحیح منشا یہی تھا کہ ہندوستان کے نظم و نسق میں اصلاح ہو اور لوگوں کو اس ظلم اور اندھیر سے نجات ملے جس سے انگریزی حکومت کے عہد اولیٰ میں تکالیف پہنچی تھیں۔ نظمائے کمپنی خود اپنا گھر سنبھالنا چاہتے تھے۔ وارن ہسٹنگز کے بعد انھوں نے لارڈ کارنوالس کو جو ایک اعلیٰ ظرف فیاض منش امیر تھا ان خاص ہدایتوں کے ساتھ گورنر جنرل بنا کر بھیجا کہ وہ اراضی سے متعلقہ سرکاری مطالبات کا دوامی تعین اس طرح سے کر دے جس سے زراعت کو ترقی دینے یا اپنی حالت سدھارنے کے لئے رعیت کو تحریک ہو۔

طوفان تاریکی کے بعد ہندوستان میں پھر دھوپ نکلی لارڈ کارنوالس نے ان توقعات کو پورا کیا جو اس سے وابستہ تھیں۔ اس نے نظم و نسق میں اصلاح کی اور کمپنی کو مجبور کیا کہ ملازمین کمپنی کے لئے کافی تنخواہیں مقرر ہوں۔ جس سے وہ دیانت دار رہیں۔ اسی نے ہندوستان کی ملازمت دیوانی یعنے سول سروس کی بنا ڈالی جو آج تک موجود ہے ایک ہی جنگ اس کے عہد میں ہوئی اور وہ ٹیپو سلطان والئی میسور سے۔ اس نے ٹیپو سلطان کے

دار السلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اور ٹیپو سلطان کو کمزور کرنے کے بعد اس کی عملداری کے کچھ حصے کا الحاق کر کے صلح کرلی ۱۷۹۳ء میں ہندوستان سے مراجعت کے قبل کارنواس نے بنگالے کی مالگزاری کے لیے دوامی بندوبست زمینداری رائج کیا۔ اور یہ ہندوستان میں انگریزی رعایا کی خوشحالی اور خوش دلی کے لئے انگریزی حکومت کے کسی اور قاعدہ و قانون سے نسبتاً زیادہ مفید و کارآمد ثابت ہوا۔

۱۷۹۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید کی گئی۔ پارلیمنٹ میں ہندوستان کے معاملات پر بحث ہوئی اور ۱۷۸۴ء کے مجریہ قانون ہند (مجوزہ پٹ) کے اصولی شرائط برقرار رکھے گئے لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی پر مزید یہ شرط عائد کی گئی کہ دوسرے تاجروں کیلئے جن کی مشرق سے تجارت قائم تھی۔ تین ہزار ٹن مجموعی وزن کے جہاز کمپنی کو مہیا کرنا چاہئیں کمپنی کے اجارے میں یہ پہلی رخنہ اندازی ہوئی۔ سرجان شور جسے کچھ دن بعد لارڈ ٹینمتھ کا خطاب ملا تھا لارڈ کارنواس کے بعد گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اس نے بھی اپنے پیشرو کی صلح پسند حکمت عملی کی پابندی کی اور مالگزاری کے اسی دوامی بندوبست کو جو کارنواس نے بنگالہ کو عطا کیا تھا۔ بنارس تک توسیع دی۔

لارڈ مارننگٹن جسے کچھ دن بعد مارکوئیس ویلزلی کا خطاب ملا تھا۔ سرجان شور کا جانشین مقرر ہوا۔ اور ۱۷۹۸ء میں ہندوستان آیا۔ گزشتہ عہد میں فریڈرک اعظم کی لڑائیاں ہندوستان میں برطانوی حکمت عملی پر جیسا اپنا اثر ڈال رہی تھیں اسی طرح نپولین بوناپارٹ کی لڑائیاں اب اثر ڈالنے لگیں ولیم پٹ تو دول یورپ کی اس غرض سے مالی امداد کر رہا تھا کہ وہ نپولین کے مقابلے کے لئے فوجیں تیار رکھیں اور ویلزلی پٹ کا نہ صرف دوست بلکہ شاگرد رشید بھی تھا اسی لئے اس نے بھی مالی امداد کے اس طریقے کو ہندوستان میں رائج کیا مگر اس اہم اختلاف کے ساتھ کہ ناکارہ اور نکمی دیسی افواج کے برقرار رکھنے کے لئے والیان ریاست

کو مالی امداد دینے کے بجائے خود انھیں سے مالی امداد وصول کی جائے جس سے ان کی قلمرو میں انگریزی امدادی فوج رکھی جا سکے۔ اس طریقے سے ایک طرف تو کمپنی کی آمدنی کا اور دوسری طرف والیان ریاست پر انگریزی نگرانی رکھنے کا نیا ذریعہ ہاتھ آیا۔ اسی حکمت عملی کا نام "اتحاد معاونت" ہے۔

ٹیپو سلطان والیٔ میسور کو کسی پہلو چین نہ تھا۔ اس نے فرانسیسیوں سے نامہ و پیام شروع کر دیا جس کا انسداد ضروری تھا۔ اس لئے چوتھی مرتبہ میسور سے جنگ چھڑ گئی۔ ۱۷۹۹ء میں خود ٹیپو سلطان اپنے دار السلطنت کو بچاتے ہوئے میدان کارزار میں کام آیا۔ فاتحین نے میسور کی ریاست کے کچھ علاقے کا الحاق کر لیا۔ کچھ علاقہ مرہٹوں کو اس شرط کے ساتھ دینے کا وعدہ کیا کہ وہ "اتحاد معاونت" کو قبول کریں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ کچھ علاقہ نظام دکن کے سپرد کیا گیا جو انگریزوں کی امدادی افواج کے سالانہ مصارف نہ دینے کے معاوضے میں ویلزلی نے کچھ دنوں کے بعد واپس لے لیا۔ اس کے بعد میسور کا جو کچھ حصہ باقی رہ گیا اس میں ایک چھوٹی ریاست قائم کی گئی اور یہ میسور ہی کے قدیم ہندو شاہی خاندان کے تفویض کر دی گئی۔

کمزور ریاستوں کے حق میں تو اس سے بھی زیادہ سرسری فیصلے صادر ہوئے کیونکہ ولزلی نے اپنے طریق کار میں کوئی خصوصیت ہی ملحوظ نہیں رکھی۔ مثلاً نواب سورت نے ۱۷۹۹ء میں رحلت کی۔ ولزلی نے نواب کے بھائی کے لئے جو وارث تخت تھا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا اور اس ریاست کا الحاق کر لیا۔ تنجور کے راجہ کو معزول کرنے کے بعد اس کے بھائی نے وظیفہ پر علیحدگی اختیار کر لی۔ اور اپنے اقتدارات انگریزوں کے سپرد کر دئے۔ ۱۸۰۱ء میں نواب کرناٹک نے انتقال کیا مگر اس کے جانشین نے تخت سے کنارہ کش ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر بھی ایک دوسرے شہزادے کو اس کی جگہ مسند نشین کر دیا گیا جس نے اپنی سلطنت

انگریزوں کے حوالہ کر دی اور خود وظیفے پر علیحدہ ہو گیا، فرخ آباد کے نواب کا ابھی عنفوان شباب تھا اور وہ سن بلوغ کو پہنچنے والا ہی تھا کہ اپنی ریاست کی زمام حکومت انگریزوں کے ہاتھوں میں منتقل کر دینے پر اس کو مجبور کیا گیا۔ چنانچہ اس نے مجبور ہو کر وظیفے پر علیحدگی اختیار کر لی۔ نواب اودھ سے استدعا کی گئی کہ وہ یا تو اپنی ریاست کے دیوانی اور فوجی نظم ونسق کو انگریزوں کے ہاتھ میں منتقل کر دے یا انگریزوں کی امدادی فوج کے مصارف کیلئے اپنی ریاست کے نصف حصے سے دست بردار ہو کر "اتحاد معاونت" میں شریک ہو جائے۔ موخر الذکر تجویز کے قبول کرنے کے سوا اس کو چارہ نہ تھا۔ چنانچہ اس نے الہ آباد اور دوسرے اضلاع سنہ ۱۸۰۱ء میں انگریزوں کے تفویض کر دئے۔

اب صرف ایک بڑی قوت ہندوستان میں جو باقی رہ گئی تھی وہ مرہٹوں کی تھی، لارڈ ولزلی کی خوش نصیبی سے پیشوا کو دوسرے مرہٹے سردار ہر طرف سے جو تنگ کر رہے تھے تو بہ مجبوری پیشوا نے انگریزوں سے امداد چاہی۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں اتحاد معاونت کی تکمیل ہوئی اور پھر انگریزی فوج کی کمک سے پیشوا تخت نشین ہو گیا۔ دوسرے مرہٹے سردار یعنے سندھیا، ہلکر بھونسلے اپنی اپنی قلمرو میں یوں انگریزوں کی مداخلت کی ابتدا ہوتے دیکھکر چوکنا ہو گئے اس کے بعد ہی دوسری مرہٹہ جنگ شروع ہوئی۔ جنرل ولزلی نے جو بعد کو ڈیوک آف ونگٹن کے نام سے مشہور عالم ہوا۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں جنگ آسی اور جنگ ارگاون میں سندھیا اور بھونسلے کی فوجوں کا ادھر قلع قمع کر دیا۔ اور اسی سال اُدھر لارڈ لیک نے دہلی میں فاتحانہ قدم رکھا اور سندھیا کی فوج کو لسواڑی پر شکست دی۔ ہلکر جو اس وقت تک موقع کی تاک میں تھا جنگ میں شریک ہو گیا اور یہ لامتناہی جنگ وجدل مرہٹوں کے متعدد سرداروں کے ساتھ جاری ہی تھی کہ نظمائے کمپنی نے خائف ہو کر اپنے ضرورت سے زیادہ جنگجو گورنر جنرل کو واپس طلب کر لیا۔ اور اس کی جگہ لارڈ کارنوالس کو دوبارہ بھیجا کہ وہ جاکر ہندوستان

میں پھر امن قائم کرے۔ مشرق کا "پرو کونسل" اعظم انگلستان کے "وزیر اعظم" کی ملاقات کی غرض سے بھاگا ہوا آگیا کیونکہ ولزلی کی حکمت عملی ہندوستان میں پٹ کی یوروپی حکمت عملی کے ہم شکل ہی تھی۔ ولزلی ایسے وقت پہنچا جب کہ ولیم پٹ بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا۔ پٹ یورپ کی لڑائیوں کو اختتام پر پہنچانے میں اسی طرح ناکام رہا تھا جس طرح ہندوستان کی لڑائیوں کو انجام پر پہنچانے سے ولزلی عاجز رہا تھا۔ یورپ کے نقشے کی طرف اشارہ کرکے پٹ نے کہا تھا کہ "اس نقشے کو اب لپیٹ دو اس کی آج سے دس سال تک ضرورت نہ ہوگی"۔ صاحب فراش وزیر انگلستان اور واپس طلب کردہ گورنر جنرل کے درمیان نہایت ہی مغموم ملاقات رہی اور مرنے سے پہلے پٹ کی یہ آخری گفتگو تھی لڑائیوں کو تو کچھ دنوں ابھی جاری رہنا تھا جو یورپ میں ۱۸۱۵ء کو اختتام پر پہنچیں اور ہندوستان میں ۱۸۱۸ء میں۔

اسی زمانے میں ہندوستان میں عارضی طور پر امن قائم تھا۔ کارنوالس نے ہندوستان واپس آنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد انتقال کیا اور اس کے جانشین سر جارج بارلو اور لارڈ منٹو نے تو مرہٹوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ ۱۸۱۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی دوبارہ تجدید ہوئی لیکن ان کا ہندوستان سے تجارت کرنے کا اجارہ منسوخ کردیا گیا۔ مشرق سے تجارت کرنے کا منشور جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبتھ نے عطا کیا تھا۔ وہ باقی نہ رہا۔ چینی چار کے اجارے کے سوا تمام انگریز تاجروں کو تجارت کی ایک عام اجازت مل گئی۔

لارڈ ہیسٹنگز جس نے بعد کو مارکوئیس ہیسٹنگز کا خطاب پایا۔ ۱۸۱۳ء میں جب لارڈ منٹو کا جانشین مقرر ہوا تو مرہٹوں سے آخری کشاکش کا وقت آگیا تھا۔ جنگ نیپال کی وجہ سے کوہ ہمالیہ کے اطراف و اکناف کا کچھ علاقہ کمپنی کے قبضے میں آگیا تھا، پنڈاری اور افغان جاٹ اور مرہٹے سب کے سب زر کے بندے تھے یعنی جس سردار نے تنخواہ

دی اس کی نوکری بجالانے والے جتھے کے جتھے اکثر دیہاتوں کو غارتگری کے لالچ میں لوٹ رہے تھے اور ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا ان کی سرکوبی کے لئے دوسری مہم تیار ہوئی۔ اور سب سے آخر میں تیسری اور قطعی جنگ مرہٹوں کے ساتھ ہوئی جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ۱۸۰۲ء میں پیشوا نے انگریزوں کے ساتھ "اتحاد معاونت" کیا تو تھا لیکن قیود کی پابندی اس کو ناگوار تھی آخر کار جب اس نے نقاب الٹ دی تو مرہٹوں کے دوسرے سردار بھی اس کے شریک حال ہو گئے۔ لیکن کھرکی پر پیشوا کی فوج نے شکست کھائی۔ اور سیتا بلدی پر بھونسلے کی فوج نے اور مہد پور کے مقام پر سر جان میلکم نے ہلکر کی افواج کا قلع قمع ہی کر دیا۔ ۱۸۱۷ء میں پیشوا کی کمل قلمرو کا الحاق کر کے بمبئی کا صوبہ قائم کیا گیا۔ خود پیشوا سال مابعد میں گرفتار ہو گیا۔ اور اس نے وظیفے پر علیحدگی قبول کر لی۔ سندھیا ہولکر بھونسلا اور گیکوار کے سے معمولی مرہٹے سرداروں کو اپنی اپنی قلمرو کی حکمرانی تو ملی مگر وہ سب انگلستان کی شہنشاہی کے زیر نگیں آ گئے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے عہد دوم میں جو سیاسی اور جنگی معاملات وقوع پذیر ہوئے۔ ان کی مختصر تاریخ اس طرح ہے کہ مالگزاری کا دوامی بندوبست جو ۱۷۹۳ء میں بنگالہ میں تکمیل کو پہنچا اور جس کی ۱۷۹۵ء میں بنارس تک اور ۱۸۰۲ء و ۱۸۰۵ء کے مابین شمالی سرکار اور دیگر درمیانی خطوں تک توسیع کی گئی اس عہد کے نظم و نسق دیوانی کا نہایت شاندار و منفعت بخش کام ہے نیز میسور اور مرہٹوں کی سرتابی کا آخری مرتبہ فرو کرنا بھی اس عہد کے نمایاں سیاسی فتوح میں داخل ہے۔

۳۔ منرو الفنسٹن اور بنٹنک کا عہد حکومت ۱۸۱۸ء سے ۱۸۳۷ء تک اس عہد سے ہندوستان و یورپ میں قیام امن و تخفیف مصارف اور اصلاحات کی ابتدا ہوتی ہے۔ یورپ کی اقوام نپولین کی لڑائیوں

سے تھک کر جنگ واٹرلو کے بعد سے ایک مدت مدید تک امن و آسایش کا لطف اُٹھاتی رہیں ہر طرف کوشش یہی تھی کہ اصلاحات عمل میں آئیں اور لوگوں کو دیوانی حقوق ملیں فرانس میں امن جاریہ کشاکش کی انتہا پر ۱۸۳۰ء میں "انقلاب عظیم" برپا ہو گیا۔ انگلستان میں اسی کشاکش کی وجہ سے ۱۸۳۲ء کا قانون اصلاحات نافذ ہوا۔ بلجیم اور ہالینڈ میں پھوٹ پڑی اور بلجیم نے اپنی قومی حکومت کی بنا ڈالی۔ جرمنی اور اطالیہ میں بھی قومی اتحاد اور قومی خود مختاری کی متعدد تحریکیں موجود تھیں۔ یونان ۱۸۳۰ء میں خود مختار بن گیا۔ ۱۸۳۳ء میں بردہ فروشی و غلامی موقوف ہو گئی۔ ہر جگہ اصلاحات اور لوگوں کی حالت کو سدھارنے کا خیال اس عہد کی روح رواں بنا ہوا تھا اور یہی خیال ہندوستان میں بھی حکام وقت کی حکمت عملی میں نئی روح پھونک رہا تھا۔

۱۸۱۷ء میں لارڈ ہیسٹنگز نے کلکتہ میں ہندو کالج قائم کیا اور ۱۸۲۳ء میں لارڈ امہرسٹ بہ حیثیت گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز کا جانشین مقرر ہوا۔ چند روزہ جنگ برما کے ختم پر آسام اراکان اور بٹاسرم ۱۸۲۶ء میں کمپنی کی قلمرو میں شامل کر لئے گئے اور دو سال کے بعد لارڈ بنٹنگ نے کلکتہ میں بہ حیثیت گورنر جنرل قدم رکھا اس نے بھی کورگ کو الحاق کرنے کے بعد میسور کی عنان حکومت ۱۸۳۱ء میں اپنے ہاتھ میں لے لی اور یوں انگریزوں کی عملداری میں ان دو علاقوں کا اضافہ کیا لیکن یہ چند الحاقات اس عہد کی جس کا بیان ہم کر رہے ہیں کم اہم خصوصیات میں داخل ہیں کیونکہ وہ اصلاحات دیوانی جو منرو الفنسٹن اور بنٹنگ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اس زمانے کی زیادہ اہم خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔

وارن ہیسٹنگز اور کارنوالس نے عدالتی نظم و نسق کے جس نظام کو قائم کیا تھا وہ ناکامیاب رہا کیونکہ ملک میں رہنے والے انتظامی کاروبار میں کوئی حقیقی حصہ لینے سے محروم تھے عدالتی کام یوں التوا میں پڑ گیا اور انگریزی حکام عدالت مقدمات کے تصفیہ میں اس قدر تاخیر کرتے تھے

کہ وہ عدل و انصاف کی ناکامیابی کے مساوی تھا کمپنی کی عملداری میں جرائم بے شمار ہو رہے تھے اور محض شبہ پر کسی کو گرفتار کر لینے یا پوشیدہ مخبروں سے کام لینے کے طریقے اختیار کرنے سے یہ خرابی اور بھی بڑھ گئی تھی سنہ ۱۸۱۰ء میں لارڈ منٹو نے یہ لکھا کہ بنگالہ کے ہر حصے میں ڈکیتی کے ساتھ قتل و خون کے جرائم پھیلے ہوئے تھے ایسے وقت میں کمپنی کے قابل ترین ملازموں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ہندوستان میں انتظام مملکت کا ایک بڑا حصہ ہندوستانیوں کے سپرد کیا جانا چاہئے سر ہنری اسٹریچی جج کلکتہ نے لکھا تھا کہ "ہندوستان کے جیسے متمدن آباد ملک میں عدل و انصاف جیسا ہونا چاہئے وہ خود ہندوستانیوں ہی کے توسط سے ممکن ہے۔"

ٹامس منرو پہلا انگریز تھا جس نے اس اصول کے لئے ایک عملی صورت پیدا کی اور لوگوں پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی حکمت عملی کی ابتدا کی سنہ ۱۷۸۰ء میں ایک سپاہی کی حیثیت سے اس نے ہندوستان میں قدم رکھا اور حیدر علی کی لڑائیوں میں شریک رہا۔ میسور و دکن کے ان خطوں میں جو سنہ ۱۷۹۲ء اور سنہ ۱۷۹۹ء اور سنہ ۱۸۰۰ء میں کمپنی کو ملے تھے بندوبست مالگزاری قایم کر کے نام پیدا کیا۔ سنہ ۱۸۱۴ء میں دوسری مرتبہ وہ جب ہندوستان آیا تو اس کمیشن کا صدر نشین بنا کہ جس کے تفویض مدراس کے عدالتی نظام کی نظرثانی اور اصلاح تھی اور اس نے وہ مشہور قواعد منظور کئے جن سے ہندوستانیوں کو ذمہ دارانہ انتظامی خدمات اور زیادہ ملنے لگیں سنہ ۱۸۲۰ء میں تیسری اور آخری مرتبہ جب مدراس کا گورنر بن کر منرو ہندوستان آیا تو اس نے مدراس میں رعیت واری بندوبست اراضی کو رائج کیا اور ہندوستان ہی میں جولائی سنہ ۱۸۲۷ء میں وفات پائی منرو ان لوگوں میں جن کی عمر بھر اس نے خدمت انجام دی تھی بہت ہر دل عزیز رہا اور اس کی وفات پر سب نے آہ و زاری کی۔

مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن نے بمبئی کے ساتھ وہی سلوک کیا

جو سرٹامس منرو نے مدراس کے ساتھ کیا تھا۔ نوجوان جو منرو سے اٹھارہ سال عمر میں چھوٹا تھا عنفوان شباب ہی یعنے ۱۷۹۶ء میں ہندوستان آیا۔ ممتاز خدمتیں انجام دیں اور جنگ اسائی میں جب ڈیوک ولنگٹن نے ۱۸۰۳ء میں فتح پائی تو الفنسٹن اس وقت ڈیوک کا معتمد سیاسیات تھا۔ ۱۸۰۸ء میں لارڈ منٹو نے سفارت افغانستان کے لئے اسی کو منتخب کیا تھا اور اسی نے سب سے پہلے وہ کتاب لکھی تھی جو افغانیوں اور افغانستان کے حالات پر آج تک ایک مستند تصنیف مانی جاتی ہے۔ ۱۸۱۱ء میں پیشوا کی سرکار کا رزیڈنٹ مقرر ہوکر پونا واپس آیا اور ۱۸۱۷ء کی آخری مرہٹہ جنگ میں اس نے اہم حصہ لیا۔ مرہٹوں ہی کے معاملات کے تجربے کی بنا پر مرہٹوں کی قلمرو کے الحاق کے بعد ۱۸۱۹ء میں گورنر بمبئی کی خدمت پر ممتاز ہوا۔ آٹھ سال تک اس نے اس جلیل الشان عہدے کے فرائض انجام دئیے۔ قواعد بمبئی بہ شکل قانون منضبط کئے انتظامی کاروبار میں ہندوستانیوں کو اور زیادہ خدمات عطا کئے اور اس صوبے میں تعلیم کی اشاعت بھی کی۔ نومبر ۱۸۲۷ء میں سرٹامس منرو کے انتقال سے چند ہی مہینوں کے بعد بمبئی کی گورنری سے مستعفی ہوگیا۔

۱۸۲۸ء میں بنٹنگ گورنر جنرل کی حیثیت سے جب ہندوستان پہنچا تو اصلاح کا کام آدھے سے زیادہ ختم ہوچکا تھا بنٹنگ کی ملازمت کا ابتدائی زمانہ نہایت لہر پر واقعات گزرا تھا انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں یہ مدراس کا گورنر مقرر ہوا تھا لیکن ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے وقوع پر اس کو واپس طلب کرلیا گیا جس کے بعد یہ یورپی سیاسیات میں اس طرح منہمک ہوا۔ کہ ۱۸۱۴ء میں جنیوا فتح کرلیا اور وہاں قدیم دستور کو دوبارہ نافذ کردیا۔ پھر اطالیہ کو آزاد و متحد بنانے کی دھن میں پڑگیا۔ اور یونہیں چودہ سال گزارنے کے بعد چون برس کی سنجیدہ عمر میں وہ گورنر جنرل بنکر

ہندوستان آیا۔

منرو کے مجوزہ قواعد مدراس میں منظور ہو چکے تھے اور عدالت دیوانی کا نظم و نسق ہندوستانی نظماء کے سپرد ہو چکا تھا اور یہی اصلاحیں الفنسٹن نے بمبئی میں بھی کی تھیں۔ لارڈ بنٹنگ نے بھی بنگالے کی عدالت دیوانی کا انتظام ہندوستانی نظماء ہی کے سپرد کر دیا اور اُن کے اقتدار اور مشاہرے نہایت اعلیٰ پیمانے پر مقرر کر دئے۔ مالگزاری کے انتظام میں یورپی کلکٹروں کی امداد کے لئے ہندوستانیوں کو ڈپٹی کلکٹریاں بھی دیں اور ہندوستان کے نظم و نسق میں جیسے ہی لارڈ بنٹنگ نے ہندوستانیوں کو عام طور پر ملازمت دی ویسے ہی سالانہ آمدنی میں دس لاکھ کی کسر جو تھی وہ بیس لاکھ کی بیشی میں مبدل ہو گئی اس کے علاوہ ۱۸۳۳ء میں ایک اصلاح یافتہ محال واری بندوبست کی شمالی ہند میں اور ۱۸۳۵ء میں رعیت واری بندوبست کی بمبئی میں اسی نے ابتدا کی۔

۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی اسی شرط پر تجدید ہوئی کہ کمپنی تجارت سے بالکل دست بردار ہو جائے اور آج سے ہندوستان کی حکمرانی و انتظام مملکت کے سوا کچھ نہ کرے اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی مشروط قرار دیا گیا کہ کوئی ہندوستانی آج سے دو خواہ مذہب، ملت، رنگ و نسل کے اعتبار سے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو کسی خدمت یا عہدے یا ملازمت سے محروم نہیں رکھا جائیگا۔

بنٹنگ کے بعد سر چارلس مٹکاف نے گورنر جنرل کی حیثیت سے خدمت انجام دی اور اس کے بعد لارڈ آکلینڈ اس کا قائم مقام بنکر ۱۸۳۶ء میں ہندوستان آیا جس کے ایک سال کے بعد ملکہ وکٹوریہ برطانیہ کے تخت شاہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئیں۔

ملکۂ معظمہ کی تخت نشینی کی تاریخ برطانوی شاہنشاہی کے تمام ممالک کے لئے ایک یادگار اور سہل تاریخ ہے مگر ہندوستان کے لئے

مذکورالصدر بیان کو مدنظر رکھتے ہوئے پرانے دور کا اختتام اور جدید دور کی ابتدا دراصل اسی تاریخ سے ہوتی ہے۔ ۱۸۳۰ء سے پہلے صوبہ جات بنگالہ و مدراس و بمبئی کے علاوہ شمالی ہند کے سرسبز و شاداب خطے انگریزوں کے زیرحکومت آچکے تھے ہندوستان کی جلیل القدر لازمت دیوانی کی ایک منتظمہ شکل بن چکی تھی متعدد ناکامیوں اور ناکامیاب تجربوں کے بعد ملک کے عدالتی نظم ونسق کی اطمینان بخش طور پر بنیاد پڑ چکی تھی اور انتظام مالگزاری کا سب سے پیچیدہ مسئلہ مدبرانہ طریقے پر کہیئے یا غیرمدبرانہ طریقے پر ۱۷۹۳ء میں بنگالہ میں ۱۸۲۰ء میں مدراس میں ۱۸۳۳ء میں شمالی ہند میں اور ۱۸۳۵ء میں بمبئی میں حل ہوچکا تھا۔ تمام ملک میں امن بھی قائم تھا۔ ۱۸۳۳ء میں کمپنی تجارت سے دست بردار ہوچکی تھی اور اب اس کی حیثیت محض منتظم مملکت و حکمراں کی باقی رہ گئی تھی۔ ۱۸۱۷ء میں کلکتے اور ۱۸۳۴ء میں بمبئی میں انگریزی کالجوں کا افتتاح ہوا ۱۸۳۶ء میں اخبارات کو آزادی بھی ملی۔ یورپ اور ہندوستان کے درمیان دخانی ذرائع آمدورفت قائم تھے حکومت کے مصارف میں تخفیف عمل میں آئی تھی اس کے ساتھ ہی ساتھ محاصل میں بحالی بیشی بھی ہوتی رہی کاروبار سلطنت کے میدان ہندوستانیوں کے لیئے اور کشادہ ہوئے اور کم ازکم اصولی طور پر ہندوستانیوں کی رفاہ عام برطانوی حکومت کی غایت و مقصد عظیم تسلیم کرلی گئی۔ عوام نے بھی اس خواہش کی تکمیل میں حکومت کا ساتھ دیا ان میں دماغی بیداری پیدا ہوئی۔ اور ہر طرف ترقی و عروج کی نشانیاں دکھائی دینے لگیں۔ اسلیئے ۱۸۳۷ء کے قریب ہندوستان کی تاریخ میں ایک قدرتی وقفہ واقع ہوتا ہے اور اسی تاریخ پر انگریزوں کی ہندوستان میں ہشتادسالہ کارگزاری کا قصہ ختم ہوتا ہے۔

دوسرا باب

بنگالہ کی اندرونی تجارت (۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۵ء تک)

اٹھارھویں صدی عیسوی میں دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی دوسرے رستوں اور جہازرانی کے قابل دریاؤں کی راہ سے جو مال آتا جاتا تھا اس پر محصول راہداری لیا جاتا تھا مگر ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی درآمد و برآمد کو اس محصول سے مستثنیٰ کرنے کے لئے ایک شاہی فرمان حاصل کر لیا تھا جس کی رو سے اُس مال پر جو کمپنی یورپ سے خرید کر ہندوستان لاتی تھی یا ہندوستان میں خرید کر یورپ بھیجتی تھی کوئی محصول ادا کرنا نہیں پڑتا تھا صرف انگریز میر مجلس یا کمپنی کے کارخانوں کے افسران اعلیٰ کا "دستک" محصول خانوں پر دکھا دینا کافی تھا جس سے کمپنی کا تجارتی سامان محصول سے محفوظ رہتا تھا۔

۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کی فتح سے برطانوی قوم کا وقار بنگالہ میں اور زیادہ ہو گیا جس سے کمپنی کے عاملوں کی ہمت بڑھی کہ وہ خانگی تاجروں کی حیثیت سے بھی اپنی اندرونی تجارت کے لئے اس محصول سے استثناد کے طلبگار ہوں جیسا محض کمپنی ہی کے درآمد و برآمد کیلئے

مرعی تھا یہاں اس نقطے کو واضح طور پر ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کیونکہ یہی چیز زمانۂ مابعد میں بنگالہ کی اقتصادی تجارتی اور سیاسی تاریخ میں مضمر ہے۔

نوابان بنگالہ بھی کمپنی کے محصل حقوق کے معترف تھے جن کی بنا پر کمپنی کی درآمد و برآمد محصول سے مستثنے تھی لیکن عمال کمپنی بھی جو بطور خود تجارت کر رہے تھے اندرون بنگالہ اپنے اسباب تجارت کے منتقل کئے جانے پر اس محصول سے مستثنٰی کئے جانے کے دعویدار تھے حالانکہ یہ ان کی محض خانگی اندرونی تجارت کسی ضابطے کی رو سے مستثنٰی نہ تھی۔

جنگ پلاسی کے بعد ۱۷۵۷ء میں کلائیو نے میر جعفر کو نواب بنگالہ بنا دیا تھا مگر میر جعفر میں نہ تو حکمرانی کی صلاحیت تھی اور نہ ان معاہدوں کو پورا کرنے کی قابلیت جو انگریزوں کے ساتھ اس نے کئے تھے۔ اسی لئے سنہ ۱۷۶۰ء میں اس کو معزول کر کے میر قاسم کو مسند نشین کیا گیا۔ میر قاسم نے اضلاع بردوان مدناپور اور چٹاگاؤں کے محاصل کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام منتقل کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور میر جعفر کے عہد کا بقایا ادا کرنے کے ساتھ ساتھ پانچ لاکھ روپیہ کمپنی کو پیشکش دینے کا وعدہ بھی کر لیا جس سے جنوبی ہند کی لڑائیوں کے اخراجات میں کمپنی کی امداد ہو سکے میر قاسم نے اپنے سب عہد و پیماں برابر پورے کئے چنانچہ دو سال کے اندر اندر انگریزوں کے تمام مالی شرائط کی تکمیل کر دی۔

لیکن اندرونی تجارت کی مشکلات ہر سال بڑھتی گئیں کیونکہ عمال کمپنی اپنے اموال تجارت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر بلا ادائے محصول لیجاتے رہے حالانکہ دیسی تجار ایسے اندرون ملک حمل و نقل پر سنگین محصول ادا کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ان دیسی تاجروں پر تباہی آگئی اور نواب کو محاصل میں خسارہ اٹھانا پڑا۔ رفتہ رفتہ کمپنی کے عاملوں نے ساری تجارت اپنے قبضے میں کر کے ثروت کا

اشارہ لگا لیا۔

ہنری ونسٹارٹ نے جو ۱۷۶۰ء میں کلائیو کے بعد گورنری پر آیا اس روز افزوں خرابی کو محسوس کر کے اس کے وجوہ یہ بیان کیے کہ:۔

"تجارت کے بارے میں تو میر جعفر سے کوئی نئی رعایت نہیں مانگی گئی تھی۔ کیونکہ کمپنی کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی اور جن شرائط کی رو سے کمپنی کو ۱۷۱۶ء میں رعاعات حاصل ہوئے تھے ان پر کمپنی قانع تھی البتہ اتنی خواہش ضرور تھی کہ نواب کے آئے دن کے خود مختارانہ مطالبات سے نجات ملے لیکن جیسے ہی ہمارا اثر ملک میں پھیلنے لگا۔ نئی نئی باتیں کمپنی کے عاملوں یا ان لوگوں سے جو اُن کے زیرِ حکم تھے عمل میں آنی شروع ہوئیں مثلاً لوگوں نے ان اشیاء کی تجارت شروع کر دی جن کی اُن کو پہلے قطعی ممانعت تھی۔ اور ملکی معاملات میں بھی مداخلت کرنے لگے۔"

سٹرویرسٹ نے بھی (جو بعد کو گورنر ہوا) یہی لکھا ہے کہ:۔

"بلا ادائے محصول ایسی خرید و فروخت رائج تھی جس سے بے انتہا مظالم ہو رہے تھے انگریز گماشتوں نے لوگوں کو نقصان پہنچانے کے علاوہ حکومت کے اقتدار کو بھی پائمال کر دیا اور نواب کے عہدہ داروں نے کسی وقت دخل دینے کی جرارت بھی کی تو ان کو باندھ کر مارنے پیٹنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا تھا اور یہی میر قاسم سے جنگ چھڑ جانے کی وجہ ہوئی۔"

خود میر قاسم نے بھی انگریزی گورنر کے روبرو عمال کمپنی کے مظالم پر شد و مد کے ساتھ اعتراض کیا تھا کہ:۔

"کلکتے کے انگریزی کارخانے سے لے کر قاسم بازار پٹنے اور ڈھاکے تک سب انگریز حکام اپنے گماشتوں عہدے داروں اور کارپردازوں کے ساتھ حکومت کے ہر ضلع میں بہ حیثیت صاحبان ضلع

تحویل دار اور زمینداروں کے کام کرتے تھے اور ہر جگہ کمپنی کا جھنڈا گاڑ کر میرے عہدہ داروں کو کسی اقتدار کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کے علاوہ گماشتے اور دوسرے ملازمین ہر ایک ضلع میں اور ہر ایک گنج پرگنے اور گاؤں میں کھلی بانس۔ بھوسہ۔ تیل۔ چاول۔ دھان۔ پان وغیرہ کا بیوپار بھی کر رہے ہیں اور ہر کس و ناکس کمپنی کا ”دستک“ ہاتھ میں لے کر اپنے آپ کو کمپنی سے کسی طرح کم تصور نہیں کرتا۔“

میر قاسم کی یہ شکایتیں بے بنیاد نہیں۔ ایلیس نے (جو کمپنی کی طرف سے پٹنہ میں گماشتہ تھا) خصومت کا طرز اختیار کر کے اپنے کو نواب کی نگاہوں میں خاص طور پر قابل نفرت ثابت کر دیا تھا چنانچہ ایک آرمینی تاجر پر یہ جرم لگایا گیا کہ اس نے نواب کے لئے تھوڑی سی مقدار میں جو شورا خریدا تھا وہ کمپنی کے تاجرانہ حقوق کے خلاف تھا جس پر ایلیس نے اس آرمینی تاجر کو گرفتار کر کے بیڑیاں پہنا دیں اور قید کر کے کلکتے بھیجدیا۔ ایک دوسرے موقع پر اس مفروضے پر کہ انگریزی فوج کے دو مفرور سپاہیوں نے نواب کے قلعہ مونگیر میں پناہ لی ہے ایلیس نے اپنے سپاہیوں کو قلعے کی تلاش کے لئے بھیجا مگر وہاں کوئی مفرور ہاتھ نہ آیا۔ چنانچہ وارن ہیسٹنگز نے (جو اس وقت گورنر کی کونسل کا رکن تھا) نواب کے اقتدار کے اس طرح بیجا طور سے مجروح کئے جانے کو محسوس کیا اور اس کو عنقریب علانیہ طور پر مخالفت پیدا ہونے کی صورت نظر آئی۔ اس نے گورنر کے نام اپنے خطوط مورخہ ۱۳ اور ۲۶ مئی سنہ ۶۲ء میں یہ لکھا کہ:۔

”مجھ کو یہ سجھائی نہیں دے رہا ہے کہ میں مسٹر ایلیس کے بارے میں کیا چارۂ کار اختیار کروں۔ میری رائے میں اس کا طرز عمل اس درجہ ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہے اور نواب کے ساتھ

اس نے اس قدر صریحا کینہ پروری برتی ہے کہ اگر ان واقعات کا مناسب طور پر اظہار کیا جاوے تو کمپنی کی شدید خفگی کا مستوجب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ .... واقعات پر رائے قایم کرنے والی دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ نواب کے اقتدار کی کھلی تذلیل ہو رہی ہے نواب کے عہدہ داروں کو بیڑیاں پہنائی جا رہی ہیں اور یہ کہہ کر کہ انگریزوں کا صدر ملک کے اس حصے میں نواب کے حق صوبہ داری ہی کو تسلیم نہیں کرتا۔ کمپنی کے سپاہیوں کے ذریعے سے نواب کے قلعوں کی تلاشی لی جا رہی ہے ان حرکتوں کا ظاہری نتیجہ کھلی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔"

وارن ہیسٹنگز کا یہ طرز عمل شایان تعریف ہے کہ وہ عاملان کمپنی کے اس دعوے پر کہ ان کو اپنی خانگی تجارت پر کسی محصول کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں بارہا معترض رہا اور بنگالیوں کی تجارت کی تباہی پر اظہار تاسف کرتا رہا۔ وارن ہیسٹنگز کی آنکھیں خود غرضی نے بند نہیں کر دی تھیں اور اگرچہ انکو اپنے ہم وطنوں کی طرف فطری رجحان ضرور تھا مگر بنگالیوں کے حق میں نا انصافی ہوتے دیکھ کر اپنے ہم وطنوں کو پر زور الفاظ میں مورد الزام بنانے سے وہ کبھی باز نہیں رہا۔

اپنے ایک اور خط مورخہ ۲۵ اپریل ۱۷۶۲ء میں وارن ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "میں ایک شکایت کے پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جو بآواز بلند داد خواہ ہے اور جس پر اگر توجہ نہ کی جائے گی تو وہ ہر ایسی کوشش کو بے سود کر دے گی جو نواب اور کمپنی کے باہمی اتحاد کو مستحکم اور پائدار بنانے میں صرف ہوگی۔ میرا مطلب ان مظالم سے ہے جو انگریزوں کی برائے نام اجازت کے نام سے کئے جا رہے ہیں ...... کئی مقامات پر جہاں میرا گزر ہوا مجھکو انگریزی جھنڈے اڑتے دیکھکر حیرت ہوئی اور دریا پر تو ایک کشتی بھی ایسی نظر نہیں آئی جس پر انگریزوں کی بیرقیں نہ ہوں۔ جس کسی حق کی بنا پر ایسا کیا جا رہا ہے (کیونکہ خود میں

نے جو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ بغیر کسی مزید دریافت کے قابل اعتماد ہے مجھکو یقین کلی ہے کہ ان جھنڈوں کی کثرت نواب کے محاصل کے لیئے یا ملک کے امن یا ہماری قوم کی عزت کے لیئے اچھا نتیجہ نہیں پیدا کرے گی بلکہ ہر طرح نقصان پہنچائیگی۔ ہمارے آگے آگے سپاہیوں کی ایک جمعیت کوچ کر رہی تھی جن کی پیشانیوں پر خود مختاری سرکشی اور غارتگری جھلک رہی تھی چنانچہ رستے میں ان لوگوں کے خلاف کئی شکایتیں مجھ تک پہنچیں اور ہماری آمد پر اس خوف سے کہ ہم بھی انھیں کی طرح برتاؤ کریں گے لوگ چھوٹے چھوٹے شہر بلاد اور سراؤں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے یا دکانیں بند کر لیں۔ جناب خود محسوس فرما سکتے ہیں کہ انھیں خفیف خفیف بے ضابطگیوں کے باعث جو جمہور کی متفقہ شکایت کے لائق نہیں اور جن کا مسلسل اعادہ ہوتا رہتا ہے ان دیہات کے باشندے ہماری حکومت کی نسبت برے خیالات رکھنے کے عادی ہو چلے ہیں"

چونکہ ایک زمانہ ہیسٹنگز کا ہندوستان میں گزرا تھا اس لیئے عمال کمپنی کے نظم و نسق کے بارے میں لوگوں کی بری رائے کا اندازہ کرنے میں اس نے غلطی نہیں کی مشہور و معروف کتاب "سیر المتاخرین" کے مصنف نے جہاں میدان جنگ میں برطانوی فوج کے [illegible] تعریف کی ہے وہاں ان کے دیوانی نظم و نسق کی افسوسناک تصویریں کھینچی ہے کہ:—

"ان لوگوں یعنے انگریزوں میں مستقل جرارت کے ساتھ ساتھ حد درجہ احتیاط و دوربینی بھی موجود ہے اور صف بندی یا [illegible] میں یہ اپنا مثل نہیں رکھتے اگر فوجی قابلیت کے ساتھ ساتھ [illegible] حکمرانی بھی آتا یا مزارعین و شرفاء کے حالات کا پاس [illegible] خدا کی مخلوق کی آسائش و امداد کی بھی اسی قدر استعداد [illegible] ساتھ فکر ہوتی جیسی انھیں فوجی معاملات سے متعلق امور میں ہے تو

دنیا کی کسی قوم کو ان پر فوقیت نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ان سے بڑھکر کوئی دوسری قوم حکمرانی کے قابل ثابت ہو سکتی۔ لیکن ان کو ان ممالک کے باشندوں کا اس قدر کم لحاظ ہے اور ان کی فلاح وبہبود کے معاملے میں اس درجہ بے پروائی و بے اعتنائی ہے کہ ان کے زیر حکومت رعایا ہر جگہ نالاں اور مصیبت و افلاس میں مبتلا ہے۔ الٰہی اپنے آفت زدہ بندوں کی مدد فرما اور ان مظالم سے انھیں نجات عطا کر جن کے باعث وہ پریشاں حال ہیں"

نواب بنگالہ نے بھی کئی بار انگریز گورنر کے پاس شکایتیں کیں اور بجا طور پر کیں مگر ان کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ چنانچہ نواب نے ۲ مئی ۱۷۶۲ء میں لکھا تھا کہ:۔

"میرے پرگنے ہر قریہ اور ہر کارخانے میں کمپنی کے گماشتہ نمک۔ سپاری۔ گھی۔ چاول۔ بھوسہ بانس مچھلی ٹاٹ۔ ادرک شکر تمباکو افیون کے علاوہ اور بہت سی ایسی چیزوں کی بھی! خرید وفروخت کر رہے ہیں جن کی تعداد بتانے کی ضرورت نہیں۔ رعایا اور تاجروں وغیرہ سے ان کے اموال و اجناس کو ایک چوتھائی قیمت پر زبردستی لے لیا جاتا ہے اور پھر انھیں کے ہاتھ ظلم و زیادتی سے ایک روپیہ کی چیز پانچ روپیہ میں بیچی جاتی ہے۔ ہر ضلع کے عاملوں نے اپنے متعلقہ فرائض کی بجاآوری سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ اور ان مظالم کی بنا پر اور محاصل کی آمدنی سے میرے محروم رہنے کے باعث مجھ کو سالانہ پچیس لاکھ کا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔۔۔۔۔۔ خدا کے فضل سے میں نے آج تک کسی معاہدے یا قرارداد کی خلاف ورزی کی ہے اور نہ کرونگا پھر کیوں انگریزی حکام میری حکومت کی تذلیل کر رہے ہیں اور مجھ کو نقصان پہنچانے میں مصروف ہیں"

کمپنی کے گماشتوں کے افعال کی اس سے زیادہ تفصیلی حالت

سارجنٹ بریگو کے خط (مورخہ ۲۶ رمئی ۱۷۶۲ء میں موجود ہے) اس نے لکھا ہے کہ :-

"اگر کوئی معزز انگریز اپنے گماشتے کو یہاں خرید و فروخت کے لئے بھیجتا ہے تو یہ گماشتہ اپنے تئیں اتنا بڑا آدمی سمجھ لیتا ہے کہ وہ اس دیس کے ہر ایک باشندے کو اپنے مال کے خریدنے پر یا خود اس کا مال بیچنے پر اسے مجبور کرنے کا اپنے کو مجاز سمجھتا ہے۔ اور اگر کسی نے عدم قابلیت کے عذر پر انکار کی جرارت کی تو اس کا نتیجہ کوڑے کھانا، یا فوری قید ہوتا ہے، اور اگر اس نے رضامندی بھی ظاہر کی تو اس پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے زور کے بل تجارت کی جملہ شاخیں اپنے قبضے میں کر لی جاتی ہیں اور دوسروں کو ان اشیاء کی خرید و فروخت ممنوع ہوتی ہے اور اس پر بھی اگر کسی نے ان اشیاء کی خرید و فروخت کی جرارت کی تو پھر اس پر عملی اشکال میں اپنے اقتدار کا اعادہ کیا جاتا ہے ان سب باتوں کے باوجود جو چیزیں کہ خریدی جاتی ہیں وہ بیوپاری نرخ سے نہایت گھٹا کر خریدی جاتی ہیں اور اس پر بھی قیمت دینے سے اکثر صاف انکار کر دیا جاتا ہے اور اس بارے میں میری مداخلت فوری شکایت کا موجب بن جاتی ہے یہ اور دوسرے مظالم جو بیان میں نہیں آسکتے بنگالے کے گماشتے روزانہ ڈھا رہے ہیں اور یہی باقر گنج کی بربادی کا باعث ہیں۔ حالانکہ باقر گنج کسی زمانے میں بنگالے کا ایک مرفہ الحال ضلع تھا۔ لوگ ہر روز جوق جوق شہر چھوڑ کر ایسے مقامات پر رہنے چلے جا رہے ہیں جو زیادہ محفوظ ہوں۔ منڈیوں میں جہاں چیزوں کی افراط تھی وہاں مشکل سے کوئی ایسی چیز اب دکھائی دیتی ہے جو کار آمد کہی جا سکے کیونکہ چپراسیوں تک کو ان غریبوں پر جبر و زیادتی کرنے کی اجازت ہے اور اگر کسی زمیندار نے مزاحمت کا خیال کیا تو اس کو دھمکی دی جاتی ہے کہ اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا۔ پہلے تو یہ تھا

کہ کچہریوں میں کھلے بندوں انصاف ہوتا تھا اور اب ہر ایک گماشتہ اپنے آپ کو ناظم عدالت سمجھتا ہے اور اپنے گھر کچہری کرتا ہے زمینداروں تک کے حق میں فیصلے صادر ہوتے ہیں اور نقصان رسانی کے حیلوں سے مثلاً یہ کہہ کر کہ ان لوگوں نے چپراسیوں سے جھگڑا کیا یا کہیں چوری کی تاوان بھی وصول کئے جاتے ہیں حالانکہ قرین قیاس تو یہی ہو سکتا ہے کہ انھیں گماشتوں کے لوگوں نے دراصل یہ چوریاں کی ہونگی۔"

مذکور الصدر خط کے مماثل مزید تفصیلی واقعات محمد علی تعلقدار ڈھاکہ نے بھی اکتوبر ۱۷۶۲ء کے خط میں کلکتہ کے انگریز گورنر کو لکھے ہیں کہ:۔

"اولاً اکثر تاجروں نے کمپنی کے کارخانوں سے ساز باز کرلی ہے چنانچہ اپنی کشتیوں پر انگریزی بیرقیں اڑاتے ہیں اور انگریزوں کی ملک ہونے کے حیلے سے اپنا مال بھی اٹھالے جاتے ہیں جس کی وجہ سے محاصل شاہ بندر کے علاوہ دوسرے محاصل میں بھی کمی واقع ہو رہی ہے۔

"ثانیاً۔ لاکھی پور اور ڈھاکے کے کارخانوں کے گماشتے تمباکو روئی لوہا اور متفرق اشیاء بیوپاریوں کو ایسے نرخ پر خریدنے مجبور کرتے ہیں جو بازاری نرخ سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور پھر ان بیوپاریوں سے اس رقم کے زبردستی وصول کرنے کے علاوہ چپراسیوں کے لئے بھتہ بھی لیتے ہیں اور خلاف ورزی قرارداد کا جرمانہ بھی۔ انھی کارروائیوں کا نتیجہ ہے کہ "اورنگ" اور دوسرے مقامات بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔

"ثالثاً۔ لاکھی پور کے کارخانے کے گماشتوں نے تعلقدار کے ان سب تعلقوں کو جو تحصیلدار کی نگرانی میں تھے تحصیلدار سے منفعت ذاتی کے لئے بہ زور چھین لیا ہے اور ان کا زر لگان تک

ادا نہیں کرتے اور بعض لوگوں کے اغوا سے اگر کسی نے فضول شکایت بھی کی تو انگریزوں کو سپاہیوں کے ساتھ "دستک" دیکر دیہات میں بھیجد یتے ہیں جہاں پہنچکر وہ ایک شورش برپا کر دیتے ہیں چنانچہ مختلف مقامات میں محصول کی چوکیاں قائم کر دی ہیں اور غریبوں کے مکانات میں جو کچھ موجود پاتے ہیں اس کو نیلام کرکے روپیہ اینٹھ لیتے ہیں انہی ہل چل کی وجہ سے ملک تباہ ہے اور رعیت نہ اپنے گھر میں بود باش اختیار کر سکتی ہے اور نہ مالگزاری ہی ادا کر سکتی ہے متعدد مقامات پر مسٹر شنوالیئر نے زبردستی منڈیاں اور کارخانے قائم کئے ہیں۔ اور اپنی طرف سے سپاہیوں کو ناجائز طور پر نوکر رکھکر جس کو چاہیں گرفتار کر لیتے ہیں جس کو چاہیں جرمانہ کر دیتے ہیں۔ ان زبردستیوں کے باعث اکثر منڈیاں، بندرگاہیں اور پرگنے تباہ و برباد ہو گئے"

ایک طرف تو سارے بنگالہ میں ہر اہم ضلع کی اندرونی تجارت کمپنی کے عاملوں اور گماشتوں کے ہاتھوں تتر بتر ہو گئی اور دوسری طرف جن ذرائع سے کہ یہ لوگ مصنوعات ملکی اپنے قبضے میں کر لیتے تھے وہ خود کچھ کم موجب ظلم و زیادتی نہ تھے۔ ایک انگریز تاجر مسمی ولیم بولٹس نے اپنے چشم دید حالات یوں بیان کئے ہیں کہ :-

"صداقت کے ساتھ اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ملک کی تمام اندرونی تجارت جیسی کہ آج کل ہو رہی ہے اور خصوصاً کمپنی کے یورپی سرمایہ کا مشغل ملک کو ایک دائمی تماشہ گاہ مظالم بنائے ہوئے ہے جس کے مضر اثرات ملک کے ہر صناع اور جولاہے کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ہر ایک چیز جو بنائی جاتی ہے اس کے حقوق اجارہ اس طرح محفوظ کر لئے جاتے ہیں کہ کوئی دوسرا نہ بنانے پائے اور انگریز اپنے سیاہ فام گماشتوں اور بنیوں کے ذریعے سے ہر ایک کے لئے من مانے طور پر اس بات کا تعین کر دیتے ہیں کہ کس مقدار میں مال وصول ہونا چاہئے اور اس کی قیمت کیا دیجائیگی۔..... ہر گماشتہ

"اورنگ" یعنے صنعتی کارخانے والے شہر کو پہنچکر اپنے لئے ایک رہنے کا مقام تجویز کرتا ہے جس کا نام کچہری رکھتا ہے جہاں چپراسیوں اور ہرکاروں کو بھیجکر دلالوں اور پیکاروں کو جولاہوں کے ساتھ طلب کرتا ہے اور اپنے مالکوں کے پاس سے کل رقم وصول ہونے کے بعد کچھ رقم پیشگی دیکر ان لوگوں سے ایک اقرارنامہ لکھوالیتا ہے کہ اس قدر مال اس قیمت پر فلاں وقت تک تیار کر کے لایا جائے خواہ اس پر کوئی غریب جولاہا راضی ہو یا نہ ہو اکثر گماشتے کمپنی کے شغل سرمایہ کے لئے جو چاہتے ہیں ان لوگوں سے لکھوا لیتے ہیں اور اگر کسی جولاہے نے پیشگی رقم لینے سے انکار کیا تو یہ رقم بہ جبر اس کی کمر میں باندھ دی جاتی ہے اور کوڑے لگاکر نکال دیا جاتا ہے۔ ..... عموماً ان جولاہوں کی ایک کثیر تعداد گماشتوں کے کتابچوں میں نام بنام درج رہتی ہے اور انہیں کسی دوسرے کا کام کرنے کی اجازت نہیں بلکہ محض غلاموں کی طرح ایک گماشتے سے دوسرے گماشتے کے پاس منتقل کر دئیے جاتے ہیں جہاں گماشتوں کے غیر شریفانہ سلوک اور ظلم ہمیشہ سہنا پڑتے ہیں ..... اس بارے میں جو بدمعاشی کہ ہوتی ہے وہ گمان سے باہر ہے اور ہر بدمعاشی کا نتیجہ غریب جولاہوں کی حق تلفی ہے کیونکہ جو قیمت کہ کمپنی کے گماشتے (یا کپڑوں کے جانچنے والے ماہر جو ان گماشتوں کے ساتھ سازش میں شریک رہتے ہیں) مقرر کرتے ہیں وہ بازاری نرخ یا اس مقام کے نرخ سے جہاں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہو اکثر جگہ کم از کم پندرہ فی صدی اور بعض مقامات میں چالیس فی صدی سے بھی کم ہوتی ہے ..... کمپنی کے گماشتوں کے جبر پر مچلکہ لکھدینے کے بعد اگر کسی وجہ سے جولاہوں نے اپنا اقرار پورا نہ کیا تو ان کا تمام مال چھین کر اسی جگہ نیلام کر دیا جاتا ہے جس سے ان گماشتوں کے خسارہ کی تلافی ہو سکے۔ خام ریشم کے چرخہ کاتنے والوں سے جن کو بنگالہ میں عام طور پر "ناگود" کہا جاتا ہے اسی طرح کی ناانصافی برتی گئی اور ایسی مثالیں علم میں آئیں جہاں ان چرخہ کاتنے والوں نے

اپنے انگوٹھے تک کاٹ کر پھینک دیئے تاکہ وہ ریشم کاتنے پر مجبور نہ کیے جا سکیں۔

اس طرح کی بے آئینی میں بنگالے میں صنعتوں کے علاوہ فن زراعت بھی زوال پذیر تھا کیونکہ ملک کے صناع عموماً کاشتکار ہی تھے۔ "کونسڈریشن آف انڈین افیئرز" (ہندوستانی معاملات پر غور و خوض) (مطبوعہ لندن ۱۷۷۲ء) کے مصنف نے لکھا ہے کہ:-

"رعیت جو عموماً قابض آراضی بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ صنعت گر بھی ہوتی ہے گماشتوں کے اس ظلم کی وجہ سے کہ وہ مال کے لئے رعیت کو دق کرتے ہیں اکثر اس قابل نہیں رہی کہ اپنی زمینوں کو ترقی دینا تو ایک طرف ان کا لگان تک ادا کر سکے۔ اس پر طرّہ یہ کہ مالگزاری کے عہدے داروں کی سزائیں بھی اس کو بھگتنی پڑتی ہیں اور انھیں رعیت کش مطالبات کی وجہ سے مالگزاری ادا کرنے کے لیے اپنے بچوں تک کو مجبوراً فروخت کر دینا پڑتا ہے۔ یا بہ شکل دیگر ملک ہی سے بمجبوری فرار اختیار کرنا پڑتا ہے"۔

مذکورۃ الصدر چند اقتباسات ہماری غرض کے لئے کافی ہیں یہ اقتباسات مختلف ماخذوں سے لئے گئے ہیں چنانچہ ایک اقتباس انگریز گورنر کے خطوط اور اس کی دوسری تحریروں سے ہے، ایک کونسل کے انگریز رکن سے، ایک انگریز تاجر کی تحریر سے، نیز خود نواب کے شکایات سے، ایک مسلمان تعلقدار کی روداد سے اور ایک مسلمان مورخ کی تاریخ سے، اور یہ سب تحریریں وہی ایک دردناک قصہ بیان کرتی ہیں۔ بنگالے کے لوگ اگرچہ ظلم و تعدی برداشت کرنے کے عادی ہو چلے تھے مگر کبھی انھوں نے اپنی زندگی میں ایسے مظالم نہیں دیکھے تھے جن کے اثرات اتنی دور تک پہنچے ہوں کہ ہر ایک گاؤں کی منڈی اور ہر ایک جولاہے کا گھر تک اس سے متاثر ہو۔ ان لوگوں نے حکام وقت کی مطلق العنانی تو دیکھی تھی مگر کبھی بدنظمی

کے ہاتھوں نہ ایسی ایذا اٹھائی تھی اور نہ ایسا دکھ پایا تھا۔ جس سے ان کے پیشے ان کے کاروبار یا ان کی زندگی تک اس درجہ متاثر ہو کہ ان کی کمائی ہی رک جائے اور دولت کے تمام ذرائع مسدود ہو جائیں۔

وہ انگریز جن میں سے ایک کا نام ہنری ونسٹارٹ اور دوسرے کا وارن ہیسٹنگز تھا بنگالہ میں ایسے موجود تھے جنھوں نے اس صورت حال کے انسداد کی کوشش کی۔ یہ دونوں نواب میر قاسم سے ملنے اور ... طور پر معاملات کا تصفیہ کرنے کے لئے مونگیر پہنچے۔ میر قاسم ایک مطلق العنان حکمراں تھا مگر بیدار مغز بھی ضرور تھا اس نے اگرچہ بہت سی زبردستی اور خود رائی کی حرکتیں کیں تھیں مگر کمپنی کے مقابل اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اسکو علم بھی تھا اور اسکو یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہنری وانسٹارٹ اور وارن ہیسٹنگز کے سوا کوئی اور اس کا دوست ہی نہیں ہے میر قاسم نے جہاں رعایت کا مطالبہ ہوا وہاں رعایت بھی کی اور ان تینوں نے مل کر ایک معاہدہ طے کیا۔

اس معاہدے کے شرائط نو عنوانوں کے تحت قلمبند کئے گئے جن میں کے پہلے تین نہایت اہم تھے اور وہ یہ ہیں کہ :-

(۱) تمام بحری تجارت کے لئے خواہ وہ درآمد ہو یا برآمد کمپنی کی "دستک" منظور کی جائے ایسی تجارت محصول کی ادائی سے بری رہے اور اس میں کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔

(۲) اس تمام تجارت کے لئے جو اندرون ملک ہی دو مقامات کے درمیان ہو اور جو ملک ہی کے اندر تیار کی ہوئی اشیاء سے متعلق ہو کمپنی کی "دستک" منظور کی جائے۔

(۳) ایسی اشیاء پر مقررہ شرطوں کے مطابق جو خاص طور پر طے کی جائینگی اور اسی معاہدے کے ساتھ منسلک رہیں گی محصول ادا کیا جائے۔

کوئی بات اس معاہدے سے بڑھکر قرین انصاف نہیں ہو سکتی لیکن اس پر کلکتے میں ایک ہنگامۂ طیش برپا ہو گیا ۔ السیاٹ نے ملے اور وانس نے ۱۷ر جنوری ۱۷۶۳ء میں یہ لکھا کہ :- ”ونسٹارٹ کے مجوزہ قواعد ہم انگریزوں کے لئے ذلت کا باعث ہیں اور ان سے عام اور خاص تجارت کی تباہی کا اندیشہ بھی ہے“ ۱۵ر فبروری کو کونسل عام کا اجلاس ہوا ۔ اور یکم مارچ کو ایک باضابطہ مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں ونسٹارٹ اور ہیسٹنگز کی مخالفت کے باوجود یہ طے پایا کہ کمپنی کے ملازموں کو بلا ادائے محصول اندرونی تجارت کا حق حاصل ہے مگر نواب کے حقوق کو تسلیم کرنے کے طور پر جملہ اشیاء پر نو فیصدی محصول کے بجائے جس کو پہلے ونسٹارٹ نے قبول کر لیا تھا ۔ صرف نمک پر ڈھائی فیصدی محصول ادا کیا جا سکتا ہے ۔

یہ فیصلہ خود غرض آدمیوں کے ذاتی اغراض پر مبنی تھا مگر وارن ہیسٹنگز کی مخالفانہ رائے ایک ایسے منصف مزاج آدمی کی رائے تھی جو انصاف کا حامی تھا ایک حصہ ہیسٹنگز کے طویل بیان سے یہاں نقل کیا جاتا ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے ۔

”چونکہ میں پہلے ایک بہت ہی ادنیٰ حیثیت سے گاؤں والوں کے ساتھ رہ چکا ہوں اور وہ بھی ایک ایسے وقت میں جبکہ حکومت پر ہم سب کا غلامانہ آسرا رہنے کے باوجود زمینداروں اور سرکاری عہدہ داروں نے ہر وقت ہماری حد درجہ کی خاطر داری ہی نہیں بلکہ توقیر بھی کی اس لئے میں کامل اعتماد کے ساتھ اس موجودہ رائے کو عدل و انصاف کے منافی سمجھتا ہوں اور بارہا تجربہ ہونے کی بناء پر مزید یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم لوگ ظلم کرنے یا محتاجیت برتنے کے بجائے راستبازی کے ساتھ جائز تجارت کے پابند رہیں اور حکومت کے جائز اقتدارات کی اطاعت قبول کر لیں تو ہماری ہر جگہ آؤ بھگت تعظیم و توقیر ہوگی اور انگریزوں

کا نام رسوائی اور ملامت کے بجائے عزت و احترام کے ساتھ لیا جائے گا۔ ملک بھی ہماری تجارت سے مستفید ہوگا اور غریب ملک کے باشندے انگریزوں کی قوت سے بھوت کی طرح ڈر کر نقصان و مظالم سہنے پر مجبور آ راضی ہونے کے بجائے انگریزی قوت کو اپنا محافظ اور انتہائی برکتوں کا باعث سمجھنے لگیں گے۔"

اس معاہدے کے متعلق کلکتہ کونسل کی نامنظوری کی اطلاع نواب میر قاسم کے کانوں تک پہنچی اور یہ خبر بھی کہ اس معاہدے کے مطابق نواب کے احکام کی تعمیل میں نواب کے عہدہ داروں کی مزاحمت کی جا رہی ہے۔ اس پر میر قاسم کو طیش آیا اور بجا طیش آیا اس نے ایک ایسا نہایت ہی نیک مناسب وخیر اندیشانہ کام کیا جو آج تک کسی نیک دل مشرقی بادشاہ یا حکمران نے شاید ہی کیا ہو۔ اس نے اپنے اس طرح کے سب محاصل سے بطور ایثار دست برداری اختیار کر کے تمام محصول ہی معاف کر دیا تاکہ اس کی رعایا کم از کم انھیں مساوی شرائط پر تجارت کر سکے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کو حاصل تھے۔

یہ مشکل یہ باور کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ واقعہ ضرور ہے کہ ونسٹارٹ اور ہیسٹنگز کے سوا کلکتہ کی کونسل نے بالاتفاق اس معافی محصول پر اعتراض کیا کہ اس سے گویا خود انگریزی قوم سے یہ وعدہ خلافی برتی گئی جنرل نے اپنی تاریخ ہند (عہد برطانیہ) میں لکھا ہے کہ:-

"اس موقع پر عمال کمپنی کا طرز عمل صفحات عالم میں ایک نہایت ہی بین مثال اس بات کی پیش کرتا ہے کہ غرض کی آندھی احساس انصاف تو کیا شرم وغیرت کا چراغ بھی آناً فاناً بجھا سکتی ہے۔" ایچ۔ ایچ۔ ولسن نے اپنے توضیحی فقرے میں اس کی یوں شرح کی ہے کہ "کونسل کی روداد کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا کیونکہ

تجارتی حرص و طمع کی تنگ نظر خود غرضی نے جملہ اراکین کونسل کو بجز ونسٹارٹ اور ہیسٹنگز دو قابل عزت مستثنیات کے اس بات کے ناقابل کردیا تھا کہ وہ معقول پسندی عدل و انصاف اور حکمت عملی کے صریح ترین ہدایات کا کچھ پاس کرسکیں مخالف رائے رکھنے والے دونوں ارکان کونسل یعنے ونسٹارٹ اور ہیسٹنگز نے اپنی رائے نہایت خوبی کے ساتھ قلم بند کی اور یوں استدلال کیا کہ ایسی تجویز جس کی بدولت تمام تجارت ہمارے ہی مٹھی میں آجائے اور ہمارے ہی آدمیوں سے نمک بنانے کا کام بھی لیا جائے یا ملک کی ہر پیداوار گری پڑی چیز کی طرح اٹھائی جاسکے۔ گو ہمارے لئے نفع بخش سہی لیکن یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ نواب بھی ہمارا شریک بنکر دیسی تاجروں کو ان کے ذرائع تجارت سے محروم بنانے کی کوشش کرے گا؟ یہ بیان تصفیہ طلب امور کو صاف طور پر ہمارے سامنے پیش کردیتا ہے محض اپنی جیب گرم کرنے کے لیئے کمپنی کے عاملوں کی آرزو یہ تھی کہ ایک زرخیز و متمدن ملک کے باشندے نہ صرف دولت کے ان ذریعوں سے محروم ہوجائیں جن سے وہ اچھی اور بری دونوں طرح کی حکومتوں کے تحت مستفید ہوتے رہے ہیں بلکہ آزادانہ پیدائش و مبادلہ دولت کے ان حقوق سے بھی جو روئے زمین کے تمام متمدن اقوام کو حاصل ہیں محروم ہوجائیں۔ عمال کمپنی کی صرف یہی خواہش نہ تھی کہ وہ ایک یا دو اشیاء کا اجارہ اپنے لئے مختص کرلیں بلکہ اپنے اور دیسی تاجروں کے درمیان ہر شئے کی تجارت میں ایک امتیاز پیدا کریں جس سے آخر کار سب بنگالی ایسے عام حقوق سے محروم ہوجائیں جو بنی نوع انسان کی جملہ جماعتوں کو حاصل ہیں۔ تاریخ عالم میں غالباً کوئی دوسری ایسی نظیر نہیں ملے گی جہاں غیر ملکی تاجروں نے زور بازو سے ایسے دور دست دعاوی کئے ہوں جن سے ایک آباد اور عظیم الشان ملک کی جملہ تجارت اہل ملک کے ہاتھوں سے

نکل کر اپنی مٹھی میں آجائے ۔ نواب میر قاسم نے ان دعادی کی مزاحمت پر کمر باندھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ چھڑ گئی ۔

ہنری ونسٹارٹ نے جو ۱۷۶۰ء سے ۱۷۶۵ء تک کلکتے میں گورنر تھا (اور یہی زمانہ بنگالہ میں میر قاسم کی جملہ حکومت کا تھا) میر قاسم کے ملکی نظم و نسق کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے :-

"میر قاسم نے کمپنی کا قرضہ اور اپنی فوج کا جملہ کثیر المقدار بقایا ادا کردیا ۔ درباری مصارف میں جن پر اس کے پیش روؤں کی ساری آمدنی صرف ہو جاتی تھی تخفیف کی اور زمینداروں کی قوت گھٹا کر سارے ملک پر اپنا اقتدار قائم کیا حالانکہ یہی زمیندار تھے جو صوبہ کے امن میں ہمیشہ خلل ڈالا کرتے تھے ۔ ان سب باتوں کو دیکھکر مجھ کو بیحد خوشی ہوئی کیونکہ مجھ کو یہ خوب معلوم تھا کہ جس قدر کم نواب کو ہماری امداد کی ضرورت ہوگی اسی قدر کمپنی کو کم مصارف لاحق ہونگے اور کمپنی اپنے مقبوضات کی نگہداشت کی طرف زیادہ متوجہ رہے گی اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں نواب پر بھروسہ بھی تھا کہ وہ ایک مشترکہ حریف کے مقابلے میں ہمارا قابل اعتماد و کارآمد حلیف ثابت ہوگا ۔ مجھ کو اس کا یقین تھا کہ اگر ہم نواب کے حقوق پر دست درازی نہ کریں یا اس کی حکومت میں خلل انداز نہ ہوں تو نواب ہم سے کبھی جنگ نہ کریگا ۔ چنانچہ نواب خود لڑائی کا کوئی موقع نہ دینے کی خاطر اس درجہ محتاط تھا کہ ایک بھی مثال ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جہاں نواب نے اپنے کسی آدمی کو ان اراضی پر بھیجا ہو جو ہمارے تفویض کردی گئی تھیں یا جہاں ہماری تجارت کی کسی ایک چیز میں بھی مداخلت کی گئی ہو ۔ اِلّا اس کے کہ گماشتوں کی غاصبانہ روش یا ہماری خانگی تجارت کے متعلق ہمارے نئے دعاوی کی بناء پر جب نزاع کی ابتدا ہوئی وہ ہمارے مباحثہ کی انتہا پر جنگ کا باعث بن گئی لیکن

اس وقت تک بھی کمپنی کا کاروبار بلا کسی روک ٹوک کے ہر حلقے میں چلتا رہا۔ بجز ان ایک دو برافروختہ کرنے والی شکایتوں کے جو مسٹر ایلس نے شورے کے خریدنے کے متعلق کی تھیں۔ اس سے کسی قدر مختلف طرز عمل ان شرفا کا تھا جو نواب کی مخالف جماعت کے بانی تھے۔ زمانہ صوبہ داری کی ابتدا سے ایک دن بھی ایسا نہیں گزرتا تھا جب معمولی حیلوں سے یہ لوگ موقع کی تاک میں نہ ہوں جس سے نواب کی حکومت پامال کی جا سکے یا نواب کے عہدہ داروں کو گرفتار کیا جا سکے۔ یا دھمکیوں اور سخت گوئی کے ساتھ ان کی تحقیر و تذلیل کی جا سکے۔ مجھ کو اس کی مثالیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس تذکرے کے ہر ایک صفحے پر یہ مندرج ہیں"

اس کتاب کا مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی کے جنگی واقعات بیان کرنا نہیں تاہم ۱۷۶۳ء میں میر قاسم کی جنگ کا نتیجہ ابتدا ہی سے بالکل عیاں تھا۔ میر قاسم نے انگریزوں کا ایسا مقابلہ کیا جو کسی ہندوستانی رئیس یا فوج نے بنگالہ میں شاید ہی کیا ہو۔ لیکن پہلی شکست جہیریا میں اور دوسری اودے نالہ پر کھائی۔ طیش میں آکر میر قاسم نے ان سب انگریزوں کو جو پٹنہ میں اسیر تھے قتل کروا ڈالا۔ اور اپنی قلمرو کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔ ضعیف میر جعفر کو ۱۷۶۰ء میں جو معزول کر دیا گیا تھا پھر گدی نشین کیا گیا مگر چند ہی روز میں میر جعفر نے انتقال کیا اور اس کی وفات پر اس کے فرزند مجہول النسب نجم الدولہ کو ۱۷۶۵ء میں جلد ہی سے نواب بنا دیا گیا۔

ہر نواب کی مسند نشینی پر مشہور مشرقی ضرب المثل کے مطابق "ٹہنیاں ہلاتے ہی روپے مینہ کی طرح برسنے لگے" انگریزوں کو ایک نیا موقع ہاتھ آتا تھا چنانچہ جب ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کے بعد میر جعفر پہلی مرتبہ تخت نشین ہوا تو انگریزی فوج کے افسر اور سپاہیوں نے بارہ لاکھ اڑتیس ہزار پانسو چھتہ پونڈ کی رقم انعام میں پائی

جس میں سے خود کلائیو نے ایک زرخیز جاگیر کے علاوہ بیس ہزار پونڈ اپنے حصے کے طور پر لے لئے اور جب سنہ ۱۷۶۰ء میں میر قاسم مسند نشین ہوا تو انگریز افسران فوج کو دو لاکھ دو سو انہتر پونڈ کی مقدار میں انعام تقسیم ہوا۔ جس میں دنسارٹ نے اٹھاون ہزار تین سو تئیس پونڈ خود لے لئے۔ جب سنہ ۱۷۶۳ء میں میر جعفر دوبارہ مسند نشین ہوا تو اس نے پانچ لاکھ ایک سو پینسٹھ پونڈ کی رقم انعاموں میں تقسیم کی اور اب سنہ ۱۷۶۵ء میں نجم الدولہ کی مسند نشینی ہوئی تو دو لاکھ تیس ہزار تین سو چھپن پونڈ کی مزید رقم پھر انعاموں میں صرف ہوئی۔ اس طرح آٹھ سال کے عرصے میں انعاموں کی جملہ رقم اکیس لاکھ انہتر ہزار چھ سو پینسٹھ پونڈ کے علاوہ مختلف اور رقوم بھی جن کی میزان سینتیس لاکھ ستر ہزار آٹھ سو سینتیس ہوتی تھی بطور تاوان طلب اور حاصل کی گئیں۔

سنہ ۱۷۷۲ء اور سنہ ۱۷۷۳ء کے مابین جب دارالعوام کی مجلس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حالات کی تحقیقات کی تو اس مجلس کے سامنے ان تمام رقوم کی وصولیابی کا بعض نے اعتراف کیا اور بعض کے لئے ثبوت پیش ہوا۔ کلائیو نے اپنے افعال کا جواز یوں پیش کیا کہ:—

"میں نے کبھی یہ نہیں چھپایا بلکہ نظمائے ہند کی "مجلس معاملات راز" کے موسومہ خطوط میں میں نے یہ کھلے طور پر ظاہر کر دیا تھا کہ نواب کی فیاضی نے مجھ کو فارغ البال کر دیا ہے اور اب محض کمپنی کی فلاح و بہبود ہی میرے ہندوستان میں رہنے کا باعث ہے۔ ...... کمپنی کو اس سے زیادہ توقع رکھنے کی کیا وجہ ہے کہ میں ان کی خدمت گزاری میں اپنی زندگی کو بارہا خطرہ میں ڈالنے کے بعد بھی اس ایک موقع کو جو مجھ کو مدت العمر میں اس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ سے کھو دوں اور جس سے کمپنی کو نقصان پہنچائے بغیر میں دولتمند ہو جاؤں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ

میر سے کم لینے کی وجہ سے کمپنی کو کچھ زیادہ ملنے سے رہا۔"
کلائیو کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی کہ یہ زرکثیر نہ تو کمپنی کی ملک تھا اور نہ اس کی، بلکہ یہ ملک کی ملک تھا جو عامۃ الخلائق کی رفاہ پر صرف ہونا چاہئے تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حمایت میں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس نے ان بیجا مطالبات کی جو انعاموں کے نام سے وصول کئے جاتے تھے سختی کے ساتھ مخالفت کی نیز اس کے ملازمین جو اندرونی تجارت بنگال میں کرتے تھے اس کو قابل ملامت قرار دیا۔ ۱۷۶۵ء میں کمپنی نے انعام قبول کر لینے کے خلاف احکام اجرا کئے اور عاملان کمپنی کی اندرونی تجارت کے خلاف انسدادی احکام جو نافذ ہو چکے تھے ان کی تعمیل کے لئے کلائیو کو بعجلت ہندوستان روانہ کیا۔ احکام تو ہندوستان پہنچ چکے تھے اور ملازمین کمپنی کے اقرار نامے صرف دستخط کے محتاج تھے جن کی عنقریب تکمیل کی توقع تھی۔ ایسی حالت میں وقت ضائع کرنے کا موقع نہ تھا اسی لئے کلکتہ کی کونسل نے نجم الدولہ کو جلدی سے مسند نشین کر دیا تاکہ تحف تحائف اور انعام و اکرام کی بہتی گنگا سے آخری مرتبہ حلق تر کر لیں۔

تیسرا باب

لارڈ کلائیو اور اس کے جانشین بنگالے میں

(۱۷۶۵ء سے ۱۷۷۲ء تک)

۱۷۶۵ء سے تاریخ ہند میں ایک دور جدید کی ابتدا ہوئی۔

اسی سال لارڈ کلائیو نے تیسری اور آخری مرتبہ ہندوستان کی سمت مراجعت کی اور شہنشاہ مغلیہ سے بنگالے کے منصب دیوانی کا منشور حاصل کیا۔ اگرچہ شہنشاہ دہلی کا کوئی حقیقی اقتدار باقی نہ رہا تھا تاہم وہ ہندوستان کا برائے نام خود مختار فرماں روا تسلیم کیا جاتا تھا اور اس منشور سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک باضابطہ حیثیت ہوگئی۔

لارڈ کلائیو کو ایک دشوار فریضہ انجام دینا تھا کیونکہ کمپنی کے معاملات ابتری میں پڑے ہوئے تھے اس کے ملازمین بد دیانت تھے اور رعایا مظالم کا شکار۔ کلائیو کی کوشش یہ تھی کہ اپنے ہندوستان کے مختصر قیام ہی میں ان سب باتوں کی اصلاح کردے۔ اس کا ۳۰ ستمبر ۱۷۶۵ء کا خط جو اس نے کلکتے سے مجلس نظار کے نام لکھا ہے ان تمام کتابوں میں جو معاملات ہند پر شائع ہوئی ہیں ایک نہایت یادگار نوشتہ ہے اس خط میں لارڈ کلائیو نے اس صورت حال کا انکشاف

کیا ہے جو اس کے آخری ورود پر ہندوستان میں موجود تھی اور ان تدابیر کا بھی اظہار کیا ہے جو اس نے تنظیم و ترتیب کے لئے اختیار کیں کلائیو کا کام کلائیو ہی کے الفاظ میں بیان کرنا ضروری ہے۔

(۲) "مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان پہنچنے پر میں نے آپ کے معاملات کی صورت قریب قریب یاس انگیز پائی جس سے ہر ایسے طبقے کے جو اس باختہ ہو جاتے جس کے اندر اپنے مخدوم کے معاملات میں احساس فرائض اور پاس عزت کا جوہر اپنے فائدہ کی سرگرم پیروی میں فنا نہ ہو گیا ہو اول تو دفعتاً متمول ہو جانے کے سبب سے، دوسرے اپنے ذاتی منافع میں حد سے زیادہ سرگرم ہو جانے اور ہر طرح کے تعیش میں مبتلا ہو جانے کے باعث، اب اکثر لوگوں کے جوہر کھل چلے ہیں، اور یہی دو حد سے گزری ہوئی قباحتیں دوش بدوش اس صوبہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عمل کر رہی ہیں اور ہر سررشتے کا آدمی اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی دولت پر نگاہیں لگائے ہوئے ہے تاکہ وہ بھی اسراف کی۔ ایسی نمود کرنے کے قابل بن سکے جو آج کل ہر ادنیٰ و اعلیٰ کا طغرائے امتیاز بنی ہوئی ہے ۔۔۔۔۔ یہ تعجب کی بات نہیں کہ لوگ دولت کی بدمستی میں حصول زر کے لئے ہر موجودہ طریقے کو نہ جو تھی اختیار کر لیں۔ یا آپ کے آلات اقتدار معمولی بد دیانتیوں کو اپنی حرص و آز کے لئے ناکافی پا کر آپ کے عطا کردہ اختیارات کو استحصال ناجائز و اخذ بیجا کے کام میں لائیں اس طرح کی مثالیں جب اعلیٰ طبقے نے قائم کر دی ہیں تو ادنیٰ بھی اپنے حسب حوصلہ ان کی تقلید کرنے میں کبھی نہیں چوکیں گے کیونکہ یہ خرابی متعدی ہے اور خواہ فوجی لوگ ہوں یا سررشتۂ دیوانی کے وہ ان سب میں متعدی اور نشان بردار سے لیکر آزادہ رو تاجر تک پھیلی ہوئی ہے ۔۔۔۔۔

"۹۔ میرے لئے دو راہیں بالکل کھلی ہوئی تھیں۔ ایک راہ

ہموار جس پر کار آمد فتوح کے پھول اس کثرت سے پھیلے ہوئے تھے کہ آسانی سے چن لیئے جاسکیں اور دوسری راہ تھی صعب انگیز ناہموار جو ہی کے زیر قدم آئی ہی نہیں تھی یہ ممکن تھا کہ میں بھی حکومت کو اسی حال پر چھوڑ دیتا جس حال میں میں نے جائزہ حاصل کیا تھا یعنے نام تو میرا گورنر رہتا مگر اس خدمت کا اعزاز اہمیت اور وقار بدستور اس ناگفتہ بہ حالت میں پڑا رہتا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اس دوراہے میں ایک شریفانہ طرز روش میرے پیش نظر تھی ۔ میرے دل میں اتنی ہمت تھی کہ میں ہر طرح اپنا فرض منصبی پورا کروں یعنے متعدد ترغیبوں کے باوجود جنکے جال میری راہ میں عیاری کے ساتھ بچھائے جائیں بے لوثی و راستبازی پر ثابت قدم رہوں اور اپنے رویہ پر اُن حملوں کی کچھ پرواہی نہ کروں جو ہر مصلح کی کوششوں کی مخالفت میں بغض و کینہ دری کی اختراع ہوتے چلے آئے ہیں اور در حقیقت اس آبادی کی عام نفرت بھی اپنے سر لوں، طریقے کے انتخاب میں تو میں نے ذرا بھی پس و پیش نہیں کیا ۔ میں نے اپنے کاندھوں پر وہ بوجھ لے لیا جسکو عزم بالجزم استقلال اور جبلی تقویت کی ضرورت تھی ۔ اپنا کام انتخاب کر لینے کے بعد میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اس کوشش میں اپنی انتہائی قوت صرف کرونگا۔ اور اسی خیال میں خوش تھا کہ قوم کی عزت اور خود کمپنی کا وجود اس کی کامیابی پر منحصر ہے ''

''۱۲ ۔ مجھ کو ڈر ہے کہ عمال کمپنی کے تحت اقتدار یوروپین اور دیسی مختاروں گماشتوں اور کارپردازوں نے مظالم اور مطلق العنانی کے جو رستے کھول دیئے ہیں وہ ہمیشہ اس ملک میں انگریزوں کی بدنامی کا باعث رہیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر مجھ کو آخر کار یہ دیکھکر مسرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا نسخہ اب ہمارے ہاتھ آیا ہے جو ہر طرح اتنا منفعت بخش ثابت ہوگا جسقدر آج تک کبھی ہمارے علم ہی میں نہیں آیا ہے ۔ اور جس سے ان تمام امراض باطن و افعال ناجائز کا انسداد و ازالہ

ہو جائے گا۔ جن کا آج تک کوئی علاج ہی معلوم نہ تھا۔ میرا مطلب اس نسخے سے منصب دیوانی ہے یعنے صوبجات بنگالہ، بہار و اڑیسہ کے جملہ اراضی کی نگرانی اور تحصیل مالگزاری جس کو شہنشاہ نے ہماری نگاہ کی فوجی و مالی امداد کے معاوضے میں کمپنی کے نام خوشی عطا فرمایا ہے اور یہ عطیہ نہایت باضابطہ اور موثر طور پر عمل میں آیا ہے جس کی بناء پر جہاں پناہ کا مقررہ خراج اور نواب کا مہر اور اقتدار برقرار رکھنے کے لئے مجوزہ مشاہرے کے علاوہ (جو برابر ادا کئے جانے چاہئیں) جملہ محاصل کی بچت کمپنی کی ملک متصور ہوگی ....

"۱۳۔ میری دانست میں اس تحصیل کے ذریعہ سے آپ کی آیندہ سال کی مالگزاری بشمول مقبوضات بردوان وغیرہ کم سے کم ڈھائی کروڑ روپیہ تو ضرور ہی ہوگی۔ اور بعد کو اور بیس تیس لاکھ بڑھ جانے کی بھی توقع ہے۔ امن کے زمانے میں تو آپ کے دیوانی اور فوجی مصارف ساٹھ لاکھ روپیہ سے زیادہ کبھی نہیں ہونے نواب کا مشاہرہ تو تخفیف کے بعد بیالیس لاکھ روپیہ رہ گیا ہے اور شہنشاہ کو واجب الاداخراج صرف چھبیس لاکھ۔ اب ہی ایک کروڑ بائیس لاکھ روپے یا سولہ لاکھ پچاس ہزار نو سو پونڈ کی بچت یہ کمپنی کو بطور منافع پڑی"۔ ......

"۱۶۔ فاتح ہندوستان ہونے کے بعد سے آپ کے ملازموں کی آسودہ حالی کی کچھ تو سبیل ہونی چاہیئے جس میں رفتہ رفتہ ان کے مرتبہ کے متناسب افزونی ہوتی رہے ...... ان توقعات کے قوت سے فعل میں آنے کا انحصار ہے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان مال سے لدے ہوئے جہازوں کی آمد و رفت پر یعنے استحقاق تجارت پر جس کے فوائد کا آپ کو بھی علم ہے اور اس کے علاوہ ان جدید قواعد کے مطابق جن کو ہم نے ایک زمانے

کی بے قاعدگیوں کی اصلاح کے لئے مرتب کیا ہے۔ نمک پان اور تمباکو کے منافع پر جو کمپنی کو ملے گا"......

"۱۹۔ سررشتۂ دیوانی کے متعلق یہاں تک اپنا خیال ظاہر کرنے کے بعد فوج کی نسبت بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں...... جو خرابی کہ میں آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں وہ دیوانی نظم ونسق پر فوج کی دست درازی اور دیوانی اقتدار سے نکلکر خود مختار بننے کی سعی بیجا ہے...... تمام فوج کو یہ چاہیئے کہ وہ دوسرے سررشتوں کے مماثل اقتدار دیوانی کی مطیع و منقاد رہے۔ اور اگر کسی وقت فوج اپنی برتری کے لئے جد وجہد کرے تو گورنر اور کونسل کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ اس آبادی میں حقوق کمپنی کے امین ہونے کے علاوہ آئین دیوانی کے تحت عامۃ الخلایق کی املاک کے محافظ بھی ہیں اپنی پوری قوت اس کے انسداد میں صرف کر دینی چاہیئے"۔

"۲۰۔ مجھ کو اب اس یاددہی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ میں کثیر العیال ہوں۔ اہل وعیال میری مدد کے محتاج ہیں اور میں ہوں کہ اس آب وہوا پر اپنی صحت نثار کر رہا ہوں۔ اور دولت و زندگی کو خطرے میں ڈال رہا ہوں۔ اب مجھ کو صرف اس اطلاع کا انتظار ہے کہ آیا میرا طریق کار پسندیدگی کا مستحق ہے کہ نہیں، اور آیا یہ قواعد جن کے پیش کرنے کی مجھ کو عزت حاصل ہوئی ہے جزاً یا کلاً آپ کے ان اصلاحی منصوبوں کے مطابق ہیں جن کے نفاذ کی آپ نے ضرورت محسوس فرمائی تھی یا نہیں، اگر یہ امور آپ کے پسند خاطر ہوں تو آپ مجھ کو فی الفور مقتدر بنائیں کہ میں مجلس منتخبہ کی شرکت میں اس کامیابی کے ساتھ شروع کئے ہوئے معاملے کو اختتام تک پہنچاؤں جو سہولت کے ساتھ آیندہ سال کے ختم سے پہلے ممکن ہے میں نے

تو ختم سال پر یورپ کی واپسی کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور آپ کے کاروبار بنگالہ کی کامیابی کے متعلق آپ کی ہر ایک امید و خواہش کی تکمیل سے آپ کو بالمشافہہ آگاہ کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔"

کلائیو کے اپنے الفاظ میں یہ اس معاملہ کی تفصیل ہے جو ہندوستان میں برطانوی راج کے عروج کا ایک اہم نقش قدم ہے اب تک تو انگریز ہندوستان میں محض تاجر ہی متصور ہوتے تھے اور اگرچہ جنگ پلاسی کے بعد ۱۷۵۷ء ہی سے وہ بنگالہ کے مالک بن چکے تھے۔ لیکن ۱۷۶۵ء میں شہنشاہ دہلی کی جو نام کا شہنشاہی سہی منصب دیوانی کے عطیے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی باضابطہ حیثیت بن گئی اور بنگالہ کے انتظام مملکت سے متعلقہ فرائض قانوناً اس کے تفویض ہو گئے تھے۔ وہ تجاویز جو لارڈ کلائیو نے ان فرائض کے انصرام کے لئے سوچی تھیں وہ خود لارڈ کلائیو ہی کے الفاظ میں اوپر بیان کر دی گئی ہیں دیوانی اور فوجی نظم و نسق میں اس کی اصلاح کی سعی بلیغ اسی تعریف و ثنا کی مستحق ہے جو مورخین نے کی ہے لیکن اس کے منصوبے کے حقیقی خدوخال کو نظر غائر سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ منصوبہ بھی ہندوستان میں اور منصوبوں کی طرح عام خلائق کے مفاد کے خلاف انگریز حکمرانوں ہی کے اغراض پر مبنی تھا۔ جس سے تمام بنگالہ جلب منفعت کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کی جاگیر متصور ہونے لگا۔

تیس کروڑ نفوس سے جو محاصل وصول کئے جائیں گے اسمیں سے مصارف و مشاہرہ منہا کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہے گا وہ ملک ہی میں ملک ہی کی فلاح و بہبود پر صرف کرنے کے بجائے انگلستان کو بطور منافع کمپنی بھیجا جائے گا۔ اور سالانہ پندرہ لاکھ پونڈ کی رقم ایک زیر اثر و محکوم آبادی سے وصول کر کے کمپنی کے حصہ داروں کو انگلستان پہنچائی جائے گی گویا ایک غریب قوم کے خون سے ہر سال ایک ایسی گنگا جمنی ندی بہائی جائے گی جس سے روئے زمین

کی سب سے زیادہ زردار قوم کی ثروت میں اضافہ ہو۔

اس طرح سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے نظم ونسق کے لیئے جو پہلا منصوبہ انگریز حکمرانوں نے سوچا خود اس میں بھی وہ معاشی سوتا ؤ شامل تھا جو آج کل لکھوکھا پونڈ کی سالانہ رقم کو پہنچ چکا ہے۔ ہم کب یہ نہیں کہتے کہ ہندوستان میں انگریزی افواج کی فتح وظفر ملک میں ایک باقاعدہ حکومت کی ترویج، قیام امن، انصاف ومعدلت، اور مغربی تعلیم کی اشاعت یہ سب چیزیں توصیف وثنا کی مستحق وسزاوار نہیں ہیں، لیکن ابتدا ہی سے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان مالی تعلقات ہمیشہ ناانصافی پر مبنی رہے اور انگریزوں کی صدوپنجاہ سالہ حکومت کے بعد بھی ہندوستان اپنے وسیع ذرایع اپنی زرخیز زمین اور جفاکش آبادی کے باوجود روئے زمین پر اب سب سے زیادہ مفلس ونادار ملک ہے۔

کمپنی کے لیئے پندرہ لاکھ پونڈ سے زیادہ سالانہ منافع کے حصول پر قناعت نہ کر کے لارڈ کلائیو مصر تھا کہ بنگال کی اندرونی تجارت بھی عمال کمپنی ہی کے نفع حاصل کرنے کے لیئے مخصوص رہے۔ ان مظالم کی انسدادی تدبیریں تو اس نے نکالیں جو اس خانگی تجارت کے اثنا میں وقوع پذیر ہو لیے تھے لیکن خود یہ تجارت بنگالے میں انگریزوں کے لیئے بے حد نفع بخش تھی اور کلائیو کو اس سے دست بردار ہونا پسند نہ تھا چنانچہ نمک پان اور تمباکو کی اندرونی تجارت کے برقرار رکھنے پر وہ یہاں تک تلا ہوا تھا کہ اپنی ولی نعمت ومخدوم ایسٹ انڈیا کمپنی کی کھلی مخالفت کے باوجود کمپنی کے امتناعی احکام کی پروانہ کر کے اس تجارت کو جاری رکھنے کے لیئے بہ اشتراک دیگر عمال کمپنی ۱۷۶۵ء میں اس نے ایک اقرارنامہ کی تکمیل کی جس کا مذکورۂ ذیل فقرہ نہایت معنی خیز ہے۔

"تا وقتیکہ مجلس نظار کا انگلستان میں کوئی ایسا حکم صادر و نافذ نہ ہو

جس میں مذکور الصدر مشترکہ تجارت اور بیوپار کو ختم کرنے کے لئے یا اس تجارت کو جزاً یا کلاً ممنوع وموقوف قرار دینے کے متعلق ہدایت وحکم صادر کردیا جائے، یا جو ان معاہدوں اور دفعات عطایا و شرائط یا قرارداد کے منافی وخلاف ہو یا ان کے کسی ایک حصے کے بھی خلاف ہو جو مذکورالصدر دستاویز میں موجود اور بیان کئے گئے ہیں جس سے دستاویز مذکور بالکل باطل وکالعدم ہوجائے تو اس وقت اور اس حالت میں مسمیان رابرٹ لارڈ کلائیو بہ حیثیت صدرنشین اور ولیم براسٹول وغیرہ بہ حیثیت کونسل فورٹ ولیم مذکور مسمیون ولیم براسٹول سمنر ہیری ویرسٹ، رائیف سٹر اور جورج گرے کو نیز اس مختص ومشترکہ تجارت میں تمام دیگر حق مالکانہ رکھنے والوں کو اور ان کو جنھیں آیندہ ایسا حق مالکانہ حاصل ہوگا اور ان سب کے ورثار کو وصیوں کو اور کارپردازوں کو بلا کسی حقیقی ضرر ونقصان کے ہرجانہ اداکریں گے اور کسی مذکورالصدر متضاد حکم یا ہدایت کے اجراء کے باوجود مزید ایک سال کی مدت تک اس مشترکہ تجارت کو ہر طرح جاری اور برقرار رکھنے کے اسباب قائم رکھیں گے۔"

لارڈ کلائیو کا ۳۰ ستمبر والا مراسلہ موصول ہوتے ہی مجلس نظمار نے اس کا ایک جواب تو کلکتہ کمیٹی کے نام ۱۷ مارچ سنہ ۱۷۶۶ء میں لکھا اور ایک علیحدہ خط اسی تاریخ کو لارڈ کلائیو کے نام تحریر کیا۔ نظمار نے لارڈ کلائیو کی اُن نمایاں خدمات کا پُرجوش الفاظ میں شکریہ ادا کیا اور بنگالہ بہار واڑیسہ کے منصب دیوانی کے قبول کرنے کی اطلاع بھی دی لیکن یہ نظمار کی تعریف کی بات ہے کہ انھوں نے کلائیو کی مرتبہ تجاویز کو جو اندرونی تجارت سے متعلق تھیں قطعاً مسترد کردیا۔

"دستحایف وانعام حاصل کرنے کے بارے میں ہم نے اپنی رائے مجلس منتخبہ کے موسومہ مراسلے میں ظاہر کردی ہے جس میں اتنا اضافہ اور کیا جاتا ہے کہ ہمارے خیال میں جو بے اندازہ

ثروت لوگوں نے اندرونی تجارت کے طفیل پیدا کرلی ہے وہ مظالم
مطلق العنانی کی ایسی راہ وروش اختیار کرنے کے بعد حاصل ہوئی ہے
جس کی روئے زمین پر کسی زمانے میں بھی نظیر نہیں ملسکتی ابتدا ہی
سے جب ہم تک اس کی اطلاع پہنچی تو اس بارے میں ہمارے
خیالات اور احکام میں کبھی کسی قسم کا تغیر یا تضاد واقع نہیں ہوا۔ اور
عالیجناب کو یہ سن کر تعجب نہ ہوگا کہ دوران تجارت میں جو ظالمانہ
بدعملیاں سرزد ہوئی تھیں ان کے مہلک تجربے کے بعد ہم اس تجارت
کو پسندیدہ نظر سے ہرگز نہیں دیکھ سکتے خواہ وہ کتنی ہی محدود و باقاعدہ
شکل میں ہمارے پاس پیش کیوں نہ کی جائے جیسا کہ مجلس منتخبہ کے
مندرجہ تجاویز سے ظاہر ہوتا ہے ‘‘

نظمائے کمپنی نے تو کسی وقت بھی عمال کمپنی کی اندرونی تجارت
کے مضمون پر مبہم یا مذبذب رائے ظاہر نہیں کی تھی بلکہ اپنے
۱۸ ؍ فروری ۱۷۶۴ء کے مراسلے میں صاف طور پر ایسی تجارت
کو ممنوع قرار دیا تھا۔ اور ۱۵ ؍ فروری ۱۷۶۵ء کے مراسلے میں تو نہایت
شدومد کے ساتھ اس امتناع کی مکرر توثیق بھی کی تھی لیکن ہندوستان
میں خود ان کے عاملوں نے ان احکام کی پروا ہی نہ کی۔ اس پر
بھی نظما نے ۱۷ ؍ مئی ۱۷۶۶ء کے مراسلے میں کلائیو کے مرتبہ
قواعد کے تحت اس تجارت کو برقرار رکھنے کی جو تجاویز پیش ہوئیں
تھیں ان سب کو نامنظور کر دیا۔ لیکن اس نامنظوری کی بھی کسی نے
پروا نہ کی اور عہد و پیمان جو ہو چکے تھے اور پیشگی رقوم جو دی جاچکی
تھیں ان کے بہانے سے اور دو سال تک یہ اندرونی تجارت
جاری رکھی گئی۔

لارڈ کلائیو نے ۱۷۶۷ء میں ہندوستان کو خیرباد کہا اور اس
کا قائم مقام ویرسٹ ہوا جس نے ۱۷۶۹ء تک حکومت کی اور
ویرسٹ کا جانشین کارٹیر مقرر ہوا جس نے ۱۷۷۲ء تک گورنری کی۔

ویرلسٹ اور کارٹیئر کے پنج سالہ نظم و نسق میں بھی وہی بدآئینی جاری رہی جو اس سے ماقبل سالوں میں بنگالہ کے لئے سخت مضرت رساں ثابت ہو چکی تھی نظم و نسق کے تجاویز جو کلائیو نے نافذ کئے تھے وہ ایک طرح کی دو عملی پیدا کرتے تھے مثلاً مالگزاری تو نواب ہی کے خزانۂ عامرہ کے لئے وصول کی جاتی تھی ۔ عدالتی کاروبار نواب ہی کے عہدہ داروں کے تفویض تھا ۔ اور تمام معاملات میں نواب ہی کا اقتدار ان کی پردہ پوشی کرتا تھا ۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی جو ملک کی اصل مالک تھی اس سے خود بہ شکل منافع فائدہ اٹھا رہی تھی اور عمال کمپنی جلب منفعت کے لئے نواب کے عاملوں کو مرعوب کر کے اور اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے عدالتی حکام کو اپنے آلات استغاثہ بنا کے بے انتہا مظالم کر رہے تھے جن کو انگریز گورنر بھی دیکھتا تھا ۔ اور برا سمجھتا تھا ۔ مگر اس صورت حال کا علاج کرنے سے مجبور تھا ۔

"خود ہم نے اپنے اور حکومت کے مابین جو حد فصل تھی توڑ ڈالی ۔ اور یہی باشندگان ملک کے لئے تذبذب کا باعث ہوئی کہ وہ اب کس کس کی اطاعت اپنا فریضہ سمجھیں ۔ اسی پیچیدہ و منقسم حکومت کی وجہ سے ایسے مظالم اور سازشیں شروع ہوئیں جو کسی دوسرے عہد میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں حتی کہ عہدہ داران سرکاری نے بھی جو براہ راست کسی کے دباؤ میں نہ تھے مضرات میں آ کر بے باکانہ مظالم کئے"

کاشتکاری ہمیشہ سے بنگالیوں کا خاص ذریعہ معیشت تھی لیکن یہی جدید آئین بندوبست کے تحت جن کو عمال کمپنی نے رائج کیا تھا زوال پذیر تھی ایک قدیم زمانے سے بنگالہ کی زمینیں زمیندار کے موروثی قبضے میں تھیں جن کو شاہی اقتدار حاصل تھا یعنے وہ نواب کو صرف مالگزاری ادا کرتے تھے ۔ اور ضرورت کے وقت

نواب کی فوجی خدمات بھی بجا لاتے تھے اس کے علاوہ وہ اپنی جاگیروں کی رعایا پر در اصل شاہی کرتے تھے ان کی رعیت اور اسامی بھی ان کو اپنا راجہ تسلیم کر لی تھی۔ انھیں سے امن قائم تھا یہی قضیے چکاتے تھے یہی مجرموں کو سزائیں دیتے تھے متقی و پرہیزگاروں کا سہارا بھی یہی تھے۔ اور خدا ترس لوگوں کے مربی بھی یہی تھے علوم فنون کا نشو و نما انھیں کے دم سے وابستہ تھا اور ادبیات کے سرپرست بھی یہی تھے۔ نوابان خودرائے اٹھارھویں صدی عیسوی میں مرشد قلی خاں کی طرح اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں میر قاسم سے نیچے ابنی سے ان زمینداروں کو نچوڑتے رہے ہیں لیکن ان نوابوں تک نے ان زمینداروں کو جو قدیم دستور کے موافق موروثی متصور ہوتے تھے ان کی جاگیروں سے کبھی بے دخل نہیں کیا لیکن جب میر قاسم نے اضلاع بردوان مدناپور ۱۷۶۰ء میں کمپنی کے سپرد کئے تو عمال کمپنی نے ایک جدید انتظام کی ابتدا کی جس کی رو سے زمینداروں کے مروجہ حقوق نظر انداز کر دئے گئے اور آمدنی میں اضافہ کرنے کی خاطر ان کی جائداد کو نیلام کر دیا گیا جس سے آئندہ چل کر افسوسناک نتائج پیدا ہوئے۔

"اضلاع بردوان و مدناپور میں جن کی ملکیت اور راج میر قاسم نے ۱۷۶۰ء میں کمپنی کے سپرد کر دیا تھا وہ تمام خرابیاں جو مسلمانوں کی حکومت میں ان کی بری حکمت عملی کی وجہ سے بہ افراط موجود تھیں مطلق کم نہ ہوئیں بلکہ برخلاف اس کے ۱۷۶۲ء میں تو ایک ایسی تجویز اختیار کی گئی جو صوبے کی یقینی تباہی کا باعث ہوئی یعنی زمینیں عام نیلام کے بعد ایک مختصر میعاد سہ سالہ ٹھیکہ پر دیدی گئیں ہر کس و ناکس نے نیلام میں اپنی اپنی بولی بولی اور اگر سابقہ مستاجروں نے اپنی اسامیوں کو ہاتھ سے نہ دینے کی خاطر اصل آمدنی سے بھی بڑھکر بولی بولی تو ان لوگوں نے بھی جنھیں کچھ اس مد میں کھونا تو نہ

تھا زمینوں پر فوری قبضہ مل جانے کے لالچ سے اس بولی پر اور اضافہ کیا۔ اس طرح بے شمار لٹیرے لوٹنے کو نکلے اور شکستہ حال غریبوں کو لوٹ لوٹ کر پہلے سالیانہ دینے سالانہ وصولباقی کی تکمیل کی۔

ہمیں آگے چل کر معلوم ہوگا کہ جب اس جدید ظالمانہ طریقے کو وارن ہیسٹنگز نے سارے بنگالہ پر توسیع دی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے چینی بدامنی اور مصائب اور زیادہ پھیلے چنانچہ ویرلسٹ اور کارٹیر کے دوران حکومت میں ابتداء سے لیکر انتہا تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے مطالبات کی تکمیل کے لئے نہایت تشدّد کے ساتھ مالگزاری وصول کی جاتی رہی۔

گورنر ویرلسٹ نے مجلس نظار کو یہ لکھا کہ :-

"بارہا یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ جب اراضی ہمارے زیر انتظام آجائے تو ہم ذرا بھی کسی اضافے کی کوشش کرنے کی بجائے زمینوں کی کاشت اور ترقی کی ترغیب دینے کے خیال سے اکثر اضلاع کے مقررہ محاصل میں کمی کردیں گے اور یہی مناسب تھا۔ . . . مجھ کو اپنی رائے کے اظہار کی اجازت دیجئے جو میں نے نہایت غور و خوض کے بعد قائم کی ہے اور جو مالگزاری کی مختلف شاخوں اور آپ کے مقبوضات کے مختلف اضلاع کے تجربے پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے محاصل میں کوئی معتدبہ اضافہ کرنا آپ کے حکام کی طاقت سے قطعی باہر ہے"۔

تجارت و صنعت دونوں اجارہ اور جبر و تعدی کی وجہ سے زوال پذیر تھے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظار نے اپنے عاملوں کی روک تھام کی کوشش تو کی مگر اس مرتبہ خود انھوں نے اپنے عاملوں سے کہیں زیادہ سخت خطا کا ارتکاب کیا۔ برطانوی جولاہے بنگالی جولاہوں پر رشک و حسد کر رہے تھے کیونکہ ہندوستان میں

برطانیہ کے ساختہ ریشمی پارچہ جات کی درآمد تھی اور کمپنی کے محصلہ سیاسی قوت کے بل پر یہ عمداً کوشش کی گئی کہ بنگالے کے صناعوں کی ہمت پست کر کے انگلستان کی صنعت کو ترقی دی جائے۔ کمپنی نے اپنے عام مراسلے مورخہ ۱۷ر مارچ ۱۷۶۹ء میں جو گورنر بنگالہ کے نام جاری کیا گیا۔ یہ خواہش ظاہر کی کہ بنگالے میں لوگوں کو خام ریشم کے کاتنے کی ترغیب و تحریص دلائی جائے مگر ریشمی پارچہ جات کی ساخت کے لئے کسی کی اعانت نہ کیجائے اور یہ بھی صلاح دی کہ ریشم کاتنے والوں کو اپنے گھروں میں کام کرنے کی ممانعت کر دی جائے اور اس کے بجائے کمپنی کے کارخانوں میں ان سے جبراً یہ کام لیا جائے۔

"اس قاعدے سے بہت اچھے نتائج پیدا ہوئے خصوصاً چرخہ کاتنے والے جو پہلے اپنے گھروں میں کاتا کرتے تھے۔ وہ اب کارخانوں میں کام کرنے لگے۔ اگر یہ اپنے اپنے گھروں میں رہ کر کاتنے کا طریقہ آئندہ کسی بے توجہی سے دوبارہ رائج ہو جائے تو اس کو بند کر دینا ہی مناسب ہے اور اب بھی زیادہ موثر طور پر اس کو موقوف کرنے کی صورت یہی ہے کہ حکومت کے اقتدار کے تحت اس فعل کے مرتکب کیلئے سخت سزائیں تجویز کر کے اس کا قطعی امتناع کر دیا جائے۔"

جیسا کہ مجلس منتخبہ نے بجا طور پر کہا "اس مراسلہ میں حکمت عملی کا ایک ایسا مکمل منصوبہ شامل ہے جو ایک طرف تو اعانت و حمایت پر مبنی ہے اور دوسری طرف جبر و تعدی پر۔ اور بنگالے کی صنعتوں کیلئے عملی طور پر حد درجہ مضرت رساں ہے۔ اس کا نتیجہ (جس حد تک کہ بغیر ٹال مٹول کے اس منصوبے پر عمل کیا جائے) یہی ہو سکتا ہے کہ اس ملک کی شکل ہی بدل جائے۔ جہاں کبھی صنعتیں موجود تھیں وہاں محض خام پیداوار کے حقیر میدان باقی رہ جائیں اور اس طرح یہ ملک برطانیۂ عظمیٰ کی صنعتوں کا دست نگر بن جائے۔

جتنا جتنا ہم آگے چلیں گے ہم خود دیکھیں گے کہ ہندوستان کے متعلق انگلستان کی معینہ حکمت عملی پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک یہی رہی اور دارالعوام کے سامنے بھی اسی حکمت عملی کو کھلے طور پر تسلیم کیا گیا سنہ ۱۸۳۳ء اور اس کے بعد بھی اسی حکمت عملی کی سختی کے ساتھ پابندی کی گئی جس سے ہندوستان کے اکثر قومی مصنوعات انگریزی صنعتوں کی نشو و نما کے لئے نہایت باثر طریقے پر ملیامیٹ کردئے گئے۔

اور یہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ ملک کی خرابی کا جو چیز باعث ہوئی وہ لگاتار کی بدررو تھی جو کمپنی کے منافع بھیجنے یا دنیا کے دوسرے خطوں میں کمپنی کے لاحقہ مصارف کی تکمیل کیلئے نکالے سے سال بسال جاری تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو منصب دیوانی عطا ہونے کے چھ سال کے اثنا میں بنگالہ کے مداخل و مخارج کی جو فرد حساب مرتب کی گئی تھی اور جو دارالعوام کی چوتھی رپورٹ واقع سنہ ۱۷۷۳ء میں شامل ہے اس سے ذیل کے اعداد لئے گئے ہیں:—

سنہ	جمع خام	جمع خالص بعد نہائی و خراج شہنشاہ دہلی و مشاہرہ نواب و مصارف جمع مالگزاری و تنخواہ ملازمین وغیرہ	جملہ مصارف دیوانی و فوجی عمارات عامہ قلعہ جات وغیرہ	حقیقی سالانہ بچت
مئی اپریل	۳۲۵۸۲۲۷	۱۶۸۱۴۲۷	۱۲۱۰۳۶۰	۴۷۱۰۶۷
۱۷۶۵-۱۷۶۶	۳۸۰۵۸۱۷	۲۵۲۷۵۹۴	۱۳۷۴۰۹۳	۱۲۵۳۵۰۱
۱۷۶۶-۱۷۶۷	۳۶۰۸۰۰۹	۲۳۵۹۰۰۵	۱۴۸۷۳۸۳	۸۷۱۹۲۲
۱۷۶۷-۱۷۶۸	۳۷۸۷۲۰۷	۲۳۰۲۱۹۱	۱۵۷۳۱۳۹	۸۲۹۰۹۲
۱۷۶۸-۱۷۶۹	۳۳۴۱۱۹۷۶	۲۰۸۹۳۶۸	۱۷۵۲۵۵۶	۳۳۶۸۱۲
۱۷۶۹-۱۷۷۰	۳۳۳۲۳۴۳	۲۰۰۷۱۶۶	۱۷۳۲۰۸۸	۲۷۵۰۸۸
میزان	۲۰۱۳۳۵۷۹	۱۳۰۶۶۷۶۱	۹۰۲۷۶۰۹	۴۰۳۷۱۵۲

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنگالہ کے خالص محاصل کا قریب قریب ایک تہائی حصہ سالانہ ملک سے باہر ارسال کیا جاتا تھا لیکن حقیقی بدررو اس سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ دیوانی اور فوجی مصارف کا بڑا حصہ یوروپین افسروں اور عہدے داروں کے مشاہروں پر مشتمل تھا۔ اور یہ لوگ اپنی جملہ پس انداز رقمیں ہندوستان سے بیرون ملک بھیجدیا کرتے تھے اس کے علاوہ ملک کی اندرونی تجارت وصنعت سے ناجائز طور پر دیسی تاجروں کو محروم کر کے جو ثروت پیدا کیجاتی تھی وہ سب کی سب سالانہ بیرون ملک ارسال کردی جاتی تھی بنگالہ سے جو حقیقی بدررو جاری تھی اوس کا صحیح اندازہ ۱۷۶۶ء اور ۱۷۶۸ء کی درآمد برآمد کے اعداد سے ملتا ہے جن کو گورنر ہنری ویلسٹ نے جمع کیا تھا اور وہ یہ ہیں۔

برآمد	درآمد
۶۳۱۱۲۵۰ پونڈ	۶۲۴۳۷۵ پونڈ

بہ الفاظ دیگر ملک کی درآمد سے برآمد دہ چند زیادہ تھی خود مسٹر ویلسٹ نے اس خرابی کو جو ایک وسیع پیمانے پر تھی محسوس کیا اور باشندگان بنگالہ کی مادی حالت پر اس سے جو مضر نتائج مرتب ہوتے تھے ان کے اظہار میں کبھی کوتاہی نہ کی۔

"پہلے جو کچھ بھی رقوم دہلی ارسال کی جاتی تھیں ان کا معاوضہ بنگالہ کے بے پایاں تجارت سے مل جایا کرتا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب نواب کے قلمرو کی موجودہ حالت اس سے کس قدر مختلف ہے۔ ہر ایک یورپی کمپنی نے ملک میں اپنے لئے دولت پیدا کر کے مگر صوبے کی زرخیزی میں ایک حبہ کا اضافہ کئے بغیر خاص

مشغل سرمایہ کی رقم کو ایک کثیر مقدار پر پہنچا دیا ہے"

"فراہمی رقوم کے مطالبات کی وجہ سے جو اس صوبے پر دنیا کے ہر گوشے سے ہوتے رہے ہیں۔ آپ کے خزانے کی حالت بہت ابتر ہو گئی ہے اور ملک سے اس وسیع پیمانے پر برآمد ہوتی دیکھ کر اور اس کے لابدی نتائج کا خیال کر کے ایک وحشت سی ہوتی ہے"

"یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ کوئی ملک خواہ وہ کتنا ہی زرخیز کیوں نہ ہو مال کی مسلسل رسد قائم رہنے کے بغیر سال تمام کی پیداوار کے ایک تہائی حصے سے زیادہ مقدار میں ہر سال ملک سے باہر رقم ارسال کرنے کے باوجود نشوونما پانا تو ایک طرف اپنے موجودہ حال ہی پر کچھ دنوں قائم رہ سکے۔ چہ جائیکہ اس کے ساتھ کے اور واقعات بھی ایسے موجود ہیں جن کی وجہ سے ملک کی زرخیزی اور بھی روز بروز کم ہو رہی ہے اور اگر اس کا انسداد نہ کیا جائے گا تو رہا سہا بھی مفقود ہو جائے گا۔ میرے مشاہدہ کی بات ہے کہ پہلے ایک بڑا فائدہ ملک کو یہ تھا کہ مختلف خاندانوں کو بڑے بڑے عطیئے ملتے تھے اور گورنران ملک بھی بے صرف کثیر عیش و عشرت کیا کرتے تھے جن کی وجہ سے ملک کی آمدنی ملک ہی میں منتشر رہتی تھی لیکن اب تو یہ ہے کہ ایک ہی خلیج یعنی آپ کا خزانہ جملہ آراضی کی آمدنی کو ہضم کر جاتا ہے۔ اور مشغل سرمائے کی رقم کو چھوڑ کر اور ناگزیر مصارف کو نکالکر ان رقوم کا کوئی حصہ دوبارہ باشندوں کے ہاتھوں میں واپس نہیں جاتا"

مشغل سرمایہ کیا تھا اس کی توضیح دارالعوام کی مجلس منتخبہ نے اپنی ۱۷۸۳ء کی نویں رپورٹ میں یوں کی ہے۔

"بنگالے کی مالگزاری کا ایک مقررہ حصہ کئی سال سے ایسا مال خریدنے کے لئے مختص ہے جو انگلستان کو برآمد کیا جاتا ہے

اور یہی طریقہ "شغل سرمایہ" کہلاتا ہے اس رقم کی کثرت گویا ایک معیار ہے جس کے مطابق تخمینی کے اعلیٰ لازمین کی قابلیت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ اور طرفہ یہ کہ ہندوستان کے افلاس کا یہ سب سے بڑا سبب ہی ہندوستان کی دولت و خوشحالی کا پیمانہ سمجھا جاتا تھا سال بسال عظیم الشان جہازوں کے بے شمار بیڑے مشرق کے بیش بہا مال و سامان سے لدے ہوئے روز افزوں و پے در پے جب انگلستان پہنچتے تھے تو عوام پر اس کا زبردست اثر پڑتا تھا اور تجارتی دنیا میں اتنی وافر پیداوار کو اس وسیع پیمانے پر موجود پاکر عام رائے فطری طور پر یہ ہوتی تھی کہ اس ملک میں کیسی کچھ روز افزوں ثروت اور مرفہ حالی نہ ہوگی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید ہندوستان کو بھی اس برآمد کے ہم قدر مال و سامان کی رسد حاصل ہوجاتی ہوگی۔ اور اس طرح وہ تجارتی سرمایہ جو ان چیزوں کی پیدائش میں لگا ہوا تھا برابر بڑھ رہا ہوگا۔ لیکن دراصل دیکھا جائے تو یہ باج گزاری تھی نہ کہ سودمند تجارت جس کی خوشنما شکل فریب آمیز نظر آرہی تھی۔

گورنر ویرلسٹ اور مجلس منتخبہ دارالعوام نے صاف طور پر جس دائمی بدررو کی خرابیوں کا اظہار کیا تھا اس کو انگلستان کے زبردست ترین سیاسی فلسفی نے بھی ایسے الفاظ میں موردالزام قرار دیا تھا جو انگریزی زبان کی بقا تک تو محو نہیں ہوسکتے ۱۷۸۳ء میں فاکس کے مجوزہ مسودۂ قانون ہند پر جو تقریر اڈمنڈ برک نے کی اس میں اس نے ہندوستان کی اس دائمی بدررو کے تباہ کن نتائج بھی بیان کئے اور بلاشبہ جب تک وہ پارلیمنٹ کا رکن رہا اس بڑے مقرر نے اتنی زبردست بلیغ اور برحق تقریر پھر کبھی نہیں کی۔

"مشرقی فاتحین کا غیظ و غضب بہت جلد کم ہوجاتا تھا

اس لیے کہ مفتوحہ ملک کو وہ اپنا وطن بنا لیتے تھے ان کا عروج و زوال ان کی قلمرو کی عروج و زوال کے ساتھ وابستہ تھا۔ باپ اپنی اولاد کی توقعات کا متحمل تھا اور اولاد کے پیش نظر اپنے آبا و اجداد کی یادگاریں تھیں یہ مقدر کی بات تھی کہ ان کے آبا و اجداد نے ہر پھر کر اسی سرزمین میں اپنے قدم گاڑے تھے اور ہر شخص کی یہ فطری خواہش ہوتی تھی کہ کوئی خراب ملک اسکو نصیب نہ ہو افلاس غیر پیداآوری اور بربادی انسانی نظر کے لیے کوئی فرحت بخش منظر نہیں اور چند ہی لوگ ایسے ہوں گے جو اہل ملک کے ناقابل برداشت لعن و ملامت سنتے ہوئے عمر ہیں گزار دیں۔ غیظ و غضب اور حرص و آز کے ان ستمگار حکمرانوں نے جب غارتگری کے ساتھ شدید مظالم شروع کیے تو اس وقت بھی ان کی چند روزہ انسانی زندگی میں اتنی مہلت تھی کہ وہ اپنی سینہ زوری و زبردستی کا مزہ چکھیں۔ اگر ظلم و زبردستی سے دولت و ثروت کا انبار انھوں نے لگا لیا تو یہ سارا انبار گھر کے اندر ہی موجود تھا اور پھر کوئی دوسرا ان سے بھی زیادہ زبردست شخص آتا ایسا پیدا ہو جاتا تھا جو ان سے چھین کر لوگوں کی دولت لوگوں پر تقسیم کر دیتا تھا۔ اس زمانے میں اگرچہ فتنہ و فساد بھی تھا اور سیاسی قوت کی روک تھام بھی تھی لیکن قدرت کے مواقع کھلے تھے اور حصول مطالب کے پیچھے حائل نہ تھے اسی وجہ سے ملک کی صنعت اور اندرونی و بیرونی تجارت ترقی پذیر تھی حتی کہ طمع و سودخواری خود قومی دولت کو گردش میں لانے اور اس کو محفوظ رکھنے کا باعث بنتی تھی۔ کاشتکار اور کاریگر اگرچہ بہت زیادہ سود ادا کرتے تھے لیکن اس سے اسی ذخیرے میں اضافہ ہوتا تھا جس سے انھیں پھر بھی قرضہ ملتا تھا اور ان کے نئے ذرائع کا ہمدست کرنا گراں قیمت تھا مگر جو ذرائع کہ حاصل تھے وہ قابل اعتماد و مستقل تھے اور اس عام نتیجہ کی بدولت قومی ذخیرے میں تعمیر ہوتی تھی۔

"لیکن انگریزوں کی حکومت میں اس نظم کی کایا پلٹ ہی ہوگئی ہے تاتاریوں کی لشکرکشی ضرر رساں تھی مگر ہمارا ادعائے محافظت تو ہندوستان کو تباہ کر رہا ہے۔ ان کی تو دشمنی تھی ہماری یہ دوستی۔ نہ بیس سال کے بعد بھی ہمارے مفتوحہ ایسے ہی ادھورے ہیں جیسے روز اول تھے ملک کے باشندے یہ جانتے ہی نہیں کہ شعیف العمر انگریز کیسے ہوتے ہیں وہاں تو نوجوان بلکہ لڑکے حکومت کرتے ہیں جو نہ باشندگان ملک کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں اور نہ ان کے ساتھ کچھ ہمدردی ہی رکھتے ہیں اہل ملک کے ساتھ وہ قطعاً کوئی معاشری تعلقات نہیں رکھتے گویا کہ وہ ہندوستان میں نہیں بلکہ انگلستان میں رہتے ہیں۔ وہ تو صرف یک بہ یک دولتمند بننا چاہتے ہیں تاکہ آیندہ کہیں بیٹھکر چین و آرام سے زندگی بسر کریں۔ اس غرض کے لئے جس قدر میل جول ناگزیر ہوتا ہے اس سے زیادہ وہ اہل ملک کے ساتھ کوئی تعلق پیدا نہیں کرتے۔ زمانہ کی تمام حرص و آز سے مملو اور نوجوانی کی تند مزاجی ہیں چوروہ یکے بعد دیگرے دریا کی موجوں کی طرح امنڈے چلے آرہے ہیں باشندگان ملک کی آنکھوں کے سامنے بجز اس لاتناہی اور یاس آفریں منظر کے کچھ نہیں ہے جس میں خونخوار شکاری پرندے قطار در قطار اڑے چلے آتے ہیں اور لیے در لیے کئی نقصے زیر مار کرنے کے بعد بھی ان کی گرسنگی مسلسل باقی رہتی ہے اگر کسی انگریز نے یہاں ایک روپیہ بھی بطور منافع پیدا کیا تو بس سمجھ لیجئے کہ وہ روپیہ ہندوستان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہوگیا"

ہندوستان کے نظم ونسق میں گورنر ویرنسٹ اور ایڈمنڈ برک کے زمانے سے تو اب تک بہت کچھ ترقی ہوچکی ہے۔ ہندوستان کے برّاعظم میں نصف صدی تک بلافصل ایسا امن قایم رہا جو

اٹھارھویں صدی عیسوی میں مفقود تھا۔ اندرونی و بیرونی تجارت کو حسد انگیز امتناعی محصول سے نجات حاصل ہوئی۔ عدالتی انتظام اور جان و مال کی حفاظت کے طریقے مکمل ہوئے۔ اشاعت تعلیم سے لوگوں میں ایک نئی روح پیدا ہوگئی جس سے وہ اعلیٰ عہدوں اور مزید ذمہ داریوں کے قابل بنے۔ بریں ہمہ دائمی بدررو کی خرابی جس کے ویلسلے اور برک اپنے زمانے میں شاکی تھے روز بروز بڑھتے بڑھتے دریائے مواج بن گئی اور آج تک موجود ہے جس سے ہندوستان ایک قحط زدہ اور چٹیل میدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں قحط نازل ہونے کا براہ راست سبب تو سالانہ بارش کی قلت ہے لیکن قحط کی شدت اور جانوں کا عظیم نقصان ہندوستانیوں کی لاعلاج مفلسی و بے زری کی بنا پر ہے اگر عام طور پر لوگ مرفہ الحال ہوتے تو وہ مقامی فصل کی ناکامیابی پر قریب کے صوبوں سے غلہ و اجناس خرید سکتے جس سے جان کا نقصان نہ ہوتا لیکن جب لوگوں کے پاس کوئی ذریعۂ معیشت ہی نہ ہو تو وہ اردگرد کے مقامات سے کچھ بھی خرید نہیں سکتے اور مقامی فصل کی ناکامیابی پر ہزاروں اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں نہ مرتے تو کیا کرتے۔

۱۷۶۹ء کے اوائل میں عام گرانی آنے والے قحط کا پتا دیتی تھی لیکن باوجود اس کے رقم مالگزاری پہلے کے مقابل نہایت سختی کے ساتھ جمع کی گئی "مالگزاری تو اس سے پہلے کبھی اس سختی کے ساتھ وصول نہیں کی گئی تھی" سال کے آخر حصے میں موسمی بارش قبل از وقت بند ہوگئی۔ کلکتہ کونسل نے مجلس نظار کے موسومہ ۲۳ نومبر کے مراسلے میں کمی محاصل کا خیال ظاہر کیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ رعایا کی امداد کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا مناسب ہوگا۔ ۹ مئی ۱۷۷۰ء کو انھوں نے لکھا کہ "اس قحط میں جو ہلاکت واقع

ہوئی اور جو افلاس پھیلا ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے پورنیہ کی آبادی کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ لقمۂ اجل ہو گیا حالانکہ کسی زمانے میں پورنیہ میں ہر چیز افراط سے ملتی تھی اور دوسرے مقامات میں بھی یہی مصیبت درپیش ہے'' ۱۱ ستمبر کو انھوں نے یہ تحریر کیا کہ:-

''لوگوں کو جو مصائب پیش آئے ہیں ان کے بیان کرنے میں مبالغہ ناممکن ہے۔ تعجب نہ تھا کہ تحصیل مالگزاری پر بھی اس آفت کا اثر پڑتا لیکن یہ کہتے ہوئے ہمیں مسرت ہوتی ہے کہ محاصل میں اسقدر کمی نہ آئی جیسی فرض کر لی گئی تھی'' ۱۲ فروری ۱۷۷۱ء میں کلکتہ کونسل نے لکھا کہ:- ''پچھلے قحط کی شدت اور آبادی کے گھٹ جانے کے باوجود اس سال صوبہ جات بنگالہ اور بہار ہر دو کی رقم بندوبست میں کچھ اضافہ کیا گیا ہے'' ۱۰ جنوری ۱۷۷۲ء میں انھوں نے لکھا کہ:- ''مالگزاری کی ہر مد میں وصولات اسی کامیابی کے ساتھ ہوئیں جیسی توقع تھی''

یہ پڑھنا تکلیف دہ ہے کہ آئے دن اموات و مصائب نازل ہوتے رہے مگر محاصل اراضی اس تشدد کے ساتھ وصول کیا گیا کہ اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ کونسل کے اراکین نے قحط کے اثرات و نتائج معلوم کرنے کی غرض سے دورہ کرنے کے بعد سرکاری طور پر یہ اندازہ لگایا کہ تمام بنگالہ کی آبادی کا قریب قریب ایک تہائی حصہ لقمۂ اجل ہو گیا۔ بالفاظ دیگر ایک کروڑ نفوس قحط کی نذر ہو گئے اور مصیبت زدہ لوگ گاؤں میں بازاروں میں اور سڑکوں پر دم توڑ رہے تھے۔ نگران سرکار نے والوں کی امداد کے لئے باقاعدہ انتظام کرنا تو ایک طرف خود عمال کمپنی کے افعال ایسے تھے جن سے اموات کی تعداد اور زیادہ ہو گئی۔ گماشتوں نے نہ صرف تمام غلہ و اجناس اپنے قبضے میں کر کے لوگوں کی مصیبت سے کثیر منافع پیدا کیا بلکہ کاشتکاروں کو آئندہ فصل کے تخم تک فروخت کرنے پر مجبور

کردیا۔ مجلس نظما نے اسکی اطلاع پانے پر خفگی کا اظہار کیا اور امید ظاہر کی کہ "سخت سے سخت عبرت انگیز سزائیں ان سب ملزموں کو دی گئی ہونگی جنھیں کمپنی کی نیک دلی سے یوں اختلاف کرنیکی جرات ہوئی اور عام مصیبت سے اس طرح فائدہ اٹھانے کا خیال پیدا ہوا۔"

لیکن کمپنی کی یہ نیک دلی جب ان کی اپنی غرض کی کوئی بات ہوتی تھی تو اس وقت اس درجہ نمایاں نہ تھی کیونکہ بنگالے کی ایک ثلث آبادی کے لقمۂ گور ہو چکنے کے بعد اور اراضی کے ایک تہائی حصہ کے بنجر بن جانے کے باوجود بنگالہ کے محاصل اراضی میں کسی کمی کا پتا نہیں چلتا۔ مجلس نظمائے کمپنی کو وارن ہسٹنگز نے ۳ نومبر ۱۷۷۲ء میں یہ لکھا کہ :-

"صوبے کی آبادی کے کم از کم ایک ثلث حصے کی بربادی کے بعد اور آخر کار زراعت کے گھٹ جانے کے باوجود ۱۷۷۱ء کے خالص محاصل ۱۷۶۸ء سے بھی زیادہ ہیں ... فطرتاً یہ توقع کیجاسکتی تھی کہ محاصل کی کمی بھی اس آفت عظیم کے دوسرے نتائج کے قدم بہ قدم چلتی مگر جبر و تعدی سے کام لیکر اُسے سابقہ معیار ہی پر قائم رکھا گیا۔"

ہندستان کے موجودہ نظم ونسق کی زبان میں محاصل کا اپنے سابقہ معیار پر اس طرح زبردستی برقرار رہنا گویا ہندوستان کے اپنی اصلی حالت پر عود کرنے کی غیر معمولی قوت کا نتیجہ ہے۔

چوتھا باب

وارن ہیسٹنگز بنگالے میں ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۵ء تک

۱۷۷۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے "قانون تنظیم" منظور کیا۔ اس قانون کی رو سے وارن ہیسٹنگز جو ۱۷۷۲ء میں بنگالے کا گورنر ہوا تھا۔ ۱۷۷۴ء میں پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اور اس کی کونسل کے منجملہ پانچ اراکین کے تین تو بہ شمول فلپ فرانسس انگلستان سے مقرر کئے گئے اور دو عمال کمپنی کے طبقے سے منتخب کئے گئے۔ عدالت العالیہ بھی کلکتہ میں قائم کی گئی اور توقع تھی کہ ان انتظامات سے ہندوستان کے نظم ونسق کی اصلاح ہو جائے گی۔

وارن ہیسٹنگز کا نام ایک طرف تو تاریخ ہند کے اُن مشہور واقعات کی یاد تازہ کرتا ہے جو پارلیمنٹ میں طویل مباحث کے موضوع رہے ہیں اور دوسری طرف بیگمات اودھ و راجۂ بنارس اور رہیلوں کی لڑائی کے قصے کو از سر نو یاد دلاتا ہے ان کے علاوہ کم نمایشی مگر زیادہ اہم واقعات جو ہیسٹنگز کے نظم ونسق کے زمانے میں گزرے وہ مشرق میں مرہٹوں کے ساتھ اور جنوب میں حیدر علی کے ساتھ انگریزوں کی عظیم کشاکش سے متعلق ہیں اور ان واقعات کے متعلق

ہیسٹنگز کے رویّہ پر جو مباحث کہ شروع ہوئے وہ اس کے نظم و نسق کے اختتام کے ایک صدی بعد بھی آج تک ختم نہیں ہونے پائے۔

اس قصے سے ان تمام مباحث کو خارج کر دینے سے ہمیں ایک ناقابل بیان تسکین سی ہوتی ہے۔ اس کتاب کے مقصد کے مدنظر ہم اپنی توجہ وارن ہیسٹنگز کی محض ان تدابیر تک محدود کر دینگے جن سے کروڑوں کی مادی فلاح و بہبود یعنے قوم کی اقتصادی حالت متاثر ہوئی اور ان مباحث کو چھوڑ کر جن پر سو سال سے زیادہ مقرر کی زبان اور مورخ کا قلم چلتا رہا اس جلد میں ہم صرف وارن ہیسٹنگز کے دیوانی اور مالگزاری کے نظم و نسق پر نظر ثانی کریں گے۔

ہم اس سے قبل وارن ہیسٹنگز کو بحیثیت ایک زبردست قابل منصف مزاج اور باعزت آدمی کے دیکھ چکے ہیں خواہ وہ مردانہ مگر بے سود کوشش اس لئے کر رہا ہو کہ میر قاسم کے بین حقوق جو کمپنی کے عاملوں نے غصب کر لئے تھے محفوظ رہیں یا اس لئے کہ نئے حکمرانوں کی ناہنجار غارتگری سے بنگالیوں کی اندرونی تجارت بچی رہے لیکن بنگالہ کا نظام اراضی جس طرح ہیسٹنگز کے تمام انگریز معاصرین کے لئے بالکل ایک نیا مسئلہ تھا اسی طرح ہیسٹنگز کے لئے بھی وہ ایک نئی چیز تھی نظلائے کمپنی تو صرف زر مالگزاری کا مسلسل مطالبہ کر رہے تھے جس سے وارن ہیسٹنگز کو اتنا موقع نہیں ملا کہ اس مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھ سکے یا منصفانہ اس کا تصفیہ کر سکے۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں انگریز انگلستان کے نظام اراضی سے بخوبی واقف تھے جہاں زمین تو مالکان اراضی کی ملک تسلیم کی جاتی تھی مگر مزارعین کو لگان پر دے دی جاتی تھی اور مزدور پیشہ اس کی کاشت کرتے تھے۔ مگر بنگالہ کا نظام اراضی اس سے بالکل مختلف تھا اور جو تنازع قدیم عادی سرکار اور زمیندار اور رعیت کی طرف سے وقتاً فوقتاً پیش ہوتے تھے ان کی وجہ سے اس ادارے

کے اصلی خصوصیات ایک مدت تک پوشیدہ ہو گئے تھے مثلاً سرکار کو کسی معنی میں بھی حق مالکانہ حاصل نہ تھا البتہ اراضی کے محاصل کی سرکار حقدار ضرور تھی۔ یہ جاگیرات پشتہا پشت سے زمینداروں کے قبضے میں تھیں جو دیوانی و فوجداری کے اختیارات کے ساتھ شاہی کرتے تھے۔ اور قدیم دستور کے موافق کاشتکاروں سے لگان وصول کرنے کا حق رکھتے تھے۔ کاشتکار محض مزدور پیشہ ہی نہیں تھے۔ بلکہ جن زمینوں پر قابض تھے اِن پر ایسے حقوق رکھتے تھے جو قدیم رواج کے مطابق اراضی پر لگان ادا کرنے کے بعد باپ سے بیٹے پر منتقل ہو سکیں۔ شاذونادر بنگالے کے نوابوں نے جاگیروں کی جدید طور پر پیمائش کر کے ان کی مالگزاری میں اضافہ کیا تھا۔ شاذونادر زمینداروں نے لگان زیادہ کیا تھا۔ بر ایں ہمہ کئی صدیوں تک اس انتظام کی خاص ہئیت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا تھا۔ سرکار مالگزاری کی حقدار تھی زمیندار اپنے مروجہ لگان کے مستحق تھے اور سرکار کو مالگزاری ادا کرتے تھے۔ رعیت کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر موروثی حقوق حاصل تھے بشرطیکہ وہ رواجی زر لگان مالکان اراضی کو برابر ادا کرتے رہیں۔

۱۷۶۵ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کو شہنشاہ نے بنگالے کا منصب دیوانی عطا کیا تو اس وقت عمال کمپنی نے نہ مالگزاری کا انتظام فوراً اپنے ہاتھ میں لیا اور نہ عدالتی نظم و نسق بلکہ مرشد آباد کے مسلمان عہدہ دار ہی کمپنی کے رزیڈنٹ کی زیر نگرانی جو نواب کے دربار سے وابستہ تھا، بنگالے کی مالگزاری وصول کرتے رہے اور اسی طرح ایک ہندو سردار شتاب رائے بھی کمپنی کے گماشتے کی زیر نگرانی جو پٹنہ میں مقیم تھا بہار کی مالگزاری وصول کرتا رہا۔ صرف بست و چہار پرگنہ میں اور اضلاع بردوان مدناپور و چٹاگانگ میں جو کمپنی کے قدیم مقبوضات تھے کمپنی کے مقرر کردہ عاملوں کا

۱۷۶۹ء میں کمپنی نے نگرانکار مقرر کئے جن کو تحصیل مالگزاری اور عدالتی نظم ونسق پر نگرانی کے اختیارات دئے گئے تھے "یہ دوعملی اچھی طرح نہیں چل سکی۔ کیونکہ نہ تو ملک کے حقیقی حکمرانوں نے جو ہند و اور مسلمان کلکٹروں کے پردے میں سارا محاصل خود لیا کرتے تھے حکمرانی کی ذمہ داری محسوس کی۔ اور نہ خود ہند و مسلمان کلکٹروں نے جو اپنے تئیں کمپنی کا محض گماشتہ تصور کرتے تھے۔ رعیت پر مظالم تو دونوں فریق توڑتے تھے لیکن اس کی حفاظت کا کوئی ذمہ دار نہ تھا۔ ۱۷۶۹ء میں نگرانکاروں کی تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ سارا نظم ونسق نہایت ہی ابتری میں پڑا ہوا ہے کلکٹر زمینداروں سے اور مستاجروں سے جو کچھ بن پڑتا بزور وصول کر لیتے تھے اور مستاجروں کو اذن عام تھا کہ اپنے زیر دستوں کو جس طرح چاہیں لوٹ لیں" عدالتی انتظام کے متعلق یہ ظاہر ہوا کہ "کارروائیوں کا باضابطہ طریقہ سب جگہ موقوف تھا اور ضابطے پر وہی شخص عمل کرتا تھا جس میں دوسروں کو اپنے فیصلوں پر مجبور کر کے عمل کرانے کی طاقت تھی۔"

۱۷۷۲ء میں یہ تصفیہ ہوا کہ ملک کا نظم ونسق انگریز عہدہ داروں کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ گورنر وارن ہیسٹنگز اور اس کی کونسل کے چار دوسرے ارکان کی ایک مجلس مقرر ہوئی اور اس مجلس نے مالگزاری کے انتظام اور عدالتی مقدمات کے انفصال کے لئے قاعدے مقرر کئے۔ خزانۂ عامرہ اور عدالت مال کا جملہ کاروبار مرشد آباد سے کلکتہ منتقل کر دیا گیا اور ایک مجلس مالگزاری کے (جو گورنر اور اس کی کونسل پر مشتمل تھی) تحت کر دیا گیا۔ تمام صوبوں میں یورپی نگرانکاروں کو جنھیں اب کلکٹر کہا جاتا ہے وصول مالگزاری کا اختیار دیا گیا پنج سالہ بند وبست مالگزاری کی ابتدا کی گئی اور مجلس کے چار اراکین صغیرہ کو اس منصوبے کی تعمیل کے لئے دورے پر روانہ کیا گیا۔ فصول مقدمات کے لئے ہر ضلع میں ایک عدالت دیوانی

اور ایک عدالت فوجداری قائم کی گئی کلکٹر عدالت دیوانی کا صدر نشین ہوتا تھا اور عدالت فوجداری میں بھی موجود رہتا تھا جہاں ایک قاضی دو مولویوں کی مدد سے تصفیۂ مقدمات کرتا تھا۔ ان عدالتہائے دیوانی و فوجداری کے فیصلوں کے خلاف مرافعے کی سماعت کے لئے کلکتے میں دو صدر عدالتیں قائم کی گئیں۔ نظام کوتوالی کی جدید طور پر تنظیم عمل میں آئی جس کی رو سے چودہ اضلاع میں جن پر بنگالہ اُس وقت منقسم تھا دیسی افسران پولیس جن کو فوجدار کہا جاتا تھا مقرر کئے گئے اور مالگزاری و عدالت کے عہدہ داروں کی رہنمائی کے لئے جو قواعد مرتب ہوئے تھے وہ دیسی زبانوں میں طبع کر کے شائع کئے گئے۔ یہ تمام مختلف انتظامی اصلاحات وارن ہیسٹنگز کی لیاقت و قابلیت کا ثبوت دیتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انگریزی حکومت کے اس نقص کو بھی ظاہر کرتی ہیں جو آج تک مسلسل چلا آیا ہے یعنی ملک کے باشندوں پر بے اعتباری و بے اعتمادی۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں جس طرح ہندو اور مسلمان عہدہ دار مرتشی اور لالچی تھے اسی طرح کمپنی کے عمال بھی رشوت خوار اور لالچی تھے وارن ہیسٹنگز اور اُس کے جانشین کارنوالس نے انتھک کوششیں کیں کہ انگریزی حکام دیانت دار بنیں۔ چنانچہ انھیں اعتماد و ذمہ داری کی خدمتیں بھی دی گئیں اور کام کے لحاظ سے کافی تنخواہیں بھی مقرر کی گئیں مگر ہندو اور مسلمان عہدہ داروں کو نہ اعتماد و ذمہ داری کی خدمتیں ہی دینے کی کوشش کی گئی اور نہ کافی مشاہرہ دینے پر توجہ کی گئی اور نہ نظم و نسق کے کام میں ان کی امداد قبول کی گئی۔

سنہ ۱۷۷۳ء میں قانون تنظیم کی رو سے جب وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس وقت پنج سالہ بندوبست اراضی ناکامیاب ثابت ہو چکا تھا اور زمینداروں کے موروثی حقوق نظر انداز کر دئیے گئے تھے۔ نیز زمینیں نیلام کر کے بندوبست عمل میں لایا گیا تھا نیلام میں بولی بولنے والوں

نے جوش مقابلہ میں بڑی سی بڑی بولی تو بولی مگر کاشتکاروں کو خوب سا نچوڑ لینے کے بعد بھی معہودہ مالگزاری ادا کرنے سے قاصر رہے چنگالے کے نظام اراضی کے متعلق وہی پہلی سی غلط فہمی باقی رہی جس سے قدیم جاگیرداروں کے خاندان برباد ہو گئے اور کاشتکاروں کی آبادی مظالم کا شکار بنی رہی۔ جب وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۷۲ء میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تو یورپی کلکٹر واپس طلب کئے گئے اور کلکتہ، بردوان، ڈھاکہ، مرشد آباد، دیناج پور اور پٹنہ میں ایک ایک صوبہ داری مجلس قائم کی گئی جس کو تحصیل مالگزاری کی نگرانی کا اختیار تفویض ہوا اور ہندوستانیوں کو اضلاع میں عامل بنا کر اس لئے بھیجا گیا کہ وہاں جا کر وہ اُن فرائض کو انجام دیں جن کو انجام دینا انسانی قوت سے باہر تھا۔

بندوبست اراضی کے متعلق انصافانہ حکمت عملی کیا ہوسکتی ہے ۱۷۷۶ء میں اس موضوع پر کلکتے میں بحث ہوئی۔ وارن ہیسٹنگز اور بارویل نے یہ تجاویز پیش کیں کہ اراضی کا یا تو نیلام کر دیا جائے یا محاصل کے تعہد پر پٹہ کر دیا جائے اور نیلام میں لینے والوں سے یا پٹہ داروں سے تاحیات بندوبست کیا جائے۔ برخلاف اس کے ایک عاقل و فرزانہ مدبر نے جو انگریزی ادبیات میں "جونیس کے خطوط" کا مصنف ہونے کی وجہ سے مشہور ہے اس صورت حال کے متعلق زیادہ منصفانہ وسیع نظری کو کام میں لایا ہے۔ فلپ فرانسیس اس وقت گورنر کی کونسل کا رکن تھا اس نے اپنی بہترین یادداشت میں جیسی ہندوستان میں پھر کبھی قلمبند نہیں ہوئی یہ صلاح دی کہ مالگزاری کے سرکاری مطالبات دوامی طور پر مشخص ہونا چاہئیں۔

"زمینداروں کی ایک بڑی تعداد تباہ و برباد ہو گئی ہے اور اپنی زمینوں کے انتظام سے بالکل محروم ہے۔ اعلیٰ مرتبہ خاندانی لوگ یادہ جو کسی وقت اعلیٰ عہدوں پر تھے معدودے چند رہ گئے ہیں اور انھیں بھی کثیر منافع کی چاٹ لگی ہوئی ہے اور لگان ادا کرنے کے ساتھ ساتھ

اس توقع کا پورا کرنا ملک کی بضاعت سے باہر ہے۔ ضرورتاً ادنیٰ درجے کے لوگ سرکار کی طرف سے عامل مقرر کیے جاتے ہیں یہ لوگ دستاویز لکھ دیتے ہیں کہ جہاں وہ عامل مقرر کیے جائیں گے اس ضلع سے ایک مقررہ رقم ادا کریں گے اور اس طرح یہ عامل دراصل مستاجران مالگزاری معلوم ہوتے ہیں اس کے بعد یہ لوگ صدر یعنی مستقر حکومت سے پروانہ جات حاصل کرکے اضلاع کو روانہ ہوتے ہیں تاکہ سرکار کو واجب الادا مالگزاری ادا کرنے کے لئے زمینداروں یا اسامیوں سے رقم مشخص کرلیں۔"

اس نظام مستاجری کی خرابیاں اور ملک پر اُس کے مضر نتائج جو مرتب ہوتے تھے وہ سب بیان کرنے کے بعد فلپ فرانسیس نے مالگزاری کے دوامی بندوبست کی صلاح دی جس سے لوگوں میں خوشحالی پھیلے:-

"جمع ایک دفعہ مشخص ہونے کے بعد یہ معاملہ سرکاری طور پر قلمبند ہوجانا چاہئے اور یہ دواماً غیر متغیر رہنی چاہئے اور اگر ممکن ہو تو لوگوں میں بھی اس کا کامل یقین پیدا کیا جائے اور بلالحاظ اس کے کہ اب یا آئندہ مالک زمین کون ہوگا یہ شرح محض زمین سے متعلق رہے ایسی حالت میں کہیں اگر مخفی دولت باقی رہ گئی ہوگی تو زمینوں کی ترقی کے لئے کام میں لائی جائے گی کیونکہ اس وقت مالکان اراضی کو اس بات کا اطمینان رہے گا کہ اُن کی محنت کا ثمرہ انھیں کو ملے گا۔"

جب یہ تجاویز لندن میں نظمائے کمپنی کے سامنے پیش ہوئیں تو انھوں نے ایک آخری وقطعی تصفیہ کرنے میں پس وپیش کیا۔ انگریزوں کے خاصۂ طبیعت کے مطابق ٹال مٹول کی حکمت عملی اختیار کرکے انھوں نے یہ جواب دیا کہ "زمینوں کو تاحیات یا دواماً پٹے پر دینا" ان ہر دو مسائل کے مختلف حالات پر غور کرنے کے بعد متعدد اہم دلائل کے لحاظ سے ہم کسی ایک طریقے کو اختیار کرنا موجودہ حالت میں مناسب نہیں سمجھتے"

یہ سب سے بدترین تصفیہ تھا جو نظماء نے کیا کیونکہ اس سے وارن ہیسٹنگز کا مجوزہ تاحیات پٹہ اور فلپ فرانسیس کا مجوزہ دوامی پٹہ' دونوں کی تردید ہوگئی اور وہ قلیل المیعاد پٹہ جو بذریعۂ نیلام دیا جاتا تھا اور جو صوبۂ بنگالہ کی تباہی کا باعث تھا پھر سے جاری ہوگیا۔ ہندوستان کے تجارت پیشہ حکمراں انھیں "اہم دلائل"[2] کی بنا پر اپنی مالگزاری کی کثیر دوامی توفیر سے خوب واقف تھے۔ نتیجہ یہ کہ بنگالے میں اور دس سال تک نیلام کے اس طریقے کے باعث اور قلیل المیعاد پٹہ اور نادہند زمینداروں کی آئے دن سزائے قید بھگتنے کی وجہ سے ایک آفت برپا رہی۔

۱۷۷۲ء میں جس پنج سالہ بندوبست کی ابتدا ہوئی تھی وہ ۱۷۷۷ء میں اختتام پر پہنچا۔ نیلام کے طریقے میں کسی قدر ترمیم کی گئی اور موروثی زمینداروں کو ترجیح دی جانے لگی لیکن جب پنج سالہ ٹھیکہ کے بجائے سالانہ ٹھیکہ پر اراضی دینے کا اعلان کیا گیا تو اس انتظام کی سختی زیادہ شدید ہوگئی۔ اس طرح ۱۷۷۸ء، ۱۷۷۹ء و ۱۷۸۰ء میں زمینیں سالانہ ٹھیکہ پر زمینداروں کو دی گئیں۔ ملک اس اقتصادی ظلم و تعدی کے ہاتھوں نالاں تھا اور مالگزاری کا وصول ہونا پھر بند ہوگیا۔

۱۷۸۱ء میں بڑے بڑے تغیرات شروع ہوئے۔ عدالتہائے دیوانی کی رہنمائی کے لئے تیرہ دفعات اور قواعد ترتیب دئے گئے جن کو بعد میں پچانوے ۹۵ دفعات و قواعد کی شکل میں لاکر قانون دیوانی میں ضم کر دیا گیا اور فارسی اور بنگالی زبانوں میں ترجمہ کر کے ترجمے کے ساتھ ساتھ ان کو طبع کرا دیا گیا۔ نظمائے دیوانی اور کلکٹروں کو عدالتی اختیارات دئے گئے تاکہ وہ اپنے صوبوں میں روز افزوں جرائم سے نبٹ سکیں۔ کلکتے میں ایک مجلس مالگزاری قائم ہوئی اور اس مجلس نے جدید یک سالہ بندوبست مالگزاری کی تجویز پیش کی جس میں زمینداروں کو ترجیح دی جا سکے جب یہ بندوبست عمل میں آیا تو مالگزاری میں بقدر چھبیس لاکھ روپے

یا تقریباً دو لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ کا اضافہ ہوا۔

بنگالے کے تمام بڑے بڑے زمینداروں نے اور قدیم جاگیرداروں کے خاندانوں نے اس سالانہ بندوبست کے طریقے سے نیز بار بار کے اضافوں اور تحصیل کی سختیوں کی وجہ سے جن سے وہ کبھی واقف نہ تھے خوب مصیبتیں اٹھائیں۔ قدیم خاندانوں کی دلاروں نے یہ دیکھا کہ انکی جائداد کالکتے کے مہاجنوں اور سٹہ کھیلنے والوں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے بیوہ یا کمسن جاگیرداروں نے اپنی صلح پسند رعایا کو کلکتے سے بھیجے ہوئے لالچی کارپردازوں کے مظالم میں گرفتار پایا۔ اتفاق کی بات تھی کہ بنگالے میں تین سب سے بڑی جاگیریں جن میں سے ہر ایک کی ایک لاکھ پونڈ سے زیادہ مالگزاری تھی تین ممتاز خواتین کے زیر حکومت تھیں جن کے نام آج تک ان کے ہموطنوں کے دل میں آج تک نقش ہیں۔ بردوان کی جاگیر جسکے محاصل ساڑھے تین لاکھ پونڈ سے زیادہ تھے مشہور و معروف تلک چند کی بیوہ کے قبضے میں تھی جو شہرۂ آفاق تیج چند کی ماں تھی۔ راج شاہی کی جاگیر جس کے محاصل دو لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ تھے قابل تعظیم رانی بھوانی کے قبضے میں تھی جس کا نام نہ صرف اُس کے بلند رتبے اور اوصاف حمیدہ کا لحاظ کرتے بلکہ اُس کی نیک زندگی اور فیاضانہ داد و دہش کو دیکھتے ہوئے آج تک ہندوستان میں عزیز ہے اور دیناج پور کی جاگیر جس کے محاصل ایک لاکھ چالیس ہزار پونڈ تھے سنہ ۱۷۸۰ء میں راجہ کے انتقال پر اس کی بیوہ کی زیر نگرانی آگئی تھی کیونکہ اُس کا وارث پانچ سال کے سن کا ایک لڑکا تھا جس کی رانی ہی ولی و سرپرست تھی۔ ان تین جاگیروں کی سرگزشت سے کسی قدر ان تکالیف و مصائب کا اندازہ ہوتا ہے جو مالگزاری کے متعلق وارن ہیسٹنگز کی آئے دن متغیر و ناگوار حکمت عملی کے زیر اثر رعایا کو برداشت کرنے پڑے۔

دیناج پور کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ راجہ کی کم سنی میں ایک غیر محتاط اور لالچی مختار مسمی دیبی سنگھ جاگیر کے انتظام کیلئے کلکتے سے نامزد ہوا

دیبی سنگھ پر یہ الزام تھا کہ اُس نے پورنیا اور رنگ پور میں ظلم و زیادتی کی تھی اور اپنی پہلی خدمت سے برطرف ہو چکا تھا۔ چنانچہ کمپنی کے کاغذات میں اس کی بدچلنی کا ثبوت موجود تھا۔ اس کے باوجود راجہ کی کم سنی میں جب دیناج پور کے محاصل میں اضافہ کرنا مقصود ہوا تو اس موزوں مختار کا انتخاب کیا گیا۔ دیبی سنگھ نے اپنے تئیں اس کام کے لئے موزوں ثابت کر دکھایا اس نے وہی بے رحمی شروع کی جس کے مماثل اٹھارھویں صدی عیسوی میں بنگالے میں تو کسی نے نہیں کی تھی۔ زمینداروں کو قید کر دیا اور کاشتکاروں کو کوڑے لگوائے کہ کسی طرح بھی محاصل میں اضافہ ہو اس کے ظلم سے عورتیں تک نہ بچ سکیں۔ ان کے لئے زدوکوب اور تازیانہ کی اذیتیں الگ تھیں اور نہایت بے شرمی کے ساتھ تذلیل و آبروریزی الگ تھی۔

دیبی سنگھ کے مظالم سے تنگ آکر دیناج پور کے مزارعین اپنا گھر اور گاؤں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ جب انھوں نے اس ضلع کو چھوڑ کر چلے جانے کی کوشش کی تو مسلح سپاہیوں کے دستوں نے انھیں واپس بھگا دیا۔ ان میں سے کچھ ایک تو جنگل میں روپوش ہو گئے اور جو باقی رہ گئے وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اس طرح دنیا میں سب سے زیادہ متحمل مطیع اور فرماں بردار کاشتکاروں کی نسل کو قصداً بغاوت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ تمام دیناج پور اور رنگ پور میں بغاوت پھیل گئی۔ سپاہی طلب کئے گئے اور اس کے بعد سزائیں اور بے رحمانہ قتل و خون ریزی شروع ہوئی۔ مسٹر گوڈلیڈ نے جو ضلع کا افسر اعلیٰ تھا اس بلوے کو بنگالے کے تمام ہنگاموں میں سب سے زیادہ بڑا اور اہم ہنگامہ بیان کیا ہے اور جس بیرحمانہ تشدد کے ساتھ اسکو فرو کیا گیا بنگالے میں شائد اس کی مثال بھی نہیں ملتی۔

بردوان کا قصہ اس سے کم دردناک ہے کیونکہ جو بڑی ناانصافی یہاں ہوئی اس کا اثر قابض جاگیر کے خاندان تک ہی محدود رہا۔ اور

لوگوں پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا۔ ۱۷۶۶ء میں مہاراجہ تلک چند کے انتقال پر اُس کے کم سن فرزند تیج چند کی وراثت منظور ہو چکی تھی۔ جس کی دوبارہ توثیق بھی ہوئی۔ متوفی زمیندار نے لالہ امی چند کو جو کل خاندان کا بہی خواہ تھا اپنا دیوان مقرر کیا تھا لیکن ضلع کے افسر اعلیٰ جان گریہم نے براج کشور کے سے غیر محتاط اور لالچی آدمی کو لالہ امی چند کے بجائے جاگیر کا دیوان مقرر کرنے پر بیوہ رانی کو مجبور کر دیا۔ جس قدر ایک عورت سے ممکن تھا رانی نے براج کشور کی بددیانتی کے انسداد کی کوششیں کیں اور جاگیر کی بڑی مہر اُس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۷۷۵ء میں وارن ہیسٹنگز کے پاس رانی نے جو عرضی پیش کی تھی اُس میں لکھا تھا کہ "میرے فرزند کی مہر میرے ہی قبضے میں تھی اور چونکہ میں بغیر پڑھے کسی کاغذ پر اُس کو ثبت نہیں کرتی تھی اس لئے براج نے ہر طریقے سے اُس کو اپنے قبضے میں لانے کی کوشش کی مگر میں بھی ہر وقت اُس کے دینے سے صاف انکار کرتی رہی اس پر بنگالی سال ۱۱۷۹ (مطابق ۱۷۷۲ء) میں براج کشور نے مسٹر گریہم کو بردوان آنے کی ترغیب دی۔ اس نے میرے لڑکے تیج چند کو جو اس وقت نو سال کا تھا مجھ سے چھین لیا اور ایک دوسری جگہ لے جا کر فوجی پہرے کیساتھ اس کو نظر بند کر دیا۔ میں ایسی حالت میں خوف زدہ مصیبت کی ماری سات دن سے زیادہ بے آب و دانہ رہی جس سے میری زندگی معرض خطر میں تھی مگر میری ایک نہ چلی جب میرا کوئی وسیلہ نہ رہا تو میں نے بمجبوری وہ مہر براج کشور کے حوالے کر دی۔

اور آگے چل کر اس درخواست میں یہ مذکور تھا کہ اس طرح جاگیر کی مہر حاصل کرنے کے بعد براج کشور جاگیر کی دولت برباد کرنے لگا تھا۔ ایک کثیر رقم تغلب کر لی تھی اور حسابات پیش کرنے سے صاف انکار کر رہا تھا۔ رانی کو اپنے لڑکے کے ساتھ اپنی جان کا خطرہ لگا ہوا تھا اور اُس کی استدعا تھی کہ تحفظ جان کے لئے اس کو کلکتے میں رہنے کی اجازت

دی جائے۔

گورنر جنرل کی کونسل کے تین ارکان کلیورنگ، مانسن اور فرانسس نے بہاج کشور اور جان گریہم پر جو تغلب کا الزام لگایا گیا تھا اس کی تحقیقات کی استدعا کی اور ۱۱ر جنوری ۱۷۷۶ء میں یہ لکھا کہ "رانی کے گیارہ لاکھ روپے سے زیادہ رقم (جیسے وہ اپنے کم سن لڑکے کی ملک بیان کرتی ہے) کے تغلب کا جو الزام بردوان کے دیوان اور مسٹر گریہم پر لگایا ہے اس کے صدق وکذب سے ہمیں بالفعل سروکار نہیں یہ رانی کا کام ہے کہ وہ اپنے بیان کردہ الزامات کو ثابت کرے۔ ہم اس قدر نا انصاف نہیں ہیں کہ کسی شخص کی آبرو اور بے گناہی پر حملہ کیا جائے اور ہم کسی ثبوت کے پیش ہونے سے قبل اس کو باور کرلیں اور نہ رانی کی درخواست کا ہی یہ منشاء ہے اس لئے درخواست گزار کی استدعاء منظور کی جانی چاہئے"

کونسل کے اختلاف آراء کی وجہ سے اس کی کوئی مناسب تحقیقات نہیں ہوسکی وارن ہیسٹنگز نے جان گریہم کی حمایت کی تھی۔ کلیورنگ، مانسن اور فرانسیس نے یہ لکھا کہ "حسب بیان گورنر معمولی معمولی تحفے تحائف مسٹر گریہم کو ملے تو تھے مگر یہ ناممکن تھا کہ مسٹر گریہم کی جس بے حساب دولت کی شہرت عام تھی وہ انھیں تحائف سے پیدا کی گئی ہو" ہیسٹنگز نے جواب دیا کہ "میں مسٹر گریہم کی دولت سے بالکل ناواقف ہوں اور مجھ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کس بنیاد پر کثرت آراء اس کو بے حساب کہتی ہے۔ میں نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ رانی بردوان کے اتہامات سے مسٹر گریہم کو بری ثابت کردں"

بقیہ کیفیت یہ ہے کہ بردوان کی جاگیر پر سنگین محصول اراضی لگایا گیا تھا کیونکہ گنگا گوبند سنگھ دیوان مجلس مالگزاری راجہ کے گھرانے کا دوست نہ تھا اور اس نے بنگالے کی کسی دوسری قدیم زمینداری کے مقابل بردوان پر لگان بہت زیادہ کردیا تھا۔ کئی قرنوں تک بردوان نے

یہ مصیبت سہی۔ جاگیر دار امراء کی اولاد جو اپنی اپنی عملداری میں کسی وقت شاہی کروفر رکھتی تھی اور مرہٹوں کے حملوں کے وقت قدیم نوابان بنگالہ کی امداد کرتی رہی تھی اب اس قابل بھی نہیں رہی تھی کہ بنگالے کے نئے مالکوں کے مالی مطالبات کی تکمیل کر سکے۔ یہ خاندان بالکلیہ تباہی سے یوں بچا کہ دوامی بندوبست داری کا ایک جدید نظام قائم کیا گیا جس سے زمینداری کی ذمہ داریاں کچھ دوسروں کے سر ہوئیں لیکن آج تک بردوان کی جاگیر سے اسکے محاصل کا ایک غیر متناسب حصہ جو بنگالے کی کسی اور بڑی جاگیر کے واجب الادا محاصل سے بہت بڑا ہے سرکار کو بطور مالگزاری ادا ہوتا ہے۔

لیکن وہ قابل تعظیم خاتون جس کے مصائب پر اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک عالم ترس کھاتا تھا اور جس کے نام کو آج تک بنگالے میں لکھو کھا مرد عورت ایک مذہبی احترام کے ساتھ عزیز رکھتے ہیں راج شاہی کی رانی بھوانی ہے۔ لارڈ کلائیو کے جنگ پلاسی کی فتح کرنے سے پہلے اس رانی کی یہ بڑی جاگیر تقریباً تمام شمالی بنگالے پر مشتمل تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں مسلمانوں کی سلطنت کی عظمت بھی دیکھی تھی اور اس کا انحطاط بھی دیکھا اور اسی کی آنکھوں کے سامنے انگریزوں کا راج عروج پر پہنچا اور ہندوستان میں پھیلا۔ اسکے اوصاف ولیاقت ہندو عورتوں کی انتظامی قابلیت کی بین مثال ہیں اور اس خاتون کی مقدس زندگی اور بے انتہا نیک نیتی کی وجہ سے بنگالے میں گھر گھر اُس کا نام عزیز تھا آج تک ہندو لڑکیاں اور لڑکے اس رانی کے قصے کو پڑھتے ہیں جس کا اُن نو خواتین میں شمار ہے جو قصوں اور تواریخ میں ہندوستان کی شرافت نسواں کا مکمل نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔

مالگزاری کے جدید نظام کا جس کی وارن ہیسٹنگز نے ابتدا کی تھی اور پنج سالہ بندوبست کا جو ۱۷۷۲ء میں کیا گیا تھا۔ راج شاہی پر بھی اسی طرح اثر پڑا جس طرح بنگالے میں دوسری جاگیروں پر پڑا تھا۔

گورنر اور کونسل نے اپنے ۳۱ دسمبر ۱۷۷۳ء کے مراسلے میں یہ تحریر کیا کہ "راج شاہی کی زمینداری رانی بھوانی مالگزاری بروقت ادا نہیں کرتی ہے" اور ۱۷۷۴ء میں ۵ مارچ کو انھوں نے رانی پر یہ اعلان کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا کہ "اگر اس نے اگلے بنگالی مہینے کے آخر تک کا (۱۰ فروری) بقایا مالگزاری ۲۰ پھاگن (یکم مارچ) تک ادا نہ کیا تو ہم بہ اقتضائے ضرورت اس کو زمینداری سے محروم کر کے اُن لوگوں کے قبضے میں دے دیں گے جو سرکار کے ساتھ اپنے معاہدات کی بروقت تکمیل کر سکیں" ایک دوسرے مراسلے میں جو ۸ اکتوبر ۱۷۷۵ء کا لکھا ہوا تھا گورنر جنرل نے یہ تجویز منظور کی کہ رانی کو اس کے تمام اُس کی زمینداری اور اراضی کی جملہ ملکیت سے بیدخل کر دیا جائے اور چار ہزار روپیہ (۴۰۰ پونڈ) ماہانہ اسکا تاحیات گزارہ مقرر کر دیا جائے۔"

ان متعدد درخواستوں میں سے جو ضعیف رانی نے اس عتاب و بے عزتی سے بچنے کے لئے پیش کیں چند درخواستیں غیر معمولی دلچسپی رکھتی ہیں۔ اُن میں کی ایک درخواست میں رانی نے ۱۷۷۲ء سے پنج سالہ بندوبست کی ابتداء سے اپنی جاگیر کی سرگزشت بیان کی ہے اور دلال رائے مستاجر کے مظالم اور ملک کی بے چراغی کا اظہار کیا ہے جو ان مظالم کا نتیجہ تھی۔

"۱۱۷۹ بنگالی (مطابق ۱۷۷۲ء) میں سرکار کے انگریز حکام نے میری اراضی کے تمام لگان کو مخلوط کر دیا۔ اور ضلع داری کی متھوٹ (پیٹھ واروں کے نذرانے) اور دوسرے لگان کو جو عارضی تھے دوامی کر دیا.... مجھ بڈھی زمیندارنی سے اپنی رعیت کی مصیبت نہیں دیکھی گئی اس لئے میں نے جاگیر کی مالگزاری کی مستاجری قبول کر لی مگر جب میں نے دیہات میں تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ مالگزاری کی رقم ادا کرنے کے لئے وہاں کافی گنجائش نہیں ہے

بھدرا کے مہینے (مطابق اگست ۱۷۷۳ء) میں کئی بند ٹوٹ گئے اور رعیت کی زمینیں تہ آب ہوگئیں جس سے ساری فصل برباد ہوگئی۔ میں زمینداری کی حیثیت سے مجبور تھی کہ رعیت کو اس تباہی سے بچاؤں چنانچہ زر لگان کے ادا کرنے کے لیے انھیں مہلت دے کر جو سہولت ممکن تھی ان کو دی اور استدعا کی کہ انگریز حکام بھی اسی طرح مجھ کو مالگزاری کی رقم ادا کرنے میں مہلت دیں۔ لیکن میری بات کا اعتبار نہ کرکے ان کی اسی میں خوشی تھی کہ انھوں نے میرے گھر سے کچہری موتی جھیل پر منتقل کردی اور دلال رائے کو سزاول کی خدمت دیکر ملازم رکھ لیا تاکہ وہ مجھ سے اور میری جاگیر سے مال گزاری کی رقم جمع کرے۔ ....

"پھر میرے گھر کا محاصرہ کرلیا گیا اور میری تمام جائداد کی جانچ کی گئی اور جو کچھ رقم میں نے بحیثیت زمیندار و مستاجر جمع کی تھی یا قرض لی ہوئی میرے پاس موجود تھی حتی کہ میری تنخواہ کی رقم بھی جس کی جملہ میزان ہوتی ہے سب کی سب مجھ سے چھین لی گئی۔"

"سنہ ۱۱۸۱ بنگالی جدید سال (مطابق ۱۷۷۴ء) میں بائیس لاکھ ستائیس ہزار آٹھ سو چوبیس روپے پر کل جاگیر دلال رائے کو مستاجری پر دے دی گئی۔ اور مجھ سے سارے اختیارات چھین لئے گئے پھر دلال رائے اور ایک ادنیٰ آدمی پاران بوس نے جاگیر میں محصولات اور زیادہ کردئے مثلاً ایک اور ضلعداری متہوٹ وغیرہ اور پہلی رعیت کے فرار ہو جانے پر جو نقصان ہوا وہ موجودہ رعیت سے وصول کیا گیا ان دو آدمیوں نے من مانے احکام صادر کئے رعیت سے اُن کی تمام جائداد حتیٰ کہ تخم کاشت اور ہل چلانے کے بیل بھی چھین لئے اور ملک کو ویران و بے چراغ کردیا۔ میں امید کرتی ہوں کہ مجھ بڈھی زمیندارنی کی اس میں کچھ غلطی نہیں ہے کہ سارا ملک لٹ گیا اور رعیت شکایتوں سے بھری بیٹھی ہے۔

"ان وجوہ کی بنا پر میں اب یہ درخواست کرتی ہوں کہ دلال رائے کو اس سال بائیس لاکھ ستائیس ہزار آٹھ سو ستر و روپے بطور مالگزاری جو ادا کرنا ہے میں بھی اس بات پر آمادہ ہوں کہ سرکار کا نقصان نہ ہو اور اس کے بجائے اس قدر رقم میری طرف سے اب ادا کی جائے۔"

یہ اقتباسات اس لئے قابل قدر ہیں کہ ان سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ اُس وقت بنگالے کے اور حصوں میں کیا ہو رہا تھا۔ قدیم زمیندار اگر نیلام میں بولی بولنے والوں کے مقابلے میں رہ گئے تو انہیں اُن کی آبائی جائداد سے محروم کر دیا جاتا تھا جو پشتہا پشت سے اُن کے قبضے میں چلی آ رہی تھی اور اگر انھوں نے مالگزاری کی رقم میں اضافہ کر کے اپنی جاگیر کی مستاجری قبول کر لی مگر رقم بر وقت ادا نہ کر سکے تو اُن کی جاگیروں پر جبراً منتظم مقرر کر دئے جاتے تھے جو کاشتکاروں کو الگ لوٹ لیتے تھے اور لوگوں پر آفت الگ ڈھاتے تھے۔ حتیٰ کہ اُس خطے ہی کو ویران کر دیتے تھے۔ شدید سختی کے باوجود بھی مالگزاری کی رقم وصول نہیں ہوتی تھی اور بنگالے کی کاشت کی زمینوں کے ایک تہائی سے زیادہ حصے پر گھنے جنگل پیدا ہو گئے تھے۔

رانی بھوانی کے فرزند پران کرشنا نے اور عرائض پیش کئے اور مالگزاری کے متعلق متعدد مشورے بھی ہوئے۔ فلپ فرانسیس نے انگریز عمال کے اس طریقے پر اعتراض کیا کہ وہ اپنے دیسی مختاروں کے نام سے زمینوں کی مستاجری کر رہے تھے۔ اُس نے کہا کہ: "یہ ملک خود ہندوستانیوں کا ہے اور سابق کے فاتحین اس سرزمین سے خراج لینے پر ہی قانع تھے .... ملک کے قدیم دستور و رواج کے خلاف جتنے طریقے اب تک جاری کئے گئے اُن کے نتائج ہمیشہ مہلک ثابت ہوئے چنانچہ میرے خیال میں اب عام رائے یہ ہے کہ بنگالے اور بہار کی کم از کم دو ثلث زمین بالکل غیر آباد و بے چراغ ہو گئی ہے کیونکہ ڈرپوک غریب ہندو جب ان مظالم کے مقابلے کی جرأت نہیں کر سکتے تو فرار ہو جاتے

بہتر سمجھتے ہیں۔
آخر کار کونسل نے بغلبۂ آراء ۱۷۸۰ء میں یہ تجویز کی کہ راجہ دلال رائے کو راج شاہی کی مستاجری سے محروم کر کے رانی کی زمینوں کو مستاجری پیدائی ہی کے قبضے میں واپس دے دیا جائے۔ ہیسٹنگز نے اس فیصلے کو بالکلیہ پسندیدگی کی نظر سے کبھی نہیں دیکھا اور نہ اُس نے بنگالے کے قدیم موروثی خاندانوں کے حقوق کی کبھی ایسی قدر کی تھی جیسی کہ اُس کے جانشین لارڈ کارنوالس نے کی۔ چنانچہ نیلام میں زمینیں خریدنے والوں اور مستاجروں کی حمایت سے اس نے کبھی دریغ نہیں کیا اور یہی لوگ اُس کے تلخ و بے درد نظام حکومت میں ترقی پر تھے۔ قدیم راج شاہی کے بڑے بڑے زرخیز ٹکڑے الگ کر دئے گئے اور یہ بطور جاگیر گنگا بابو کو عطا ہوئے۔
نظام مالگزاری میں آئے دن کے مظالم اور تغیرات سے جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں وہ اس وجہ سے اور بڑھ گئیں کہ صوبے کے جملہ محاصل ملک سے باہر چلے جاتے تھے اور کسی شکل میں باشندگان ملک کو واپس نہیں ملتے تھے جس سے اُن کی تجارت، اُن کی صنعت و حرفت اور زراعت کو فروغ نصیب ہو سکے۔ مجلس منتخبہ کی نویں روداد بابتہ ۱۷۸۳ء کے صفحہ ۵۵ پر مرقوم ہے کہ:-
"۱۷۷۰ء کی خشک سالی کے باوجود جس سے بنگالے کی ایسی بری طرح تباہی ہوئی کہ جس کی نظیر نہیں ملتی شغل سرمایہ کا طریقہ یکے بعد دیگرے نت نئی حکومتوں سے جو نہایت درجہ خطرناک رنگ ڈھنگ کی تھیں زبردستی جاری رکھا گیا۔ زمینوں کے محاصل سے، یورپی مال کی فروخت سے، اور اجاروں کی پیداوار سے جو مال کہ بنگالے میں خریدا جاتا تھا اس کی لاگت دس لاکھ پونڈ سے کبھی کم نہ ہوتی تھی اور عموماً بارہ لاکھ پونڈ کے لگ بھگ ہو جاتی تھی۔ یورپ کو جو مال بلا معاوضہ بھیجا جاتا ہے اسکی اصل مقدار رقم دس لاکھ پونڈ

ہوتی ہے۔ ایک لاکھ پونڈ کے قریب رقم کمپنی کے حساب میں بنگالے سے چین کو بھی سالانہ ارسال ہوتی ہے۔ اور یورپ کی چین سے براہ راست تجارت قائم ہے اس میں اس قسم کی جملہ پیداوار چلی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ امن کے زمانے میں بنگالے سے ہندوستان کے ان تمام صوبہ جات کو جن کی آمدنی اُن کے مصارف انتظام کے مساوی نہیں ہوتی ایک مسلسل رسد قائم رہتی ہے‘ ......

”بنگالے اور انگلستان کے درمیان جو معاملات ہو رہے ہیں وہ تجارت خارجہ تو ہرگز نہیں کہے جا سکتے اور اگر ان کا حساب کیا جائے تو محاصل کی رقم کو اس طور پر منافع پر لگانے کے جو مضر و مہلک اثرات ہوتے ہیں وہ نہایت واضح طور پر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے اور یہ دکھائی دینے لگے گا کہ جہاں تک کمپنی کا تعلق ہے ملک کی جملہ پیداوار جو برآمد کی جاتی ہے وہ بلا معاوضہ اور بلا ادائے قیمت برآمد کی جاتی ہے اور اُس کے مبادلے میں دوسرا کوئی مال درآمد نہیں ہوتا۔

”لیکن بدرر وکی شکل میں رقوم کے یوں ہاتھ سے نکل جانے کے نتائج کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے بنگالے کے اس حصۂ محاصل کو جس سے کمپنی لبطور خود مشغل سرمایہ نہیں کرتی چین اور یورپ کی تجارت کے کام میں لانے کے مسئلے کی طرف آپ کی مجلس اپنی توجہ معطوف کر رہی ہے......“ سرکار کے سررشتۂ دیوانی کے لئے جو کچھ صرف ہوتا ہے اس سے تمام دیسی لوگ قریب قریب محروم ہیں کیونکہ بجز چند مستثنیات کے دیسی لوگوں سے عام طور پر یا تو انگریزوں یا بنیا کے محض گماشتوں اور ملازموں کا کام لیا جاتا ہے یا تحصیل مالگزاری کے ذیلی سررشتہ جات میں ان کی خدمات قبول کی جاتی ہیں اور یہ بھی اس وقت جبکہ ان کی امداد کے بغیر ایک قدم آگے بڑھنا قطعی ناممکن ہوتا ہے۔“

ذیل اعداد بنگالے کے ہشت سالہ جمع و خرچ کے متعلق سرکاری کاغذات سے لیے گئے ہیں۔

سال	مالگزاری	جملہ جمع	مصارف دیوانی	مصارف فوج	جملہ خرچ
از مئی تا اپریل	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
سنہ ۱۷۷۱ ″ سنہ ۱۷۷۲	۳۳۴۱۹۴۱	۳۲۵۹۵۴۴	۲۰۶۷۸۱	۱۱۹۴۳۴۸	۲۸۸۴۱۹۲
سنہ ۱۷۷۲ ″ سنہ ۱۷۷۳	۲۲۹۸۴۴۱	۲۸۶۶۹۶۸	۲۳۴۰۵۱	۱۲۸۸۶۶۷	۲۸۲۷۱۴۱
سنہ ۱۷۷۳ ″ سنہ ۱۷۷۴	۲۴۳۸۴۰۵	۳۱۶۰۱۸۹	۲۱۳۲۳۷	۱۳۰۴۸۸۳	۲۷۲۷۹۷۵
سنہ ۱۷۷۴ ″ سنہ ۱۷۷۵	۲۷۷۷۸۷	۳۵۶۴۹۱۵	۲۶۸۲۲۲	۱۰۸۰۳۰۴	۳۳۰۰۱۲۴
سنہ ۱۷۷۵ ″ سنہ ۱۷۷۶	۲۸۱۸۰۷۱	۴۱۹۸۰۱۷	۳۳۵۹۶۸	۱۰۵۱۹۶۹	۳۴۲۸۴۸۰
سنہ ۱۷۷۶ ″ سنہ ۱۷۷۷	۲۸۵۵۰۴۳	۳۹۷۱۴۴۰	۳۲۵۱۹۲	۹۴۲۱۹۹	۳۴۲۴۴۰۱
سنہ ۱۷۷۷ ″ سنہ ۱۷۷۸	۲۵۳۰۰۴۲	۳۶۶۸۰۸۸	۴۷۷۲۹۳	۱۱۸۴۷۰۸	۳۳۵۲۰۲۹
سنہ ۱۷۷۸ ″ سنہ ۱۷۷۹	۲۶۵۶۸۰۹	۳۷۸۲۶۹۰	۵۵۳۸۱۰	۱۸۴۶۳۳۷	۴۹۷۲۵۹۰

یہاں تک ہم نے بنگالے کی صورت حال بیان کی۔ اگر ہم بنگالے سے باہر نکل کر دوسرے صوبوں کے حالات پر سرسری نظر ڈالیں جو وارن ہسٹینگز کے زیر انتظام یا زیر اثر رہے ہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وارن ہیسٹنگز کے توسیع اقتدار کے ابتدائی نتائج خوشگوار نہیں رہے۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں شمالی ہند جن چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر منقسم تھا۔ چشم دید شہادت کے مطابق ان میں ایک ریاست ایسی نہ تھی جو بنارس سے زیادہ سرسبز و شاداب ہو۔ یہاں کی رعایا نہایت محنتی تھی۔ صنعت و حرفت اور زراعت ترقی پر تھی اور یہ مقدس مقام جو ہندوستان کے ہر خطے کے ہندوؤں کا معبد عام تھا راجہ بلونت سنگھ کا دار الحکومت بھی تھا۔

۱۷۷۰ء میں بلونت سنگھ نے انتقال کیا اس وقت چونکہ شاہ اودھ نواب وزیر کے نام سے مشہور تھا اس ریاست کا رئیس واجب الاطاعت تسلیم ہوتا تھا اس لئے اس نے حق مالکانہ وصول کر کے اور سابقہ رقم مالگزاری میں کسی قدر اضافہ کرنے کے بعد بلونت سنگھ کے لڑکے چیت سنگھ کی وراثت منظور کر لی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس وراثت سے ایک طرح کا لگاؤ ہو چلا تھا۔ ۳۱ اکتوبر ۱۷۷۰ء کے ایک عام مراسلے میں بنگالے کے گورنر نے نظمائے کمپنی کو یہ لکھا کہ :- "نواب وزیر کا ہماری سفارش و درخواست کو قبول کر لینا ہمارے لئے ایک نہایت اطمینان بخش اور بے حد مسرت خیز واقعہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے متعدد رؤسائے ہندوستان کے اس خیال کی تقویت ہو گی کہ شاہ اودھ اور انگریزوں میں نہایت مخلصانہ اتحاد قائم ہے"۔

شجاع الدولہ شاہ اودھ نے ۱۷۷۵ء میں رحلت کی اور وارن ہسٹنگز نے جو اس وقت گورنر جنرل تھا برطانیہ کے قدیم حلیف کی وفات سے فائدہ اٹھا کر برطانوی عملداری اور راج کو پھیلانا چاہا۔ مئی ۱۷۷۵ء میں شاہ اودھ کے فرزند و جانشین آصف الدولہ سے ایک جدید معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے بنارس ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر تفویض ہو گیا اور راجہ چیت سنگھ اب انگریزوں کا باجگزار بن گیا۔

اگست ۱۷۷۵ء میں گورنر جنرل نے نظمائے کمپنی کو لکھا کہ :-

"بنارس اور راجہ چیت سنگھ کی عملداری کے دوسرے علاقے جو کمپنی کے سپرد ہوئے ہیں (اگرچہ یہ کہنا گویا آپ اپنی تعریف کرنا ہے) وہ آپ کے خیالات کے بالکل مطابق ثابت ہوں گے کیونکہ اس تفویض سے کمپنی کو ایک بیش بہا جیز ہاتھ آئی ہے ......

اس عملداری کے محاصل [illegible] روپے ہیں جن کو راجہ ماہانہ اقساط میں جمع بندی کے حسابات دینے یا کسی قسم کی مینہائی کا

دعویٰ پیش کئے بغیر بطور خراج ادا کرتا رہے گا"۔

رؤسائے واجب الاطاعت کی اس تبدیلی کا پورا پورا مفہوم کامل تین سال گزرنے کے بعد کہیں بدنصیب چیت سنگھ کی سمجھ میں آیا۔ وارن ہسٹنگز نے جولائی ۱۷۷۸ء میں چیت سنگھ کو لکھا کہ:۔

"برطانیۂ عظمیٰ نے ۱۸ مارچ کو فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ مجھ کو اپنے اور مجلس نظماء کی طرف سے یہ استدعا پیش کرنی ہے کہ آپ موجودہ جنگ کا بوجھ ہلکا کرنے میں حصہ لیں کیونکہ کمپنی کی رعایا کی حیثیت سے ہر موقع پر کمپنی کے اغراض کی تائید کرنا آپ پر فرض ہے"۔

البتہ ایک انگریز یعنی فلپ فرانسیس کی راستبازی یہاں انصافاً قلمبند کرنا ضروری ہے اُس نے ان ناجائز مطالبات پر وارن ہسٹنگز کی مخالفت کی کوشش کی تھی یہی فلپ فرانسیس تھا جو کسی وقت ریاست بنارس کو انگریزوں کا باجگزار بنانے میں صف اول میں تھا مگر جب راجہ کمپنی کا باجگزار بن گیا تو ان من مانے مطالبات پر اُس نے سخت اعتراض کئے۔

"اس میں کسی سوال کی گنجائش ہی نہیں کہ راجہ کو ہر وقت اس حکومت کے اقتدار کے سامنے سرنگوں رہنا چاہیئے اور جب تک یہ اقتدار انصاف پر چل رہا ہے میں اس اقتدار کی حمایت کے لئے اسی طرح تیار ہوں جس طرح اس مجلس کا کوئی دوسرا رکن ہو سکتا ہے۔ میں نے اول سے ہی اپنے شکوک کا اظہار کر دیا ہے کہ آیا راجہ پر اُن شرائط سے متجاوز مطالبات کرنے کا ہم کو حق حاصل ہے جو ہم نے ابتدا اسے راجہ کے لئے مقرر کی تھیں اور جن کو اُس نے قبول بھی کرلیا یا نہیں۔ میں تو ہمیشہ یہی سمجھتا رہا ہوں کہ راجہ کو اس زمینداری پر قبضہ دینے کی بنیادی شرائط یہی تھیں۔ اگر کسی اعلیٰ قوت کے امتیاز ذاتی پر ایسے مزید مطالبات راجہ سے کئے جا سکتے ہیں تو اس سے نہ تو راجہ کے

کوئی عام حقوق باقی رہ سکتے ہیں اور نہ حقوق ملکیت یا کم ازکم اتنا تو ہوگا کہ ایسی حالت میں راجہ کے حقوق کا کوئی ضامن ہی نہیں رہے گا اگر یہی صورت حال ہے تو پانچ لاکھ کے بجائے پچاس لاکھ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور راجہ کے انکار اور رقم ادا نہ کرسکنے کا فوری نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی زمینداری ہی ضبط کرلی جائے۔"

یہ اعتراضات تو یوں ہی رہے اور فوج کے مصارف کے علاوہ چیت سنگھ سے سال دوم کی پیشکش کے پانچ لاکھ روپیے کا مطالبہ کیا گیا۔ پھر سال سوم کی پیشکش کے پانچ لاکھ روپیے کا اور سال چہارم کی پیشکش کا بھی۔ جب راجہ نے یہ رقوم ادا نہ کیں تو اس پر پہلے عتاب ہوا اور پھر اُس کو گرفتار کرلیا گیا۔ یہ دیکھ کر اُس کے ہمراہیوں نے کمپنی کے پہرہ داروں پر حملہ کرکے گویا اُس کے انجام پر مُہر لگادی۔ راجہ اپنی ساری جائداد چھوڑکر روپوش ہوگیا۔ اس کے بعد محاصل کے مطالبات میں اضافہ کرکے اُس کے خواہرزادے مہیپ نارائن کو مسند نشین کیا گیا۔ مگر انتظام مملکت گورنر جنرل کے کارپردازوں ہی کے ہاتھوں میں رہا۔

یہ انتظام مملکت بُری طرح ناکامیاب رہا۔ مگر اس لئے نہیں کہ وارن ہسٹنگز میں بلونت سنگھ اور چیت سنگھ کے مقابل جن کی حکومت میں بنارس نہایت سرسبز تھا انتظامی قابلیت کم تھی بلکہ اس لئے کہ اس جدید انتظام میں محاصل کے مطالبات میں جو اضافہ کیا گیا تھا اُس کی وجہ سے ریاست کا تمام زرعی کاروبار تباہ و برباد ہوگیا تھا۔

وارن ہسٹنگز نے راجہ کی طرف سے جو پہلا نائب مقرر کیا وہ رقوم بروقت ادا نہ کرنیکے جرم میں مدت سے برطرف کردیا گیا مگر دوسرا نائب جو مقرر کیا گیا وہ اس مسلمہ اصول پر کاربند رہا کہ محاصل کی مقررہ رقم ہر حالت میں جمع ہونی چاہئے۔ اسنے زمینوں پر بہت زیادہ لگان لگائے اور جمعبندی بھی نہایت تشدد کیساتھ کی۔ رعیت ایک گرداب بلا میں پھنسی ہوئی تھی کہ ۱۷۸۳ء کی مہیب خشک سالی سے سارا املاک

ایک ویرانہ بن گیا۔

ہسٹینگز نے اس ویرانی و خشک سالی کے مضر اثرات بچشم خود معائنہ کئے۔ ۲ر اپریل ۱۷۸۴ء میں اس نے کونسل بورڈ کو یہ لکھا کہ:۔ "بکسر کے حدود سے بنارس تک لوگ ایک اضطرار کی حالت میں میرے پیچھے پیچھے شور مچاتے رہے جس کو سنتے سنتے میں تھک گیا۔ یہ عام بے چینی ایک عرصے تک خشک سالی کی پریشانیوں کے باعث ناگزیر طور پر اور بڑھ گئی ہے۔ تاہم میرے پاس یہ یقین کرنے کی وجہ ہے کہ اس بے چینی کا خاص سبب اگر نظم و نسق کی شدت اور عمال کی بد دیانتی نہیں، نہ سہی پھر بھی انتظامی نقائص و اسقام تو ضرور ہیں۔ مجھ کو یہ لکھتے ہوئے تاسف ہوتا ہے کہ بکسر سے لے کر اس کے مقابل کی سرحد تک ہر گاؤں میں ویرانی کے آثار کے سوا میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ اور یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بنارس کے شہر کے سوا اس تمام صوبے میں حکومت کا محض نام ہی نام رہ گیا ہے۔ نظم و نسق میں بدعملی پھیلی ہوئی ہے اور رعایا پر مظالم ہو رہے ہیں تجارت بھی بے سہارا ہے ظاہر ہے کہ ذرائع آمدنی کو اس طرح بیجا زیر تصرف لانیکی وجہ سے صوبے کے محاصل میں فوری خسارے کا اندیشہ ہے۔"

اودھ کی قلمرو سے جدا ہو کر کمپنی کی عملداری میں آنے کے نو سال بعد بنارس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھ کر خود اودھ کی حالت پر نظر ڈالیں گے۔

جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے ۱۷۷۵ء میں برطانیہ کے حلیف شجاع الدولہ نے انتقال کیا۔ شجاع الدولہ اپنے دشمنوں کے حق میں بے رحم و سنگ دل ضرور تھا لیکن اس کے زمانے میں اس کی قلمرو کی رعایا قانع مرفہ الحال اور خوش دل تھی۔ اس کی فرمانروائی کے آخری زمانے میں جو انگریز حکام اودھ ہو آئے تھے وہ ملک اور

رعایا کی آسودہ حالی کے شاہد تھے۔

جب آصف الدولہ نے اپنے آبائی تخت پر قدم رکھا تو وارن ہیسٹنگز نے اودھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار اور بڑھا دیا۔ شجاع الدولہ کے ساتھ جو قدیم معاہدہ تھا اُس میں ترمیم کی اور ایک جدید معاہدہ آصف الدولہ کے ساتھ کیا" جس کی بدولت موخرالذکر بالآخر خواہ مخواہ کمپنی کا باجگزار بن گیا۔"

یہی باجگزاری اودھ کی بربادی کا باعث ہوئی۔ کرنل ہینی کو ہسٹینگز نے رسالے اور توپ خانے کی کمان میں اودھ بھیجا تھا اپنے ہم وطنوں کی طرح کرنل ہینی کی بھی خواہش یہی تھی کہ اس نیک گھڑی سے فائدہ اُٹھائے اور اپنی نئی خدمت کے طفیل جلد وافر دولت پیدا کرلے۔ کمپنی کے نام حق مالگزاری کے انتقال کا طریقہ جو مدراس اور دیگر مقامات میں اس قدر مہلک ثابت ہوچکا تھا اودھ میں بھی رائج کیا گیا۔ کرنل ہینی دیوانی اور فوجی اختیارات استعمال میں لاتا تھا اور اُس نے بہرائچ اور گورکھپور کی مالگزاری بھی مستاجری پر لے لی تھی۔ ہینی کے زیر انتظام لگان زیادہ کر دئیے گئے اور مالگزاری ہر طرح کی ظلم و زیادتی کے ساتھ وصول کی جاتی رہی۔ لوگ اپنے کھیتوں کو چھوڑ چھوڑ کر دیہات سے بھاگ گئے۔ اور ملک ایک ویرانہ سا ہوگیا۔

آصف الدولہ نے یہ خود پیدا کردہ تباہی دیکھی اور ۱۷۷۹ء میں انگریزی حکومت کو یہ لکھا کہ: "کثرت مصارف کی بناء پر بڑی سی بڑی رقم ضرورتاً مشخص کرنے کے بعد مالگزاری کو تعہد پر دیا گیا تھا مگر ہر سال وصول میں کمی ہوتی رہی تھی مگر اب یہ نوبت پہنچ چکی ہے کہ لوگوں نے کاشتکاری تو کیا اس سرزمین ہی کو الوداع کہہ دیا ہے" اسی بناء پر نواب نے نئے رسالے اور توپ خانے کے مصارف کے لئے کمپنی کے نام حق مالگزاری کے جدید انتقال پر یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ

اُس کے لئے یہ مزید فوج بالکل بیکار تھی جس سے نقصان مالگزاری الگ تھا اور حکومت کے معاملات میں پیچیدگیاں الگ پیدا ہوتی تھیں۔
کلکتہ کونسل نے اس اہم اطلاع پر غور و خوض کیا اور فلپ فرانسیس نے اُس منصف مزاجی سے جو اُس کا خاصہ تھی یہ مخصوص یادداشت لکھی :-

"ابھی مجھ میں اتنے حکیمانہ خصائل پیدا نہیں ہوئے ہیں کہ میں کسی پردیسی فوج کے مصارف کے بوجھ سے ایک خودمختار فرماں روا کے نجات چاہنے کو کوئی نازیبا یا خوفناک بات سمجھوں خصوصاً جبکہ یہ پردیسی فوج اس لئے بدنام بھی ہے کہ وہ ملک کی محافظت کے روپ میں مُلک اور محاصل دونوں کو ہضم کر جاتی ہے۔

"مجلس نظماء نے اپنے ۵ار دسمبر ۱۷۷۵ء کے مراسلے میں صوبۂ اودھ کی ملازمت میں اس رسالے اور توپ خانے کا رکھنا منظور کیا ہے بشرطیکہ اس طرح رکھنا صوبے کی بالکلیہ رضامندی سے ہو اور کسی طرح بھی اُس کے خلاف مرضی نہ ہو۔ اس حصۂ فوج کی نسبت سردست کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ نواب وزیر اُسکی واپسی کا خواہاں نہیں ہے بلکہ اُس کے مطالبات کلیتہً اُس عارضی رسالے اور توپ خانے اور اُن علحدہ پلٹنوں سے متعلق ہیں جو میجر ہینی اور کیپٹن آسبورن کی کمان میں ہیں۔ نواب وزیر کا بیان ہے کہ اول الذکر یعنی رسالہ توپ خانہ دونوں حکومت کے اغراض کے لئے نہ صرف ناکارہ ہیں بلکہ وہ مالگزاری و محاصل چنگی میں معتدبہ نقصان کا باعث بھی ہیں موخرالذکر حکومت کے معاملات میں نئی نئی پیچیدگیاں پیدا کرتے ہیں اور ایسے خودسر و خودمختار ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے۔

"یہ تحریک اس مفروضے پر پیش ہوئی ہے کہ ہمیں نہ صرف نواب وزیر کو اس فوج کے نوکر رکھنے پر مجبور کرنے کی ضرورت ہے بلکہ اس کی بھی کہ ہم بطور خود اُن محاصل کو جمع کریں جس سے اس فوج کے مصارف ادا

ہوتے ہیں اور یہ انتظام کی موجودہ حالت میں قریب قریب ملک کی فوجی قرقی کے مساوی ہے۔ اس طرح ایک ضرورت دوسری ضرورت کو پیدا کرتی ہے اور اُس وقت تک یہی حالت برقرار رہیگی جبتک کہ دیسی ریاستوں میں ایک بھی ایسی چیز موجود ہے جس پر ہماری لالچ بھری نظریں پڑسکیں یا جو ہماری حرص و آز کی دسترس سے باہر نہ ہو سکے۔ یا جب تک تجربہ ہمیں یہ نہ سکھلادے کہ دوسروں کے حق میں انصاف کرنا خود اپنے لئے ایک فراست کی بات ہے "۔

پلٹنوں کی واپسی کے سوال پر وارن ہسٹنگز کی نظروں میں کمپنی کا مالی نقصان اودھ کے باشندوں کی تکالیف کے مقابل زیادہ اہم و باوقعت تھا۔ اُس نے کہا کہ نواب تو کمپنی کا باجگزار ہی تھا اور کمپنی پر مزید مصارف کا بوجھ ڈالے بغیر یہ فوج واپس نہیں بلائی جاسکتی"۔

تاریخ ہند کے مورخ جیمز مل نے لکھا ہے کہ: "کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنی سہولت کی خاطر انگریزوں نے کسی حق کا دعویٰ کئے بغیر نواب کو انگریزی فوج کے جملہ مصارف برداشت کرنے پر مجبور کردیا۔ یعنی ہسٹنگز کے قول کے موافق نواب کے ساتھ ایک باج گزار کا سا برتاؤ کیا۔ انگریز نواب کی قلمرو کے مالک بن بیٹھے اور نواب پر خود مختارانہ فرمانروائی کی"۔

۱۷۸۰ء میں انگریزی حکومت کے مطالبات چودہ لاکھ پونڈ تک پہنچ چکے تھے اسی زمانے میں گورنر جنرل کا پرسٹولو لکھنؤ سے واپس طلب کرکے اُس کی جگہ مڈلٹن کو رزیڈنٹ بناکر بھیجنا اور بیگمات اودھ یعنی نواب کی ماں اور دادی کو لوٹ لینے میں جس سے کمپنی کی حکومت کے مطالبات کی تکمیل ہوسکے نواب کی مدد کرنا اور ایک کثیر رقم کا نہایت بے رحمی اور بے عزتی کے ساتھ ان بیگمات سے وصول کیا جانا یہ سب واقعات تاریخی ہیں جن کو ان صفحات میں بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس کتاب کی خاص غرض پر نظر کرتے ہوئے شاہی

خاندان کی حق تلفی کے دردناک قصے کے مقابل اودھ کے کاشتکاروں کی حالت زیادہ اہم ہے۔

وہ واقعات جو واران ہسٹینگز کے مشہور عالم مواخذے کے وقت مفلس پٹہ داروں سے لگان وصول کرنے کے متعلق بطور شہادت پیش کئے گئے نہایت عبرت انگیز ہیں۔

یہ بیان کیا گیا تھا کہ نادہند اسامیوں کو کھلے پنجروں میں قید کردیا گیا جس کا جواب یہ دیا گیا کہ ہندوستان کی دھوپ میں اس وضع کے پنجروں میں بند کرنا موجب آزار نہ تھا۔ یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ باپ اپنے بچوں تک کو فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا جس کا جواب یہ دیا گیا کہ کرنل ہینی نے اس خلاف فطرت فروخت کے انسداد کے لئے احکام صادر کردئے تھے لوگوں نے ایک کثیر تعداد میں اپنے اپنے گاؤں کو خیرباد کہہ کے جلا وطنی اختیار کرلی تھی اور اس کے انسداد کے لئے فوج تک سے کام لیا گیا تھا۔ آخرکار ایک بڑا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ زمیندار وکاشتکار سب کے سب اس ناقابل برداشت اخذ بیجا پر ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر کیا تھا۔ ہولناک واقعات اور قتل وخونریزی شروع ہوئی۔ سپاہیوں نے طیش میں آکر غیر تربیت یافتہ اور فوجی قواعد سے ناواقف کاشتکاروں کی خوب سرکوبی کی۔

کرنل ہینی کو جب اودھ سے واپس طلب کرلیا گیا جب کہیں جاکر یہ ہنگامہ فرو ہوا۔ لیکن اودھ کی حالت ایک ویرانے کی سی ہوگئی ۱۷۷۴ء میں کپتان ایڈورڈ نے اودھ کی حالت دیکھی تھی اور پھر ۱۷۸۳ء میں بھی دیکھی۔ جہاں اُسنے زراعت صنعت وحرفت وتجارت کو برسر ترقی پایا تھا وہاں اس نے دوسری مرتبہ "چٹیل میدان پائے"۔ مسٹر ہولٹ نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ اودھ کی پہلی سی حالت نہیں رہی تمام شہر وبلاد خالی پڑے ہیں اور سارے ملک میں قحط کے آثار نمودار ہیں۔ ۱۷۸۴ء میں فی الواقع اس صوبے میں ایک سخت قحط پڑا اور اس طرح

بد انتظامی اور جنگ کی مصیبت تو تھی ہی بھوکوں مرنے کی ایک اور آفت نازل ہو گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا جگہ جگہ ظالمانہ استحصال الگ تھا اور اپنی عملداری کے نئے علاقوں میں رعایا پر مصیبتیں الگ تھیں ۱۷۷۳ء کا تجربہ یہ قانون تنظیم بھی ضروری اصلاح کرنے میں ناکام ثابت ہو چکا تھا جب مجلس معاملات راز کی چھ روداد اور مجلس منتخبہ کی گیارہ رودادیں ۱۷۸۲ء اور ۱۷۸۳ء میں شائع ہوئیں تو برطانوی پارلیمنٹ پر ان حالات کا انکشاف ہوا اور ملک کے نظم و نسق میں اصلاح کے لئے ایک صدائے احتجاج بلند ہوئی فاکس کا مجوزہ قانون ہند کا مسودہ ایڈمنڈ برک کی حمایت کے باوجود دار العوام میں نامنظور ہوا اور آخر کار ہندوستان کے نظم و نسق کی اصلاح کے لئے مسٹر پٹ کا مرتبہ مسودہ ۱۷۸۴ء میں بشکل قانون نافذ کیا گیا جس سے پہلی مرتبہ کمپنی کا نظم و نسق سرکار برطانیہ کی زیر نگرانی آ گیا یعنی کمپنی کے دیوانی مالگزاری اور فوجی تمام معاملات سرکار برطانیہ کے مقررہ چھ کمشنروں کے زیر انتظام کر دئے گئے۔ اس کے مابعد کے سال ہی وارن ہیسٹنگز اپنی خدمت سے مستعفی ہو گیا اور لارڈ کارنوالس کو جو ایک نیک روش فیاض منش امیر تھا بحیثیت گورنر جنرل ہندوستان بھیجا گیا۔

وارن ہیسٹنگز کے نظم و نسق کے اس مختصر بیان میں ہماری توجہ قطعی طور پر محض لوگوں کی اقتصادی حالت تک ہی محدود رہی اور غیر جانبدار مورخین کی طرح ہمیں بھی افسوس ہے کہ اس نقطۂ نظر سے وارن ہیسٹنگز کا نظم و نسق ناکام رہا۔ مگر وارن ہیسٹنگز کے حق میں انصاف کرنے کیلئے یہاں ان عذرات کی نقل کرنی ضروری ہے جن کو مسٹر شور نے (جنھوں نے بعد میں لارڈ ٹین متھ خطاب پایا تھا) ۱۷۸۹ء میں نہایت قابلیت کے ساتھ ہیسٹنگز کی طرف سے جوابدہی کرتے ہوئے پیش کیا تھا:—

"ان صوبوں کے ایک بڑے حصے کا حق مالگزاری کمپنی کو

پہلی دفعہ اٹھائیس سال قبل ملا تھا اور منصب دیوانی کے عطیے سے کمپنی کے نام تمام صوبے کے حق مالگزاری کو دواماً باضابطہ منتقل ہوئے چوبیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ جب ہم اس عطیے کی حقیقت و وسعت کا خیال کرتے ہیں اور جو ملک کہ ہمارے تحت آیا ہے اس کے باشندوں کے عادات و اطوار اختلاف زبان اور اختلاف آداب معیشت وغیرہ پر غور کرتے ہیں اور اس پر بھی کہ ہم نے قدیم آئین سے ناواقفیت کے باوجود اور ایشیائی مالیات کا کوئی عملی تجربہ رکھنے کے بغیر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تو یہ تعجب کی بات نہیں معلوم ہوتی کہ ہم سے غلطیاں سرزد ہوئیں یا اب بھی قابل اصلاح امور ہم میں موجود ہوں۔"

اس رائے میں بہت کچھ صداقت ہے بایں ہمہ وارن ہیسٹنگز پر بمقابل اس کے کسی اور معاصر انگریز کے اس رائے کا کم اطلاق ہوتا ہے کیونکہ وارن ہیسٹنگز ہندوستان میں اجنبی نہ تھا اور نہ باشندگان ملک سے ناواقف تھا وہ ہنوز لڑکا ہی تھا کہ ہندوستان آیا معمولی حیثیت سے اُس کی ابتدائی زندگی گزری۔ عام لوگوں سے ملتا جلتا رہا۔ اُن کے عادات و اطوار سے خوب واقفیت حاصل کی اور اُن کا قدردان رہا۔ خدمت سے مستعفی ہو کر ہندوستان سے چلے جانے کے بیس سال بعد برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے اس نے یہ کہا کہ:-

"میں حلفیہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کے رہنے والوں کے متعلق یہ کہنا کہ ان کی اخلاقی حالت بہت ابتر اور گری ہوئی ہے سراسر غلط اور بالکل بے بنیاد ہے ..... یہ لوگ شریف و نیک طینت ہیں اور ان میں اتلاف حقوق کے موقع پر انتقام کے لئے فوری برافروختہ ہو جانے کے مادے کے مقابلے میں کسی کے ساتھ مروت اور احسانمندی کرنے کا احساس زیادہ ہے اور یہ لوگ

انفعال طبع کے بدترین اثرات سے ایسے ہی مستثنیٰ ہیں جیسے روئے زمین پر کسی اور جگہ کے باشندے ہوسکتے ہیں" ایسے تھے ہندوستان کے لوگ جن سے ہسٹینگز واقف تھا اور جن میں رہ کر غیر حاضری کے چند مختصر وقفوں کے سوا اُس نے ۱۷۵۰ء سے ۱۷۸۵ء تک اپنی عمر کے پینتیس سال کام کرتے کرتے گزارے تھے۔

ہندوستان میں وارن ہسٹینگز کے ظاہری افعال سے بھی اُن جذبات کی بالکلیہ تکذیب نہیں ہوتی جو عام لوگوں کے متعلق وارن ہسٹینگز کے دل میں موجود تھے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ عاملان کمپنی بنگالیوں سے اندرونی تجارت لوٹ لوٹ کر ناگہانی طور پر کثیر دولت پیدا کر رہے تھے وارن ہسٹینگز ہی وہ اکیلا شخص تھا جس نے اپنے ہموطنوں کی اس مطلق العنانی اور ظلم و زیادتی کی مخالفت میں اپنے رہنما ونسٹارٹ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہونے کی ہمت کی تھی۔ اور ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۵ء تک خود اپنے سیزدہ سالہ نظم و نسق میں بھی وہ بدنظمی میں ایک طرح کا انتظام پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی قوانین منضبط اور شائع کئے تھے انہیں قوانین کے مطابق انفصال مقدمات کے لئے عدالتیں قائم کی تھیں اس نے نظام مملکت کی ایک نئی شکل قائم کی جس میں اس کے بعد بہت کچھ اصلاح تو ہوئی مگر اس نظام کا پہلا موجد اعظم وہی تھا یہ اقتضائے فطرت تھا کہ ایک ایسے شخص سے جس میں انتظامی قابلیت کا مادہ اس قدر موجود تھا اور جس کو ملک اور باشندگان ملک کے حالات کا اس قدر صحیح علم تھا اعلیٰ درجے کی انتظامی کامیابی کی بھی توقع کی جائے لیکن نظم و نسق کی کامیابی کو اگر اس نظر سے جانچا جائے کہ اس کا مدار رعایا کی محض خوشنودی پر ہے تو یہ ماننا پڑیگا کہ وارن ہسٹینگز کا انتظام سلطنت بری طرح ناکامیاب رہا انگریزوں کے اقتدار کی توسیع سے یا اُن کے اثرات سے لوگوں کی اقتصادی

حالت میں کچھ اصلاح نہ ہوئی بلکہ بنگالے اور بنارس اور اودھ میں مصیبت و رنج، فتنہ و فساد اور پے در پے قحط نقش قدم کی طرح جلو میں رہے۔

ہمارے لئے یہ بہت ممکن ہے کہ اس ناکامی کے اسباب سکون قلب کے ساتھ اب ایک صدی گزر جانے کے بعد دریافت کرسکیں۔ لیکن ہیسٹنگز اور اس کے تمام انگریز معاصرین کے دلوں میں یہ ناقابل تزلزل مشترک اعتقاد نقش تھا کہ ہندوستان کی سرزمین ایسٹ انڈیا کمپنی اور اُس کے عاملوں کی منفعت ذاتی کے لئے ایک بڑی جاگیر تھی اسی لئے ہیسٹنگز نے اپنے پرزور دماغ کی ساری قوت اسی میں صرف کردی کہ ہندوستان کسی حال ذریعۂ منفعت بن جائے۔ کمپنی کے نظم و نسق کے اس مقصد اولین کے مقابل رفاہ عام کا کچھ درجہ نہ تھا۔ رعایاء کے حقوق ہوں کہ والیان ریاست کے، زمینداروں کے حقوق ہوں کہ رعیت کے، سب کے سب ہندوستان کے تاجر پیشہ حکمرانوں کے اس ملوکانہ خیال پر قربان تھے۔ چنانچہ ۱۷۷۰ء کی قحط سالی میں بنگالے کی ایک تہائی آبادی کا صفایا ہوجانے کے باوجود مالگزاری کی رقم میں اضافہ کیا گیا جاگیرداروں کے خاندانوں کو جو صدیوں سے جاگیروں پر مالکانہ قبضہ رکھتے تھے مستاجروں کی طرح مہاجنوں اور سٹہ کھیلنے والوں کے مقابل ہر سال نیلام میں بولی بولنے پر مجبور کیا گیا۔ کاشتکاروں کو بغاوت کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ اور جب وہ اپنے گھروں اور گاؤں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے تو انھیں نہایت بے رحمی کے ساتھ سپاہیوں کے ذریعے سے اُن کے گھروں میں پھر کھنچوا بلایا جاتا تھا، اور اس طور پر وصول کی ہوئی رقم کا بہت بڑا حصہ شغل سرمایہ کی شکل میں کمپنی کے حصہ داروں کے لئے انگلستان ارسال ہوتا رہا جس سے حصہ دار شادان و فرحاں تھے۔

روئے زمین پر کوئی نظم و نسق، خواہ اس کے اندر کتنی ہی خداداد استعداد کیوں نہ ہو، اور خواہ وہ کتنا ہی مکمل کیوں نہ ہو کسی قوم کی مفلسی

یا کسی ملک کی قحط سالی کا انسداد کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، اگر اس کی مالی حکمت عملی ایسی ہو جس کی رو سے کسی ملک کے ذرائع آمدنی غیر ملکی تاجروں کی جیبیں بھرنے کے لئے خالی ہوتے رہیں۔

وارن ہیسٹنگز کے نظم ونسق کی ناکامی کا اصل سبب یہی تھا اور اس کی تند مزاجی خود مختاری اور خود رائی کی وجہ سے یہ خرابیاں اور زیادہ ہوگئیں۔ بڑے بڑے حکمرانوں کے اعمال پر مورخوں کے فیصلے سے زیادہ برحق اور زیادہ دیرپا فیصلہ زبان خلائق کا فیصلہ ہے۔ ہندوستان کے رہنے والے ہسٹینگز کے نظم ونسق کو جس سے ملک پر مفلسی چھا گئی اسی طرح تکلیف اور دہشت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس طرح وہ اس کے جانشین کے انتظام مملکت کو تشکر آمیز نظروں سے دیکھتے ہیں کیونکہ اس کے جانشین میں ہمدردی کے ساتھ ساتھ اپنی محکوم کثیر آبادی کی مادی فلاح وبہبود کے لئے کام کرنے کی ہمت تھی۔

پانچواں باب

لارڈ کارنوالس اور بندوبست زمینداری بنگالہ

(۱۷۸۵ء سے ۱۷۹۳ء تک)

پٹ کا مرتبہ قانون ہند ۱۳؍ اگست ۱۷۸۴ء میں نافذ ہوا جس کی رو سے کمپنی کا انتظام سرکار برطانیہ کی زیر نگرانی آگیا اور اس طرح سے چند اصلاحیں بھی بمجبوری عمل میں آئیں۔ نظماے کمپنی نے یہ محسوس کیا کہ اب اپنا گھر سنبھالنا چاہیئے۔ انھوں نے وارن ہسٹینگز کی جانشینی کے لئے ایک عالی طینت وسیع ہمدردی رکھنے والے امیر کا انتخاب کیا۔ اور ۱۲؍ اپریل ۱۷۸۶ء کے مراسلے میں جدید گورنر جنرل لارڈ کارنوالس کی رہنمائی کے لئے مکمل ہدایات بھی تحریر کیں۔ اس یادگار مراسلے میں نظماء نے بنگالے کے نظام مالگزاری میں بار بار تغیر و تبدل کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور نہایت زبردست نگرانی کے ساتھ کسی ایک نظام کی پابندی مناسب خیال کی۔ انھوں نے ایسی سب کوششوں کو قابل نفرت قرار دیا جو زمین کے لگان میں

اضافہ کرنے اور متاجروں سزاولوں اور امینوں کی خاطر جن کو کاشتکاروں کی فلاح وبہبود سے کوئی دلچسپی نہ تھی زمینداروں کو اراضی سے بیدخل کرنے میں صرف کی جا رہی تھیں۔ اُنھوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ خورد بُرد کی نوبت ہی نہ آنے دینے کا مناسب طریقہ تو یہی ہوگا کہ رقم مالگزاری کا معقول اُصول پر اندازہ کر لینے کے بعد ایک دوامی بند وبست رائج کیا جائے کیونکہ بروقت مالگزاری ادا کرنے کے لئے قابض کی موروثی حقیت اراضی ہی بہترین کفالت ہوسکتی ہے۔ یہ بھی تاکید کی کہ جہاں تک عملی طور پر ممکن ہو زمینداروں ہی سے بند وبست کیا جائے اور بیان کیا کہ تشدد وایذا رسانی کے باوجود ایک بڑی چڑھی رقم مالگزاری کے پورا وصول نہ ہونے سے یہ بہتر ہے کہ مالگزاری کی رقم متوسط ہی ہو مگر باقاعدہ طور پر اور بروقت وصول ہوتی رہے جس سے ہمارے اغراض کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اس دیس کے رہنے والوں کی خوشحالی اور قابضان اراضی کی محافظت حقوق بھی زیادہ معقول طریقے پر ممکن ہے"۔ نظمائے کمپنی کا ارادہ بند وبست کو بالآخر دوامی کرنے کا تو تھا مگر اُنھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ سردست پہلا بند وبست صرف دہ سالہ ہونا چاہیئے۔ ۱۷۸۶ء کے مراسلۂ نظماء کے اس مختصر خلاصے سے ناظرین خود محسوس کر سکتے ہیں کہ فلپ فرانسیس نے ۱۷۷۶ء میں جو مدبرانہ تجاویز پیش کئے تھے وہ دس سال کے بعد بار آور ہوئے اور دس سال کے تلخ تجربے کے بعد (تلخ اس لئے کہ بنگالیوں نے اس اثناء میں ہر طرح کی مصیبت اور رنج اٹھائے تھے) فلپ فرانسیس کے تجاویز کی معقولیت واہمیت نمایاں ہوئی اور ہیسٹینگز کے تغیر پذیر و درشت منصوبوں کی خفت وعدم معقولیت مورد لعن وطعن بنی۔

ان جدید منصوبوں کے نفاذ کے لئے جس شخص کا انتخاب

کیا گیا وہ اس کام کے سزاوار بھی تھا ہندوستانی معاملات کے تفصیلی معلومات کے بغیر جیسے وارن ہسٹینگز کو حاصل تھے لارڈ کارنوالس میں یہ خداداد بات تھی کہ وہ جن لوگوں پر حکمرانی کرنے بھیجا گیا تھا انسے اس کو حقیقی ہمدردی ضرور تھی۔ ہندوستان کی تاریخ میں دو ایک ہی نہیں بلکہ کئی ایک مثالیں موجود ہیں کہ ایک زبردست اور وسیع ہمدردی اور خیرخواہی کا جذبہ رکھنے والے منتظم سلطنت نے وہاں کامیابی حاصل کی ہے جہاں مقامی حالات کا زیادہ تجربہ کار مگر محدود ہمدردی رکھنے والا منتظم سلطنت ناکام رہا۔ اسی لئے اٹھارھویں صدی عیسوی میں جو ضرورت محسوس کیگئی تھی وہی آجتک بھی کی جاتی ہے کہ انگریزوں کے ہندوستانی نظم ونسق میں یورپ کے وسیع تدبّر کا خمیر ضروری ہے۔

ہندوستان میں ورود کے بعد لارڈ کارنوالس نے یہ محسوس کیا کہ یہاں کے رسم و رواج، حقیت اراضی کے طریقے اور لگان کے مسائل میں مزید تحقیقات کے بغیر دہ سالہ بندوبست کو انجام دینا ناممکن تھا اسی لئے اُس نے زور وشور سے ایسی تحقیقات شروع کردی۔ مالگزاری کی کمیٹی کا نام مجلس مالگزاری کے نام سے بدل چکا تھا۔ مگر اُس کے اختیارات اور فرائض بحالہ قائم تھے یورپی ملازمان دیوانی (سول سرونٹ) کو کلکٹر جج اور مجسٹریٹ کے مجموعی اختیارات حاصل تھے اور عدالت فوجداری کا کاروبار نائب نواب بنگالہ کے تفویض تھا جس کی عدالتوں میں یورپین مجسٹریٹ تمام سنگین مقدمات کی سماعت کے لئے بھیجتے تھے۔

سنہ ۱۷۹۰ء میں انتظام مملکت میں ایک تغیر عظیم عمل میں آیا۔ گورنر جنرل نے باجلاس کونسل تمام صوبوں کی فوجداری عدالتوں کی نگرانی قبول کرلی۔ صدر عدالت فوجداری مرشد آباد سے کلکتے منتقل کیگئی۔ چار عدالت ہائے حلقہ فرداً فرداً دو اعلیٰ عہدہ داروں کی زیرنگرانی اُن مقدمات کی سماعت کرتی تھیں جن کی سماعت کے مجسٹریٹ مجاز نہ تھے۔ سررشتہ جات دیوانی و فوجداری و مالگزاری کے

قواعد پر نظر ثانی کر کے انگریزی اور دیسی زبانوں میں اُن کو طبع کیا گیا تھا۔
۱۷۹۳ء میں نظم و نسق عدالت میں مزید اصلاحیں عمل میں آئیں
عدالتی اور عاملانہ فرائض ایک دوسرے سے علیحدہ کر دئیے گئے۔
مجلس مالگزاری اور اضلاع کے کلکٹروں کو مال کے مقدمات میں
عدالتی اختیارات سے محروم کر دیا گیا۔ اور کلکٹروں سے مجسٹریٹ
کے اختیارات بھی چھین لئے گئے۔ کلکٹر سے بڑے درجے کا
ایک اعلیٰ عہدہ دار ہر صوبے میں جج اور مجسٹریٹ مقرر کیا گیا اور ہر
صوبے میں انتظام پولیس بھی اسی کو تفویض کر دیا گیا۔ کلکتہ۔ پٹنہ۔ ڈھاکہ
اور مرشد آباد میں چار مرافعے کی عدالتیں قائم کی گئیں۔

ٹیپو سلطان والیٔ میسور سے جو جنگ ہوئی تو لارڈ کارنوالس
کو فوجی حرکات و سکنات کی نگرانی مجبوراً خود اپنے ذمے لینی
پڑی۔ کارنوالس میسور کے دارالسلطنت تک در آیا اور ۱۷۹۲ء
میں ٹیپو سلطان سے صلح کے شرائط ہاتھ پکڑ کر لکھوا لئے۔ انگریزوں
کو مغربی ہند میں کالی کٹ اور کورگ ملا اور مشرق میں بڑا محل اور اسی
بڑے محل کے بندوبست مالگزاری کا کام ٹامس منرو نے ۱۷۹۲ء
سے ۱۷۹۹ء تک انجام دیا جس میں اُس نے وہ تجربہ اور کامیابی
حاصل کی کہ آگے چل کر وہ مدراس میں سب سے زیادہ ممتاز
عہدہ دار مالگزاری مانا گیا۔

بنگالے میں تحقیقات مالگزاری قریب الختم تھی۔ مسٹر جان شور
نے (جو بعد کو لارڈ ٹیمتھ ہوا) اپنی مشہور یادداشت ۱۸ جون ۱۷۸۹ء
میں لکھی جو صوبۂ بنگالہ کی اراضی کے دوامی بندوبست سے متعلق تھی
اور اسی یادداشت نے اس بندوبست کی بنیاد رکھی جس پر
ایسٹ انڈیا کمپنی اور لارڈ کارنوالس تلے ہوئے تھے۔ اس قابل
اور مکمل یادداشت کا اختصار اس محدود کتاب کی گنجائش سے
باہر ہے کیونکہ اس کے ضمیمہ جات تجاویز و سوالات سب مل کر

مشہور و معروف پانچویں رپورٹ کے ستر گنجان مطبوعہ صفحات ہوتے ہیں لیکن مسٹر شور کی مکمل تحقیقات سے جو واقعات مستنبط ہوتے ہیں اُن میں سے بعض کا بیان کرنا یہاں ضروری ہے۔

مسٹر شور نے اس بندوبست کا حوالہ دیا ہے جو ۱۵۸۲ء میں ٹوڈرمل نے اور ۱۷۲۲ء میں جعفر خاں نے کیا تھا۔

"اگر ہم اول ہی یہ فرض کریں کہ ٹوڈرمل کا مقررہ محاصل اعتدال پر مبنی تھا تو مبینہ اضافہ بہت بڑھا چڑھا نہیں سمجھا جا سکتا۔ ٹوڈرمل سے جعفر خاں کے زمانے تک مُلک نے دولت و ثروت میں بہت کچھ ترقی کی تھی کیونکہ تجارت کے نئے رستے کھل گئے تھے۔ اور خارجہ تجارت عام طور پر زیادہ پھیلی ہوئی تھی۔ سیم و زر جو اکبر کے عہد میں معدوم تھے۔ نئے نئے ذریعوں سے مُلک میں افراط کے ساتھ بھر گئے تھے۔ اس کے خلاف ہم اس مسلمہ سیاسی فراست کی تعریف و توقیر کرتے ہیں جس نے ہر قسم کی اخذ بیجا کی ایک حد مقرر کر دی اور رعایائے مُلک کو اپنی محنت اور عمدہ انتظام کے ثمرے سے بہرہ ور ہونیکا موقع دیا۔

شجاع خاں، علی وردی خاں اور میر قاسم نے بعد میں جو اضافے کئے مسٹر شور نے آگے چل کر اُن کے حوالے دئیے ہیں اور اس رپورٹ کے ضمیمے سے مختلف تواریخ میں بنگالے کی مالگزاری سے متعلق حسب ذیل اعداد ہمارے سامنے آتے ہیں :-

	یک کروڑ روپے	پونڈ
بندوبست ٹوڈرمل ۱۵۸۲ء	[illegible]	[illegible]
" سلطان شجاع ۱۶۵۸ء	[illegible]	[illegible]
" جعفر خاں ۱۷۲۲ء	[illegible]	[illegible]
" شجاع خاں ۱۷۲۸ء	[illegible]	[illegible]

مذکور الصدر اعداد کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مالگزاری کی جملہ رقم میں مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے تک کوئی زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی اگرچہ ۱۷۲۲ء اور ۱۷۶۳ء کے درمیان دوسرے مختلف محصول لگائے گئے تھے:۔

انگریزوں کی حکومت شروع ہونے سے کچھ پہلے کی جمعبندی کا حوالہ دیتے ہوئے مسٹر شور نے ۱۷۶۲ء سے ۱۷۶۵ء تک ان چار برسوں کے اعداد دیئے ہیں" اس دور کا پہلا سال قاسم علی (میر قاسم) کے عہد حکومت سے متعلق ہے اور دوسرا اور تیسرا سال نندکمار سے جو میر جعفر کا فدوی و فرماں بردار تھا اور چوتھا سال محمد رضا خاں سے متعلق ہے اور یہ دیوانی کا پہلا سال تھا۔

سنہ	حقیقی جمع (روپے)	حقیقی جمع (پونڈ)
۱۷۶۲-۶۳	۶۴۵۶۱۹۸	(۶۴۶۰۰۰)
۱۷۶۳-۶۴	۷۶۱۸۴۰۷	(۷۶۲۰۰۰)
۱۷۶۴-۶۵	۸۶۷۵۵۳۳	(۸۱۸۰۰۰)
۱۷۶۵-۶۶	۱۴۷۰۴۸۷۵	(۱۴۷۰۰۰۰)

انگریزوں کی حکمرانی اور ان سے قبل کی مسلمانوں کی حکمرانی میں باعث امتیاز وہ خاص اقتصادی خط و خال ہیں جن کو سالانہ معاشی سوتاؤ کہا جاتا ہے غیر ملکی حکمرانوں نے اس کی ابتدا کی اور یہ بات مسٹر شور کی نظر سے چھپ نہ سکی۔

"کمپنی تجارت بھی کرتی ہے اور ملک کی فرماں روائی بھی اور تاجروں کی حیثیت سے کمپنی نے تمام تجارت اپنے قبضے میں کر رکھی ہے اور فرماں روا کی حیثیت سے تمام محاصل اُسکے قبضۂ تصرف میں

ہیں۔ آئے دن یورپ کو جو محاصل ارسال کئے جاتے ہیں وہ دراصل
ان محاصل سے خریدی ہوئی دیسی اشیاء کی شکل میں روانہ ہوتے ہیں"۔
"ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ بالفرض مال کی بڑی مانگ ہونے سے
رعایا کی صنعت میں افزائش ہوئی تو بھی یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے
ہمارے پاس معقول دلائل موجود ہیں کہ اس افزائش کے فوائد ان
خرابیوں سے جو ایک دور دراز ملک سے حکمرانی کرنے والی غیر ملکی قوم
کی حکومت کے ساتھ وابستہ ہیں متوازن ہی نہیں بلکہ ان سے بھی
زیادہ ہیں"۔

"برنیر کے وقت سے منصب دیوانی کے ملنے تک ہر چیز
سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اندرون ملک یعنی بنگالے اور ہندوستان
کے شمالی علاقوں کے درمیان یا خلیج مور و اور خلیج فارس اور
ساحل ملیبار کے مابین ایک وسیع پیمانے پر تجارت رہی ہے۔
انھیں رستوں سے سیم و زر اور مال تجارت یورپ کی پردیسی
کمپنیوں کے لئے آتا جاتا رہا۔ اور مشرقی جانب سے ریزۂ زر
بھی افیون کے مبادلے میں ارسال ہوتے رہے"۔

"لیکن ۱۷۶۵ء سے حالت بالکل اس کے برعکس ہوگئی۔ کمپنی کو
تجارت کا مساوی معاوضہ نہیں ملنے لگا۔ پردیسی کمپنیاں سیم و زر
شاذ و نادر ہی درآمد کرتی تھیں اور نہ یہ چیزیں کسی کثیر مقدار میں ہندوستان
کے دوسرے حصوں سے بنگالے میں لائی جاتی ہیں"۔

"فی الجملہ اس نتیجے پر پہنچنے میں مجھکو کچھ پس و پیش نہیں ہے
کہ کمپنی کو منصب دیوانی جب سے ملا ہے ملک میں سیم و زر کی
جو مقدار رائج تھی وہ اب بہت گھٹ گئی ہے درآمد کے قدیم
رستے جن کے ذریعے سے اس بدررو کی ایک بڑی حد تک تلافی
ہو جاتی تھی اب بند ہو گئے ہیں۔ ایک طرف تو چین اور مدراس
و بمبئی کو ہمیشہ رقوم کی ضرورت رہتی ہے اور دوسری طرف یورپی

اشخاص انگلستان کو رقم برآمد کرتے ہی رہتے ہیں۔ ان دونوں وجوہ کی بناء پر آئندہ ملک چاندی سے اور خالی ہوتا رہے گا۔"

مذکورۂ بالا بیان سے واضح ہے کہ مسٹر شور نے چاندی کی اس قلت کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ آدم اسمتھ کے زمانے سے پہلے سیم و زر ہی ملک کی دولت سمجھے جاتے تھے لیکن یہاں جس چیز سے ملک کے خالی ہو جانے کا ذکر ان پُر زور الفاظ میں کیا گیا ہے وہ حقیقی دولت ہی ہے یعنی لوگوں کی پیداوار و اشیائے خوراک۔

بندوبست بنگالہ کے تین ممکنہ طریقوں یعنی رعیت واری بندوبست و مستاجری بندوبست و زمینداری بندوبست، ان تینوں پر بحث کرتے ہوئے مسٹر شور نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ زمینداری بندوبست ہی ایک ایسا بندوبست تھا جو اصلاح ملک و حسن انتظام دونوں کے موافق تھا۔"

"ہم نے سطح ارض پر تو زمینداروں کا حق ملکیت تسلیم کر لیا ہے...... محض کسی کا حق تسلیم کرنا ایسے طریقے نافذ کئے بغیر جن سے وہ حق قابل قدر بن سکے۔ ملک کی ترقی کے لئے مطلق مفید نہیں ہو سکتا۔ ہمارے جیسے پردیسی راج کے مطالبات دیسی حکمرانوں کے مطالبات کے مقابل یقیناً زیادہ اعتدال پر مبنی ہونے چاہئیں اور یہ مطالبات ہمارے مقبوضات کی دائمی طور پر قدر قائم رکھنے کے لئے معین ہو جانے چاہئیں۔ بجز چند ضروری اختیارات کے ہندوستان کے نظم و نسق پر ہر ممکنہ حد بندی عائد کرنی چاہیئے کیونکہ وہ ہماری اپنی حکومت کی نگرانی سے بقدر نصف کرۂ ارض بعید ہے اور باشندوں کے املاک مقامی حکام کی تلوّن مزاجی سے جو عدم نگرانی کا نتیجہ ہوتی ہے محفوظ رہنے چاہئیں۔

"سرکاری مطالبہ حقیقی آمدنیٔ مالگزاری کا نُو عشر تک اس امید میں معیّن کر دیا گیا کہ مابقی میں زمیندار اپنی جاگیرات کو ترقی دینے میں

جب کامیاب ہو جائیں گے تو پھر اس قلیل دسویں حصے میں بھی جو اب اُن کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے رفتہ رفتہ اضافہ کر لیں گے۔

اگر حکومت زمینداروں کی آمدنی سے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا اندازہ لگاتی ہے تو زیادہ سے زیادہ زمینداروں کی آمدنی کے نو عشر تک حکومت کو مطالبہ کرنا چاہیئے۔ میرا مطلب جملہ خام پیداوار کے اُس حصہ متناسبہ سے ہے جو لاحقہ فوری مصارف و منافع کی مہیائی کے بعد زمینداروں کو ملتا ہے۔ مجھ کو یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ اگر زمیندار اپنی زمینوں کی اصلاح اور رعیت کی حوصلہ افزائی کی طرف ضروری توجہ کرتے رہیں تو اُن کا یہ منافع رفتہ رفتہ اس حصۂ متناسبہ سے بھی بڑھ جائے گا۔

آگے چل کر مسٹر شور نے نہایت واضح طور پر اور پُر زور الفاظ میں بنگالے کے زمینداروں کے حقوق جو کچھ اُس کی سمجھ میں آئے بیان کئے ہیں۔

"میں زمینداروں کو اراضی کا مالک سمجھتا ہوں جنکی جائداد اُنہی اپنے قوانین مذہب کے مطابق ارثاً باپ سے بیٹے پر منتقل ہوتی آئی ہے اور انصاف کی رو سے شاہی اقتداران ورثائے قانونی کی موجودگی میں نہ تو اُن کو وراثت سے محروم کرنے کا مجاز ہے اور نہ اس میں کوئی تبدل و تغیر کرنے ہی کا حق رکھتا ہے۔ ایسی بنیادی حق کی رو سے زمینوں کا حق فروخت و حق رہن پیدا ہوتا ہے جو ہم کو منصب دیوانی کے ملنے سے بھی پہلے زمینداروں کو حاصل تھا۔"

"مطلق العنانی اگرچہ ایسے دعاوی پیش کر سکتی ہے جن سے کسی راہ راست و بر ملا خلاف ورزئ حقوق کے بغیر زمینداروں کے حقوق تہ و بالا ہو جائیں۔ لیکن عام طور پر عمل یہی رہا ہے کہ مطلق العنانی ان حقوق کی حامی ہی رہی ہے۔ اکبر کے عہد میں زمینداران بنگالہ دولتمند

بھی تھے۔ اور تعداد میں بھی زیادہ تھے۔ اور جب اکبر اور اس کے جانشینوں کے زیر حکم جعفر خاں کو انتظام سلطنت تفویض ہوا اُس وقت بھی زمیندار موجود تھے اُن کی اپنی اپنی اراضی سے متعلق حد اختیار میں اضافہ بھی ہوا تھا اور جب انگریزوں کو منصب دیوانی ملا تو بڑے بڑے زمیندار اُس وقت بھی صاحب دولت و مرتبہ تھے۔"

اس حد تک تو زمینداروں سے متعلق لکھا گیا۔ رعیت اور کاشتکاروں کے بارے میں بھی مسٹر شور کا زور و شور سے یہی خیال ہے۔

"بنگالے کے ہر ضلع میں جہاں اخذ بیگا کے اذن عام نے قواعد کو تمام دکمال باطل نہیں کردیا ہے زمین کا لگان نرخ مقررہ پر معین ہے اور بعض اضلاع میں ہر گاؤں کا نرخ جدا جدا ہے اور یہ نرخ زمین کی پیداوار کے لحاظ سے اس قدر فی بیگہ مقرر ہے۔ بعض زمینوں میں دو مختلف اجناس فصلوں کی پیداوار ہوتی ہے اور بعض میں تین اور زیادہ نفع کی چیزیں مثلاً شہتوت کے درخت پان اور تمباکو گنا وغیرہ سے زمین کی قدر متناسباً بڑھ جاتی ہے۔"

"خود کاشت رعیت (وہ رعیت جو اپنے مسکونہ مقام کی زمینوں کی کاشت کرتی ہے) کے نام پٹے بلا تعین میعاد دئیے جاتے ہیں جن میں اس بات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ جب تک رعیت سالانہ زر لگان ادا کرے زمین پر قابض رہ سکتی ہے۔ اور اسی طرح حق قبضہ کی ابتدا ہوئی ہے۔"

"پاہی کاشت رعیت (وہ رعیت جو اپنے مقام مسکونہ سے دور کی زمینوں کی کاشت کرتی ہے) کا قبضۂ اراضی ایک غیر معین حقیت اراضی پر مبنی ہے اُن کو پٹہ جو دیا جاتا ہے اُس میں عام طور پر ایک میعاد معین کردی جاتی ہے اور جہاں رعیت ان شرائط کو اپنے موافق نہیں پاتی ہے تو اراضی چھوڑ کر کسی اور مقام

میں چلی جاتی ہے ۔"

اپنی یادداشت کے آخر میں مسٹر شور نے اپنے تجاویز کا خلاصہ کر دیا ہے :-

"آئندہ بند وبست کے لئے جن رہنما اصول پر میرے تجاویز مبنی ہیں وہ دو ہیں"

"(۱) اصول مالگزاری کے لئے حکومت کی دلجمعی و اطمینان اور (۲) رعایا کے لئے اطمینان دلی اور حفاظت جان و مال ۔"

"اول الذکر یعنی حکومت کا اطمینان کلی زمینداروں سے دوامی بند وبست کر لینے میں مناسب طور پر ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی زمینیں اور املاک حکومت کے پاس ادائے مالگزاری کی کفیل ہے ۔"

"موخر الذکر مسلمہ اصول اجرائے محصولات پر جہاں تک ممکن ہو عمل کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی جو محصول کہ ہر شخص دینے پر مجبور ہے وہ مقرر ہونا چاہئے نہ کہ من مانا۔ اور ادا کرنے کا وقت ادا کرنے کا قاعدہ اور مقدار غرض سب کچھ محصول دینے والے کو اور دوسرے ہر شخص کو صاف ــــ دو اضح طور پر معلوم ہو سکے ۔"

"جس کے بعد بند وبست دس سال کے لئے یقیناً کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ آگے چل کر اس کو دوامی کر دینے کا خیال ملحوظ رہے ۔"

مذکورۂ صدر بیان مسٹر شور کی مستند یادداشت کا محض ایک خاکہ ہے جس میں اس نے اس دوامی بند وبست کی تائید کی ہے جس کی فلپ فرانسیس نے پہلے پہل حمایت کی تھی دوسری یادداشت میں جو اسی سال پیش ہوئی مسٹر شور ہی نے یہ تجویز کی کہ بند وبست دہ سالہ کو آخر کار دوامی کر دینے کی اطلاع زمینداروں کو نہ دی جائے لیکن لارڈ کارنوالس نے اس پر یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ اعلان نہ کرنے سے حکومت کی آئندہ حکمت عملی غیر متیقن

رہے گی اور اس سے ایک طرح کا تذبذب ظاہر ہوتا ہے۔ کارنوالس کی بعض باتیں اس قدر واضح و پختہ و قوی ہیں کہ اس مختصر بیان میں بھی ان کو چھوڑ دینا ناممکن سا ہے۔

"مسٹر شور نے اپنی یادداشت میں جو گزشتہ جون میں پڑھی گئی تھی نہایت قابلیت کے ساتھ اور میری رائے میں نہایت کامیابی کے ساتھ اراضی سے متعلق زمینداروں کے حقوق مالکانہ کی حمایت میں مدلل بحث پیش کی تھی لیکن اگر لفظ دوامی اب بندوبست زیر بحث سے نکال لیا جائے تو مسٹر شور کے دلائل کی قوت زمینداروں کے کس کام کی ہے جن کے حقوق کے لئے وہ جھگڑ رہے ہیں......

"جب خود زمیندار جو زمین کا جائز طور پر مالک ہے دہ سالہ پٹے پر محض مستاجر بن جائے اور اس مدت کے بعد اس سے پھر نئے لگان کا مطالبہ کیا جائے جو شائد آئندہ چل کر ناواقفیت یا حرص پر مبنی ہو تو اس وقت کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اصلاح تو ایک طرف آئندہ ویرانی کی روک تھام ہو سکے۔

"میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں کمپنی کی عملداری کا ایک تہائی حصہ اب ایک جنگل بن گیا ہے جس میں جنگلی جانور بسے ہوئے ہیں۔ کیا دہ سالہ پٹہ کسی کے لئے باعث ترغیب ہو سکتا ہے کہ وہ یہ جنگل صاف کردے اور رعیت کی حوصلہ افزائی کرے کہ وہ آئیں اور ان زمینوں کی کاشت کریں جبکہ اُس پٹے کے ختم پر یا تو وہ اپنی جدید کاشت کی زمینوں پر من مانے محصول ادا کرنے پر راضی ہو جائے یا اپنی محنت سے فائدہ اٹھانے کے توقعات ہاتھ سے کھو دے جن کا بمشکل اس وقت تک اس کو معاوضہ ملنے کا موقعہ ملا ہو گا......

"میں اپنا یہ نہایت راسخ عقیدہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ان صوبوں کی زمینیں پٹے پر صرف اُسی مدت تک دے دی

جائیں گے تو اس مدت کے اختتام پر ملک مفلس و تباہ ہو جائیگا"
اس کے بعد کی یادداشت میں لارڈ کارنوالس نے دوبارہ اپنے مدبرانہ خیالات قلمبند کئے ہیں۔
"اگر ایسے قوانین نافذ ہوں جن سے زمینداروں کو اپنی محنت اور کفایت شعاری کا ثمرہ ملنے کا سامان ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ کاہلی اور فضول خرچی کے بُرے نتائج بھگتنے کا بھی تو یا تو زمیندار اس قابل بن جائیں گے کہ اپنا کاروبار آپ کریں یا ضرورت ان کو مجبور کرے گی کہ اپنی زمینیں دوسروں کے ہاتھ بیچ ڈالیں جو ان زمینوں کی کاشت کرسکتے ہیں اور اُن کو ترقی دے سکتے ہیں میرے خیال میں یہی ایک موثر طریقہ ہے جس کو یہ حکومت ہو یا کوئی دوسری حکومت خود اختیار کرسکتی ہے اور اس سے مالکان اراضی کفایت شعار اور مفاد عام کے دور اندیش محافظ و ولی بن سکتے ہیں......
"بیس سال اُس کے متعلق معلومات جمع کرنے میں صرف ہوئے ہیں۔ ۱۷۶۹ء میں سپروائزوں کا تقرر عمل میں آیا۔ ۱۷۷۰ء میں مجالس صوبہ جات قائم کی گئیں۔ ۱۷۷۲ء میں ایک مجلس حلقہ صوبہ داری کے تمام اختیارات کے ساتھ بندوبست کرنے کے لئے متعین ہوئی۔ ۱۷۷۶ء میں امناء مقرر ہوئے کہ ملک کی "فرد ہست وبود" (فہرست لگان ادا کنندگاں) تیار کریں۔ ۱۷۸۱ء میں مجالس مال گزاری برخاست کردی گئیں ہر ضلع پر ایک کلکٹر بھیجا گیا اور انتظام مالگزاری اور کونسل عام کے اختیارات مجلس مالگزاری کو تفویض کردئے گئے جو کلکتے میں حکومت کی براہ راست نگرانی میں تھی ہمارے پیشروؤں کی طرح ہم نے بھی نئے معلومات کی تلاش و جستجو اپنے سر لی۔ اور تین سال سے ہم انھیں کو فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اکثر کلکٹروں نے ہر اس معاملے پر جس کو ہمنے اہم خیال کیا بڑی بڑی رپورٹیں

لکھ بھیجیں......

ان مذکورالصدر اسباب سے اور اُن کے علاوہ ذاتی ثروت کے بیرونِ ملک ارسال سے جو دولت بدررو کی طرح بہی جارہی ہے اُس کے نتائج کئی سال سے بُری طرح محسوس ہو رہے ہیں چنانچہ سیم و زرِ رائجہ کی قلت ہے اور کاشت اور عام تجارت پر مردنی سی چھائی ہوئی ہے.......

"اس ملک کو دوبارہ آسودہ حال اور اس حصۂ دُنیا میں انگریزوں کے مفاد و اقتدار کا ممد و معاون بنانے کے لئے ہمارے نظام حکومت کے اُصول میں اہم تبدیلی کی قطعی ضرورت ہے۔

"انھیں خرابیوں کے انسداد کی کوشش کرنے کے لئے تو ہم متعین ہوئے ہیں جن سے مفاد عام کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے اور ایک مقررہ لگان پر اراضی کا دوامی پٹہ عطا کرنے سے ہم اپنی رعایا کو تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ خوش وخرم بنادیں گے۔"

نومبر ۱۷۹۱ء میں دہ سالہ بندوبست کے لئے ایک مرتب و مکمل دستور العمل حکومت کی طرف سے نافذ ہوا اور ۱۷۹۳ء میں بنگالے کے ہر ضلع میں یہ بندوبست اتمام پر پہنچا۔ صوبجات بنگالہ بہار، اڑیسہ کی جملہ مالگزاری ۱۷۹۰ء و ۱۷۹۱ء میں (۲۶۸۰۰۰۰ دو کروڑ اڑسٹھ لاکھ) دو کروڑ اڑسٹھ لاکھ نو سو بواسی روپے وصول ہوئی۔ اس صدی کے اوائل میں جعفر خاں اور شجاع خاں نے جو جمع مقرر کی تھی اس سے یہ دوچند تھی۔ میر جعفر کی حکمرانی کے سال آخر میں یعنی ۱۷۶۴-۶۵ء میں نندکمار نے جو جمع وصول کی تھی اُس سے یہ سہ چند تھی اور کمپنی کو عطائے منصب دیوانی کے پہلے سال انگریزوں کی زیرنگرانی محمد رضا خاں نے جو جمع وصول کی تھی اُس سے یہ قریب قریب دوچند تھی باوجودیکہ ممکنہ تشدد کے ساتھ اس جمع کا تعین ہوا تھا

پھر بھی اس میں اس قدر اضافہ اس لئے ممکن ہوا کہ یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہ جمع آخری اور دوامی ہے۔

نظمائے کمپنی نے ۱۹ر ستمبر ۱۷۹۲ء کے مراسلے میں اس کارگزاری پر نہایت عمدہ لفظوں میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور مالگزاری کے اس دوامی بندوبست کو منظور کر لیا۔ ان احکام کے وصول ہونے پر لارڈ کارنوالس نے ۲۲ر مئی ۱۷۹۳ء میں ایک عام اعلان کر دیا کہ یہ بندوبست جو بعض جگہ ختم ہو چکا ہے اور بعض جگہ ابھی جاری ہے دوامی ہے۔ اس اعلان کے پہلے تین فقرے حسب ذیل ہیں:-

فقرۂ اول۔ بنگالہ بہار اور اڑیسہ کے دہ سالہ بندوبست مالگزاری کے متعلق ابتدا میں جو قواعد ۸ر ستمبر ۱۷۸۹ء میں بنگالے کے لئے ۲۵ر نومبر ۱۷۸۹ء میں بہار کے لئے اور ۱۰ر فروری ۱۷۹۰ء میں اوڑیسہ کے لئے منظور ہوئے تھے اُس وقت مالکان اراضی کو یا اُن کے مختاروں وغیرہ کو جو بندوبست میں اُن کی طرف سے شریک ہو سکتے تھے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ ان قواعد کے تحت جو جمع مقرر کی گئی ہے وہی دس سال کے اختتام پر بھی جاری رکھی جائے گی اور بلا تغیر و تبدل دواماً قائم رہے گی بشرطیکہ اس طرح کا جاری رکھنا ایسٹ انڈیا کمپنی کی معزز مجلس نظماء پسند و منظور فرمائیں ورنہ نہیں۔"

فقرۂ دوم۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی معزز مجلس نظماء نے مارکوئس کارنوالس کو جو معزز ترین آرڈر آف گارٹر کا نائٹ اور گورنر جنرل ہے یہ اجلاس کونسل تمام زمینداروں تعلقداروں اور دیگر حقیقی مالکان اراضی صوبہ جات بنگالہ بہار اوڑیسہ کی اطلاع کے لئے یہ اعلان کرنے کا مجاز کیا ہے کہ ان مذکورالصدر قواعد کے تحت جو جمع اُن کی زمینوں پر اُن کے لگان کے مطابق

مقرر کی گئی ہے یا کی جائے گی وہ دواماً ہوگی۔"

فقرہ سوم - گورنر جنرل باجلاس کونسل حسبِ زمیندار وں خود مختار تعلقدار وں اور دیگر حقیقی مالکان اراضی پر جن سے یا جن کی جانب سے مذکورۂ صدر قواعد کے تحت یہ بند و بست کیا گیا ہے یہ اعلان کرتا ہے کہ بند و بست کی میعاد ختم ہو جانے کے بعد جمع میں جو ہر شخص کے لئے علیحدہ علیحدہ معین ہوئی ہے کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ سب اور اُن کے ورثا بھی اپنے اپنے زمینوں پر اسی لگان پر دواماً قابض رہنے کے مجاز ہوں گے۔"

اس طرح سے ۱۷۹۳ء کا دوامی بند و بست کا دستور العمل اول منظور ہو گیا۔ اور ہندوستان میں انگریزی قوم کی صد و پنجاہ سالہ حکمرانی میں یہی ایک عمل نیک تھا۔ جو لوگوں کی اقتصادی فلاح و بہبود کی موثر طریقے پر حفاظت کرتا تھا۔ یہ ایک ایسا فعل تھا جو متمدن اقوام کی موجودہ حکمت عملی کے مطابق ہے کہ غیر معین اور روز افزوں سرکاری مطالبات سے لوگوں کو شل کر دینے کے بجائے اُن کو اپنی اپنی محنت سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ دینا چاہئے۔ گزشتہ سو سال کے اندر بنگالے میں زراعت کی توسیع ہوئی ہے اور بنگالے کے محاصل میں آمدنی اراضی کا نوے فی صدی حصہ ۱۷۹۳ء میں محسوب ہوتا تھا مگر اب اٹھائیس فی صدی کا تناسب قائم ہے اور آمدنی اراضی کا سوا چھ فی صدی حصہ شاہراہوں اور تعمیرات عامہ کے کام کیلئے مزید محصول کے طور پر لگان میں شامل کیا گیا ہے۔

۱۷۹۳ء سے اس دوامی بند و بست کے بعد بنگالے میں کبھی ایسی خشک سالی نہیں ہوئی جس میں جان کا معتد بہ نقصان ہوا ہو۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جہاں لگان غیر معین اور زیادہ ہے زرعی اصلاحات کی ترغیب کے اسباب مفقود ہیں اور دولت پس انداز کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے جب کبھی قحط آتا ہے تو

لاکھوں کروڑوں اموات ہو جاتے ہیں اگر ایک قوم کی خوش حالی و خوش دلی لارڈ کارنوالس کے ۱۷۹۳ء کے مجوزہ دوامی بندوبست کی کامیابی اور فراست کا معیار ہو سکتی ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ دور اندیشی اور کامیابی کا طریقہ تھا جو انگریزی قوم نے ہندوستان میں اختیار کیا۔

ہم بنگالے کی مالگزاری کے اس دوامی بندوبست کے قصے کو اس محاصل زمین کے بندوبست سے مقابلہ کئے بغیر ختم نہیں کر سکتے جو اس سے پانچ سال کے بعد یعنی ۱۷۹۸ء میں انگلستان میں کیا گیا۔ ولیم سوم کا محصول املاک جو ابتدا سے ذاتی املاک اور خدمات کے لئے مختص خیال کیا جاتا تھا بعد کو جب ذاتی املاک محصول سے بری ہو گئیں تو سالانہ محصول اراضی کہلایا جانے لگا جنگ وراثت ہسپانیہ کی بدولت اس کی سالانہ مقدار میں فی پونڈ چار شلنگ یعنی بیس فی صدی کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن ۱۷۱۳ء میں صلح اوٹریخٹ کے بعد اس کو گھٹا کر صرف دو شلنگ فی پونڈ یعنی دس فی صدی کر دیا گیا۔ اسی طرح اٹھارھویں صدی عیسوی کے ختم تک یہ محصول فی پونڈ ایک شلنگ اور چار شلنگ کے بین بین یعنی آمدنی اراضی کے بیس و پانچ فیصدی کے بین بین بڑھتا گھٹتا رہا۔

بنگالے کے دوامی بندوبست سے پانچ سال بعد وزیر اعظم ولیم پٹ نے اس محصول اراضی (مالگزاری) کو انگلستان کے ان اضلاع میں جن کی قانون میں تخصیص کر دی گئی تھی دوامی کر دیا اور مالکان اراضی کو اختیار تھا کہ وہ چاہیں تو یک مشت رقم دے کر اس محصول سے دواماً بری ہو جائیں چنانچہ تیرہ لاکھ پونڈ محصول تاحال بالمعاوضہ چھوڑ دیا گیا ہے اور دس لاکھ پونڈ سے کچھ زیادہ ابھی باقی ہے جو جائداد پر ایک معینہ بار تصور کیا جاتا ہے

جس کو تسلیم کرتے ہوئے جائداد کی خرید و فروخت ہوتی رہتی ہے۔
پٹ کے اس محصول اراضی کے دوامی بندوبست کی دوراندیشی پر شک کیا جاسکتا ہے لیکن کارنوالس کے دوامی بندوبست بنگالہ پر تو کچھ شبہہ کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ انگلستان میں تو اس بندوبست سے صرف مالکان اراضی و صاحب جائداد اشخاص کو فائدہ پہنچا لیکن بنگالے میں اس بندوبست سے تمام زرعی قوموں کو فائدہ پہنچا ہے۔ کسانوں کی تمام آبادی اس سے مستفید ہوتی ہے اور اس تجویز کے نفاذ سے زیادہ آسودہ حال اور مالدار بن گئی ہیں۔ انگلستان میں تو قومی آمدنی کے متعدد ذرائع میں سے محض ایک ذریعہ اس بندوبست کی وجہ سے بند ہوگیا لیکن بنگالے میں اس نے زراعت کو بچالیا جو قوم کی معاش کا دراصل ایک ہی ذریعہ ہے۔ انگلستان میں اس کی وجہ سے مملکت کو زیادہ محصول اراضی وصول کرکے اُسے قوم کے مفاد میں صرف کرنے کا موقع نہ رہا۔ لیکن بنگالے میں مملکت روزافزوں دولت سوتے سے باز رہی۔ انگلستان میں اس کی وجہ سے مالکان اراضی نے محصول سے نجات حاصل کی مگر بنگالے میں تمام قوم قحط کے مہلک و مضر اثرات سے محفوظ ہوگئی۔

چھٹا باب

مستاجری مالگزاری مدراس (۱۷۶۳ء تا ۱۷۸۵ء)

پچھلے بابوں میں ہم نے بنگالے کی معاشی تاریخ ۱۷۵۷ء سے ۱۷۹۳ء تک بیان کی ہے اب ہم مدراس کی صورت حال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یہاں برطانیہ اور فرانسیسیوں کے درمیان ایک زمانے سے جو جنگ و جدال تھی وہ ۱۷۶۳ء میں صلح پیرس کی رو سے آخرکار اختتام پر پہنچی۔

اس جنگ و جدال کی پر از واقعات تاریخ اکثر معرض بیان میں آئی ہے جنوبی ہند پر قابض ہونے کیلئے یہ ایک نہایت اہم کشاکش تھی اور مقابلہ تھا ڈوپلے کا جس نے فرانسیسی شہنشاہی کی بنیاد ڈالی۔ لارڈ کلائیو کے ساتھ جس نے اس نامکمل تعمیر کو بنیاد ہی سے ڈھا دیا۔ بعد ازاں وہ ایک مستقل اور حب وطن پر مبنی کوشش تھی جو لائق لیکن تیز مزاج اور جلد باز لالی نے مشرق میں فرانسیسی طاقت کی مدافعت میں کی تھی مگر آیر کوٹ نے آخرکار اس طاقت کی بیخ کنی کر دی۔ صلح پیرس میں انگلستان کی کامیابی تسلیم کر لی گئی اور اس کے بعد فرانس کی طاقت پھر کبھی انگلستان کے ہمسر نہ ہو سکی۔

اس جنگ و جدال کے عامیانہ قصے سے روگرداں ہو کر لوگوں کی معاشی حالت کی طرف متوجہ ہونے میں ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سر سے ایک بوجھ تھا کہ اُتر گیا۔ ہندوستان کی تاریخ برطانوی اور فرانسیسی جنگ و جدال کی تاریخ نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے لوگوں کی تاریخ ہے یعنی اُن کی مادی اور اخلاقی حالت کیا ہے اُن کی تجارت کیا ہے صنعت اور زراعت کیا ہے۔ اور صحیح معنی میں یہی تاریخ آجتک محتاج توجہ رہی ہے اس لئے ہم اس موجودہ تصنیف کو اُسی آگاہی بخش مضمون کے لئے مخصوص کئے دیتے ہیں اور جنگ و جدال کے زیادہ نمائشی قصے کو آب و تاب کا قلم رکھنے والے مصنفین کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

جیساکہ پہلے بیان ہو چکا ہے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان یہ بیست سالہ کشاکش ۱۷۶۳ء میں اختتام پر پہنچی۔ پونڈیچری اور چند دوسرے مقامات کی نوآبادیاں فرانسیسیوں کو واپس مل گئیں لیکن اس کے باوجود جنوبی ہند میں محض انگریز ہی ایک سطوت اعلیٰ رہ گئے تھے محمد علی کو جو انگریزوں کا بنایا ہوا تھا نواب کرناٹک تسلیم کر لیا گیا تھا۔ انگریزوں کے راستے مقبوضات مدراس کے اردگرد کے علاقے سے لے کر تمام مشرقی ساحل سے شمال کی طرف بنگالے تک پھیلے ہوئے تھے۔

محمد علی نواب کرناٹک کی سیرت اُس کے ہمعصر میر قاسم نواب بنگالہ سے بالکل متضاد واقع ہوئی تھی جیساکہ میر قاسم ایک مستقل مزاج زبردست فرماں روا تھا ویسا ہی محمد علی کمزور اور عیش پرست حکمران تھا۔ میر قاسم نے اپنے مستقر حکومت کو اس لئے مونگیر میں منتقل کر دیا تھا کہ انگریزوں کے اثرات سے دور رہ کر اپنے نظم و نسق کا انتظام کر سکے۔ برخلاف اس کے محمد علی نے اپنے دارالسلطنت ارکاٹ میں اس لئے بود و باش ترک کر دی تھی کہ وہ انگریزوں کے شہر مدراس میں

رہ کر عیش کی زندگی بسر کر سکے۔ میر قاسم نہایت کفایت شعار تھا اور وہ تمام مالی قرار دادیں جو انگریزوں کے ساتھ اُس نے کیں تھیں اپنی تخت نشینی کے دو سال ہی میں سب کی سب پوری کر دیں۔ مگر محمد علی کمپنی کے دعاوی کو کبھی سلجھا ہی نہیں سکتا تھا چنانچہ قرض کا بار اُس کے کاندھوں پر بڑھتا ہی چلا گیا۔ میر قاسم نے انگریزوں سے اس لئے جنگ کی تھی کہ بنگالے کی اندرونی تجارت اُس کے رعایا کے ہاتھ میں رہے برخلاف اس کے محمد علی تھا کہ انگریز لیندار وں کے نام حق مالگزاری منتقل کرتا رہا حتیٰ کہ اس طرح سے اُس کی تمام عملداری اس کے لیندار دں کے قبضے میں چلی گئی۔ میر قاسم کو مجبوراً اپنی قلمرو سے جلا وطن ہونا پڑا تھا چنانچہ اسی غریب الوطنی ہی میں اس کا انتقال بھی ہوا۔ مگر محمد علی نے انگریزوں کے دست نگر بننے میں بڑی بے عزتی گوارا کی تھی۔ اور نتیجۂ قرض میں گرفتار بھی تھا لیکن اس کے باوجود عیش کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اور معمر ہو کر دُنیا سے رخصت ہوا۔ مشرق میں برطانوی قلمرو قائم کرنے کی تجاویز زیر نظر کرتے ہوئے محمد قاسم کے سے زبردست حکمران کے لئے میدان تنگ ہو گیا تھا البتہ محمد علی کے سے کمزور حکمران کو اذن عام تھا کہ وہ عیش کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ قرضے پر قرضہ بڑھائے اور اپنی سلطنت کے محاصل سے سود ادا کرتا رہے۔

محمد علی کے سے کمزور فرماں روا کے نظم و نسق کے تحت کمپنی کیلئے اپنے اثر و اقتدار کو توسیع دینا آسان تھا مگر کمپنی نے ہشیاری یہ کی کہ دیوانی کرناٹک کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا جیسا کہ ۱۷۶۵ء میں بنگالہ میں کیا تھا بلکہ برائے نام محمد علی کے دیوانی اقتدارات قائم رکھے اور اسی کو سپہ سالار بھی باقی رکھا حالانکہ در اصل حقیقی اقتدار پس پردہ کمپنی ہی کو حاصل تھا۔ ملک کی فوجی محافظت کمپنی ہی کے ذمے تھی اور نواب کے محاصل کا ایک حصہ اسی غرض کے لئے مختص کر دیا گیا تھا چنانچہ جس قدر کمپنی کے جنگ و جدال زیادہ ہوتے گئے کمپنی کے مطالبات میں بھی اضافہ

بیچارہ نواب نے یہ ایک عجیب طریقہ اختیار کیا کہ کمپنی کے مطالبات کی تکمیل کے لئے کمپنی ہی کے عاملوں سے قرضے پر قرضہ لینا شروع کر دیا۔

اس سے زیادہ معنی خیز و مہلک وہ کفالت تھی جو اُس خانگی قرض کے لئے نواب نے پیش کی یعنے اپنے مخفی خزانے سے رقم نہ دے سکنے کی وجہ سے یا اس بات کو پسند نہ کر کے نواب نے اپنے خانگی قرضخواہوں کے ہاتھ میں اپنی عملداری کا سارا محاصل دے دیا۔ اس طرح کرناٹک کی رعایا نواب کے نائبین کی حکمرانی سے نکل کر برطانوی لین داروں کی حکمرانی میں چلی گئی حتیٰ کہ کھیتوں میں جو فصل نمو پر تھی اُس سے انگریز قرض خواہوں کے حقوق غیر منفک وابستہ تھے۔ اکثر ظلم و زیادتی کے ساتھ حتیٰ کہ تازیانے کے استعمال کے بعد بھی نواب کے عمّال جو مالگزاری جمع کرتے تھے وہ ساری کی ساری کمپنی کے برطانوی عمال کو یوروپ ارسال کرنے کے لئے دے دی جاتی تھی جس سے سارے کرناٹک پر اُس انڈے کے چھلکے کی مثال صادق آتی تھی جس کا اندرونی حصہ خالی ہو چکا ہو اور محض چھلکا ہی چھلکا رہ گیا ہو۔ جنوبی ہند میں کھیت پر کھیت اور گاؤں پر گاؤں کیا تھے کہ ایک وسیع مزرعہ تھا جہاں بونے والے بو رہے تھے اور مزدور ہمیشہ محنت میں مشغول تھے تاکہ پیداوار کی جملہ آمدنی ہر سال یوروپ ارسال کر دی جا سکے۔

اس طرح مُلک اور باشندگان مُلک کو دُہرا نقصان پہنچا۔ نواب کے وصول مالگزاری کے طریقے اگرچہ شدید اور سخت تھے مگر ساتھ ہی ساتھ ممکن التاویل بھی تھے اور یہ مطالبات سال بسال پیداوار کی مناسبت سے کئے جاتے تھے لیکن جب نواب کے قرضخواہ اس منظر پر رونما ہوئے تو ایک طرف تو نواب کے جمع مالگزاری کے طریقے کا تشدد اور دوسری طرف انگریزی طریقۂ کارروائی کی ناممکن التاویل سختی یہ

دونوں باتیں ایک جگہ جمع ہوگئیں نواب کے قرض خواہوں کے حقوق کی سختی سے پابندی کی گئی اور اسی طرح زراعت پیشہ لوگوں پر وہ دباؤ پڑا جو پہلے کبھی نہیں پڑا تھا اس کے علاوہ اگر نواب ہی ان محاصل سے مستفید ہوتا تو یہ محاصل گویا ملک ہی میں صرف ہوتے اور ایک نہ ایک شکل میں پھر لوگوں کی جیب میں واپس آجاتے لیکن جب انگریز قرض خواہوں نے مخصوص اضلاع کے جملہ محاصل پر نہ صرف دعوی ہی کیا بلکہ اس کو یوں اپنی مٹھی میں کر لیا تو یہ محاصل سارے کا سارا ہمیشہ کے لئے ملک سے باہر نکل گیا ملک پر افلاس چھا گیا اور صنعت و تجارت پر بھی زوال آگیا۔

دار العوام نے ۱۷۸۲ء میں جو مجلس منتخبہ ہندوستان میں انفصال مقدمات اور عدل و انصاف کی نسبت تحقیقات کرنے کے لئے مقرر کی اور اس مجلس نے جو شہادت گواہوں سے لی اس سے بھی اس کا کافی ثبوت ملتا ہے۔

"جارج اسمتھ سے جو حسب الحکم حاضر ہوا تھا استفسار کیا گیا کہ اس نے کب تک ہندوستان میں قیام کیا اور کن کن مقامات کا کس کس حیثیت سے مطالعہ کیا؟ تو اس نے یہ جواب دیا کہ وہ ۱۷۶۴ء میں ہندوستان آیا تھا اور ۱۷۶۷ء سے اکتوبر ۱۷۷۹ء تک مدراس میں مقیم رہا۔ اس سوال پر کہ جب وہ پہلی دفعہ اس سے واقف ہوا ہے اس وقت مدراس کی تجارت کا حال کیا تھا اس نے کہا کہ تجارت نہایت ترقی پر تھی اور مدراس کا ہندوستان کی بڑی تجارتی منڈیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس استفسار پر کہ جب وہ مدراس سے روانہ ہوا ہے اس وقت وہاں تجارت کی حالت کیا تھی جارج اسمتھ نے جواب دیا کہ اس کی روانگی کے وقت تجارت بالکل باقی نہیں رہی تھی۔ مدراس کی ملکیت میں صرف ایک جہاز رہ گیا تھا پھر سوال کیا گیا کہ کرناٹک کی اندرونی تجارت اور زراعت کی اس وقت کیا حالت تھی جب وہ پہلی مرتبہ اس سے

واقف ہوا ہے تو اس نے کہا کہ اُس زمانے میں کرناٹک آباد اور سرسبز و شاداب سمجھا جاتا تھا چنانچہ کثیر تجارتی سامان اور اشیائے فروخت کی وہاں خوب بکری ہوتی تھی۔ اس استفسار پر کہ جب وہ مدراس سے روانہ ہوا ہے اُس وقت وہاں کی زراعت اندرونی تجارت اور آبادی کیسی تھی اُس نے یہ جواب دیا کہ زراعت اور آبادی انحطاط پر تھی اور تجارت نہایت ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی"

عاملان کمپنی جو مدراس کی کونسل کے ارکان بھی تھے نواب کو قرض دے دے کر عظیم ثروت پیدا کر رہے تھے اور مجلس نظماء کو اپنے کرتوت سے آگاہ کرنے کا خیال اُن کے دل سے کوسوں دُور تھا مجلس نظماء کے احکام کے تحت انھوں نے چھوٹے چھوٹے قرضوں کو ۱۷۶۷ء کے بڑے قرضے کی شکل میں ایک کر لیا تھا جس پر مبنی بر اعتدال شرح سود صرف دس فی صد تھی اور انھوں نے وقتاً فوقتاً یہ توقع بھی ظاہر کی تھی کہ نواب اس قرضے کو بیباق کر دے گا مگر نہ تو یہ اُن کے فائدے کی بات تھی اور نہ کمزور و ضعیف نواب ہی سکے کہ یہ معاملہ ختم کر دیا جائے اسی لئے یہ معاملہ کبھی ختم ہی نہیں ہونے پایا۔ آگے چل کر ۱۷۶۹ء میں اس معاملے کی باضابطہ تفصیل جب نظمائے کمپنی کو معلوم ہوئی تو اس وقت اُن کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی:۔

"چونکہ ابتدا سے انتہا تک یہ معاملہ ہم سے مخفی رکھا گیا جو بطور خود قابل الزام ہے تو اب ہم یہ شبہہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ محمد علی کی مجوزہ عزت افزائی میں اس قرضے کی اہمیت بھی آپ کے پیش نظر رہی ہے خواہ ایسا ہوا ہو یا نہیں یہ بات تو یقینی ضرور ہے کہ اس معاملے کو ہم سے چھپا رکھنے میں آپ نے اپنے فرائض سے بڑی غفلت کی ہے"۔

"جب ہم نے اپنے عاملوں کے ذمے نواب کے اس قرض کی وصولیابی کر دی تھی جو تقریباً بیس سال تک جنگ کے جاری رکھنے کیلئے ہم نواب کو دیتے رہے ہیں تو پھر ہمارے عمال اپنے فرائض کی بجا آوری

اور نمک حلالی کے ساتھ ساتھ اس اعتبار عامہ کے متعلقہ فرائض کو کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں اور اپنے ذاتی اغراض کو اُس میں دخیل ہونے دیکھ سکتے ہیں؟ وہ کیونکر اس بات کی جرأت کر سکتے ہیں کہ کمپنی کے افواج اور اثرات و اقتدارات نواب کے محاصل کے وصول کرنے کے کام میں لائے جائیں جبکہ یہ محاصل اُن کے اپنے قرضے میں مکفول ہیں "۔

"گورنر گورا اور اُس کی کونسل نے اُس اعتماد کے سراسر خلاف جو اُن پر کیا گیا تھا کمپنی کے اغراض کے متقابل خانگی لوگوں کے اغراض کو کھلے طور پر یوں ترجیح دی کہ نواب کے بعض نہایت زرخیز اضلاع کے کثیر محاصل کو خانگی اشخاص کے نام منتقل کرنے کی اجازت دے دی حالانکہ ان محاصل سے نواب کے اس قرضے کی ادائی ہو سکتی تھی جو نواب نے کمپنی سے لیا تھا اس طرز عمل کی نادرستی و بے اصولی اس سے اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے کہ محاصل زیر بحث زیادہ تر کمپنی ہی کی عام حفظ امن کے طفیل وجود میں آیا ہے اور اس محاصل کے اس طرح سے غیر فطری طور پر صرف کئے جانے سے ہماری ان کثیر رقوم کی وصولیابی جو نواب سے وصول شدنی ہیں آئندہ زمانے پر ٹل جاتی ہے حالانکہ کرناٹک کے حفظ امن کے مصارف و نگہداشت کا زیادہ تر حصہ کمپنی ہی پر عائد ہوتا ہے "۔

وہی وارن ہسٹینگز جس نے بنگالے کی اندرونی تجارت کے اجارے سے متعلق عمال کمپنی کے دعوے پر اعتراض کئے تھے۔ اب مدراس کی کونسل کا ایک رکن تھا۔ ہسٹینگز نے صدق دل کے ساتھ یہ کوشش کی کہ مدراس میں عمال کمپنی کے نام جو حق محاصل منتقل کرنیکا طریقہ نواب آرکاٹ نے رائج کیا تھا وہ اب بند ہو جائے۔ ایک پر زور اور صاف صاف مراسلے میں جس میں ہسٹینگز کا خاص طرز تحریر نمایاں ہے اور جس پر اُس کے اور مدراس کی کونسل کے تین اور ارکان کے دستخط ثبت ہیں نظمائے کا مراسلہ وصول ہونے پر مدراس میں اس پر عمل کیا گیا اُس کی تفصیلی کیفیت

بیان کی گئی ہے کہ

"ہم آپ کے احکام کا عندیہ اور مقصد جو سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ نواب نے بہ ثبت دستخط و مہر خود کرناٹک کے محاصل کے کچھ حصے کو غیر اشخاص کے نام دستاویز کے ذریعے سے بطور وقف منتقل کر دیا ہے تاکہ اس سے بلا شرکت کمپنی غیر اشخاص کے قرضوں کی ادائی کی جائے آپ اس کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ خواہ نواب ہو کہ آپ کے عمال کسی کے اس قسم کے خود مختارانہ حقوق رکھنے کے خیال کو آپ کبھی روا نہیں رکھتے اور ہمیں ہدایت کرتے ہیں کہ ہم اُن لوگوں سے اس بات کا مطالبہ کریں کہ اس دستاویز منتقلی کی بناء پر جو حقوق وہ رکھتے ہیں اُن سب حقوق سے ان لوگوں کو دست بردار ہو جانا چاہئیے۔ اس کے تمام پر آپ ہمیں یہ حکم دیتے ہیں کہ ہم نواب کو آگاہ کر دیں کہ اُس کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ کمپنی کا قرضہ بیباق کر دے اور اس کے بعد آپ ہمیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم کمپنی کی طرف سے اُس طریقۂ کار کو منظور کریں جو نواب اور ہم باہمی مشورے سے نواب کے دوسرے قرضخواہوں کے قرضے کی ادائی کے لئے نکالیں . . . .

"میر مجلس اور مسٹر ڈیورے نے باضابطہ طور پر اُن تمام حقوق سے دست برداری قبول کر لی ہے جو دستاویز منتقلی کی رو سے اُن کو حاصل تھے اور اپنے قرضے کی وصولیابی کے لئے اپنے تمام حقوق کو کمپنی کی محافظت میں دے دیا ہے علاوہ اس کے آپ کے احکام مشتہر ہو جانے کے بعد چند اور لوگوں نے بھی اسی مثال کی پیروی کی لیکن ان لوگوں کی بہت زیادہ تعداد ہمارے مجوزہ طریقے پر کمپنی کی محافظت قبول کرنے سے انکار کرتی رہی اور ہم نے اپنے اس مطالبے کو جبر و تعدی کے ساتھ ان لوگوں کو قبول کرانا مناسب خیال نہیں کیا۔"

ایک دوسرے مراسلے میں جو اسی سال کا لکھا ہوا ہے وارن ہسٹینگز نے

اس بات پر بھی روشنی ڈالی کہ نواب جو اپنے خانگی قرض خواہوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا کمپنی کی مخالفت میں اپنے قرض خواہوں کے فائدے کے لئے انگلستان میں اثر پیدا کرنے کی کس طرح کوشش کر رہا تھا۔

"ابھی تک نظمائے کمپنی ہی کی مرضی پر نواب کا پورا پورا انحصار تھا اور انھیں کو نواب ساری کمپنی کا قائم مقام سمجھتا تھا۔ لیکن اب بدخواہ مشیروں نے اُسے یہ پٹی پڑھائی ہے کہ بیرونی اثرات وقت پڑے تو اُس کے کام آئیں گے اور یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ اس کے خانگی قرض خواہ چاہیں تو نظمائے کمپنی کے احکام کو قلمزد کرا دے سکتے ہیں سب سے زیادہ بدترین جو بات ہے وہ یہ ہے کہ اس خیال کا اُس کے دل پر نقش بیٹھ گیا ہے کہ پارلیمنٹ اور سرکار برطانیہ اپنے کامل اقتدار کے ساتھ کمپنی کے خلاف اُس کی زبردست حمایت کرے گی۔"

نواب کو یہ اطلاع غلط نہیں ملی تھی کیونکہ اس کے قرض خواہوں نے مقررہ اضلاع کے محاصل سے اس قدر کثیر ثروت پیدا کر لی تھی اور اس قابل بن گئے تھے کہ وہ اپنے موافق کثیر تعداد میں ووٹ حاصل کر کے نظمائے کمپنی کے سیاہ و سپید کے مالک بن جائیں۔ اور جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے ان قرض خواہوں کے تمام دعاوی بلا تحقیقات آخر کار قبول کر لئے گئے۔

اسی دوران میں قرضخواہوں کے نام جملہ محاصل منتقل کر کے نواب نے اپنے قلمرو کے تمام ذرائع آمدنی ختم کر دئے تھے اور تنجور کے زرخیز ملک پر للچائی ہوئی نظریں ڈالنے لگا تھا باوجودیکہ سنہ ۶۹ء میں جو معاہدہ انگریزوں اور حیدر علی کے درمیان ہوا تھا اُس کی رو سے تنجور کا راجہ انگریزوں کا حلیف تسلیم کر لیا گیا تھا پھر بھی نظمائے کمپنی بھی اپنے "حلیف" کی دولت پر حرص و طمع کی نگاہیں ڈالنے لگے تھے اسی لئے

محمد علی کی اس تجویز کو کہ کمپنی کے قرضے کی ادائی کے لئے تنجور کو لوٹ لینا چاہئے انھوں نے کان دھر کر سنا۔

نظماء نے یہ لکھا کہ "یہ بات ہم کو غیر واجبی معلوم ہوتی ہے کہ راجۂ تنجور کے قبضے میں سب سے زیادہ زرخیز اقطاع مملکت ہونے کے باوجود جس سے بڑی سی بڑی فوج کے ضروریات کی فراہمی ممکن ہے کرناٹک کی محافظت میں وہ کچھ بھی حصہ نہ لے ....

ہم اسی لئے آپ کو تاکیداً ایما کرتے ہیں کہ آپ حصول مطالب میں موثر طریقے پر نواب کی امداد کریں اور اگر راجۂ تنجور مصارف جنگ کے ایک مبنی بر انصاف حصۂ متناسبہ کے برداشت کرنے سے انکار کرتا ہے تو آپ وہ طریقۂ کار اختیار کریں جو نواب کی حکومت کے وقار و استحقاق کے مناسب حال ہو ہمیں توقع ہے کہ ان احکام کی تعمیل میں جو کچھ رقم راجۂ تنجور سے وصول ہوگی وہ سب کی سب نواب پر کمپنی کا جو قرضہ ہے اُس کی ادائی میں صرف کی جائے گی اور جو کچھ اس قرضے کی ادائی کے بعد بچ رہے گا وہ خانگی قرضے کی ادائی کے کام میں لایا جا سکتا ہے"

یہ ایک کھلا اشارہ تھا جس پر عمل کیا گیا۔ ۱۷۷۱ء میں تنجور کا محاصرہ کر لیا گیا اور چار لاکھ پونڈ تاوان دینے پر اُس کی نجات ہوئی لیکن اس سے نواب کی اشتہا اور تیز ہو گئی اور نواب کے بہی خواہ دوست انگریزوں نے یہ خیال کرنا شروع کیا کہ "اس صوبے کے عین وسط میں اس طرح کی طاقت کا برقرار رکھنا خالی از خطر نہیں ہے" دوبارہ محاصرہ کرنے کے بعد ۱۷۷۳ء میں ۱۶ ستمبر کو تنجور فتح کر لیا گیا بدنصیب راجہ کو اور اس کے سارے خاندان کو قلعے میں نظر بند کر دیا گیا اور اُس کی قلمرو نواب کے نام پر منتقل کر دی گئی۔ نواب کے زیر حکومت تنجور کیا آیا کہ چند ہی سال میں بدنظمی کے ہاتھوں وہاں ایسا انحطاط پیدا ہو گیا جیسا کہ کسی اور سرسبز و زرخیز ملک میں کبھی ہوا ہی نہ تھا۔ دشمن کا مفتوح ملک سمجھ کر محمد علی نے رعایا پر مطالبات کئے انگریز قرض خواہوں کے نام محاصل منتقل کر دئے اور تجارت و صنعت

کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ چند سال کے اندر ہی اندر تنجور جو جنوبی ہند کا گلستان کہلاتا تھا مشرقی ساحل پر سب سے زیادہ ویران خطہ بن گیا۔

مسٹر پٹری نے جو شہادت ۱۷۸۲ء میں مجلس خفیہ کے سامنے پیش کی تھی اس میں یہ کہا تھا کہ تنجور کی موجودہ حالت بیان کرنے سے پہلے کمیٹی کو اس سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ بہت زمانہ نہیں گزرا جب یہ صوبہ ہندوستان بھر میں نہایت سرسبز و شاداب اور آباد مانا جاتا تھا میں نے پہلی مرتبہ ۱۷۶۸ء میں اس ملک کی حالت دیکھی تھی موجودہ حالت سے اس کا نقشہ بالکل مختلف تھا۔ تنجور اس وقت اندرونی اور غیر ممالک کی تجارت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ بمبئی اور سورت سے روئی درآمد ہوتی تھی بنگالے سے کچا ریشم آتا تھا جس کا یہاں پارچہ بھی تیار ہوتا تھا شکر مصالحہ وغیرہ سمیٹرا اور ملاکا کے علاوہ جزائر مشرقی سے بھی لایا جاتا تھا۔ پیگو سے سونا گھوڑے ہاتھی اور لکڑی کی درآمد تھی اور چین سے مختلف اشیائے تجارت درآمد ہوتے تھے۔ تنجور ہی سے حیدر علی کی قلمرو اور مرہٹوں کی شہنشاہی کے شمالی مغربی اقطاع میں یورپی سامان تجارت اور بنگالے کے ساختہ خاص قسم کے ریشمی پارچہ جات کی رسد قائم تھی جو ہندوستانیوں کے ملبوسات کا ایک عام جزو ہیں۔ تنجور کی برآمد حسب ذیل تھی۔ ململ چھینٹ۔ رومال۔ کھنگم مختلف قسم کے سوتی پارچے اور ایک قسم کا موٹا چھاپے کا کپڑا جس کو ڈچ اور ڈنیش لوگ اسلئے خرید کر لے جاتے تھے کہ ویسٹ انڈیز آفریقہ اور جنوبی امریکہ کی منڈیوں میں اس کی بڑی مانگ تھی نیز بہت کم ملک ایسے نکلیں گے جن میں قدرت کے ذرائع پیداوار اس کثرت سے پائے جاتے ہوں جیسے تنجور میں۔ یہاں کی زمینیں فطری طور پر سرسبز و شاداب ہیں اور دو بڑی بڑی ندیاں یعنی کیاوری اور کولروں سے جو پانی کے خزانے چادر اور نہریں بنائی گئی ہیں ان سے ہر کھیت کی آبپاشی ہوتی ہے اور یہی تنجور کی غیر معمولی سرسبزی کا راز ہے اس سرزمین کی سطحی حالت یکساں نہیں اور اس کی شکل بمقابل

ہندوستان کے دوسرے خطوں کے جن کو میں نے دیکھا ہے انگلستان سے بہت مشابہت رکھتی ہے چند سال پہلے تنجور کی حالت ایسی تھی مگر ایسا فوری انحطاط ہوا کہ اکثر اضلاع میں اس گزشتہ ثروت کے آثار تک کا ڈھونڈ نکالنا اب مشکل ہو گیا ہے۔..........................

"مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ اس زمانے میں یعنی ۱۷۷۱ء میں صنعتیں ترقی پر تھیں ملک آباد و سرسبز و شاداب تھا لوگ محنتی اور خوش حال تھے ۱۷۷۱ء کے پہلے محاصرے کے زمانے سے راجہ کو گدی واپس ملنے تک دو مرتبہ یہ سرزمین میدان کارزار رہ چکی تھی حکومت میں انقلاب پر انقلاب ہو رہے تھے جن کی وجہ سے تجارت صنعت اور زراعت کچھ ہو نہیں رہی تھی اور اس ملک کے لاکھوں باشندے اس سرزمین کو چھوڑ چھوڑ کر کسی محفوظ مقام کی تلاش میں نکل گئے تھے۔"

مدراس کے لئے ایک نئے گورنر کے تقرر کا وقت اب آچکا تھا مسٹر پیگٹ کو جو فرانسیسیوں کے زمانۂ جنگ میں گورنر تھا ۱۷۶۳ء میں انگلستان کی طرف مراجعت کرنے پر پہلے تو بیرونٹ کا خطاب عطا ہوا۔ اور پھر "امیر آئیر لینڈ" کا اعزاز دیا گیا اب صوبۂ مدراس کے نظم و نسق میں اصلاح ضروری معلوم ہوئی اس لئے ۱۷۷۵ء میں گورنری پر اسی کا تقرر دوبارہ عمل میں آیا۔ چند سال پہلے محمد علی نے تنجور کا الحاق کر لیا تھا اس کو نظمائے کمپنی نے صاف طور پر پسند نہیں کیا اس لئے انھوں نے راجہ کو تنجور کی گدی واپس دینے کے احکام صادر کئے لارڈ پیگٹ نے بھی ان احکام کی تعمیل کا تہیہ کر لیا۔ محمد علی نے بہت چالیں چلیں کہ راجہ کو تنجور کسی طرح واپس نہ ملے مگر لارڈ پیگٹ نے بھی مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ راجہ کو دوبارہ گدی ضرور ملے گی چنانچہ ۱۷۷۶ء میں ۳۰ مارچ کو راجہ دوبارہ گدی نشین کیا گیا۔ گورنر کی مشکلات اب شروع ہوئیں۔ نواب ارکاٹ کے متعدد قرض خواہوں میں پال بینفیلڈ نامی ایک شخص تھا جو عام شہرت رکھتا تھا یہ شخص کمپنی کے سیول ارکیٹکٹ (معمار) کی خدمت پر ملازم ہو کر ۱۷۶۳ء

میں ہندوستان آیا تھا لیکن لین دین پر سود در سود لے کر اپنی قسمت کے معمار بننے میں اُس نے زیادہ کامیابی حاصل کی تھی۔ جب تنجور کے راجہ کی دوبارہ تخت نشینی ہوئی تو نبیفیلڈ نے یہ دعویٰ پیش کیا کہ نواب کو جو قرضہ اُس نے دیا تھا اُس کے معاوضے میں اُس کے تمام تنجور کے محاصل میں ایک لاکھ باسٹھ ہزار پونڈ کے حصے پر حق مالکانہ منتقل ہو چکا ہے اور یہ حق اُس کو اب بھی حاصل ہے اور دیگر اشخاص کو جو قرضہ اُس نے دیا تھا اُس کے لئے بہتر ہزار پونڈ کی رقم تک موجودہ فصل پر بھی اُسے حق حاصل ہے یہ واقعہ اُس زمانے کے حالات پر خوب روشنی ڈالتا ہے۔ نبیفیلڈ کمپنی کا نو ماموز ملازم تھا جس کی سالانہ تنخواہ چند سو پونڈ تھی لیکن مدراس میں اُس کے پاس نفیس سے نفیس بگھیاں اور عمدہ سے عمدہ گھوڑے تھے اُس نے نواب سے ایک ایسی کثیر رقم کا مطالبہ کیا تھا جیسی قصے اور کہانیوں میں سننے میں آتی ہے اور جس کی تکمیل کیلئے ایک متمول ریاست کا محاصل اور ایک زرعی قوم کی بوئی ہوئی فصل درکار تھی

لارڈ پیگٹ نے نبیفیلڈ کے دعاوی مجلس کے سامنے پیش کر دئیے مگر نبیفیلڈ اپنی تائید میں کوئی دستاویز یا رسید پیش نہ کر سکا۔ اور یہ بیان کیا کہ نواب اپنے قرضے کا خود مقر ہوگا۔ اس مجلس نے بغلبۂ آرا یہ تجویز منظور کی کہ مختلف اشخاص کے خلاف نبیفیلڈ نے جو دعاوی پیش کئے ہیں اُن کی کافی توضیح نہیں ہوتی ہے اور تنجور کے محاصل کو نواب کا بطور خود کسی دوسرے کے سپرد کر دینا ناجائز ہے مگر نبیفیلڈ کے لئے یہ تصفیہ اطمینان بخش نہ تھا اُس کے دوست احباب اور پیروی کے ذرائع کم نہ تھے چنانچہ دوبارہ جب اُس کے تمام دعوے کونسل کے سامنے پیش ہوئے تو وہ سب کے سب تسلیم کر لئے گئے۔ رسل کو بحیثیت رزیڈنٹ تنجور بھیجنے کی تجویز لارڈ پیگٹ نے پیش کی تھی

مگر اس کو ارکان نے بکثرت آراء پسند نہیں کیا۔ کرنل اسٹوارٹ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تنجور کے معاملات کا انتظام لینڈاروں کے اغراض کے موافق کرنا اس نے قبول کر لیا تھا اسی لئے اس کا انتخاب کیا گیا لارڈ پیگٹ نے کثرت آراء کی مزاحمت کی اور ۲۴ اگست ۱۷۷۶ء کو کرنل اسٹوارٹ نے اسے گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔

"کرنل اسٹوارٹ نے میرے ساتھ شام کا کھانا کھایا اور کھانے کے بعد میں نے اس کو کمپنی کے خانہ باغ میں رات کے کھانے کی دعوت دی ..... رات کے سات اور آٹھ بجے کے درمیان کرنل اسٹوارٹ کے ساتھ قلعے کے مکان سے میں اپنی گاڑی تک پہنچا ہی تھا کہ دو پلوں کے درمیان جہاں زمین کا جزیرہ نما حصہ ہے وہاں میں نے لفٹنٹ کرنل ایڈنگٹن اڈجوٹنٹ جنرل کو راستہ کاٹ کر جنوب کی جانب سے گاڑی کی طرف دوڑتا ہوا دیکھا اس خیال سے کہ اسے ہم سے کچھ کہنا ہوگا میں نے گھوڑوں کی لگام کھینچ لی جب گاڑی رکی تو ایڈنگٹن گھوڑوں کے سر پر آ پہنچا اس نے شمشیر برہنہ ہلاتے ہوئے سپاہیوں کو للکار کر آواز دی معاً سپاہیوں کی ایک جمعیت دوسری جانب سے درختوں کے جھرمٹ میں سے نمودار ہوئی اور کپتان لائی سائٹ نے پستول ہاتھ میں لئے ہوئے اسی جانب سے گاڑی تک آ کر مجھ سے یہ کہا کہ آپ میرے قیدی ہیں ...... پھر کپتان لائی سائٹ نے مجھ کو مسٹر ڈنیفیلڈ کی گاڑی تک لے جا کر چھوڑا۔"

نظمائے کمپنی پر اس اطلاع سے سکتہ چھا گیا مگر ان میں بھی اختلاف آراء تھا انھوں نے لارڈ پیگٹ کی رہائی کے لئے احکام تو دئیے مگر ساتھ ہی ساتھ لارڈ پیگٹ کو بھی واپس طلب کر لیا۔ ان احکام کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے لارڈ پیگٹ عزت و ذلت

کی دسترس سے بلند ہو چکا تھا یعنی قید ہی میں اس نے ۱۷۷۷ء میں انتقال کیا اس کے بعد ۱۷۷۸ء میں سر ٹامس رمبولڈ مدراس کا گورنر مقرر ہوا۔

نواب کے قرضخواہ جنھوں نے ۱۷۷۶ء میں یہ انقلاب برپا کردیا تھا اپنے اغراض سے بے خبر نہ تھے۔ ۱۷۶۷ء کے پہلے قرضے کے متعلق تو ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔ ۱۷۷۷ء میں بھی قرض کی ایک اور شکل نکالی گئی۔ نواب کو اپنے ناکارہ رسالے کے برطرف کرنے کی ترغیب دی گئی لیکن اس کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ وہ ان کی بقایا تنخواہ وغیرہ ادا کرتا۔ ٹیلر اور مجندی اور کال نے اس شرط سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ قرض دینے پر آمادگی ظاہر کی کہ کمپنی سے اس کی منظوری حاصل کی جائے اس قرض کے لئے محاصل کی کفالت بھی لازماً عمل میں آئی۔ نواب کے منتظم نے دو سال کے بعد یہ شکایت پیش کی کہ "ان اضلاع کی جملہ آمدنی بحکم سرکار انگریزوں کو جو تنخواہیں عطا ہوئی ہیں ان کی ادائی کے لئے مختص کردی گئی ہے۔ مسٹر ٹیلر کے گماشتے...... ان تنخواہوں کو وصول کرنے کے لئے حاضر ہیں اور چونکہ تمام جمع شدہ محاصل ان کو واجب الادا ہے اس لئے سرکار کی فوج کی سات یا آٹھ مہینے کی تنخواہیں جو باقی پڑی ہیں ادا نہیں کیجا سکتیں"

اس معمور واقعات سال یعنے ۱۷۷۷ء ہی میں ایک تیسرا قرض بھی جو بیس لاکھ پونڈ سے کچھ زیادہ تھا لیا گیا۔ سر ٹامس رمبولڈ نے مدراس پہنچ کر اس قرضے کے متعلق بجا طور سے طیش کھا کر یہ لکھا کہ:۔

"میں اپنے تعجب اور حیرت کی حالت کیا بتاؤں جب میں یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ چار لاکھ پگوڈا یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ رسالے کے قرضے کے ماسوا اور پہلے کے قرضخواہوں کے اور کمپنی کے مختلف قرضوں کے علاوہ نواب نے ترسٹھ لاکھ پگوڈا (پچیس لاکھ بیس ہزار پونڈ) کی کثیر رقم بطور قرض اور اپنے ذمے لے لی ہے۔

میں اس حالت کو دیکھ کر سراسیمہ ہوں کیونکہ نواب کے قرضخواہ عموماً کمپنی ہی کے ملازم ہیں اور اس لئے کمپنی کی طرف سے مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے اُس میں مشکلات اور بغض و عداوت کا سامنا رہیگا۔"

کرناٹک کے معاملات کی خراب و خستہ و تباہ و شکستہ حالت کو چھوڑ کر سر ٹامس رمبولڈ نے اپنی توجہ شمالی سرکار کی طرف منعطف کی کہ یہ علاقہ جو سمندر کے کنارے واقع تھا اور شمال کی جانب پھیلا ہوا تھا انگریزوں ہی کے قبضے میں تھا اس علاقے کے حصے بخرے ہو چکے تھے جو زمینداروں میں منقسم تھے اور یہ زمیندار موروثی مالکان اراضی ہونے کے علاوہ اپنی اپنی جاگیروں میں حکمرانی بھی کرتے تھے۔ کمپنی کا نظم و نسق ان زمینداروں کے حق میں نہایت تشدد آمیز رہا تھا اور ان کی جاگیروں میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ سر ٹامس رمبولڈ نے خود ان جاگیروں کی گذشتہ سرسبزی اور موجودہ انحطاط پر نہایت ہی چست اور متین الفاظ میں یہ شہادت پیش کی ہے کہ:۔

"ہندوستان میں کمپنی کی حکومت پر یہ الزام ہمیشہ رہے گا کہ ان کی حکمت عملی کا ایک اُصول یہ بھی رہا ہے کہ چن چن کر اپنی عملداری سے معتبر اشخاص کا اخراج کر دیں۔ کسی ایسے شخص سے جس نے بنگالے اور ان سرکاروں کی خوشحالی کو ان کی موجودہ ویران و تباہ حالت میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھا ہے یہ کہئے کہ وہ سامنے آکر قوم سے اس کی تشریح تو کر دے کہ اس مسئلے سے کس کا نام اور کس کی آبرو زیادہ تعلق رکھتی ہے اور وہ رؤساء و سردار و متمول زمیندار جو اس سرزمین کے چپے چپے پر پائے جاتے تھے آج سب کے سب کہاں غائب ہو گئے؟"

"چند روز سے مجلس نظماء نے جو شان تحریر اختیار کی ہے اس سے عوام اس کے سوا کوئی اور نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ اس ملک میں

کمپنی محض چند حقوق فرماں روائی کی ہی مالک نہیں بن بیٹھی ہے بلکہ بلا اشتراک غیرے وہ خود ساری زمین پر بھی گویا حق مالکانہ رکھتی ہے امراء زمینداراہی اراضی کے حقیقی اور اصل قابض تھے اور انھوں نے یہ زمینیں بطور ترکہ اپنے آبا و اجداد سے پائی تھیں جنکی قدامت یورپ کے لئے قصہ اور کہانی ہے اُن کی حالت آناً فاناً زمینداراہی کی سی نہیں بلکہ محض کسان اور مزدور پیشہ کی سی ہوگئی اور اب یہ کمپنی کے کھیتوں میں مزدوری کر لیتے ہیں مغلیہ حملہ آور اس سرزمین کو بالکل مطیع نہ کرسکے اس لئے یہ سردار لگان اراضی نہ کہیئے بلکہ خراج اپنی قدیم خودمختاری کے برقرار رکھنے کے لئے بطور تاوان ان مغلیہ حملہ آوروں کو ادا کرتے تھے اور یہ گویا اپنے رسوم و عادات و مراعات اور املاک پر حق قبضہ بلا مزاحمت و پیکار بحال رکھنے کا ایک طرح کا معاوضہ تھا اس خراج کا مطالبہ ہمیشہ اعتدال پر مبنی ہوتا تھا چونکہ ایسے ممتاز و معزز اشخاص کے لئے عام رواج کے مطابق کثیر نوکر چاکر عملہ وغیرہ کا رکھنا ضروری خیال کیا جاتا تھا اس لئے اس امر کو بھی خاص طور پر مطالبے کے وقت ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ مغلیہ صوبدار جمع میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کے بغیر زمینداروں ہی سے سرکاری آمدنی کی رقم مشخص کر لیتے تھے شمالی سرکار کے کمپنی کے تفویض میں آنے کے بعد بھی انھیں عاقلانہ اصول کی پابندی کی جاتی تو ہر ایک جماعت کے لئے یہ باعث خوشنودی ہوتا ملک سرسبز و شاداب رہتا اور ان باجگزاروں کی خوشحالی سے کمپنی خود خوشحال رہتی۔

اب یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ایک مجلس حلقہ قائم کی جائے جو مقامی تحقیقات کے بعد شمالی سرکار کے زمینداروں سے جو کچھ محاصل واجب الادا نکلتا تھا اس کا تصفیہ کر دے۔ سر تامس رمبولڈ نے اس مجلس کو فی الوقت ملتوی کر کے زمینداروں کو مدراس طلب کیا

جس سے زمینداروں میں ایک تہلکہ سا پڑ گیا لیکن اکتیس زمینداروں میں سے جو بلائے گئے تھے اٹھارہ نے ان احکام طلبی کی تعمیل کی۔ پنج سالہ بند وبست عمل میں لایا گیا اور شمالی سرکار کے کمپنی کے زیر حکومت آنے کے زمانے سے وقتاً فوقتاً جملہ محاصل میں جو اضافے ہوتے رہے تھے وہ قدیم وصولات پر پچاس فی صد سے زیادہ تھے"

اس پر بھی نظمائے کمپنی کو اطمینان نہیں ہوا۔ ان کا خیال یہی تھا کہ مجلس حلقہ اس سے بھی زیادہ اطمینان بخش نتائج پیدا کر کے دکھا سکتی تھی۔ انھوں نے سر تامس رمبولڈ پر یہ الزامات قائم کئے کہ مجلس حلقہ کو ملتوی کرنے میں اس نے خاص احکام کی خلاف ورزی کی اور زمینداروں پر یہ سختی بھی کی کہ ان کو مدراس طلب کیا۔ اسکے علاوہ سر تامس رمبولڈ نے دو سال کے اندر اندر ایک لاکھ چونسٹھ ہزار پونڈ کی رقم جو یورپ ارسال کی تھی اس کے دیکھتے ہوئے اسپر رشوت ستانی کا الزام بھی لگایا گیا چنانچہ جنوری ۱۷۸۱ء میں کمپنی کی ملازمت سے ہی اس کو برطرف کر دیا گیا۔

لارڈ مکارٹنی جو ایک نہایت خوش اخلاق اعتدال پسند سیاسی تجربہ کار لائق و فائق امیر تھا مدراس کا گورنر مقرر ہوا۔ اور جون ۱۷۸۱ء میں ہندوستان آیا۔ اس وقت مدراس کے صوبے پر انتہائی ادبار و افلاس چھایا ہوا تھا ایک زمانے کی بدنظمی کے اثرات تو یہاں پہلے ہی سے تھے حیدر علی والئ میسور کی جنگ عظیم کے مصائب ان میں اضافہ ہوئے حیدر علی کے رسالے اور سواروں نے اس سرزمین کو روند ڈالا تھا۔ مدراس کے نواح میں کوسوں تک تباہی اور بربادی پھیلا دی تھی۔ سارے کرناٹک پر ایک دہشت سی طاری تھی لوگ جنگلوں میں روپوش ہو گئے تھے کھیت اجاڑ پڑے تھے اور گانوں کے گانوں جلا کر اُسنے نیست و نابود کر دئے تھے حالت یہ تھی کہ ایک فتنہ فرو نہیں ہوتا تھا کہ دوسرا پیدا ہو جاتا تھا اور یہ سب کچھ وقوع میں

آنے کے باوجود مدراس کی کونسل اس مہیب غنیم کے مقابلے کی تدابیر پر ابھی شش وپنج کے ساتھ غور ہی کر رہی تھی۔

اس جنگ کے واقعات پہ خامہ فرسائی ہمارا مقصد نہیں ہے وارن ہسٹینگز اس وقت گورنر جنرل تھا اس نے سر ایر کوٹ کو جو ایک جنگ آزمودہ سپہ سالار تھا اس غنیم سے جنوبی ہند کو بچانے کے لئے دوبارہ روانہ کیا۔ سر ایر کوٹ نے حیدر علی سے چار مرتبہ میدان کارزار میں مقابلہ کیا۔ حیدر علی پسپا ہوا۔ مگر اُس کا زور نہ ٹوٹا۔ ستمبر ۱۷۸۲ء میں سر ایر کوٹ نے مدراس سے بنگالے کو مراجعت کی اور دسمبر ۱۷۷۲ء میں حیدر علی نے اس دُنیا سے رحلت کی۔ ۱۷۸۳ء میں حیدر علی کے فرزند ٹیپو سلطان سے مصالحت کر لی گئی۔

سارا مُلک افلاس میں گرفتار تو تھا ہی مصیبت پر اور مصیبت یہ آئی کہ ۱۷۸۳ء میں مدراس کے اس سرے سے اس سرے تک ایک عظیم قحط نمودار ہو گیا عام طور پر کمپنی کی آمدنی میں بچت تو نکلتی تھی مگر محاصل کو منافع میں لگاتے ہیں یعنی اس آمدنی سے اشیاء و سامان تجارت خرید کر یورپ کو فروخت کے لئے بھیجنے میں بچت کیسی کمپنی کو خسارہ ہونے لگا۔ ذیل کے اعداد سرکاری اسناد سے لئے گئے ہیں۔

دوازدہ سالہ مداخل ومخارج صوبۂ مدراس

سال	جملہ محاصل خالص	جملہ دیوانی و فوجی مصارف ذمہ کمپنی	بچت	کمی
مئی - اپریل	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۷۶۷ - ۱۷۶۸	۳۸۱۳۳۰	۴۸۹۰۱۳	۰	۱۰۷۶۸۲
۱۷۶۸ - ۱۷۶۹	۳۶۹۷۲۰	۶۹۱۴۷۱	۰	۳۲۱۷۵۱

سال	جملہ محاصل خالص	جملہ دیوانی و فوجی مصارف ذمہ کمپنی	بچت	کمی
مئی اپریل	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۷۷۰-۱۷۶۹	۵۰۰۱۱۰	۴۶۷۴۹۲	۳۲۶۱۸	۰
۱۷۷۱-۱۷۷۰	۵۶۲۳۵۹	۴۳۴۳۹۳	۱۲۷۹۶۰	-
۱۷۷۲-۱۷۷۱	۵۵۸۸۶۰	۴۰۷۴۴۶	۱۵۱۴۱۴	-
۱۷۷۳-۱۷۷۲	۵۲۹۲۴۳	۳۰۹۱۳۸	۲۲۰۰۹۵	-
۱۷۷۴-۱۷۷۳	۵۲۴۷۶۲	۴۰۷۱۴۴	۱۱۷۶۱۸	-
۱۷۷۵-۱۷۷۴	۵۰۳۶۲۹	۴۵۴۵۸۹	۴۹۰۴۰	۰
۱۷۷۶-۱۷۷۵	۵۱۴۵۹۱	۳۴۵۸۶۷	۱۶۸۷۲۴	-
۱۷۷۷-۱۷۷۶	۵۶۳۳۴۹	۵۳۳۱۸۲	۳۰۱۶۷	۰
۱۷۷۸-۱۷۷۷	۲۸۳۱۹۸	۴۸۵۸۳۰	۰	۲۰۲۶۳۲
۱۷۷۹-۱۷۷۸	۴۹۴۲۰۸	۸۰۳۹۲۴	۰	۳۰۹۷۱۶
میزان	۵۷۸۵۳۴۹	۵۸۲۹۴۸۸	۸۹۷۶۴۲	۹۴۱۷۸۱

محاصل میں بچت نکلے یا کمی ہو یورپ ارسال کرنے کے لئے سامان تجارت کا خرید نا کبھی بند نہ ہوا۔ اس زمانے میں سامانوں سے لدے ہوئے جہاز یورپ جاتے تھے جن کی ابتدائی لاگت (مصارف عام) بیس لاکھ پونڈ سے زائد ہوتی تھی۔

کمپنی کے ظالمانہ مطالبات کے مقابلے میں انگریز لینڈاروں کے ظالمانہ مطالبات جن کے نام محاصل بطور کفالت منتقل ہو چکے تھے دہچند زیادہ تھے اور جب آخر کار یہ معاملہ دار العوام میں تصفیے کے لئے پیش ہوا تو ان لینڈاروں کے پیدا کئے ہوئے اثرات اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ تمام جھوٹے سچے دعوے بلا تحقیقات

تسلیم کر لئے گئے۔

پال بینفیلڈ ان لیندداروں میں سب سے زیادہ کامیاب اور بڑا آدمی تھا اُس نے ہندوستان میں جو کثیر دولت پیدا کی تھی وہ انگلستان میں پارلیمنٹی اثرات پیدا کرنے کے کام میں صرف کردی آٹھ پارلیمنٹ کے ارکان بشمول خود انتخاب کرائے اور اس قدر صاحب اقتدار و اثر بن گیا تھا کہ وزارت تک اس کے خلاف کچھ کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ پارلیمنٹ کے کثیر التعداد صاحب اثر ارکان سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے لئے جو نواب ارکاٹ کے جھوٹے سچے دست نگروں اور قرضخواہوں کے بنائے ہوئے تھے .... ۱۷۸۴ء کی وزارت نے یہ تصفیہ کیا کہ جھوٹے ہوں یا سچے ان کے تمام مطالبات کی تکمیل ضروری ہے۔"

مورخ تاریخ برطانوی ہند نے جس کی تالیف سے ہم نے اوپر کا اقتباس درج کیا ہے اڈمینڈ برک کی اس دائمی یادگار تقریر سے آگے چل کر اور اقتباسات دئیے ہیں جس میں اڈمینڈ برک نے برطانوی پارلیمنٹ کے اس سب سے زیادہ رسواکن و معیوب واقعے کی نسبت نہایت ہی سخت لہجے میں لکھا ہے۔

"پال بنیفیلڈ ایک نہایت بزرگ مصلح پارلیمنٹ ہے شہنشاہی کا کونسا حصہ کونسا شہر کونسا قصبہ کونسا ضلع یا اس سلطنت کا کونسا محکمۂ عدالت ایسا ہے جو اس شخص کی جانفشانی و دردسری سے معمور نہیں آئندہ کے تمام اصلاحات کے لئے ایک مستحکم پشتہ باندھنے میں اس رفاہ عام کے روح رواں سودخوار نے ہندوستان کے امدادی کام میں اپنی خیرخواہانہ جانفشانیوں کے باوجود اپنی سرزمین کے خراب و خستہ دستور کو دل سے نہیں بھلا دیا۔ بلکہ اسی کی خاطر اُس نے اس دارالعوام کے فراش خانے میں فرش فروش

مہیا کرنے کے لئے ادنیٰ تھوک فروش تجارت کے قبول کرنے پر حقارت ونفرت کا اظہار تک نہیں کیا۔ اور فرش فروش بھی کیسا قدیم بد رنگ زربفت وشجر کا نہیں جیسا دوسرے کسی دار العوام میں آراستگی کا منہ چڑاتا ہو بلکہ جس میں زمانۂ موجودہ کی حسن وخوبی کے اصلی اور زندہ ٹھوس نقش ونگار ہیں۔ یعنی پال بیفیلڈ نے خود کو ملا کر ایک دو نہیں بلکہ آٹھ ارکان پارلیمنٹ میں انتخاب کرائے ہیں زمانہ حال کے رگ و پئے میں کتنی بہتی نہریں اس نے اپنے صاف وشفاف خون کی نہ بہائی ہوں گی۔............

"آپ کے وزیر کے لئے اس سال خوردہ کار آزمودہ نبیفیلڈ کے مختار نے لندن کے اس جھگڑے بھکیڑے کے گرد آلود میدان تک میں آنا قبول کر لیا اور آپ کو یاد ہو گا کہ اسی نیک کام کے لئے اُس نے ایک عام کچہری یا حساب گھر کھولا تھا جہاں پچھلے عام انتخاب کے کاروبار کا جملہ انتظام ہوا کرتا تھا اس طرح تمام انتظام کھلے بندوں نبیفیلڈ کے براہ راست مختار اور کارپرداز کے ہاتھ میں تھا جو ہندوستانی اُصول پر اور ہندوستانی اغراض ہی کی خاطر قائم تھا۔ یہ افعال ناشائستہ کا وہ سنہری جام تھا جس کو اکثر لوگوں نے اور اس مُلک کے بعض امرا نے بھی تلچھٹ تک زیر حلق کر کے خالی کر دیا تھا۔ کیا آپ خیال فرماتے ہیں کہ اس قسم کے بدمست وشہوت پرست کا آخرکار کوئی حساب کتاب تھا ہی نہیں یا اس قومی بدکاری اور عام شراب خواری کے غل غپاڑے میں کسی قسم کا معاوضہ مطلوب ہی نہ تھا نہیں۔ یہاں آپ کے سامنے وہ موجود ہے انتخاب کے شاندار صدر منتظم کو ہرجانہ ملنا ضروری ہے اسی لئے نبیفیلڈ اور اُس کے شیطانی لشکر کے دعاوی کو تمام تحقیقات سے بالاتر رکھنا چاہیئے"

انگلستان کے عوام اور امرا نے تو اس "سنہری جام" کا تلچھٹ تک

نہ چھوڑا اگر ہرجانہ ہندوستان سے طلب کیا گیا انبیفیلڈ کے دعاوی کی تحقیقات اس لئے نہیں کی گئی کہ جو کچھ دینا تھا وہ کرناٹک کے مزارعین اور کاشتکاروں کو دینا تھا ایسے دعاوی کے بلا تحقیقات تسلیم کر لینے سے خرابی اور بڑھ گئی انگریز ساہوکار و مہاجن جوق جوق کرناٹک میں اس طریقے سے جلد دولت پیدا کرنے کی خاطر آ جمع ہوئے۔ نواب کرناٹک پر نئے نئے زرقمی دعوے دو کروڑ تین لاکھ نوے ہزار پانسو ستاون پونڈ کے پیش ہوئے اور ان دعاوی کے تصفیے کے لئے کمشنروں کا تقرر عمل میں آیا اس وقت تک لارڈ ویلزلی نے کرناٹک کا الحاق کر لیا تھا اور یہ انگریزوں کی عملداری میں داخل ہو چکا تھا۔ اب اگر یہ دعاوی قبول کر لئے جاتے تو نواب کے بجائے کمپنی کی حکومت پر انکی ادائی لازمی تھی اس لئے ان کی تحقیقات کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تیرہ لاکھ چھیالیس ہزار سات سو چھیانوے پونڈ کی رقم تو جائز تسلیم کر لی گئی اور مابقی ایک کروڑ تیس ہزار پونڈ سے زیادہ رقم ناجائز اور جھوٹے دعاوی کی بناء پر خارج کر دی گئی۔

ساتواں باب

صوبۂ مدراس کے قدیم و جدید مقبوضات

(سنہ ۱۷۸۵ء - سنہ ۱۸۰۰ء)

جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے پٹ کا مسودۂ قانون ہند سنہ ۱۷۸۴ء میں بشکل قانون نافذ ہوا۔ اس تاریخ کے عین بعد اضلاع میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت براہ راست جو مقبوضات تھے وہ شہر مدراس کے ارد گرد کا ایک مختصر سا حصہ تھا اور دیگر کا وہ ساحلی علاقہ تھا جو ایک لمبی دھجی کی طرح چلا گیا ہے اور جس کو شمالی سرکار کہتے ہیں۔ مدراس میں جو پہلا بند و بست عمل میں آیا وہ اسی سرکار میں ہوا تھا۔

سنہ ۱۷۶۵ء کے ابتدائی زمانے میں جب لارڈ کلائیو نے شہنشاہ سے کمپنی کیلئے بنگالے کا منصب دیوانی حاصل کیا تھا اسی وقت ان سرکاروں میں سے چار سرکار جن کے نام سریکاکول، راجمندری، ایلورا اور کنڈا پلی ہیں کمپنی کو عطا ہوئے تھے۔ ہندوستانیوں کے زیر انتظام کچھ مدت تک رہنے کے بعد سنہ ۱۷۶۹ء میں یہ علاقے

صوبہ داروں اور اُن کی کونسلوں کے زیر نگرانی کر دیئے گئے تھے اور یہ نظام مملکت بنگالہ کے اضلاع کے نظم ونسق کے مماثل تھا۔

۱۷۷۵ء میں مجلس نظماء نے احکام صادر کیے کہ شمالی سرکار کے حالات دریافت کرنے کی غرض سے کہ وہاں آبادی کی تعداد کیا ہے کس قسم کی پیداوار ہوتی ہے صنعتوں کی حالت کیا ہے نیز اُن ریاستوں کے خام محاصل کیا ہوتے ہیں اور زمینداروں اور کاشتکاروں کے قدیم رواجی حقوق کیا ہیں ایک مجلس حلقہ قائم کی جائے مجلس نظماء نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ وہ زمینداروں کی سالانہ آمدنی کو حسب حال برقرار رکھنا چاہتی ہے اور کاشتکاروں کو ناجائز مطالبات سے بھی بچانا چاہتی ہے اور یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ بنگالہ میں جو قواعد نافذ تھے یہ ممکن ہے کہ وہی قواعد ان سرکاروں میں بھی رائج کئے جائیں یا نہیں۔ ایک مجلس اسی غرض سے قائم کی گئی تھی جو ۱۷۷۸ء میں جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے سرتامس رمبولڈ کے حکم سے برخاست کردی گئی مگر ۱۷۸۳ء میں اس مجلس کا دوبارہ انعقاد ہوا اور ۱۷۸۸ء تک اس مجلس میں دریافت و تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا۔

اس مجلس نے جو کیفیتیں لکھ کر پیش کیں اُن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ شمالی سرکار کی زمینیں زیادہ تر زمینداروں ہی کے قبضے میں تھیں ملک کے پہاڑی حصے میں جو زمیندار تھے وہ اوڑیسہ کے راجاؤں کی اولاد تھے اور اپنی اپنی ریاستوں میں خودمختارانہ حکمرانی کرتے رہے تھے صرف ایک مقررہ خراج مسلمانوں کی حکومت کو ادا کرتے تھے اور کھلے میدانوں میں جو زمینداریاں تھیں وہاں کے زمیندار حکومت کے دباؤ میں تھے لیکن جب تک کہ حکومت کو ایک مقررہ محاصل ادا کرتے تھے انھیں اپنی اپنی جاگیروں کا زرلگان حسب خواہش اپنے اپنے تصرف میں لانے کی اجازت تھی۔

ان زمینداروں کی آراضی کے علاوہ حکومت کی چند ایسی مینات یا سیریاں" بھی تھیں جن کو "زمینات حویلی" کہا جاتا تھا۔ یہ سیریاں" ان بلاد کے نواح میں تھیں جہاں مستقر حکومت ہوتا تھا اور مسلمان حکمرانوں کے افواج قلعے اور عملۂ دیوانی کی ضروریات کے لئے مختص کردی گئی تھیں"۔ انگریزوں کی حکومت کے ابتدائے قیام سے ان زمینات حویلی کے متعلق صحیح طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عملداری کے یہ حصے زمینداروں کے قبضے سے باہر تھے اور حکومت ہی کی ملک تھے لہذا جہاں رعیت سے مالگزاری وصول کرنے کے طریقے کو ترجیح دی جائے وہ آزادی کے ساتھ اختیار کیا جاسکتا تھا" مگر جو نظام یہاں حقیقی طور پر اختیار کیا گیا وہ کچھ عاقلانہ نہ تھا حویلی کی زمینات گماشتوں کو یا بامید منافع زمینات کو لگان پر لینے والے بڑے بڑے سٹہ کھیلنے والوں کو مستاجری پر دے دی گئیں اور اس طرح "مظالم کے وسیع ذرائع" ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئے۔

زمینداریوں اور حویلی کی عملداری کی زمینات میں قدیم زمانے ہی سے نظام ملت دیہی چلا آتا تھا یہ حکومت خود اختیاری کی ایک سیدھی سادی شکل تھی جو ہر گاؤں کے کاشتکاروں کو زمینداروں اور حکومت کے مظالم سے محفوظ رکھتی تھی یہ قدیم ادارہ جو مانو کے زمانے میں بھی قدیم کہلاتا تھا کئی راج دھانیوں کی تباہی اور کئی شاہنشہیوں کے زوال کے باوجود باقی رہ گیا تھا لڑائیوں کے وقت گاؤں میں امن و انتظام اسی سے قائم رہتا تھا اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے عمال کو یہ ایک نہایت نادر اور خوبیوں سے بھرا ہوا ادارہ معلوم ہوتا تھا۔

"جغرافی نقطۂ نظر سے گاؤں کو دیکھیں تو وہ ایک خطہ نظر آتا ہے جو سینکڑوں ہزاروں بیگہ مزروعہ اور افتادہ آراضی پر مشتمل ہے اور سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو وہ ایک شخصیہ یا بلدیہ

نظر آتا ہے۔ گانوؤں میں عہدہ داروں اور ملازموں کا جو عملہ رہتا ہے اُنکی تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔ پٹیل۔ گانوؤں کے رہنے والوں کا سردار ہوتا ہے جو گانوؤں کے معاملات پر عام نگرانی رکھتا ہے۔ لوگوں کے قضیے چکاتا ہے۔ کوتوالی کا کاروبار کرتا ہے اور جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے قانون کے حدود میں مالگزاری جمع کرنے کے فرائض بجالاتا ہے اور کیا بلحاظ اپنے ذاتی اثر کے اور کیا بلحاظ لوگوں کے تعلقات اور حالات سے تفصیلی واقفیت رکھنے کے اُس میں اس فریضے کی بجاآوری کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ کرنم جو کاشت کے حسابات رکھتا ہے اور کاشت سے متعلق ہر بات کو ایک کتابچے میں درج کرتا رہتا ہے۔ تالیر جس کا دائرۂ عمل وسیع اور کشادہ ہے اور جس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ جرائم خفیف و شدید دونوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہے اور جب لوگ ایک گانوؤں سے دوسرے گانوؤں جائیں تو راستے میں اُن کی حفاظت و نگہبانی کرے۔ ٹوٹائی جس کی حد اختیار گانوؤں کے حدود تک ہی ہوتی ہے اور دوسرے فرائض کے ساتھ کھیتوں کی نگہداشت و پیمائش اُس کے ذمے ہے سرحدی، جو گانوؤں کے حدود کی حفاظت کرتا ہے اور حدود کے متعلق اگر نزاع ہو تو شہادت دیتا ہے۔ مہتمم آبپاشی جو زراعتی اغراض کے لیے تالابوں ندیوں نہروں وغیرہ سے پانی دیتا ہے۔ برہمن جو گانوؤں کا پوجا پاٹ کرتا ہے۔ مدرس جو ریت پر لکھا کر گانوؤں کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا ہے۔ جوتشی برہمن جو بیج بونے اور کھیت کاٹنے کے لئے نیک اور بد ساعت بتلاتا ہے۔ لوہار اور بڑھئی جو زراعتی آلات بناتے ہیں اور رعیت کے مکان تعمیر کرتے ہیں۔ کمہار دھوبی نائی چرواہا (گڈریا) جو مویشیوں کی خبرگیری اور نگہداشت کرتا ہے۔ طبیب۔ کنچن جو خوشی کے موقعوں پر رقص و سرود کے لئے حاضر رہتی ہے۔ گائن مغنی اور شاعر عام طور سے ان عہدہ داروں اور ملازمین

پرگانوں کا عملہ مشتمل تھا۔ لیکن بعض مقامات میں یہ عملہ اس قدر وسیع نہیں ہوتا تھا کیونکہ بعض فرائض اور کارہائے متعلقہ جو اوپر بیان ہوئے ایک ہی شخص کے سپرد کر دیئے جاتے تھے اور بعض مقامات میں لوگوں کی تعداد مذکورۂ بالا شمار سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

"اس سادہ شکل کی حکومت بلدیہ کے زیر اطاعت اس ملک کے رہنے والے قدیم زمانے سے زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ گانوں کے مقررہ حدود میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی تھی گو بعض مرتبہ گانوں کے گانوں لڑائیوں یا خشک سالی اور عام امراض کی وجہ سے نقصان اٹھاتے یا بالکل ویران ہو جاتے تھے پھر بھی وہی نام وہی حدود وہی اغراض حتیٰ کہ وہی خاندان وہاں برسوں سے چلے آرہے تھے۔ گانوں کے رہنے والے سلطنتوں کے تتر بتر یا تقسیم ہونے پر ٹس سے مس نہ ہوتے تھے اور جب تک گانوں صحیح و سالم رہتا تھا اُن کو اس کی کچھ پروا نہ تھی کہ وہ کس کے راج میں منتقل ہو گیا یا کس بادشاہ کے زیر نگیں ہے اُس کی اندرونی اقتصادی حالت میں تو تغیر ہوتا ہی نہ تھا وہی پاٹیل ہر حالت میں گانوں کا سردار تھا۔ چھوٹا موٹا جج اور مجسٹریٹ بھی وہی تھا اور قریہ دار بھی وہی تھا اور گانوں کی مالگزاری بھی وہی جمع کرتا تھا"

اوپر کا اقتباس نہایت ہی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے ہندوستان کی دیہی حکومت خود اختیاری کے دستور کا پتا چلتا ہے جو ہندوؤں کی قدیم حکمرانی کے دھندلکے میں نہیں بلکہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے روز روشن میں موجود تھا اور جس کے حالات کو مانو کی سی سنسکرت کی پرانی کتابوں میں بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ سرکاری اسناد میں جن کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے عاملوں نے حقیقی مشاہدے اور ذاتی تحقیقات کی بناء پر قلمبند کیا ہے اس کی شہادتیں

موجود ہیں۔ ایک ہی نظر میں ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ ہندوستان کی اتنی بڑی زراعت پیشہ آبادی اپنے اپنے مختصر مگر مکمل جمہوریہ میں سالہاسال سے کس طرح کاشت اور مختلف اشیاء کی ساخت کرتی تھی۔ کسی کو اس کی پرواہی نہ تھی کہ کب ایک شاہی خاندان دوسرے شاہی خاندان کا جانشین بن گیا۔ یا شاہنشاہیاں یکے بعد دیگرے کیوں عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہوئیں۔ کیا اچھی بات ہوتی کہ ہندوستان کے برطانوی منتظمین سلطنت بھی ان قدیم ادارات کی نگہداشت کرتے ان میں اصلاح کرتے اور ان کے نشو ونما کو قائم رکھتے اور اسی طرح لوگوں کی اختراع کردہ مجالس کی وساطت سے لوگوں پر حکمرانی کرتے۔ انگریزوں کی حکمرانی کی ابتداء ہی سے دو اسباب ایسے پیدا ہوگئے تھے جن سے یہ ملل دیہی کمزور بن گئے ایک تو ان منتظمین ریاست کو مالگزاری کے حد درجے تک بڑھانے کی سخت فکر رہتی تھی جس کی بناء پر وہ فرداً فرداً ہر کاشتکار سے براہ راست معاملت کرنے کی طرف راغب تھے اور دوسرے یہ فکر بیجا کہ تمام عدالتی اور عملی اختیارات کو مرکزی بنا کر اپنے ہی ہاتھ میں رکھیں اور اسی وجہ سے ان جدید حکمرانوں نے ان دیہی کارکنوں کو جو اپنے اپنے گانوں کے حدود کے اندر ان اختیارات کو ایک زمانے سے استعمال کرتے رہے تھے دراصل بالکل معطل کردیا تھا۔ اپنے فرائض کی بجا آوری سے یہ دیہی ملل محروم جو ہوئے تو ان پر زوال آگیا اور ہندوستان میں موجودہ زمانے کے نظم ونسق میں جو گزشتہ کے نظم ونسق کے مقابل زیادہ مرتب و باضابطہ تھے یہی نقص پایا جاتا ہے کہ یہ نظم ونسق زیادہ مطلق العنان ہے اور بہ نسبت سابق کے خود لوگوں کی امداد باہمی پر اس کا انحصار کم ہے۔

یہاں سے پھر ہم شمالی سرکار کی زمینداری اراضی کے بیان

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان زمینوں کی مالگزاری کا تعین ۱۷۸۰ء تک سال بسال زمینداروں کے ذریعے سے ہی کیا جاتا تھا لیکن اس سال جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے سرتامس رمبولڈ نے پنج سالہ بندوبست کیا مگر ۱۷۸۳ء میں سالانہ بندوبست کا غلط طریقہ پھر شروع ہوا جو ۱۷۸۶ء تک جاری رہا۔ اور مجلس مالگزاری کے توفیر آمدنی کے مطالبے پر موخرالذکر سال میں سہ سالہ بندوبست کیا گیا اس کے بعد ۱۷۸۹ء میں بھی سہ سالہ بندوبست ہوا۔ جس کو آگے چل کر پنج سالہ کر دیا گیا اور جس میں زمینداروں پر اُن کی آمدنی خام کے دو ثلث حصے تک لگان لگایا گیا تھا چنانچہ سرکار گنتور میں بھی جو ۱۷۸۸ء میں کمپنی کے مقبوضات میں شامل ہوئی تھی اسی طریقے پر بندوبست عمل میں آیا۔

لارڈ ہوبرٹ ۱۷۹۴ء میں مدراس کا گورنر مقرر ہوا اس نے بڑی اصلاح یہ کی کہ کمپنی کے اعلیٰ حکام اور مجالس کو برخاست کر کے انتظام مالگزاری کے لئے ہر ضلعے میں مجلس مالگزاری کی زیر نگرانی ایک ایک کلکٹر مقرر کیا مگر زمینداری زمینوں کا بندوبست اُسی پہلے اُصول پر ہوتا رہا۔ لارڈ کلائیو ثانی جو فاتح پلاسی کا فرزند تھا لارڈ ہوبرٹ کا جانشین مقرر ہوا۔ اور لارڈ کلائیو نے انتظام مملکت کے دوران میں دوامی بندوبست مالگزاری جیسا کہ ۱۷۹۳ء میں بنگالے میں کیا گیا تھا۔ ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۵ء کے درمیان عام طور پر شمالی سرکاروں میں بھی رائج کیا گیا مالگزاری کے سرکاری مطالبات کا عام معیار بظاہر رعایا کی آمدنی کا دو ثلث حصہ ہوتا تھا۔

شمالی سرکار کی حویلی زمینوں کا قصہ کسی قدر اس سے مختلف ہے ۱۷۹۴ء میں پہلی مرتبہ کلکٹروں کا تقرر عمل میں آیا انھوں نے حویلی زمینوں کی مالگزاری وصول کرنے کے دو مختلف طریقے اختیار کئے بعض مقامات میں براہ راست کاشتکاروں سے وہ اجناس

میں ہی مالگزاری قبول کر لیتے تھے یعنی پیداوار کا ایک حصہ بطور حق مالگزاری وصول کر لیتے تھے اور دوسرے مقامات میں ایک مقررہ رقم پر زمینیں مستاجری پر دے دیتے تھے بہرکیف عام طریقہ یہ تھا کہ گاؤں کے سردار یعنی چودھریوں سے کلکٹر تعین رقم کر لیتا تھا اور یہ لوگ ہر کاشتکار سے جداجدا معاملہ کر لیتے تھے جب ۱۷۹۴ء میں کمپنی کے صدر حکام اور کونسلیں برخاست کر دی گئیں تو صرف کلکٹر ہی باقی رہ گئے جو مجلس مالگزاری کی زیر نگرانی بندوبست کے تنہا ذمہ دار تھے اور جب ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۴ء کے درمیان زمینداریوں کا دوامی بندوبست ہو چکا تو اُس وقت حویلی کی زمینوں کو موٹاس میں یعنی ایسے حصوں میں تقسیم کر دیا گیا جو باعث سہولت تھے۔ عام طور پر ہر حصے کی سالانہ آمدنی ایک ہزار سے پانچ ہزار اسٹار پگوڈا تک ہوتی تھی اور یہ حصے بطور دوامی زمینداری عام نیلام سے فروخت کر دئے جاتے تھے۔ شہر مدراس کے گرد و نواح میں جو جاگیری زمینیں تھیں ان کا بھی دوامی بندوبست عمل میں آیا۔

۱۷۶۵ء سے ۱۸۰۵ء تک کمپنی کی عملداری کے قدیم ترین علاقوں کی جو مدراس میں واقع تھے اور جو شمالی سرکار اور شہر مدراس کے اردگرد کے علاقوں پر مشتمل تھے سرگزشت انتظام مالگزاری اس طرح کی ہے جیسی کہ اوپر بیان ہوئی لیکن اسی دوران میں دوسرے علاقے بھی کمپنی کے مقبوضات میں داخل ہو چکے تھے اس لئے اب ان نو حاصل کردہ علاقوں کے متعلق کچھ کہنا ضروری ہے۔

جب ۱۷۹۲ء میں لارڈ کارنوالس اور ٹیپو سلطان کی جنگ صلح سرنگاپٹن کی رو سے اختتام پر پہنچی تو کمپنی کے مقبوضات میں سالم اور کرشناگری کا جو بڑے محل پر بھی مشتمل تھی اضافہ ہوا۔ لارڈ ولزلی کی آخری جنگ ٹیپو سلطان کے ساتھ ہوئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۹۹ء میں کنارا کٹمبٹور بالاگھاٹ اور چند دوسرے مقامات کمپنی کے

مقبوضات میں داخل ہوئے۔ ۱۷۹۹ء میں لارڈ ولزلی نے تنجور کا بھی الحاق کر لیا۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں کرشنا اور تمبھدرا کا درمیانی تمام علاقہ نظام دکن سے لے لیا اور نواب ارکاٹ کو وظیفے پر سبکدوش کر کے سارے کرناٹک کو کمپنی کی عملداری میں داخل کر لیا۔ اس طرح دس سال کے اندر اندر یعنی ۱۷۹۲ء سے ۱۸۰۲ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس نہایت زرخیز اور شاداب علاقے کو جو صوبۂ مدراس کا اب ایک وسیع حصہ کہلاتا ہے حاصل کر لیا تھا۔ بند وبست کے نظام جدید کی ابتدا بھی اس نئی عملداری کے حصول کے ساتھ ساتھ ہوئی۔

جب ۱۷۹۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بڑے محل کے اضلاع حاصل کر لئے تو لارڈ کارنوالس نے اُن کا نظم و نسق کیپٹن ریڈ اور تین فوجی افسروں کو تفویض کیا جو اُس زمانے کے ملازمین دیوانی کے مقابل لوگوں کے عادات و اطوار و زبان سے زیادہ واقف تھے۔ وہ اُصول جس پر کیپٹن ریڈ نے ہر کاشتکار سے فرداً فرداً تعین مالگزاری کیا تھا وہی اُصول تھا جو بعد میں بڑھتے بڑھتے کیپٹن ریڈ کے مددگار کے توسط سے (جس کا نام ٹامس منرو تھا اور جو بعد میں سر کے خطاب کے ساتھ ہی اس صوبے کا گورنر مقرر ہوا تھا) اس صوبے کے دوسرے حصوں میں بھی رائج کیا گیا تھا۔ سر ٹامس منرو کا نام مدراس کے رعیت واری بند وبست سے اسی طرح نسبت رکھتا ہے جیسے کہ لارڈ کارنوالس کا نام بنگالے کے زمینداری بند وبست کے ساتھ۔

۱۷۸۰ء میں ٹامس منرو کا عنفوان شباب تھا اور اس کی عمر انیس سال کی ہو گی جب وہ مدراس پہنچا۔ اور حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی لڑائیوں میں شریک رہا۔ کچھ عمر گزرنے کے بعد مرہٹوں کی لڑائیوں میں اُس نے نمایاں اعزاز حاصل کیا جس پر برطانوی

پارلیمنٹ نے اُس کی بہادری لیاقت اور کامیابی کی تعریف کی لیکن بحیثیت ایک کامیاب سپاہی کے منرو کا نام ہندوستان میں مشہور نہیں ہے بلکہ اُس کی شہرت اس بنا پر ہے کہ وہ کمپنی کے اُن چند عمال میں سے تھا جنھوں نے رفاہ عام کے لئے اپنی زندگی گویا وقف کر دی تھی اور آج تک مدراس میں اُس کا نام اسی طرح تشکر کے ساتھ زبان زد خاص و عام ہے جیساکہ کارنوالس کا نام بنگالے میں اور انفنسٹن کا بمبئی میں۔

جب ٹامس منرو کیپٹن ریڈ کے تحت بڑے محل کے اضلاع کے بندوبست کا کاروبار کر رہا تھا اسوقت اُس کی تیز نظری نے کمپنی کے نظام مملکت کے نقائص خوب پہچان لئے تھے اور اس کی ہمدردانہ قوت فیصلہ نے ان کا صحیح علاج بھی اُسے بتا دیا تھا۔

کرناٹک کے متعلق اُس نے یہ تحریر کیا کہ :" نواب کے محاصل کا بڑا حصہ شہر مدراس میں جو گماشتے رہتے ہیں اُن کے ذریعے سے تین اور چار فی صدی سود پر ہر مہینے باہر ارسال کر دیا جاتا ہے۔ کرناٹک کے بعض مقامات میں لگان فصل کے اختتام پر مقرر کیا جاتا ہے۔ جو مختلف اجناس پر مختلف ہوتا ہے اور بعض مقامات میں اجناس میں ہی وصول کیا جاتا ہے مگر سب جگہ سالانہ تعہدی کا طریقہ رائج ہے جہاں جہاں فصل کے اجناس پر لگان مقرر کیا جاتا ہے وہاں زمینوں کی ہر سال پیمائش کی جاتی ہے عہدہ داران پیمائش کنندہ (سرویر) اپنی اپنی ریورٹ پیش کرتے وقت جیسی جیسی رشوت لیتے ہیں ویسا ویسا لکھتے ہیں۔ کاشتکاروں اور حکومت کے ساتھ ہزاروں طرح کی دغا بازیاں کی جاتی ہیں اور جہاں جہاں لگان اجناس ہی میں وصول کیا جاتا ہے وہاں فصل کی کل پیداوار یا تو خود کاشتکار کو پیداوار کی اصلی قدر سے بڑھ کر قیمت پر دے دی جاتی ہے یا منڈی کے لئے ایک ایسا عام معیار قائم کر دیا جاتا ہے جس سے کم

نرخ پر کوئی شخص اس وقت تک غلہ فروخت ہی نہیں کر سکتا تھا
جب تک کہ سرکاری غلہ کل کا کل نہ بک جائے۔ ہر شخص یہ خیال کر سکتا ہے
کہ اس طرح نامعقول انتظام سے ملک آناً فاناً تباہ و برباد نہ ہوگا
تو کیا ہوگا۔"

انگریزوں کی عملداری کے متعلق بھی منرو نے اسی طرح سے
لکھا ہے کہ :- "مجلس مالگزاری نے چند روز قبل یہ درخواست
کی تھی کہ کلکٹروں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے جس کو حکومت
نے نہایت درجہ اظہار ناپسندیدگی کے ساتھ نامنظور کر دیا لیکن
اس طرح کرنے میں حکومت نے صحیح حکمت عملی یا فطرت انسانی
کا کچھ لحاظ ہی نہیں کیا کیونکہ جہاں لوگوں کی یہ حالت ہو کہ اپنی محدود
آمدنی میں کسی نہ کسی کے دست نگر بنے رہنے کے سوا اُن کو چارہ
ہی نہ ہو بلکہ عوام کو لوٹ کر بغیر راز کے طشت از بام ہوئے
یکایک دولتمند بن جانا سہل ہو تو ظاہر ہے کہ ایسی جگہ لوگوں کا رجحان
کس طرف ہوگا اب رہے بچے کھچے ایسے بھی لوگ جو راستباز ہیں
تو ان کی تعداد الشاذ کالمعدوم کی مصداق ہوگی۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ
کلکٹر اپنی تنخواہ سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اس کے باوجود چند ہی
سال میں وافر دولت پیدا کر لیتے ہیں اور جس طریقے سے یہ کیا جاتا
ہے وہ بالکل عام فہم ہے۔ جب لگان نقد رقم کی شکل میں ادا ہوتا
ہے تو وہ حکومت کی حقیقی جمعبندی سے کم بتاتے ہیں اور جب
اجناس میں ادائی ہوتی ہے تو اس وقت وہ زمینوں کی پیداوار یا
ان کے اجناس کی فروخت گھٹا کر بتاتے ہیں۔ یہ کہنا بے سود ہے کہ
کلکٹر اپنے علم و اخلاق کی وجہ سے ان ذلیل افعال کی طرف راغب
نہ ہوں گے کیونکہ واقعات اس کلیۂ مفروضہ کے خلاف ہیں۔"

سنہ ۱۷۹۸ء تک بڑے محل کے نو حاصل کردہ اضلاع میں
رعیت واری بندوبست تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

"بڑے محل کی پوری پیمائش اب مکمل ہو چکی ہے اور لگان بھی مقرر کر دئے گئے ہیں ۔۔۔ بڑے محل میں کاشتکاروں کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ انتظام مالگزاری میں تفصیلی اہتمام کی ضرورت ہے ۔ لیکن اس میں کوئی مشکل حائل نہیں کیونکہ ہمیشہ اس پر توجہ رکھنے کے سوا کچھ اور کرنا نہیں ہے ملک کے لئے بھی یہی بہتر ہے اور کلکٹر کیلئے بھی یہی آسان ہے کہ دس بارہ زمینداروں یا مالکان اراضی کے توسط سے لگان کی رقم وصول کرنے کے بجائے ساٹھ ہزار کاشتکاروں سے ہی براہ راست یہ رقم وصول کی جائے ۔ ملک کے اس حصے کا لگان جو میری نگرانی میں تھا گزشتہ سال ایک لاکھ پینسٹھ ہزار پگوڈا ہوا تھا جو بغیر ایک روپے کا بقایا چھوڑے اندرون سال ہی سہولت کے ساتھ بیس ہزار کاشتکاروں سے جمع کر لیا گیا۔"

اس مراسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ تامس منرو ان علاقوں میں رعیت واری بند وبست کا طرفدار تھا جہاں کوئی موروثی زمیندار موجود نہ تھا چنانچہ بنگالے اور شمالی سرکار کے ان مقامات میں جہاں کا مروجہ نظام یہ تھا کہ بڑے بڑے زمیندار مالک اراضی ہوتے تھے حکومت نے زمینداری بند وبست ہی قائم رکھا اور زمینداروں کیساتھ تعین رقم عمل میں آتا رہا ۔ دوسرے مقامات میں جہاں کا مروجہ نظام یہ تھا کہ براہ راست رعیت ہی سرکار کو مالگزاری ادا کرتی تھی وہاں منرو نے یہی نظام برقرار رکھا اور رعیت سے براہ راست تعین رقم کرتا رہا ۔ مگر دونوں صورتوں میں یہ ضروری اور اہم تھا کہ زراعت کی ترقی اور رعایا کی خوشحالی کے لئے ایک حد تک حکومت کے مطالبات کی شکل غیر متغیر اور دوامی رہے بنگالے میں تو لارڈ کارنوالس نے اتنا کر دیا لیکن ٹامس منرو نے اگرچہ اُس کی خواہش بھی ظاہر کی اور مدراس کے لئے اسی کی تجویز بھی کی مگر وہاں یہ ہونا تھا نہ ہوا اور یہی مہلک نقص جنوبی ہند کے بند وبست اراضی میں موجود ہے ۔

بڑے محل سے منرو کی کنارا پر منتقلی عمل میں آئی جہاں اُس نے اپنی عادت کے مطابق قابلیت اور کامیابی کے ساتھ ایک سال کے اندر اندر بندوبست کا تمام کام مکمل کر دیا۔ یہاں بندوبست مالکان اراضی سے کیا گیا تھا۔

سنہ ۱۸۰۰ء میں منرو نے یہ تحریر کیا کہ "میں یہاں اس لئے آیا کہ جب مجھ کو اال سمجھ کر اس ملک کے حقیقی محاصل کو دریافت کرنے کے لئے نامزد کیا گیا تھا تو میں بغیر اپنے فرض سے بادی النظر میں دست بردار ہو جانے کے اس دشوار کام کو اپنے سر لینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور اب چونکہ یہ کام ہو چکا ہے اور اس وقفے کے سوا جو کسی فوج کشی کی وجہ سے واقع ہوا ہے یہاں کی جمع بھی قسطوں پر بلا ناغہ وصول ہو رہی ہے جیسے کہ بڑے محل کی بلکہ اس سے بھی زیادہ تسلسل کیساتھ تو میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میرا کام اب ختم ہو چکا ہے"

"میں نے ہر وقت رقم مالگزاری کا تعین تمام تر مالکان اراضی سے ہی کیا ہے اور جہاں مالک اراضی کوئی نہ تھا ان مقدمات میں موجودہ قابض اراضی سے بندوبست کر لینا پڑا .... زمینوں کی پیداوار کو بخوبی معلوم کر لیا گیا تھا کیونکہ فریقین نے اپنے اپنے حسابات پیش کئے تھے ایک بھی مثال ایسی نہیں ملی جہاں سرکار کا حصہ ایک ثلث سے زیادہ کا ہو اور اکثر میں تو پیداوار خام کا ایک خمس یا چھٹا حصہ بھی نہ تھا اور بعض مقامات میں تو عشر عشیر بھی نہ تھا"

سنہ ۱۸۰۰ء میں کرشنا اور تمبھدرا کا درمیانی علاقہ حضور نظام دکن نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دیا اُس وقت تامس منرو کو جس نے بڑا محل اور کنارا کا بندوبست کیا تھا اس علاقے کا بندوبست کرنے کیلئے منتخب کیا گیا اس لئے ان اضلاع کی تفویض کو منرو کے انتظام دیوانی کا تیسرا میدان کارگزاری کہنا بجا ہو گا۔ یہاں بھی اپنی مسلمہ قابلیت اور

تفصیلی معلومات کے ساتھ منرو نے اس کام کو جس خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے وہ اعتراض سے بالا ہے۔ البتہ خود منرو کو اس بات کا اعتراف ہے کہ حکام مال کے اشد ضروری مطالبات کی وجہ سے وہ رعایا کے ساتھ وہ سلوک نہ کرسکا جو اس کی قوت فیصلہ بتا رہی تھی اور یہ اعتراف منرو نے اس کشادہ دلی کے ساتھ کیا ہے کہ تنقید کا منھ بند ہو جاتا ہے۔

"اگر مجھ کو اس کا یقین ہو جائے کہ مجلس مالگزاری اور حکومت کے یکے بعد دیگرے جو ارکان منتخب ہوں گے وہ سب محاصل کے تدریجی اور رفتہ رفتہ اضافوں کی تائید کرتے رہیں گے جیسی کہ تجویز پیش کی جا چکی ہے تو میں بلاشک وشبہ اسی پر قائم رہتا لیکن یہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ مجھ کو اس کی فرصت ملے گی عہدہ داران با اختیار کی عام طور پر یہی خواہش ہوتی ہے کہ ملک یا کم از کم سرکاری محاصل اُن کی سرپرستی میں ترقی پذیر رہے یہی خواہش اس بات پر غالباً مجھ کو بھی مجبور کردے گی کہ میں بھی تیزی سے آگے قدم بڑھاؤں۔ جتنی جتنی میری عمر زیادہ ہوتی جائے گی شاید میں دل کا کمزور بن جاؤں گا اور دوسروں کے اظہار نفرت کے خیال سے ڈرنے لگوں گا۔ اگر میں اپنے جانشین کے لئے محاصل میں کسی اضافے کی گنجائش چھوڑتا ہوں تو یہ کہا جائے گا کہ میں نے رعایا کو حکومت کے حقوق دبا بیٹھنے کا موقع دیا .... سردست مجھ کو ان معاملات میں عجلت کرنے کا خیال نہیں ہے گو میں سرکاری ضرورت کی خاطر مالی امداد کے لئے رعیت پر ضرورت سے زیادہ دباؤ ڈالوں گا۔"

جس وقت منرو نے یہ لکھا تھا اس وقت اُس کے پیش نظر اُس کے دوست "رج" کا واقعہ تھا "رج" خدمت سے اس الزام پر برطرف ہونے کو تھا کہ اُس نے کرناٹک میں ایسا تعین محاصل

کیا تھا جس کو مجلس مالگزاری نہایت قلیل المقدار سمجھتی تھی۔ کمپنی کی حکومت اپنے مال کے عہدہ داروں پر اس طرح کے ناواجبی دباؤ سے اپنی نو حاصل کردہ عملداری میں مالگزاری اس قدر زیادہ مشخص کر رہی تھی کہ اس طرح کی زیادتی کاشتکاران اراضی کے حق میں نہایت سخت اور شدید تھی۔

"افواہ ہے کہ مجلس کی رائے میں کرناٹک کے بندوبست میں "مسٹر" نے بہت عجلت کی اور رقم بھی جو مشخص کی وہ بھی نہایت ہی قلیل المقدار اور یہ بھی کہ اس لئے اپنے قدیم دوست لچھمن راؤ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا۔ "ج" کہتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر رقم کو کم مشخص اس غرض سے کیا تھا کہ اس کے بعد وہ زیادہ سہولت کے ساتھ اس میں اضافہ کر سکے مجھ کو اسکی برطرفی پر سخت افسوس و رنج ہوگا۔ نہ صرف اس لئے کہ مجھ کو اس کے قدیم دوست ہونے کی وجہ سے اس سے انس ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اس کی ایک عمر سررشتہ مالگزاری کی نوکری میں گزر چکی ہے اور مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ اس کی شادی کے واقعے کی وجہ سے اس کیلئے اس دنیا میں اب کچھ نہیں رہا۔ میں یہ بھی سختی سمجھتا ہوں کہ کسی آدمی کو محض اس کی رائے کے غلط ہونے کی وجہ سے خدمت سے برطرف کر دیا جائے۔ میری رائے میں اظہار ناپسندیدگی ایسے مواقع پر کافی ہے اور آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ یہ غلطی بھی ایک طرح درست تھی۔"

سات سال تک ان اضلاع مفوضہ کا انتظام کرنے کے بعد ٹامس منرو نے آخر کار اپنی انتھک کوششوں سے سستانے کے لئے کہ آرام کا وہ مستحق ضرور تھا ۱۸۰۷ء میں ہندوستان کو خیرباد کہا۔ حکام وقت نے محاصل کے ان تدریجی اضافہ جات پر جو سات سال کے اندر اندر (۴۰۲۶۳۷) پونڈ سے (۶۰۶۹۰۹) پونڈ یعنی پچاس

فی صدی پر پہنچ گئے تھے نہایت خوشنودی کا اظہار کیا اور یہی نتائج تھے جن سے کمپنی اپنے عہدہ داروں کی کارگزاری کو جانچتی تھی۔

باقی اضلاع میں دوسرے عہدہ داروں نے بندوبست کی تکمیل کی۔ ملیبار ۱۷۹۲ء میں کمپنی کے مقبوضات میں داخل ہوا اور تھوڑی مدت تک صوبۂ بمبئی میں شامل رہا۔ بمبئی کی حکومت نے راجاؤں اور ملیبار کے نائرسرداروں سے پہلے دو مرتبہ سالانہ اور اسکے بعد پنج سالہ بندوبست کیا۔ راجاؤں اور نائرسرداروں کے محاصل بروقت ادا نہ کرنے پر اُن کی زمینیں اُن سے چھین لی گئیں جس پر ان سب نے بغاوت شروع کردی۔ بمبئی کی حکومت جب اس طرح اپنے انتظام مملکت میں ناکامیاب ثابت ہوئی تو ملیبار ۱۸۰۰ء میں صوبۂ مدراس میں منتقل کردیا گیا۔ لارڈ کلائیو نے جو گورنر وقت تھا ایک صدر کلکٹر اور اُس کے تحت اور کلکٹروں کو اس علاقے کے انتظام کے لئے مقرر کیا۔ تعین مالگزاری کچھ تو مالکان اراضی سے کیا گیا اور کچھ کاشتکاروں سے لیکن انتظام مالگزاری کا جو نظام عام طور پر اختیار کیا گیا وہ رعیت واری نظام ہی تھا جو اب حکام کی نظروں پر چڑھ رہا تھا موروثی راجہ اور نائرسردار جو ملیبار میں انگریزی راج کے پہلے سے زمینوں کے مالک تھے آہستہ آہستہ اس طرح بے دخل کئے گئے کہ آخر کار اس منظر ہی سے غائب ہو گئے۔ صحیح تدبیر تو یہ ہوتی کہ قدیم طریقے برقرار رکھے جاتے راجاؤں اور نائرسرداروں کو انگریزی حکومت کی اطاعت سکھائی جاتی اور وہی قوم کے رہنما رہتے۔ لیکن اس خواہش کا اثر کہ کاشتکاروں سے تعین مالگزاری کا معاملہ براہ راست کیا جائے تاکہ جس قدر زمینوں سے وصول ہو سکے وصول کیا جائے کمپنی کی حکمت عملی پر جتنا جتنا زمانہ گزرتا گیا اُتنا اُتنا برابر اور مسلسل طور پر روز افزوں پڑتا رہا۔

۱۷۹۹ء میں لارڈ ویلزلی نے تنجور کا الحاق کرلیا۔ اس ریاست

کے کاشتکار اپنے اپنے راجاؤں کو زر لگان پٹکداروں کے توسط سے ادا کرتے تھے جو بمنزلہ رعیت کے سرداروں کے تھے پٹکداروں کے حلقۂ عمل میں ایک سے لے کر ایک سو اٹھائیس تک گاؤں ہوتے تھے اور اکثر پٹکدار اصل میں زمینداروں کی حیثیت رکھتے تھے انگریزی حکومت نے ان پٹکداروں کا بالکل صفایا کر دیا۔ اور ۱۸۰۴ء میں رعیت واری نظام کی ترویج کی۔ زمینوں کی پیمائش پر جو تعین قیمت کیا گیا اس کے موافق تعین محاصل کرنے کے بجائے چند سالہ پیداوار کے اوسط پر محاصل مقرر کر دیا گیا۔

لارڈ کارنوالس اور نواب کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا پہلے پہل اُس کی رو سے اور سب سے آخر ۱۸۰۱ء میں لارڈ ولزلی نے کرناٹک کا جو الحاق کر لیا تھا اس کی بنا پر کرناٹک کا انتظام مملکت ایسٹ انڈیا کمپنی پر منتقل ہوا۔ اس عملداری کا ایک بڑا حصہ پشتہا پشت اور صدیوں سے مقامی فوجی سرداروں کے زیر حکومت تھا جن کو "پالی گار" کہا جاتا تھا۔

"پالی گار" گاؤں کے سردار ہوتے تھے یا دوسرے قسم کے سرکاری ملازم تھے جن کی پہلی حقیقی حالت دکن کے انقلابی زمانے میں بدل گئی تھی اور اب یہ فوجی حکمران بن بیٹھے تھے کیونکہ اس انقلاب قوت کی وجہ سے اصلی حکام کی قوت غصب ہو چکی تھی بالخصوص جزیرہ نمائے ہند کے جنوبی حصے میں یہ بات سب مقامات سے زیادہ نمایاں تھی جہاں اسناد پیش ہوئے ان اسناد میں بھی خاص طور پر ان شرائط کا بیان نہیں تھا جن پر اُن کے "پالم" یعنی جاگیریں اُن کے زیر قبضہ تھیں بلکہ یہ اندرونی شہادت خود انہیں پائی جاتی تھی کہ وہ شہنشاہ کے دست نگر تھے اور کرناٹک کے صوبہ داروں کے ماتحت بھی تھے جن کو وہ خراج ادا کرتے تھے اور جب کبھی صوبہ داروں کی طرف سے وہ طلب کئے جاتے تھے

تو ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے حد اختیار کی وسعت کے تناسب فوج لیکر فوراً حاضر ہو جائیں "

ان "پالی گاروں" کی حالت پر وارن ہیسٹنگز کے زمانے سے اب تک بہت کچھ تباہ فرسائی کی گئی تھی۔ نواب کرناٹک نے اپنے برطانوی حلیفوں سے اکثر امداد اس لئے چاہی تھی کہ اپنی قوت عام لوگوں پر پھیلانے کے لئے ان مقامی سرداروں کو نیست و نابود کردے لیکن مجلس نظما کو یہ بات ناگوار تھی کہ پالی گاروں کے خلاف نواب کے لئے انگریزی فوج سے یہ ناخوش گوار خدمت لی جائے۔ چنانچہ انھوں نے صاف صاف یہ احکام صادر کئے تھے کہ "دیسی رؤسا کو جن کو پالی گار کہا جاتا ہے سرے سے میٹ نہیں دینا چاہئے" انھوں نے اس بات کو انسانی ہمدردی کے خلاف سمجھا کہ ان پالی گاروں کو اس خوفناک انتہا پر پہنچا دیں جہاں ان کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن رہے۔ نظما کو اس بات کا بھی ڈر لگا ہوا تھا کہ نواب کی حکومت کچھ نرم دلی میں مشہور نہ تھی اور جمع محاصل میں بے شمار ظلم و تعدی کرتی تھی۔ اگرچہ انھیں یہ خبر تھی کہ کرناٹک کے لوگ متعدد مصائب برداشت کرنے کے عادی ہو چلے تھے لیکن ان کے خیال میں نواب کرناٹک کا ظلم ان سب مصیبتوں سے بھی بڑھ کر تھا۔

سنہ ۱۷۹۲ء میں کارنوالس نے نواب کرناٹک سے جو معاہدہ کیا تھا اُس کے اختتام کے بعد نظما نے اپنے مراسلے مرقومہ ۱۰ جون سنہ ۱۷۹۵ء میں اس معاہدے کے اصول پر جی کھول کر بحث کی اس کے بعد ہندوستان میں بھی اس پر بحث و مباحث ہوئے اور سنہ ۱۷۹۶ء میں لارڈ ہیوبرٹ گورنر مدراس نے ایک یادداشت قلمبند کی جس میں پالی گاروں کو انگریزی حکومت کے مطیع و باجگزار اور کارآمد رعایا بنانے کے طریقے تجویز کئے۔ اس کے جواب میں

نظام نے ۵ جون ۱۷۹۹ء کا مراسلہ بھیجا جس میں وہ پالی گاروں کی فوجی
قوت کو قطعاً فرو کرنے پر مصر تھے اور اس تجویز پر بھی کہ پالی گار جتنی رقم
بطور خراج پہلے ادا کرتے تھے اس سے زیادہ اب ادا کریں۔ اس مراسلے
کے زعم پر مدراس کے حکام عقل و انصاف کی حد سے بڑھ گئے۔
۱۷۹۹ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان انھوں نے ایک ایسا بندوبست
کیا جس کی رو سے پالی گاروں کی وہ تمام اراضی جو گانوں کے باہر
واقع تھی انگریزوں ہی کے قبضے میں رہیں اور اتنی مالگزاری کا مطالبہ
کیا جو پہلے سے ایک سو سترہ فی صد زیادہ تھی اس پر جنوبی پالی گار
بغاوت کے لئے ہتھیار لے کر اٹھ کھڑے ہو گئے مگر یہ بلوہ جلدی سے
فرو کر دیا گیا۔ باغیوں کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور بعض کو توسولی
بھی دی گئی۔ محاصل کے متعلق اس بات کا اعلان کیا گیا کہ اسمیں
کئی سال تک یوں ہی اضافہ ہوتا رہے گا مگر جمع خام کے دو ثلث
حصے کے مساوی رقم ہونے پر محاصل غیر متغیر رہے گا۔ آخر میں
۱۸۰۳ء میں ان چودہ جاگیروں کے لئے ایک دوامی بندوبست
کیا گیا جو ابھی جنوبی پالی گاروں کے ہی قبضے میں تھیں اور رقم مالگزاری
جو مشخص کی گئی وہ ۱۷۹۹ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیانی بندوبست
کے ظالمانہ مطالبات کے مقابل کسی قدر اعتدال پر مبنی تھی کیونکہ
یہ رقم خام آمدنی کے اکتالیس سے لے کر اکاون فی صد تک معین
کی گئی تھی۔ یہ جاگیریں ضلع ٹناولی میں واقع تھیں اور اسی طرح کے
بندوبست پالی گاروں کے ساتھ شیوا گنگا اور رامناد میں بھی
کئے گئے۔

۱۸۰۲ء میں مغربی پالی گاروں سے بھی دوامی بندوبست عمل
میں آیا لیکن چیتور کے پالی گاروں کے لئے جو ملحقات کرناٹک کیساتھ
انگریزی عملداری میں آگئے تھے مشیت نے اس سے زیادہ خرابی
اٹھا رکھی تھی انھوں نے انگریزوں کے دعاوی کی مزاحمت کی تو

اُن کو اپنے قلعوں کو چھوڑ کر جنگلوں میں پناہ لینی پڑی چند کے سوائے چتور کے پالی گاروں کی سب جاگیریں خالصہ کرلی گئیں اور پٹہ داروں سے براہ راست بندوبست عمل میں لایا گیا۔

ایک صدی کے گزر جانیکے بعد ان واقعات پر نظر ڈالنے سے افسوس ہوتا ہے کہ کرناٹک میں پالی گاروں کو جس حکمت عملی سے در اصل نیست و نابود کر دیا وہ ظالمانہ ضرور تھی اور قابل افسوس بھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء پالی گاروں کی فوجی قوت سلب کرلینے میں حق بجانب تھے کیونکہ موجودہ نظام مملکت میں ایسی قوت لازمی طور پر صرف سلطنت ہی کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے۔ لیکن یہ حکمت عملی عقل و انصاف پر مبنی نہ تھی کہ گاؤں سے باہر جو اُن کی جاگیریں تھیں اُن سب سے اُن کو بے دخل کر دیا جائے اور ان سے محاصل میں ناگہانی اور ظالمانہ اضافوں کے مطالبات کئے جائیں یا اُن کو بغاوت کی یہ سزا دی جائے کہ اُن کو سرے سے ٹھکرا کر نیست و نابود کر دیا جائے۔ سترہ اور اٹھارہ صدی عیسوی کے جنوبی ہند کی لڑائیوں کے پریشان کن اور پر مصائب دوران میں پالی گاروں نے ایک حد تک امن و قاعدہ اپنی اپنی جاگیروں میں قائم کر دیا تھا۔ اور ایسے زمانے میں جبکہ اس سرزمین میں اور کوئی باضابطہ حکومت تھی ہی نہیں انھوں نے جلاہوں اور دستکاروں کے جان و مال کی حفاظت کی تھی کاشتکاروں کو اپنی پناہ میں لیا تھا تمام جنوبی ہند میں آبپاشی کے لئے بڑی بڑی نہریں اور تالاب بنوائے تھے اور کرناٹک کی ابتدائی لڑائیوں میں جب مدراس کو فرانسیسیوں نے فتح کر لیا تھا اُس وقت خود انگریزوں کو اپنے یہاں پناہ دی تھی اگر پالی گاروں پر بلوہ اور لوگوں پر ظلم کرنے کا الزام تھا تو یہ نقص سترہ اور اٹھارہ صدی عیسوی میں ایشیا اور یورپ کے سرداروں اور امراء میں عام تھا اور عاقلانہ تدبر تو یہ ہوتا کہ پالیگاروں

کی بیخ کنی کے بجائے ایک ضابطہ اور قاعدے کے تحت ان کو لانے کی کوشش کی جاتی کسی سرزمین کے قدیم اداراے کو تبدیل کرنا کسی حکومت کے لئے بھی عاقلانہ حکمت عملی نہیں ہے اور بدیسی حکومت کے لئے تو یہ حکمت عملی انسانی ہمدردی پر مبنی ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ کسی جماعت کو بالکل ہٹا دے اور اُس کے حقوق ملکیت اس لئے ضبط کر لے کہ کاشتکاروں سے براہ راست تعین مالگزاری کرنے میں وہ اپنی آمدنی میں حسب دلخواہ اضافہ کر سکتی ہے۔

مدراس میں لارڈ ولزلی کی حکومت کی حکمت عملی بنگالے میں لارڈ کارنوالس کی حکمت عملی کے مقابل تشدد آمیز اور قبیح نظر آتی ہے۔ لارڈ کارنوالس نے جب دیکھا کہ بنگالے کے مزارعین موروثی زمینداروں کے تحت ہیں تو اُس نے زمینداری اداراے کو مستحکم اور مدام بنا دیا مگر لارڈ ولزلی کی حکومت نے جب کرناٹک کے ایک بڑے حصے کو پالیگاروں کے دباؤ میں پایا تو اُس نے رعایا کو اپنی راست نگرانی میں لینے کے لئے پالیگاروں کی بیخ کنی ہی کر دی۔ لارڈ کارنوالس کے دل میں قدیم اداراے کا احترام تھا اور اس طرح اُس نے بنگالے میں ایک کثیر خوش حال اور قانع متوسط طبقہ محفوظ چھوڑ دیا۔ لارڈ ویلزلی نے اسی طبقے کو مدراس سے ایسا نیست و نابود کر دیا کہ انگریزوں کے راج کے ایک صدی بعد بھی اس نقصان کی وہاں تلافی نہ ہو سکی۔ مدراس میں کوئی پر زور با اثر خوشحال متوسط طبقہ اب ایسا نہیں ہے جو کاشتکاروں اور بدیسی حکومت کے درمیان فطرتی تعلق کی ایک کڑی بن سکے۔

لارڈ ویلزلی کی حکومت کی حکمت عملی مدراس میں فرانسیسی انقلاب کی حکمت عملی سے ایک گونہ مشابہت رکھتی تھی کیونکہ چند سال سے قبل فرانس میں بھی جاگیردار و امرار کے حقوق ضبط کر لئے گئے تھے۔ اگرچہ فرانسیسی امرار نے اس طرح جو کچھ بھی کھویا

اس میں نہ فرانسیسی قوم کا فائدہ ہوا لیکن جو کچھ "پالی گاروں" نے مدراس میں نقصان اُٹھایا اس سے محض ایک بدیسی تجارتی کمپنی کو ہی فائدہ پہنچا۔ پالی گار جو کچھ زر لگان اپنی رعایا سے وصول کرتے تھے وہ اُن ہی پر خرچ کرتے تھے اور مختلف ذرائع سے گویا یہ اُنھیں کی جیبوں میں واپس جاتا تھا اور اُن کی تجارت اور اُن کی صنعت وحرفت کو بار آور کرتا تھا مگر پالی گاروں کے نیست ونابود ہو جانے کے بعد جو رقم مالگزاری کمپنی کے ہاتھ میں آتی تھی اُس میں سے انتظام مملکت کے مصارف ادا کرنے کے بعد مابقی رقم تمام وکمال بدیسی تاجروں کے منافع کی صورت میں غیر ملکوں کو ارسال کر دی جاتی تھی کمپنی کے ایک لائق ترین ناظم نے کہا تھا کہ "یہ بات نہ چھپائے چھپ سکتی ہے اور نہ انکار سے جھٹلائی جا سکتی ہے کہ رعیت واری نظام کا اصل مقصد یہی ہے کہ حکومت کے لئے اسی قدر لگان اراضی پر وصول کیا جائے جس قدر ممکن ہو" پچھلے صفحات میں ہم نے مختصر مگر مسلسل طور پر مدراس کے بند وبست ۱۸۰۰ء تک کے حالات بیان کئے ہیں اور شمالی سرکار کے اُن انتظامات مالگزاری پر نظر ثانی بھی کی ہے جو ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۵ء کے دوامی بند وبست پر پہنچ کر ختم ہوئے۔ ٹامس منرو کے بڑے محل کنٹرا اور اضلاع مفوضہ کے بند وبست کا بھی حوالہ دیا ہے ملیبار اور تنجور میں جو کچھ عمل کیا گیا تھا اُس کو اور کرناٹک کے اُن سب معاملات کو بھی بیان کر دیا ہے جہاں چند پالی گاروں کے ساتھ جو باقی رہ گئے تھے دوامی بند وبست کیا گیا مگر اس صوبے کے زیادہ تر حصے میں کاشتکاروں سے ہی براہ راست بند وبست عمل میں آنے پر یہ قصہ ختم ہوا۔

ان تمام بند وبستوں کا نتیجہ مسلکہ فہرست سے بہترین طریقے

پر نظر آتا ہے وہو ہذا ــ

جہاں دوامی بندوبست ہوا

نواح مدراس کے جاگیرات	سنہ ۱۸۰۱-۱۸۰۲ء
شمالی سرکار	سنہ ۱۸۰۲-۱۸۰۵ء
سالم مغربی اقطاع کے پالی گاروں کی جاگیرات چتور کے پالی گاروں کی جاگیرات جنوبی اقطاع کے پالی گاروں کی جاگیرات	سنہ ۱۸۰۲-۱۸۰۳ء
رامناد	سنہ ۱۸۰۳-۱۸۰۴ء
کرشناگیری	سنہ ۱۸۰۴-۱۸۰۵ء
ڈنڈیگل	سنہ ۱۸۰۴-۱۸۰۵ء
ٹریویٹ اپورم سواضعات جاگیری	سنہ ۱۸۰۶-۱۸۰۷ء

جہاں دوامی بندوبست نہیں ہوا

میسور:
ملیبار
کنارا
کوئمبٹور
اضلاع مفوضہ
بالاگھاٹ

کرناٹک:
پالناد
نلور اور انگلول
ارکاٹ
ستی دراد
ترچناپلی
مدورہ
تھنولی

اوپر کے بیان سے یہ واضح ہو گا کہ مدراس میں جیسے جیسے زمینداروں پالی گاروں اور دوسرے سرداروں کے ساتھ بندوبست کرنے کا طریقہ نامقبول ہوتا گیا ویسے ویسے کاشتکاروں اور رعیت کے ساتھ براہ راست بندوبست کرنے کا طریقہ پسندیدہ ہوتا گیا چنانچہ اس صوبے کے لئے رعیت واری نظام کو آخری مرتبہ کس طرح تسلیم کر لیا گیا اس کا بیان آٹھویں اور نویں باب میں آتا ہے۔

آٹھواں باب

مل دیہی یا شخصی اسامیاں؟ مدراس میں ایک مباحثہ

سنہ ۱۸۰۷ء تا سنہ ۱۸۲۰ء

پچھلے باب کے آخر میں جو فہرست درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۰۷ء میں مدراس کے کن اضلاع میں دوامی بندوبست ہو چکا تھا اور کن میں نہیں۔ اس وقت اس مسئلے پر بحث مباحثے بھی ہوئے تھے کہ جہاں ایسا بندوبست نہیں ہوا ہے وہاں کس قسم کا مستقل انتظام ہونا چاہئے۔

کیا وہی دوامی بندوبست زمینداری جس کو لارڈ کارنوالس نے بنگالے میں رائج کیا تھا یہاں بھی رائج کیا جائے؟

یا دوامی رعیت واری بندوبست جس کی ٹامس منرو نے تجویز کی تھی یہاں اختیار کیا جائے گا؟

یا دوامی موضع واری بندوبست یعنی ہر ملت دیہی سے اجمالی بندوبست پر آخر کار تصفیہ کر دیا جائے جیسی کہ مدراس کی مجلس مالگزاری

نے تجویز پیش کی تھی۔

ہندوستان کی تمام معاشی تاریخ میں اس اہم مسئلے پر جو مباحثے ہوئے ان سے زیادہ دلچسپ کوئی اور باب نہیں ہے۔

اضلاع مفوضہ میں ہفت سالہ محنت شاقہ کے بعد ۱۸۰۷ء میں یورپ کو مراجعت کرنے کے موقع پر ٹامس منرو نے اپنی مشہور و معروف کیفیت قلمبند کی جس میں اس نے ان اضلاع کے لئے دوامی رعیت واری بند وبست کی تجویز پیش کی۔ اس میں قرار محاصل کو بھی بیان کیا جو اس نے جمع کیا تھا اور جو خام پیداوار کا پینتالیس فی صد حصہ ہوتا تھا اس نے اس محاصل میں ایک چوتھائی کمی کی سفارش کے ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ اس کمی کے بعد بھی محصول دواماً مشخص کر دیا جائے۔

"چونکہ پیداوار کا ایک ثلث حصہ وہ انتہائی حد ہے جس پر مالکان اراضی کو تباہ و برباد کرنے کے بغیر عام طور پر محصول تشخیص کیا جا سکتا ہے اور چونکہ یہی وہ حد ہے جس پر کاشتکاروں کے سوا اور اشخاص کو بغیر نقصان کے سرکاری اراضی پر قابض ہونے کی ترغیب کے لئے محصول کو گھٹانا لازمی ہے تو یہ ظاہر ہے کہ جبتک محصول اس حد تک نہ گھٹایا جائے گا اس وقت تک ہر طبقے کے اشخاص نہ تو اراضی پر قابض ہونا چاہیں گے نہ زمین خانگی ملک بن سکتی ہے اور نہ کوئی ایسا دوامی بند وبست ہی کیا جا سکتا ہے جس سے رعیت کو یا محاصل عامہ کو کوئی فائدہ پہنچے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اضلاع مفوضہ کے دوامی بند وبست میں سرکاری لگان خام پیداوار کا قریب قریب ایک ثلث حصہ ہونا چاہیئے موجودہ محصول تقریباً پینتالیس فی صدی ہوتا ہے اس کو مجوزہ معیار پر لانے کے لئے پچیس فی صد کی معافی ضروری ہوگی جیساکہ ذیل کی مثال سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:-

جملہ خام پیداوار	۱۰۰
سرکاری حصہ موجودہ محصول کے مطابق	۴۵
پچیس فی صد منہائی	$11\frac{1}{4}$
سرکار کا حصۂ مجوزہ دوامی تشخیص کے مطابق	$33\frac{3}{4}$

"اب میں وہ طریقۂ کار بیان کرتا ہوں جو اضلاع مفوضہ میں دوامی رعیت واری بندوبست کی ترویج کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے ....

(۱) بندوبست رعیت واری ہونا چاہئے۔

(۲) زیر کاشت زمینوں کی وسعت کی مناسبت سے بندوبست کی رقم سالانہ بڑھتی اور گھٹتی رہنا چاہئے۔

(۳) تمام زمینوں پر فی صد پچیس کی نئی پیمائش کے مجوزہ شرح محصول پر کی جانی چاہئے۔

(۴) اس کے علاوہ ان تمام زمینوں پر آٹھ فی صد یا جملہ تینتیس فی صد محصول میں کمی کی اجازت دینی چاہئے جن کی آبپاشی باؤلیوں سے ہوتی ہے یا ندیوں اور نالوں سے، آلات اور کل کے ذریعے پانی نکالنے سے ہوتی ہے بشرطیکہ کاشتکار ان باؤلیوں اور کنوؤں کی بصرف خود مرمت کرتے ہوں۔

(۵) رعیت کے ہر فرد کو اختیار ہوگا کہ ہر سال کے ختم پر اپنی اپنی حسب حیثیت چاہے وہ اپنی اراضی کے کچھ حصے سے دست بردار ہو جائے یا چاہے اور اراضی پر قبضہ حاصل کرے لیکن خواہ وہ قدیم قبضہ چھوڑے یا جدید قبضہ حاصل کرے کسی کو اس بات کا اختیار نہ ہوگا کہ وہ اپنے لئے اچھی اچھی زمینوں کا انتخاب کرلے بلکہ اچھی اور بری دونوں طرح کی زمینوں کا ایک متناسب حصہ ہوگا جو چاہے وہ لے یا چاہے چھوڑ دے۔

(۶) رعیت کا ہر فرد جب تک کہ وہ اپنے زمینات کا لگان

ادا کرتا رہے گا ان زمینوں کا بالکل مالک متصور ہوگا اور وہ مختار ہوگا کہ اپنی زمینوں کے لگان کو گھٹا بڑھا کر کسی اور کے نام پٹہ کردے یا بیچ ڈالے۔

(۷) معمولی موقعوں پر خرابیٔ فصل یا اور حادثات کی بناء پر کوئی معافی نہیں ہوگی اگر کسی وجہ سے رقم ادا نہ ہوسکے اور نادہندگان کی اراضی یا املاک سے بھی اس کی تلافی نہ کی جاسکے تو ایسی صورت میں جہاں یہ نادہندگان رہتے ہوں اُس گانوں کی رعیت پر علاوہ اپنے اپنے زر لگان کے صرف دس فی صد اس نقصان کی پابجائی کی ذمہ داری عائد ہوگی اور اس سے زیادہ نہیں۔

(۸) وہ تمام اراضی جو کسی کے قبضے میں نہیں ہے حکومت کے ہاتھ میں رہے گی اور اُس کا لگان یا اس کے اُس حصے کا لگان جو اُس کے بعد زیر کاشت رہے گا محاصل سرکاری میں شامل ہوگا۔

(۹) مکانات دکانوں اور پیشہ وروں پر جو ٹکس ہے یا لگایا جائے گا اور تمام محصول اور رسوم اجازت نامہ جات وغیرہ بلاشرکت احدے سرکار کا حق ہوگا رعیت کو جن کی زمینوں پر مکانات یا دکانیں تعمیر کی جائیں گی یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اس لگان سے زیادہ اس اراضی کے لئے وصول کریں جو ان زمینوں کا پیمائش کے بعد مقرر ہوچکا ہے۔

(۱۰) ان سب تالابوں کی ترمیم جو لگان میں مزید رعایت کی وجہ سے خانگی ملک نہیں بن گئے ہیں یا "دلس وندم" انعام نہیں ہیں بمصارف سرکاری عمل میں آئیگی۔

(۱۱) تقاوی کا طریقہ رفتہ رفتہ بند کردیا جائیگا۔

(۱۲) پٹیل کرنم اور گانوں کے دوسرے اہل کار حسب حال کلکٹر ہی کے ماتحت رہیں گے۔

(۱۳) خانگی لینڈار اگر رعیت کی املاک کی قرقی کی درخواست کریں تو اُن پر لازم ہوگا کہ وہ رعیت کی طرف سے سرکار کو بقایائے مالگذاری ادا کریں اور اس قرقی سے پہلے رقم مالگذاری کی ادائی کے لئے ضمانت داخل کریں۔

ہم نے اتنا طویل اقتباس اس لئے کیا ہے کہ رعیت واری بند وبست کے اس منصوبے کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے جو اس کے حقیقی بانی کے پیش نظر تھا یہ ضروری تھا۔ تامس منرو کی خواہش تھی کہ رعیت کے ہر فرد بشر سے علیٰحدہ علیٰحدہ تعین رقم مالگزاری کیا جائے جو دوامی ہو اور جس میں کمی و زیادتی اراضی سے متناسب ہو یعنی جتنی زیادہ یا کم زمین زیر کاشت رہے اسی کے متناسب محاصل میں بھی کمی و زیادتی کی جائے۔

لارڈ ولیم بینٹنک کی بھی جو حیثیت گورنر مدراس لارڈ کلائیو کا ۱۸۰۳ء میں جانشین مقرر ہوا بعینہ یہی رائے تھی۔ ۱۸۰۶ء میں بینٹنک نے جو یادداشت قلمبند کی اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ زمینداری بند وبست بنگالے کے لئے موزون تھا جہاں موروثی زمیندار موجود تھے لیکن مدراس کے ان علاقوں کے لئے یہ ناموزون تھا جہاں اس طرح کے مالکان اراضی نہ تھے۔

"مجھ کو یہ اطمینان ہے کہ زمینداروں کا وجود میں لانا حکومت کے اغراض اور ملت کے عام مقاصد کے خلاف ہے۔ ....
میں دوامی بند وبست کے اصول کا ہرگز مخالف نہیں ہوں بلکہ اس کا ثنا خواں ہوں اور مجھ کو یقین ہے کہ صرف اس حصۂ دنیا کیلئے ہی نہیں بلکہ تمام دُنیا کے لئے یہ مناسب حال ہے"

اور اس کے بعد کی ایک اور یادداشت میں جو اسی سال قلمبند کی گئی گورنر مذکور نے لکھا ہے کہ :-

"جبکہ رعیت کے ساتھ سالانہ بند وبست ایک معینہ اصول

کرنے سے جس سے رعیت کو اپنی محنت کے ثمرے کا ایک سال تک تیقن ہو جائے فی الواقع ایسے ہی فوائد پیدا ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ دوامی بندوبست سے بھی جو انھیں اُصول پر مبنی ہو مگر جس میں رعیت کو مزید فوائد حاصل کرنے کا وسیع موقع رہنے اور اس کے مفاد کو وسعت دی گئی ہو ایسا ہی نتیجہ پیدا ہوگا جسمیں رعیت کیلئے فوائد نسبتہً زیادہ ہوں گے۔"

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹامس منرو اور لارڈ ولیم بینٹنک نے جب رعیت واری بندوبست کی حمایت کی تھی تو ان دونوں کے پیش نظر دوامی بندوبست ہی تھا۔ ہندوستان کو خیرباد کہنے کے چھ سال کے بعد ۱۸۱۳ء میں کمپنی کے منشور کی تجدید کے وقت مجلس دارالعوام کے سامنے ٹامس منرو کا بیان قلمبند کیا گیا تو اُس نے اس مجلس پر اپنے منصوبوں کا تفصیلی انکشاف جس قدر اُس سے ممکن تھا اُسی قدر پرزور واضح اور ناقابل ابہام الفاظ میں کیا۔

"کیا مالگزاری کا کوئی دوامی انتظام ان اضلاع مفوضہ میں رائج کیا گیا ہے جس کے آپ کلکٹر رہ چکے ہیں؟"

"میرے ہندوستان سے واپس ہونے تک تو کوئی دوامی بندوبست نہیں کیا گیا تھا لیکن رعیت اپنے املاک سے بلاخوف وخطر مستفید ہو رہی تھی حتیٰ کہ تمام زمینوں پر ایک معینہ لگان مشخص کر دیا گیا تھا اور رعیت کا ہر فرد بشرا اپنی اپنی کھیتی باڑی پر دوامی قبضہ رکھنے کا مجاز تھا بشرطیکہ وہ لگان ادا کرتا رہے اور ان اراضی کے لگان پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"رعیت واری نظام کا کیا مقصد ہے براہ کرم مجلس کے سامنے اُس کی توضیح فرمائیے۔"

رعیت واری نظام کا اُصول جو میری سمجھ میں آتا ہے اُس کو

میں بیان کر دیتا ہوں ورنہ اُس کی تفصیل غالباً بہت طول طویل ہو گی۔ رعیت واری نظام کا اصل اُصول یہ ہے کہ مُلک کی تمام اراضی پر ایک محصول مقرر کیا جاتا ہے اور یہ محصول دوامی ہوتا ہے رعیت کا ہر فرد بشر جو اپنی مقبوضہ اراضی کا کاشتکار بھی ہوتا ہے اور مالک بھی اس بات کا مجاز گردانا جاتا ہے کہ وہ جتنی مدت کے لئے چاہے اس مقررہ محصول پر اپنی زمینوں پر قابض رہے اور بغیر کوئی مزید محصول ادا کرنے کے وہ دواماً ان زمینوں پر قابض رہتا ہے اگر وہ بنجر زمینوں یا اُفتادہ اراضی پر قابض ہونا چاہتا ہے تو ان جدید زمینوں کا مقررہ محصول ادا کرتا ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس کے لگان میں کسی قسم کا تغیر ہوتا ہی نہیں۔"

"کیا اس مجلس کا یہ سمجھنا بجا ہے کہ مداومت کا لحاظ کرتے رعیت واری نظام اور دوامی بند وبست بنگالہ میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے؟"

"مداومت کی حد تک تو ان دونوں طریقوں میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن رعیت واری بند وبست میں سرکار کو افتادہ زمینوں کی کاشت کے متناسب زیادہ محاصل ملتا ہے۔"

اگر زبان کوئی معنی رکھتی ہے تو یہ صاف ظاہر ہے کہ منرو نے جس رعیت واری اُصول پر تعین مالگزاری کیا تھا اور جس کی ترویج مدراس کے اور حصوں میں بھی وہ کرنا چاہتا تھا اس شرط پر مبنی تھا کہ رعیت کا ہر فرد بشر اپنی اپنی زمینوں پر اضافہ لگان ادا کرنے کے بغیر دواماً قابض رہے اِلّا اس کے کہ افتادہ اراضی پر بھی جو زیر کاشت لائی جائیں لگان ادا کیا جائے۔ اگر الفاظ کوئی نہ کوئی معینہ مطلب رکھتے ہیں تو یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مداومت کا لحاظ کرتے کارنوالس کے زمینداری بند وبست اور منرو کے

رعیت واری بند وبست میں کچھ بھی فرق نہیں بجز اس کے کہ رعیت واری بند وبست کے تحت اُفتادہ اراضی جب زیر کاشت لائی جاتی ہیں تو ان پر بھی لگان ادا کیا جاتا ہے ۔ اس بات کا اچھی طرح دلنشین کر لینا یہاں ضروری ہے کیونکہ مدراس میں انھیں زمینوں پر مقررہ غیر متغیرہ ناقابل تبدیل محاصل کے حقوق کو جو رعیت کو حاصل تھے انھیں گزشتہ چند سالوں سے مدراس کی حکومت نے بالکل نظر انداز ہی کر دیا ہے اور منرو کے رعیت واری بند وبست کا اصول اولین پس پشت ڈال دیا گیا ہے ۔

جس اثنا میں دوامی زمینداری بند وبست کا منصوبہ نامقبول ہونے لگا تھا اور منرو رعیت واری بند وبست کے منصوبے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا تھا ایک تیسرا انظام جس کو دوامی موضع واری بند وبست کہا جاتا تھا مدراس کی مجلس مالگزاری نے تجویز کیا ۵ ار اگست ۱۸۰۸ء میں منرو نے اُس وقت کے بیش قرار لگان پر پچیس فی صد کی کمی کی جو تجویز پیش کی تھی اس کے حوالے سے مجلس مالگزاری نے یہ نئی تجویز پیش کی ۔

"۲۹ ۔ یہ کرنل منرو کے منصوبے کا خاکہ ہے جو اضلاع مفوضہ کے سوائے ان تمام اضلاع کے لئے بھی موزوں و مناسب ہے جن میں ابھی کسی قسم کا بند وبست نہیں ہوا ہے ۔ اگر حکومت کے ضروریات کے باوجود اتنا ایثار ممکن ہے کہ موجودہ مقررہ لگان پر پچیس فی صد یا کم از کم پندرہ فی صد ہی معافی کی جا سکے تو ہماری رائے میں یہ بہت ہی اچھا ہوگا اور آئندہ چل کر بہت مفید و فائدہ رساں ثابت ہوگا ۔ درحقیقت اس بات پر کسی قسم کی بحث ہی فضول ہے کہ ہم کاشتکار سے اُس کی اپنی محنت کا ثمرہ جتنا کم چھین لیں گے اسیقدر وہ زیادہ مرفہ الحال ہوگا ۔

"۳۰ ۔ اگر حکومت کے ضروریات اس قدر ایثار کی اجازت

نہیں دیتے اور اگر حکومت کسی کو شخصی ملکیت کی برکتیں عطا نہیں کر سکتی ہے تو کم از کم اراضی میں شخصی مفاد کی ایک ایسی کارآمد صورت ہی پیدا کر کے اُس پر قناعت کرنی چاہیئے جیسی نظام مستاجری کے تحت ممکن ہے۔ اگر حکومت اپنے حقوق مالکانہ کے کچھ حصے سے دست بردار نہیں ہو سکتی ہے تو کم از کم زمیندار مالک اراضی تو بن سکتی ہے۔

"۳۷۔ ان حالات میں رعیت واری بند وبست کو موضع واری بند وبست میں تبدیل کر دینا جیسا کہ مسٹر ہاجلسن نے تجویز کیا ہے ملک کی خوشحالی اور سرکاری محاصل کی بلا ناغہ وصولیابی دونوں کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہوگا۔

"۳۸۔ ہر ایک موضع اور اس کے بارہ "اگاگندیاس" ملا کر ایک مختصر سا جمہوریہ ہے جہاں مقدم بھی ہے پٹیل بھی اپاڈبھی اور ریڈی بھی ہو گانوں کا سردار یا چودھری ہوتا ہے۔ اور ہندوستان اسی طرح کی جمہوری حکومتوں کا مجموعہ ہے موضع کے باشندے ایام جنگ میں اپنے اپنے گانوں کے سردار کی سنتے ہیں اور اُسی کی رہنمائی کے محتاج رہتے ہیں۔ جب تک اُن کا گانوں صحیح وسالم رہے ریاستوں کے زوال یا تقسیم سے اُن کو سروکار نہیں اور نہ اس کی پروا ہوتی ہے کہ اُن کا گانوں کس طاقت کے زیر نگین چلا گیا کیونکہ جس کسی کی بھی زیر حکومت ہو گانوں کے اندرونی انتظام میں تغیر تو ہوتا ہی نہیں گانوں کا سردار یا چودھری خواہ اس کو محاصل کا جمع کرنے والا کہیے یا مجسٹریٹ یا مستاجر مالگزاری ہر حالت میں وہاں موجود ہے۔

"۳۹۔ مانو کے زمانے سے آج تک جہاں کہیں بند وبست عمل میں آیا ہے وہ یا تو چودھریوں ہی سے کیا گیا ہے یا اُن کی وساطت سے۔ جب محاصل کی ایک معقول مقدار کا تعین ہو جاتا تھا اور چودھری بھی اس پر رضامندی ظاہر کرتے تھے تو چودھریوں پر

چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ رعیت سے اپنے حسب منشا تشخیص محاصل کر لیں۔ اگر محاصل کی رقم ضرورت سے کم ہوتی تھی اور چودھریوں کو اضافہ کرنے پر اختلاف ہوتا تھا تو عملاً ارجودھری ہی کے سامنے رعیت سے تعین مالگزاری کرتا تھا۔ یہ نظام ایک زمانے کا آزمودہ تھا اور چونکہ اس نظام کے تحت سارا صوبہ اکثر نہایت ہی سرسبز و شاداب رہتا تھا اس لئے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ زراعت کو ترقی پر پہنچانے کا مقصد عظیم اسی سے ضرور وابستہ تھا"

حکومت مدراس نے مجلس مالگزاری کے جواب میں اُس کو اکثر اضلاع میں جہاں کسی قسم کا بندوبست نہیں ہوا تھا سہ سالہ بندوبست کرنے کا مجاز بنایا جو دوامی موضع واری بندوبست کا پیش خیمہ متصور ہوتا تھا اور حکومت مدراس نے مجلس نظمار کے موسومہ مراسلے میں یہ تجویز بھی پیش کی کہ اس سہ سالہ بندوبست کے اختتام پر دہ سالہ بندوبست ایسا کیا جائے جو نظمار کی پسندیدگی پر دوامی کر دیا جائے۔

مگر نظمار دوامی بندوبست کا نام سن کر متوحش ہو گئے اور اُنھوں نے مجلس مالگزاری پر یہ الزام عائد کیا کہ اس نے احکام حاصل کئے بغیر دہ سالہ بندوبست کو جائز کیسے قرار دے دیا۔

"ان تمام اضلاع میں جہاں اس مراسلے کے وصول ہونے تک بندوبست نہیں ہوا ہے رعیت واری نظام کے اصول پر کاربند ہونا چاہئے اور جہاں کہیں دوسرے اصول پر موضع کا بندوبست ہو چکا ہے وہاں اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ ایسی پٹہ داریاں اپنی اپنی مدت کے اختتام پر ختم ہو جائیں گی"

مدراس کی حکومت نے نظمار کے اس فیصلے پر یہ اعتراض کئے کہ

"زراعت ہی پر قومی تموّل اور دولت کی بنیاد قائم ہے اور

زراعت کی توسیع و ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ غیر منقولہ جائداد واملاک پر سرکاری مطالبات محدود و معین رہیں۔ یہ فرض نہیں کرلیا گیا تھا کہ ان قیود سے حکومت کو کسی قسم کا خسارہ یا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ بلکہ ان قیود کے بغیر نہ تو زراعت کی توسیع ممکن تھی اور نہ ترقی اور نہ ملک کے ذرائع آمدنی میں اضافہ ہوسکتا تھا۔ اسلئے مذکورۂ بالا رائے کے پیش کرنے میں ہم نے دوامی بند وبست کو محض مالی مسلک کا ایک مسئلہ تصور کیا ہے اور یہی سمجھ کر اس پر غور کیا ہے مگر یہاں اس بات کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس مسئلے میں ایک اور اہمیت یہ بھی ہے کہ عام لوگوں میں جو زراعت کرتے ہیں حکومت کے ابدی قیام میں ایک گہری دائمی دلچسپی پیدا کرنا بھی اس سے مقصود ہے۔"

اس کے ایک سال کے بعد مدراس کی حکومت نے دائمی موضع واری بند وبست کی حمایت میں اور دوامی رعیت واری بند وبست کے خلاف مجلس نظار کی خدمت میں اس سے زیادہ پُرزور تحریک دوبارہ پیش کی۔

"اگر دوامی بند وبست کا اصل مقصد اپنے اپنے معاملات وکاروبار کا انتظام متعلقہ لوگوں ہی کے ہاتھ میں چھوڑ دینا ہے اس خیال سے کہ سرکاری ملازموں کے مقابل وہ خود اپنے معاملات کا انتظام کرسکتے ہیں تو ایسے رعیت واری نظام کے تحت کیا یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ تمام تر انتظام پھر بھی انھیں لوگوں کے ہاتھوں میں رہے گا جن سے چھین کر اسے دوسروں کے ہاتھوں میں منتقل کرنا مقصود تھا۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ ایسے نظام کے تحت جو خاص طور پر مالکان اراضی کے حقوق و اغراض کی حفاظت کیلئے وضع کیا گیا ہو خود مالکان اراضی زمینوں کے حقوق ملکیت سے بطور جرمانہ یا تاوان دست بردار کردئے جائیں جبکہ وہ عام یا خاص

آفت سے یا کاہلی سے یا بد انتظامی کی وجہ سے کسی ایک سال ان زمینوں کی کاشت نہ کرسکیں اور اُن کے حقوق مالکانہ ہر ایسے واقعے کے وقوع پر شریک خالصہ کردئے جائیں اس سے زیادہ ملکیت اراضی پر کوئی اور مداخلت بیجا یا دست اندازی کسی دوسرے نظام میں خواہ وہ کہیں ہو کبھی بھی نہیں کی گئی ہوگی۔ ......

کاشتکار جن زمینات سے دست بردار ہوتا ہے یا جن زمینات کو اپنے قبضے میں لیتا ہے اُن کی فریب آمیز پیمائش سے محفوظ نہیں ہے یہی نہیں بلکہ اس ظالمانہ طریقے سے بچنے کے لئے اگر وہ یہ ارادہ بھی کرلے کہ اس پر جو قیود عائد کیے گئے ہیں انھیں قائم رہنے دے تب بھی زراعت کے روزانہ کاروبار، ذرائع آبپاشی تقاوی کی تقسیم یا کسی آفت کی وجہ سے لگان کی تخفیف یہ تمام امور اُن اشخاص کے ہاتھ میں ہیں جن کو کاشتکار کی املاک سے کوئی دلچسپی ہی نہیں اور نہ اس کے احساسات کے ساتھ اُن کو کچھ ہمدردی ہوتی ہے درحقیقت کیا اچھا ہوتا کہ وہاں بھروسہ اور اعتماد کیا جاتا جہاں ذاتی اغراض اعتماد ناجائز اور بے اعتباری کے مانع تھے۔ پھر سرکاری عہدہ داروں کے بے سود اور غلط امداد کی مشکلات بیچ میں حائل ہونے کے بغیر اور اُن کے مظالم و سخت گیری سے خائف ہونے کے بغیر لوگوں کو اپنے اپنے طریقوں سے ملک کو ترقی پر پہنچانے کا موقع ملتا۔ بہرحال ہم اس بات کے مُقر ہیں کہ رعیت واری نظام جس کے جھوٹ کرنل منرو ہیں ہماری رائے میں دوامی بندوبست مالگزاری کہلانے کا کسی حال میں بھی مستحق نہیں بلکہ برخلاف اس کے اس سے مالگزاری اور املاک اراضی دونوں کی بالکل غیر بندوبست شدہ حالت ہی رہے گی اور لوگ عہدہ داران سرکاری کے تجسسانہ مداخلت بیجا کا شکار ہوں گے جس کی موجودگی میں کوئی خانگی کام نشو و نما نہیں پاسکتا۔ ....

ہندوستان کی مالگزاری کے متعلق جو موجودہ نقطۂ نظر

انگلستان کا ہے اور ہندوستان میں ہمارا ہے۔ میری رائے میں ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ انگلستان کو یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرکاری مطالبات کی زیادتی کی وجہ سے ہندوستان کے ذرائع آمدنی کے ترقی نہ پانے کی وجہ سے نہ ہو سکے اور یہاں ہماری دانست میں بلا استثنا سب کا عام خیال یہی ہے کہ سرکاری مطالبات کی وجہ سے ملک کی خوشحالی اس درجہ متاثر ہو رہی ہے کہ نہایت فیاضانہ اور منصفانہ انتظام کے بغیر ملک کے ذرائع آمدنی میں فوری اضافہ ہونے کی توقع کی جائے ان میں اور زیادہ انحطاط پیدا ہو جانے کا ڈر ہے اس خیال کو ہم معزز مجلس کے سامنے پیش کرنے میں زور دار سے زوردار الفاظ استعمال کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس بارے میں ہم آپ کی دور اندیشی آپ کی انصاف پسندی اور آپ کی انسانی ہمدردی کو مخاطب کرتے ہیں یہ آپ کی حکومت کے انتظام مملکت کی کامیابی سے اسی قدر متعلق ہے جس قدر کہ ایک کثیر آبادی کی فلاح و بہبود و خوشحالی سے اور ایک وسیع سرزمین کی سرسبزی سے جس پر فطرت خود مہربان ہے اور جو اندرونی فتنہ و فساد اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہے اور جس کو متمول اور سرسبز و شاداب بنانے کے لئے صرف اس کے ذرائع آمدنی پر سرکاری مطالبات کا مبنی براعتدال ہونا کافی ہے۔ ان عظیم مقاصد کے حصول کے مقابل جو بھی ایثار اور قربانی کی جائے وہ کس قدر کم قدر معلوم ہوتی ہے؟"

چونکہ انتظامی اور عدالتی اصلاحات اس وقت زیادہ محتاج توجہ تھے اس لئے رعیت واری اور موضع واری بندوبست کے مسئلے کے تصفیے میں تاخیر ہوئی۔ ٹامس منرو نے ہندوستان میں ستائیس سال کی محنت شاقہ کے بعد انگلستان میں سات سال آرام میں گزارے تھے کہ اس کو عدالتی نظام پر نظر ثانی کرنے کے لئے جو کمیشن مقرر ہوا تھا

اس کا صدر نشین بنا کر دوبارہ ہندوستان بھیجا گیا اور وہ ۱۶ ستمبر ۱۸۱۴ء
میں مدراس پہنچا۔ عدالتی نظام کی اصلاح میں اور ہندوستانیوں
کو عدالتی ذمہ داری کی خدمات دینے میں اُس نے کیا کیا محنتیں
اور مشقتیں اٹھائی ہیں ان کا بیان کسی اور موقع پر کیا جائے گا۔ اور
کس طرح اُس نے آخر جنگ مرہٹہ میں یہ کارنمایاں انجام دیئے
کہ نہ صرف ہندوستانیوں پر ہی اُس نے اعتماد اور کامل اعتبار
کیا بلکہ سپاہ ان کارزار میں بہت بہادری دکھائی یہ مضمون بھی اس
کتاب کے موضوع سے باہر ہے۔ اس جنگ کے اختتام پر
جنوری ۱۸۱۹ء میں منرو نے دوبارہ انگلستان کو مراجعت
کی اُس وقت بند وبست اراضی کا مسئلہ تصفیے کے لئے پیش ہوا۔

مدراس کی مجلس مالگزاری موضع واری بند وبست کی ترویج
کی اب بھی طرفدار تھی۔ اور ۱۸۱۸ء میں اس مجلس نے ایک یادداشت
قلمبند کی جو ہندوستان میں لکھی ہوئی تمام جامع اور قابل یادگار یادداشتوں
میں سے ایک ہے۔

زمینداری نظام کے بارے میں اراکین مجلس نے کہا کہ:۔

"اس آسانی اور سہولت اور قاعدے کے ساتھ یہ محاصل
جمع کیا گیا ہے کہ نہ تو اس دوران میں دیسی عمال مالگزاری سے کوئی
بیجا حرکتیں وسیع پیمانے پر وقوع پذیر ہوئیں اور نہ حکومت کو کلکٹروں
اور مجالس نگرانی کے ذریعے وہ تمام اہم فرائض اپنے سر لینے پڑے
جو سالانہ بند وبست میں لازمی ہوتے ہیں اور نہ تغلب و خیانت کے
الزامات کی تحقیقات کرنی پڑی جو سال بسال پیش آتے ہیں اس میں
اور پہلے کی حالت میں بڑا فرق نظر آتا ہے مثلاً پہلے حکومت کو سرکاروں
میں واجب الوصول رقوم کی وصولیابی کے لئے بے سود کوششیں
کرنی پڑی تھیں زمیندار اور پالیگار تھے کہ ان مطالبات سے بچنے
کے لئے حیلے حوالے لیت ولعل کرتے تھے اکثر تو زمینداری اور

بالم (جاگیر) کی اراضی سے محاصل وصول کرنے کے لئے فوج کے زور اور دباؤ سے کام لینا ضروری ہوتا تھا اور مختلف قسم کی بیجا حرکتیں جو پہلے دیسی عمالوں میں پھیلی ہوئی تھیں اُن سے سرزد ہوتی تھیں اور اب بھی یہی باتیں ان اضلاع میں شرمناک طور پر موجود ہیں جہاں عارضی بندوبست جاری ہے ....

"قدیم زمیندار اور پالیگار درحقیقت اُمرائے مُلک تھے اور اگرچہ ان میں چند کے بڑے ایسے بھی تھے کہ جن کی تفصیلی تحقیقات اُن کے حق میں مضر ثابت ہوتی برایں ہم رعایا کے ساتھ اُن کے کچھ ایسے تعلقات قائم ہو چکے تھے کہ ان تعلقات کو توڑنے کے بجائے اُن کو اور مستحکم بنانا زیادہ دوراندیشی فیاض مندی اور انصاف پسندی کی بات تھی۔ اگر ان سرکاروں میں ہمارا اقتدار ان صوبہ جات کے حصول کے وقت بھی ایسا ہی مستحکم ہوتا جیساکہ اضلاع مفوضہ کی منتقلی کے وقت بن گیا تھا تو یہ قدیم زمیندار بھی اضلاع مفوضہ کے پالیگاروں کی طرح اراضی سے بے دخل کردئے جاتے اور ان کی حالت ایسی گھٹ جاتی کہ یہ اب تک ہماری فیاضی کے خوشہ چیں ہمارے ہی وظیفہ خوار بنے رہتے۔ لیکن دیسی رؤساء سے رعایاء کو جو ایک دلی تعلق ہے اُس کا لحاظ کرتے ہوئے اور اکثر زمینداریوں کے مخصوص موقع محل کے دیکھتے ہوئے اس میں بہت کچھ شک وشبہہ کی گنجائش ہے کہ آیا اس طرح کی حکمت عملی اس قدر غیر مدبرانہ نہ ہوتی جس قدر کہ وہ غیر فیاضانہ تھی"۔

رعیت واری نظام کے متعلق اراکین نے یہ لکھا کہ:۔

"رعیت واری نظام کی ابتدا بڑے محیل اور سالم کے اضلاع سے ہوئی جو ۱۷۹۲ء میں کمپنی کو تفویض ہوئے تھے اور سب سے پہلے اس نظام کی تجویز کرنل ریڈ نے کی جو ان اضلاع کی تفویض پر انکی نگرانی کے لئے مقرر ہوا تھا اور جس کے کرنل منرو میکلاؤڈ اور کرنل گزیہم

جو اس وقت نیابت کی خدمات انجام دے رہے تھے مددگار تھے۔
"ارکاٹ کے شمالی علاقے میں میراث داروں کے خاص حقوق و رسوم بھی شریک خالصہ ہو کر داخل خزانۂ سرکار کر لئے گئے تھے۔ قصہ مختصر پیمائش کے بعد جو محصول مقرر کیا گیا تھا وہ اس قدر زیادہ تھا کہ مالکان اراضی کو جو کچھ تھوڑا حصہ لگان کا بچ رہتا تھا وہ بھی سرکاری مالگزاری میں ضم ہو گیا تھا اور اصل کاشتکار اور سرکار کے درمیان کسی کا بھی توسط نہیں رکھا گیا تھا۔۔۔
"در اصل تحصیلدار اور سررشتہ دار سال بسال رعیت واری بندوبست کرتے تھے جو عام طور پر فصل کے استادہ ہونے تک ختم نہیں ہوتا تھا۔ در طریقہ یہ تھا کہ اس وقت عملی طور پر اس فصل سے جتنا کچھ وصول ہو سکتا تھا اسی قدر رقم تشخیص کی جاتی تھی اگر فصل اچھی ہوتی تھی تو اتنا ہی زیادہ مطالبہ کیا جاتا تھا جتنا کہ پیمائش کی شرح کے اندر ہوا اور رعیت کے مقدور میں بھی ہو اور اگر فصل خراب ہو جاتی تھی تو دمڑی دمڑی تک کا مطالبہ کیا جاتا تھا اور بجز اس کے کہ رعیت کے لئے لگان کی ادائی بالکل ہی ناممکن ہوتی معافی کی نہیں جاتی تھی اور اس بات کی بڑی تحقیقات کی جاتی تھی کلکٹر کا سارا عملہ ہی نہ صرف اس کی تفصیل دریافت کرتا تھا بلکہ نادہندہ کا ہر ایک ہمسایہ جاسوسی کرتا تھا ورنہ نادہندگی کی وجہ سے وہ خود اس رقم کی ادائی کا ذمہ دار تھا الا اس کے کہ وہ یہ ثابت کر دے کہ نادہندہ کے پاس اس مطالبے کی ادائی کے قابل ملک املاک یا جائداد موجود تھی۔۔۔۔۔
"ہر کاشتکار ان تمام کھیتوں پر اپنا قبضہ قائم رکھنے پر مجبور رہتا جن کو عہدہ داران مالگزاری نے اس کے ذمے بطور اس کے حصے کے کیا تھا اور خواہ وہ ان کھیتوں کی کاشت کرے یا نہ کرے بقول مسٹر تھکرے ان کھیتوں کا لگان تو اس کو ہر حال میں ادا کرنا

ضروری تھا۔ بلاری کے کلکٹر مسٹر چیاپلن کے قول کے موافق جس کا شمار کرنل منرو کے لائق ترین سابقہ مددگاروں میں ہوتا تھا اور جو رعیت واری نظام کا اب بھی سب سے زیادہ پرزور حامی تھا رواج یہ تھا کہ اس بندوبست کے تحت "موجودہ قواعد کے خلاف انتہا درجے کا اقتدار اس غرض سے کام میں لایا جائے کہ رعیت اپنے مقدور کے موافق اراضی کی کاشت کرے" اس طرح مجبور کرنے کی تشریح وہ یوں کرتا ہے کہ کلکٹر اور اسکے دیسی عمال مالگزاری "قید کرنے اور سزا دینے کے اقتدار" کو اس کام میں لاتے ہیں۔ اور وہ خاص طور پر یہ بھی کہتا ہے کہ اگر رعیت ان مظالم کی وجہ سے اپنے کھیتوں اور کاشت کو چھوڑ کر بھاگ بھی جاتی ہے تو عملدرآمد یہ تھا کہ "مفرورین کا جہاں کہیں وہ جائیں تعاقب کیا جائے۔ اور ان پر اپنے حسب منشاء محصول لگا کر نقل مکان سے جن فوائد کی توقع ہوسکتی تھی ان سے بھی محروم کردیا جائے"۔

"نومقبوضہ ممالک کے حقیقی ذرائع آمدنی وغیرہ سے ناواقف اور اپنی پٹہ داریوں کی صحیح نوعیت سے بے خبر ہونے کے باوجود بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پردیسی فاتحین کا ایک مختصر سا گروہ جیسے ہی اس سرزمین کے ایک وسیع خطے پر قبضہ حاصل کرتا ہے جہاں مختلف اقوام آباد ہیں جن کی زبانیں جن کے رسوم اور جن کے عادات ایک دوسرے سے مختلف ہیں ویسے ہی وہ ایک ایسے کام پر کمر ہمت باندھتا ہے جو یورپ کے نہایت ہی متمدن ممالک میں بھی جہاں ہر قسم کے اعداد و شمار سے آگاہی ہوتی ہے اور جہاں کی حکومت اور رعایا میں کسی طرح کی غیریت نہیں ہوتی ہر کولیس کی ایک مہم سر کرنے کے برابر ہے یا بالفاظ دیگر ایک موہوم مقصود کی تلاش سے کم نہیں یعنی لگان کا مقرر کرنا اور وہ بھی نہ صرف ہر صوبے

یا ضلعے یا علاقے کی زمینوں پر نہ صرف ہر جاگیر یا بڑے بڑے مزرعوں پر بلکہ اپنی عملداری کے ایک ایک علیحدہ کھیت پر اس اصلاح کی جستجو میں ہماری آنکھوں کے سامنے یہ لوگ بے خیالی سے قدیمی تعلقات کو توڑ رہے ہیں یعنی ان قدیم رواجوں کو جن سے ایک موضع کا مقامی جمہوریہ دوسرے موضع کے مقامی جمہوریہ سے وابستہ تھا اور ایک طرح کے قانون تقسیم اراضی کی رو سے زمینوں پر نئے نئے لگان لگاتے ہیں اور اُن کے ٹکڑے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ کر کے تقسیم کر رہے ہیں یہ وہی اراضی ہیں جو قدیم یادازرفتہ زمانے سے مِل دیہی کے مشترکہ قبضے میں تھے۔ نہ صرف فرداً فرداً اُن اشخاص کے جو میراث دار اور قدیمار کے خاص حقوق رکھنے والے طبقے کے رکن تھے بلکہ اُن کی بھی جو نہایت ہی معمولی اسامی تھے جیسے کہ پہکاری۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ خانگی ملکیت سے انکار کرتے ہیں اور اس انکار سے اراضی کی خانگی ملکیت کو کالعدم کر رہے ہیں۔ جو کچھ ایک عام شخصیہ یعنی "گراما تھیم" کے زیر قبضہ تھا اس کو خالصہ کر کے اپنے زیر تصرف لا رہے ہیں اور اس کے معاوضے میں کسی ایک شخص کو وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔ بنظاہر اس کا اقرار کرتے ہیں کہ مطالبات کو ہر کھیت کی حد تک محدود رکھیں گے مگر در اصل ایک ایسی انتہائی حد قائم کرتے ہیں جس کو کبھی پہنچ ہی نہ سکیں اور رعیت پر اپنی مرضی کے موافق محصول لگاتے ہیں یعنی پہلے کے مسلمانوں کی حکومت کی طرح رعیت کو گویا ہل میں جوت دیتے ہیں اور ایسی زمینوں کی کاشت پر مجبور کرتے ہیں جن پر جان بوجھ کر اُن کی مقدور سے زیادہ لگان مقرر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے تو اُس کو کشاں کشاں پکڑ لاتے ہیں مطالبات کے تعین میں فصل کے تیار ہونے تک تاخیر کرتے ہیں پھر جس قدر ممکن ہو سب رعیت سے وصول کر لیتے ہیں اور بیلوں اور تخم کاشت کے سوا رعیت کے پاس کچھ نہیں چھوڑتے بلکہ

یہ بھی انھیں رعیت کو دینا پڑتا ہے تاکہ رعیت اپنے لئے نہیں بلکہ اُن کیلئے کاشت کا ناشاد و منحوم کام پھر سے شروع کر سکے۔"

رعیت واری نظام کے تحت دوامی اور مبنی بر اعتدال محصول کے بغیر جیسا کہ منرو نے تجویز کیا تھا افسوس ہے کہ کاشتکاروں کی حالت اس طرح کی تھی!" انسان نما بہائم کے گلوں" کی ناگفتہ بہ حالت کی تصویر اس سے بہتر کسی نے نہیں کھینچی ہے۔

آخری بات جو مجلس نے موضع واری نظام کے متعلق لکھی وہ یہ تھی کہ:۔

" اگرچہ یہ نظام ہر ضلع میں مساوی طور پر کامیاب نہیں رہا۔ برایں ہم جہاں سب سے کم یہ کامیاب رہا ہے جیسے کہ بلآری ضلع میں وہاں بھی کلکٹروں کی متفقہ رائے یہی ہے کہ مُلک کی زرعی آبادی کو اس سے بہت کچھ مادی فائدہ پہنچا مزید بر ان نہ صرف ان فریقوں نے جن سے معاہدہ کیا گیا بلکہ کثیر التعداد رعیت نے موضع واری بندوبست سے فائدہ اٹھایا۔ رعیت واری" ترولے" قریب قریب سب جگہوں پر کم ہو گئے اور چودھریوں یا رعیت کے سرداروں کے اپنے سے کم رتبہ اشخاص کو دباتے اور ستانے کے بجائے خود کلکٹروں کو اپنے گھٹے ہوئے اقتدار کو سنبھالنے کے لئے تحصیلداروں سے مدد لینے کی ضرورت لاحق ہوئی بلا استثناء تمام کلکٹروں کی کیفیتوں کی عام زبان یہ ہے اور سب یہی کہانی دھراتے ہیں۔ یہ نتیجہ بطور ایک معتبر شہادت کے پیش کیا جاسکتا ہے کہ اس نظام سے اُس کے مخترعین کے سارے توقعات پورے ہوئے۔ لیکن جہاں یہ بندوبست بہترین طور پر کیا گیا تھا جیسے کہ کڈپہ اور آرکاٹ کے شمالی حلقہ جات میں وہاں کی سرسبزی و شادابی کی ایک ایسی تصویر کھینچی گئی ہے جس کی نظیر و مثال اس صوبے کے

اسناد و اسلۂ مالگزاری میں ڈھونڈھے سے بھی کہیں نہیں ملتی۔
یہ آخری استدعا بھی بے سود ہوگئی۔ رعیت واری نظام کا بڑا موجد جو اب نائٹ کمانڈر آف باتھ کے خطاب سے سرفراز ہو چکا تھا تیسری اور آخری مرتبہ گورنر مدراس مقرر ہو کر ہندوستان آیا۔ اور زمینداروں اور پالی گاروں سے جو زمینداری بندوبست کیا گیا تھا اس کے سوائے باقی تمام صوبے کے لئے رعیت واری بندوبست کو ترجیح دینا آخری مرتبہ تسلیم کر لیا گیا۔ اسّی سال کے بعد ان یادگار مباحث پر تاریخ ہند کا متعلم ایک مغموم نظر ڈالتا ہے اور درومندانہ غور کرتا ہے۔ سر تامس منرو کے اعلیٰ ذاتی خصائل کا مداح ہونے کے باوجود وہ اس بات کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان مباحث میں مجلس مالگزاری ہی حق پر تھی۔ ایک دانشمند اور دور اندیش حکومت اس بات کی ہر وقت کوشش کرتی ہے کہ ملک کے قدیم ادارات کا جو موجودہ ترقی میں حائل نہ ہوں بالکل صفایا کر دینے کے بجائے اُن کی نشوونما کی جائے اور ان میں بھی ترقی کی صورت نکالی جائے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مواضع کے اندرونی معاملات کا انتظام بمقابل تحصیلداروں سررشتہ داروں اور اہالیان کوتوالی کے خود گاؤں والوں ہی سے زیادہ اطمینان بخش اور کامیاب طور پر چل سکتا ہے اور جہاں کہیں ممکن ہو باشندوں کے بڑے بڑے طبقوں کو اپنے معاملات کا آپ انتظام کرنے دینا خود انسانیت پیدا کرتا ہے جو ایک عام فائدے کی بات ہے۔ اگر منرو نے اپنے ابتدائی زمانے میں ملت دیہی کو بڑے محل کنارا یا اضلاع مفوضہ میں کام کرتے دیکھا ہوتا تو وہ خود بھی اس نظام کا سب سے بڑا حامی بن جاتا۔ لیکن ان مقامات میں کاشتکاروں ہی سے براہ راست تعین رقم مالگزاری کرنے کے بعد نیز حکومت مدراس اور دار العوام کے

سامنے اس نظام کی حمایت کرنے کے بعد اور نظمائے کمپنی سے تمام غیر بند وبست شدہ حصوں کے لئے اس نظام کی منظوری لینے کے بعد آخری عمر میں منرو اپنی رائے بدل نہیں سکتا تھا۔ اور انتظام مالگزاری کے ان پسندیدہ اشکال کی قدر نہیں کرسکتا تھا جن میں ملت دیہی کا توسط ضروری تھا۔ اور جن کی سرپرستی ۱۸۱۲ء سے لے کر ۱۸۱۸ء تک مجلس مالگزاری نے کی تھی بحیثیت گورنر مدراس سر ٹامس منرو نے دیہی ادارت کی نشو و نما کے لئے جس قدر ہو سکا امداد دی۔ اس نے پنچایت کا جدید انتظام کیا اُن کو عدالتی اختیار عطا کئے اور کوشش کی کہ ہندوستان کی دیہی ملتیں جیسی سابق میں تھیں ویسی اب بھی زندہ و ذی اعضاء ادارت بنی رہیں۔ لیکن یہ ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ جب قدیم ادارت سے تمام حقیقی اختیارات چھین لئے جائیں تو پھر اقتدار کے نمائشی اشکال ان کو زندہ و قائم نہیں رکھ سکتے جب گانوں کے رہنے والے ادنیٰ ادنیٰ ملازم مالگزاری اور بددیانت کوتوالی کے جوان کے ہاتھوں جان بتنگ ہیں تو پھر پہلے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر وہ شخصیہ کی طرح کوئی کام نہیں کرسکتے۔ انگریزی حکمرانی کی ابتدا سے کئی انقلابات و تغیرات ہندوستان میں رونما ہوئے جن میں اکثر ترقی کے معاون تھے مگر بعض افسوسناک بھی تھے مگر ان میں سب سے زیادہ افسوسناک تغیر حکومت خود اختیاری کی قدیم اشکال کا نیست و نابود ہو جانا اور اس قدیم ملت دیہی کا ناپید ہو جانا تھا جن کا سب سے پہلا ملجا و ماوا روئے زمین کے تمام ممالک میں ایک ہندوستان ہی تھا۔

موضع واری نظام کا آخری مرتبہ نامنظور ہونا جس کی حمایت پر مجلس مالگزاری نے کمر باندھی تھی موجودہ زمانے کے ناظرین کے لئے اب محض ایک علمی دلچسپی کی بات رہ گئی ہے مگر جو بات عملی اہمیت رکھتی تھی وہ یہ تھی کہ رعیت واری نظام کی اب وہ شکل ہی باقی نہیں رہی تھی

جس کی خود ٹامس منرو نے طرفداری کی تھی۔

سنہ ۱۸۰۷ء اور پھر سنہ ۱۸۱۱ء میں بھی ٹامس منرو نے نہایت پُر زور الفاظ میں جس قدر اُس سے ممکن تھا بالاعلان کہا تھا کہ رعیت واری نظام کا اصل اصول لگان کی غیر متغیر مداومت تھی یعنی رعیت واری نظام ایسا ہی دوامی تھا جیسے کہ بنگالے کا زمینداری بند وبست الا زمینات افتادہ کے بند وبست کے۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں رعیت واری نظام آخرکار مدراس کے تمام غیر بند وبست شدہ اقطاع میں رائج کر دیا گیا لیکن لگان کی غیر متغیر مداومت جس کو حکومت مدراس سنہ ۱۸۶۲ء تک مانتی اور تسلیم کرتی رہی تھی باقی نہیں رہی۔ سرکاری مطالبات کا عدم تعین اور ان مطالبات کا ہر نئے بند وبست کے وقت ایسے نئے وجوہ پر بدلتا رہنا جن کو لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے اب مدراس کی زراعتی آبادی کے حق میں اُن کے دائمی تذبذب اور قدیم ناداری کا باعث ہے۔

نواں باب

منرو اور مدراس کا رعیت واری بندوبست

سنہ ۱۸۲۰ء تا سنہ ۱۸۲۷ء

سر ٹامس منرو بحیثیت گورنر صوبہ مئی سنہ ۱۸۲۰ء میں فائز مدراس ہوا اور اسی مہینے میں رعیت واری نظام کی عام ترویج کا اعلان کر دیا گیا۔ جہاں جہاں رعیت واری نظام کی ترویج کرنی منظور تھی وہاں زمینداریوں، عطیات اور تمام دوسرے قسم کے حقوق اراضی کو بذریعہ خرید یا بروقت انقضائے میعاد واپس لینے میں ہر ممکنہ موقع سے فائدہ اٹھایا گیا اور اس طرح آناً فاناً ہر موضع کی اسامیوں اور پٹہ داریوں میں سے ایک بھی باقی نہیں چھوڑی گئی۔ جہاں کہیں مشترکہ حقوق اراضی تھے اُن کو توڑ کر پٹہ داروں سے علیحدہ علیحدہ شرائط کرنے کے لئے کلکٹروں کی ہمت افزائی کی گئی۔ بہت زیادہ شرح محصول کی وجہ سے سرکاری مطالبات کھیتوں کی پیداوار کے پینتالیس یا پچاس بلکہ پچپن فی صد تک مشخص کئے جاتے تھے اور رعیت کے لئے بے انتہا مظالم کا سامنا تھا مگر سر ٹامس منرو کے نظم و نسق میں جہاں دوسروں کا لحاظ اور خیال ہوتا تھا وہاں یہ شرح محصول بھی عام طور پر

گھٹا دی گئی۔

اس باب میں مدراس کے ہر ضلع میں رعیت واری نظام کی ترویج کے سوانح و سرگزشت کا نقشہ کھینچنا ہمارا منشا نہیں ہے لیکن اُس عہد کے ضخیم سرکاری امسلہ سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو اس زمانے کے کاروبار اور مدراس کے باشندوں کے اقتصادی حالات پر بہت کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

نلور

۱۸۱۸ء میں ہی چونکہ کوور کی زمینوں کی پیمائش نوعیت واری تقسیم اور تعین محصول ہو چکا تھا اس لئے نلور کے کلکٹر نے رعیت واری نظام وہاں تجربتاً رائج کرنے کے لئے کوور کے موضع کا انتخاب کیا مجلس مالگزاری کی روئداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح کوور میں تعین محصول ابتدائً عمل میں لایا گیا تھا اور کس طرح بعد کو اُس میں ترمیم کی گئی۔

"زمینات تری:۔ غلے کا نرخ بیس روپے فی کھنڈی تھا اور یہ بیجے کا اوسط بھاؤ تھا اس حساب سے جملہ [illegible]" روپے ہوتے ہیں جس میں سے ۱۰ $\frac{1}{12}$ فی صد یا [illegible] روپے حسب معمول کلوسم کی رقم منہا کرنے کے بعد سرکار اور کاشتکاروں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے [illegible] روپے بچتے ہیں۔

کاشتکاروں کا حصہ تناسبہ بیس میں نو کے تناسب سے یعنی بحساب پینتالیس فی صد جملہ [illegible] روپے ہوتا ہے اور اس طرح سرکار کو [illegible] روپے واجب الادا رہتے ہیں۔

"زمینات خشکی:۔ خشکی اور باغ کی زمینوں کی پیداوار کی قیمت کا اندازہ اس کے مماثل اُصول پر کیا جاتا ہے جو اٹھائیس روپے فی کھنڈی ہوتا ہے اور اباقی جو سرکار کے حصے میں آتا ہے وہ خشکی کی

زمینوں پر ۱۵۸ روپے ہوتا ہے اور باغ کی زمینوں پر (۱۸۵) روپے" کاشتکاروں نے کلکٹر کے حسابات اور غلے کے نرخ فروخت پر جو اُس نے مقرر کیا تھا اعتراض کیا۔ بعض منہائیوں کو تسلیم کرنے کے بعد مجلس نے یہ نتیجہ نکالا کہ "کوور کے سالانہ محاصل کی جملہ رقم تخمیناً ۔۔۔۔ روپے ہوگی"۔ بالفاظ دیگر نظام جدید میں موضع کی جملہ پیداوار کا جو اندازہ کیا گیا تھا اُس کا تقریباً نصف حصہ سرکاری مطالبات میں چلا گیا۔

ترچناپلی

کلکٹر ترچناپلی نے موضع ترتاپور کا انتخاب کیا اس کی اراضی کی پیمائش اور رعیت واری تقسیم کرائی اور اُن پر لگان مقرر کئے۔ معمولی منہائیوں کے بعد اُس کی خام پیداوار کا تخمینہ ۔۔۔۔ "کلم" ہوا۔

"موضع کے باشندوں اور سرکار میں حسب معمول "ورم" کے حساب سے یعنی پچاس فی صد کی شرح سے اگر اس کی تقسیم کی جائے تو سرکار کا حصہ ۔۔۔۔ "کلم" ہوتا ہے اور گزشتہ ۔۔ سالا اوسط قیمت کے لحاظ سے اگر اس کا حساب لگایا جائے جیسی کہ کلکٹر نے تجویز پیش کی ہے تو جملہ ۔۔۔۔ روپے اس کی قیمت ہوتی ہے" اس میں بعض رقوم کی جمع اور منہائی کرنے کے بعد رقم مالگزاری ۔۔۔۔ روپے تشخیص کی گئی۔ زمینات کی پیداوار کا نصف حصہ بطور محصول اراضی مقرر کرنا لوگوں کو نادار و مفلس بنانے کے لئے کافی تھا طرفہ برآں مجلس مدراس ایک طرف تو اپنے تئیں بڑی اعتدال پسند بتاتی تھی اور دوسری طرف اپنے مطالبات کو گھٹا کر ایک ثلث کر دینے میں بھی تعویق کر رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ "اگرچہ خام پیداوار کا ایک ثلث عام طور پر محصول لگانے کا معیار نہیں سمجھا جا سکتا جس کی قیمت کر کے زر نقد میں ادائی عمل میں آئے برایں ہم کلکٹروں کو اعتدال پر لانے میں

اس طرح کامل رہنمائی کے کام آسکتا ہے۔"

کوئمبتور

ضلع کوئمبتور میں حد سے زیادہ محصول تشخیص کرنے کی برائیاں تو موجود ہی تھیں اب بددیانتی کی صریح برائیاں بھی اس میں شامل ہوگئیں جس سے خرابی اور بڑھ گئی۔ اس بدعملی کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر ہوا جس نے کیفیت پیش کی کہ جب سے خزانچی کازی چیٹی اس منظر پر پہلی مرتبہ رونما ہوا ہے اُس وقت سے" اس نے اپنی ساری توجہ سخت تردد کے ساتھ محض اس بات پر صرف کردی کہ ملک کے ہر شخص اور ہر شئے کو اپنی خانگی تجارت کے فائدے کے لئے کام میں لائے"
مسٹر گیارڈ پر بھی جو وہاں کا کلکٹر تھا بددیانتی کا شبہہ کیا جاتا تھا اور مجلس نظار نے غصے میں آکر ۱۸۲۱ء میں سر ٹامس منرو کو جو اس وقت گورنر مدراس تھا یہ لکھا کہ :-

"اگرچہ یہ بدنظمی بطور خود نہایت سنگین ہے لیکن ہمارے ادارات کے نقائص کی وہ شہادت مبینہ ہے اور اگر اس بدنظمی پر اس نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو یہ ایک نہایت ہی افسوسناک حالت معلوم ہوتی ہے ہمیں یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ جو آج کوئمبتور میں واقع ہوا ہے وہ کل کسی اور ضلع میں نہیں ہوگا۔ جب کلکٹر کے جیسا عہدہ دار مجلس مالگزاری کے اعتماد کے قابل نہ رہے اور اپنی سادہ لوحی سے ایک دغاباز و عیار دیسی آدمی کے فریب میں آجائے یا اُس کا شریک جرم بن جائے اور تمام صوبے میں بدنظمی پھیلا دے یعنی تمام صوبے کو ان چند آدمیوں کی خودغرضی کا شکار بنا دے جن کے ہاتھ میں اقتدار حکومت تھا تو پھر کسی اور سے کیا توقع ہوسکتی ہے اگر ایک کلکٹر کی کمزوری یا بددیانتی ایسے مناظر پیدا کرسکتی ہے جیسے کوئمبتور میں نمودار ہوئے اور

جن کی وجہ سے سات سال تک وہاں کے باشندوں کے املاک اور سرکاری محاصل حکومت کے ادنیٰ ترین عامل کے رحم و کرم پر منحصر تھے اور جن کو ہم نے حکومت کی تفصیلی نگرانی اور بد نظمی کی دریافت اور روک تھام کے لئے مقرر کیا تھا انھیں اس کی خبر تک نہ ہوئی تو ناممکن ہے کہ ہمیں یہ ڈر نہ ہو کہ یہ خرابیاں ایک وسیع پیمانے پر موجود ہیں اور اب حفاظت و نگہداشت کے زیادہ موثر طریقے ضروری ہیں۔ مسٹر گیارڈ کی وفات کی وجہ سے ہمارے لئے اب یہ ضروری نہیں رہا کہ اس کے ملازمت میں برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کی موزونیت و ناموزونیت کے متعلق فیصلہ کریں یا اس کے قصور کے درجہ و نوعیت کا تعین کریں جو پہلے مسئلے سے بھی کم اہمیت رکھتا ہے تاہم یہ یقینی بات ہے کہ ایک عہدہ دار سرکاری کے تحت زمانۂ دراز تک وسیع پیمانے پر ایسی بدنظمی کا موجود رہنا جن سے اس کے ماتحتین نے بڑا نفع کمایا حالانکہ معمولی بیداری سے اس کی روک تھام ممکن تھی ایک حد تک اس بات کی شہادت ہے کہ وہ بھی بددیانتی میں اُن کا شریک حال رہا ہے۔"

ایک دوسرے مراسلے میں جو اس کے بعد کے سال میں لکھا گیا ہے مجلس نظار نے بددیانتی کے مظالم سے قطع نظر کوئمبتور پر جو حد سے زیادہ محصول زمین لگایا گیا تھا اسکی تفصیل دی ہے۔

"لگان جس کو لگان کامل کہا جاتا تھا حسب رواج قدیم باغات کے سوا کاشت کی سب زمینوں پر لگایا جاتا تھا یعنی اُن پر جو زیر کاشت تھیں یا اُفتادہ تھیں اور اُن پر بھی جن پر فصل استادہ تھی۔ لگان کامل کا ایک ثلث یا ایک ربع حصہ بطور لگان رمنے کی اراضی پر اور لگان کامل سے بھی کچھ زیادہ باغات کی زمینوں پر لگایا جاتا تھا......

" کلکٹر مسٹر سکیون نے ۷ ستمبر ۱۸۱۶ء کے مراسلے میں لکھا ہے کہ:۔ اگر رعیت کے کسی فرد نے دو سال تک کسی زمین پر اپنا قبضہ رکھا اور اُس کا لگان ادا کرتا رہا ہو تو وہ اُس زمین کا مالک متصور ہوتا ہے اور جبتک وہ ادا کر سکتا ہے اُس زمین کے لگان کا وہی ذمہ دار کر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ملکیت کی یہ شکل حکومت نے اُس کے مفاد کی خاطر نہیں بلکہ محض اپنے مفاد کی خاطر خواہ مخواہ اُس پر عائد کی ہے تاکہ ایک حد تک لگان کا وہ ذمہ دار رہے۔

" کلکٹر نے بنظر انصاف اس بات پر توجہ دلائی ہے کہ ایسی زمینوں پر جن کی آبپاشی باؤلیوں سے ہوتی ہے یا جن میں پھل پھول وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے اضافۂ محصول کرنا گویا کسی زمین کی درستگی و اصلاح پر محصول لگانا ہے اور وہ بیان کرتا ہے کہ ہندوستان کے اس حصے میں باؤلیوں کا تعمیر کرنا ان زمینوں کو انتہائی ترقی پر پہنچانے کا سامان کرنا ہے کنویں اور باؤلیوں سے کافی پیمانے پر آبپاشی ہونے کی وجہ سے ان زمینوں کی فصل ان موسمی حادثات سے محفوظ رہتی ہے جو ہندوستان میں اس قدر مختلف و مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ باؤلیوں کی تعمیر کے لئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنے سے زیادہ کوئی اور بات کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اور یہ تو ضروری ہے کہ اپنی محنت کا ثمرہ آپ پانے میں جتنا ممکن ہو لوگوں کی ہمت بڑھائی جائے۔ کیونکہ کلکٹر کا بیان ہے کہ لوگ باؤلیوں کو تعمیر کرنا تو چاہتے ہیں مگر محصول کی وجہ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔"

اس زمانے کی ساری خط و کتابت میں زمینوں پر حد سے زیادہ محصول لگانے کی عام شکایت پائی جاتی ہے مگر وہی نظار تھے کہ متوفی مسٹر گیارو پر اُس کے تقصیر گنہ کے مد نظر زور و شور سے لعن و تشنیع کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے اور اب وہی نظار تھے کہ اپنے قصور کا علاج کرنے کے لئے صاف گوئی اور عجلت کو کام میں

نہیں لاتے تھے۔ مذکورالصدر اقتباس جس مراسلے سے کیا گیا ہے اس مراسلے کے تحریر کرنے کے تین ہی ہفتے کے بعد نظامر نے اپنے مافی الضمیر کا یوں اظہار کیا ہے کہ :-

"کلکٹر ترچناپلی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مصیبت و مفلسی کے وہی اشکال جو حد سے زیادہ لگان وصول کرنے میں پائے جاتے ہیں۔ ترچناپلی میں بھی صاف صاف دکھائی دیتے ہیں اور زرعی اصلاحات کی بربادی املاک اراضی کی ناقدری اور اُن کی قیمت گھٹ جانے سے ظاہر ہو رہی ہے۔ میراث دار جنکی زمینیں پہلے ہزاروں "کانیوں" تک ہوتی تھیں اب بمشکل سینکڑوں "کانیوں" تک رہ گئی ہیں اگر ان کے لگان میں تبدیلی نہیں کی جائے گی یا بقایا حسب حال باقی رکھا جائے گا تو یہ زمینیں بھی جو رہی ہیں اس سال یا آئندہ سال بک جائیں گی لیکن میں جو بات خاص طور پر مجلس کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ موجودہ محصول اراضی کو جاری رکھنا اب بالکل ناممکن ہو گیا ہے۔ ......

"موجودہ مضرت رساں خرابیوں کی اصلاح کے لئے آپ نے (حکومت مدراس) یہ مناسب خیال فرمایا ہے کہ پٹہ داریوں کو فسخ کرنے کے بغیر ہر مقدمے میں علیحدہ علیحدہ جس قدر معافی رقم کی ضرورت کلکٹر سمجھتا ہے اس قدر معاف کر دی جائے دراصل یہ بھی سالانہ بندوبست کی ایک شکل ہے مگر سالانہ بندوبست کے مضر اثرات سے رعیت کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ کو حقیقت میں کسی قدر زحمت ضرور اُٹھانی پڑے گی۔ اس حالت میں مختلف کلکٹروں کی سرگرمی اور انسانی ہمدردی یا غفلت و تشدد کے مطابق بعض صورتوں میں پٹہ داروں پر بیجا سختی عائد ہوگی اور بعض میں سرکاری اغراض ضرورت سے زیادہ قربان کر دئے جائیں گے۔

دوسرے [illegible] ضلعوں میں محصول اراضی کی شرح اسی [illegible] معیار پر

قائم رہے گی جو پہلے تھی اور کاشتکاروں سے بھی سال بسال اُن کے مقدور کی انتہا تک وصول کیا جائے گا اور طرفہ یہ کہ نظار نے اس انتظام کو لوگوں کی ترقی ماحول و اصلاح حالات کے بالکل موافق سمجھا۔

تنجور

تنجور میں بھی جو کسی زمانے میں نہایت سرسبز و شاداب ریاست تھی یہی قصہ دُہرایا گیا۔

"تنجور کی پٹہ داریوں کی میعاد بندوبست ۱۲۲۹ ف (سنہ ۱۸۲۰ء) میں ختم ہو چکی تھی۔ پیداوار کی قیمت بھی بہت کچھ گر گئی تھی اور یہ نظر آرہا تھا کہ یہی گری ہوئی مالیت آئندہ بھی باقی رہے گی۔ ان حالات میں جو محصول زمین زرنقد میں تشخیص کیا گیا تھا اُس کی مقدار توقع کے خلاف اب بہت زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ اس میں کمی کرنے کے لئے کافی ثبوت فراہم ہو گیا تھا۔........

"پیداوار کی تقسیم کے قدیم طریقوں کی طرف لوگوں کا میلان طبع ہونے کے باوجود محصول مقررہ کے زرنقد میں ادائی کے اُصول پر قائم رہنا بلاشک ضروری اور مناسب تھا جیسا کہ آپ نے (حکومت مدراس) کیا۔

ہمارے خیال میں جو اُصول آپ نے ایسے اتفاقات کیلئے مقرر فرمایا ہے وہ درست ہے یعنی مقررہ محصول میں کوئی اضافہ اُس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ غلے کی قیمت دس فی صد نہ بڑھ جائے مگر جس وقت یہ قیمت پانچ فی صد گر جائے تو اس محصول میں سے بھی منہائی کی جائے، اور یہ اضافہ اور یہ منہائی قیمت کی تبدیلی کے متناسب ہو۔"

ارکاٹ

یہی غمگین قصہ ارکاٹ کا بھی ہے۔

"کلکٹر کے مشورے اور اصلاح کے موافق مجلس نے ایک اور تجویز پیش کی یا بقول آپ کے مستدعی کے ساتھ اور اصرار کے ساتھ محصول کم کر دینے کی تحریک پیش کی یہ وہ مضمون ہے جو خاص طور پر ہماری توجہ اپنی طرف معطوف کراتا ہے نہ کلکٹر اور نہ مجلس مالگزاری ہمارے تعین محصول اراضی کو تسلیم کرنا پسند کرتی ہے ان دونوں کا بیان ہے کہ یہ محصول اس انتہائی حد تک پہنچ گیا ہے کہ جس سے زیادہ ملک اپنی موجودہ تہی دستی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن ان کو توقع اور اعتماد کلی ہے کہ یہ وصول ہو کر رہے گا تاہم وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ اس مقدار میں اس محصول کے ہوتے ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ اور ترقی کے ذرائع ملک کے حسب مقدور پیدا کرنے کے لئے وہ سات سے لے کر دس فی صدی تک کمی کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

"اس پر آپ (حکومت مدراس) زیادتی محصول کی خرابیوں کے متعلق نہایت شد و مد کی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے اس پر یہ اضافہ بھی فرماتے ہیں کہ ارکاٹ کے شمالی حلقے میں بند وبست کی رقم میں کمی کرنے کے کوئی ایسے وجوہ آپ کی نظر میں نہیں ہیں جو دوسرے اضلاع میں بھی برابر اسی طرح موجود نہیں یعنی درحقیقت آپ یہ فرماتے ہیں کہ یہی ضرورت ملک کے ہر حصے میں موجود ہے۔ پھر آپ اس محصول میں ایک عام تخفیف کی سفارش کے ساتھ یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جس معیار پر یہ تخفیف عمل میں لائی جائے انہیں حق سرکار خام پیداوار کا ایک ثلث حصہ رہے۔

"تاہم اس بارے میں ہم اپنے شک کا اظہار کئے بغیر

نہیں رہ سکتے کہ آیا پیداوار کا ایک ثلث حصہ یا کوئی اور حصہ متناسبہ کیوں نہ ہو تعین محصول اراضی کے لئے ایک غیر متغیر معیار فرض کر لیا جا سکتا ہے "

یہ اقتباسات کافی ہیں۔ ان کے پڑھنے سے ناظرین پر صاف طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول میں مقامی عاملوں کے تشدد اور مجلس نظماء کی طمع کے ہاتھوں تباہی کے علاوہ کیا کیا مصائب جنوبی ہند کے لوگوں نے نہ سہے ہوں گے۔ یہ سر ٹامس منرو کی تعریف کی بات ہے کہ وہ اپنے ہفت سالہ نظم و نسق کے دوران میں ہر وقت محصول زمین کی تخفیف کے لئے کوشاں رہا اور صوبے کے اس سرے سے اُس سرے تک محصول کے گھٹانے میں اُس نے ضرور کامیابی حاصل کی۔ خود اُس نے اپنی صاف صاف پُر زور تحریر میں اپنے مقاصد اور کوششوں کی تفصیل اپنی یادداشت مورخہ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۲۴ء میں درج کی ہے اور یہ یادداشت اُن تمام یادداشتوں میں جو ہندوستان میں لارڈ کارنوالس کے زمانے کے بعد سے آجتک قلمبند ہوئیں سب سے بڑا اور پُر مغز ہے۔ یہ طویل دستاویز کامل تیس صفحات پر مشتمل ہے۔

ہماری محدود گنجائش کا لحاظ کرتے ہوئے اس قیمتی دستاویز کا خلاصہ دینا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے ہم اس یادداشت کے انھیں حصوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جن کا تعلق لوگوں کے اقتصادی حالات سے ہے۔

معینہ اور مبنی بر اعتدال تشخیص محصول اراضی

" زمینوں کو قابل فروخت بنانے اور ان کو ترقی دینے کے لئے رعیت کی ہمت بندھانے اور حوصلہ افزائی کی غرض سے اور اس

خیال سے بھی کہ زمینیں دوامی مِلک سمجھی جائیں اس کی ضرورت ہے کہ محصول کی مقدار معینہ ہونے کے علاوہ موجودہ شرح کی یہ نسبت عام طور پر اعتدال پر مبنی رہے اور سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ محصول زمین کی تعریف بالکل صاف صاف الفاظ میں کر دی جائے تاکہ محض جہالت یا تلوّن سے اس میں اضافہ کرنے کا امکان باقی نہ رہے۔.....

"رعیت حقیقی مالک ہے کیونکہ جو اراضی کہ وہاں کے فرماں روا کی مِلک نہیں ہیں وہ رعیت ہی کی مِلک ہیں مختلف اوقات پر مختلف مقامات میں سرکاری محاصل کی کمی وبیشی کے مدنظر جو سرکاری مطالبات کیئے جاتے ہیں اُن سے رعیت کا حصہ متاثر ہوتا ہے لیکن ان مطالبات کی وجہ سے رعیت کے پاس خواہ اُن کے سرمائے کا محض منافع ہی بچ رہتا ہو خواہ اس کے علاوہ کچھ زائد منافع بھی بطور مالک زمین انکو مل جاتا ہو ہر حال میں رعیت ہی حقیقی مالک ہے اور جو کچھ بھی فرماں روائے مملکت اپنا حق مالگزاری نہیں تصور کرتا ہے وہ سب رعیت ہی کی مِلک میں داخل ہے۔

"محصول اراضی کے دوامی تغیرات ایسے ہیں جن کی وجہ سے قابل قدر املاک میں اب تک اراضی کا شمار نہیں ہے اور اگر یہی تغیرات برقرار رہیں گے تو ہرگز کبھی نہ ہوگا۔ جہاں محصول کی مقدار نہایت ہی قلیل ہے وہاں بھی اراضی کی کچھ ایسی قدر نہیں کہ املاک فروختنی کی طرح یہ بھی قابل فروخت متصور ہو کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ اس محصول میں سرکار کی طرف سے ہر وقت اضافہ ممکن ہے جب تک کہ اراضی کے ہر ہر حصے پر محصول پہلے ہی سے تشخیص نہ کر دیا جائے نہ تو ہم زمین کو ایسا قابل قدر بنا سکتے ہیں جیسا کہ چاہیئے اور نہ ایسی خانگی مِلک کہ آسانی کے ساتھ اس کو بیچا یا مکفول کر دیا جا سکے مگر جب محصول ایک دفعہ مقرر ہو چکا ہو تو پھر حالت تذبذب باقی نہیں رہتی اور وہ تمام زمین جس پر لاکلام حد سے زیادہ محصول نہیں لگایا گیا ہے خود بخود

قابل قدر بن جاتی ہے اور ان اصلاحات سے جو وقتاً فوقتاً اس توقع کے ساتھ کی جاتی ہیں کہ ان سے جو جو فوائد پیدا ہوں گے وہ بلاشک و شبہ اصلاح کنندہ کو ہی حاصل ہوں گے۔ اراضی کی قیمت میں بھی روز بروز افزونی ہوتی جاتی ہے۔"

انتظام مملکت کے کاروبار میں ہندوستانیوں کی شرکت

"اگر ہم ہر اہم خدمت سے ہندوستانیوں کو بے دخل کر دیں اور یہ کہیں جیسا کہ حال حال تک کہتے رہے ہیں کہ ایک ایسی مملکت میں جہاں ڈیڑھ کروڑ نفوس ہیں یورپی اشخاص کے سوا کسی اور کو ایک ضرب تازیانہ کی سزا دینے کا بھی اختیار نہیں دینا چاہیئے تو ہم کس منہ سے اپنی حکومت کو حکومت پدری کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح کا امتناع ایسا ہی ہے جیسے کہ ساری قوم پر ایک ذلت کا فتویٰ لگا دینا اور اس سے خواہ کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو اس فیصلے کی تلافی نہیں ہو سکتی ساری دنیا میں کسی قوم کے حق میں اس طرح کی آبروریزی کا فیصلہ صادر ہونے کی کہیں نظیر نہیں ہے اس فیصلے کی وجہ محرک ضعیف اور جھوٹی انسانی ہمدردی ہے اور ایسی ہمدردی جتا کر اپنے ہم وطنوں کے خفیف سے خفیف جرائم کا فیصلہ کرنے کے بھی قابل ہندوستانیوں کو نہ سمجھنا اور ان کی اس طرح اہانت کرنا ہندوستانیوں کی نگاہ میں کوئی منصفانہ عذر خواہی نہیں ہو سکتی۔ ہم اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں کی اصلاح ہمارا مطمح نظر ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس کے لئے ایسے ذرائع تجویز کرتے ہیں جو کامیابی کے منافی ہیں۔ اصلاح کے حامی اس سنگ بنیاد سے ہی ناواقف ہیں جس پر اصلاح کا دار و مدار ہے ان کی تجویز یہ ہے کہ دیسیوں پر اعتبار نہ کیا جائے ان کو کسی قسم کا اقتدار نہ دیا جائے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے تمام اہم خدمات سے ان کو محروم کر دیا جائے

لیکن تعجب تو اس پر ہے کہ عام طور پر ضیائے علم پھیلا کر دسیوں کو روشن دماغ بنانے میں نہایت دلسوزی اور سرگرمی سے خود حامیان اصلاح برابر حصہ بھی لیتے ہیں۔

"تاریک سے تاریک ازمنہ میں بھی اس سے زیادہ وحشیانہ لغو اور بناوٹی بات کوئی نہیں ہوئی ہو گی کیونکہ ہر زمانے اور ہر ملک میں شہرت دولت اور قدرت حاصل کرنے کے توقعات کے سوا تحصیل علم کی تحریص دلانے کے اور کیا اسباب ہو سکتے ہیں اور بڑی سے بڑی لیاقت یا علم وہنر حاصل کرنے سے فائدہ ہی کیا ہے جب ایسی لیاقت اور علم وہنر اپنے اعلیٰ ترین مقصد یعنی خدمت ملت کے کام نہ آئے اور اصحاب علم وہنر کو ان کے حسب لیاقت ملک کے انتظام عام کے مختلف فرائض تفویض نہ کئے جائیں۔

" محض کتابوں کے پڑھ لینے سے تو کچھ ہوتا نہیں۔ خشک وسادہ ادبیات کا مطالعہ ایک قوم کی سیرت وخصائل کی اصلاح نہیں کر سکتا اس نتیجے کے پیدا کرنے کے لئے دولت عزت اور خدمات عامہ کی شاہراہیں کھل جانی چاہئیں کیونکہ ایسا صلہ پانے کے توقعات کے بغیر اعلیٰ سے اعلیٰ تحصیل حکمت قوم کی سیرت کو ارفع واعلیٰ نہیں بنا سکتی۔

جس طرح دوسرے اقوام پر یہ بات صادق آتی ہے اسی طرح ہندوستانیوں پر بھی یہی بات صادق آتی ہے برطانیہ ہی کو لیجئے اگر کل کو کوئی پردیسی طاقت اس کو مغلوب کر لے وہاں کے لوگوں کو حکومت میں کسی قسم کا حصہ لینے سے یا اعلیٰ اعتماد و دیانت کی ہر بڑی خدمت سے محروم کر دے یا عوام میں اعزاز حاصل کرنے کا موقع نہ دے اور ان کو ہر حیثیت سے ناقابل اعتماد سمجھنے لگے تو پھر ان کے تمام ادبیات مقدس ہوں کہ غیر مقدس دو ایک نسلوں کے اندر اندر ان کو ایک سفلہ کم ہمت دغاباز اور بد دیانت قوم بن جانے سے نہیں بچا سکتے

"اگر ہم یہ بھی فرض کرلیں کہ کسی دیسی آدمی کی امداد کے بغیر ملک کا سارا کاروبار چاہے اعلیٰ خدمات سے متعلق ہو یا ادنیٰ سے صرف یورپی اشخاص ہی کے ذریعے سے چلانا عملاً ممکن ہے تب بھی ہمیں اس طرح نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ سیاسی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے نادرست ہوگا ہماری حکومت کے ساتھ دیسیوں کو جو وفادارانہ عقیدت ہے اس کا سب سے زیادہ مستحکم باعث دیسیوں کا مختلف خدمات پر ایک کثیر تعداد میں برسرخدمت رہنا ہے جس تناسب کے ساتھ ہم دیسیوں کو ان خدمات سے بیدخل کریں گے اُسی قدر ہماری گرفت سے وہ نکل جائینگے۔ اگر کامل طور پر اس طرح وہ بیدخل کردئے جائیں گے تو وفاداری کے بجائے وہ ہم سے نفرت کرنے لگیں گے اس احساس کا اثر تمام آبادی پر پڑیگا اور فوج پر بھی اور ایسی بےچینی پھیل جائے گی جو نہ ہمارے تھامے سے تھمیگی اور نہ روکے سے رکے گی۔ برخلاف اس کے اگر اس بات کا امکان ہے کہ وہ لوگ بلا مخالفت خاموشی کے ساتھ اس فیصلے کو قبول کرلیں گے تو پھر یہ پہلے سے بھی بدتر ہوگا کیونکہ اس سے اُن کی سیرت اسفل ہوجائے گی اور خاص امتیاز و خدمات سرکاری حاصل کرنے کی توقعات کے ساتھ وہ اپنی ساری مستحسن حوصلہ مندی بھی کھودیں گے ان کی حالت ایک ایسی آرام طلب نکمی اور ذلیل نسل انسانی کے مانند مبتذل ہوجائے گی جسمیں سوا اپنی حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کے کسی اعلیٰ کام کے کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو اس حالت سے تو یقیناً یہ کہیں زیادہ اچھا ہوگا کہ ہمارے نظام حکومت سے ایک قوم کی قوم مبتذل بن جانے کے بجائے خود ہمارا اس ملک سے بیک بینی و دو گوش اخراج کردیا جائے۔

اجرائے محصولات اور وضع قوانین

ہر آزاد ملک میں رعایا پر اُن کی اپنی رضامندی کے بغیر کسی قسم کا

محصول نہیں لگایا جاتا اور یہ حق اُن کے سارے حقوق میں سب سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے اس حق پر بہت سے لوگوں نے دماغ پاشی کی ہے اور حامیان حریت بھی اس حق پر اکثر مصر رہے ہیں ان ملکوں میں بھی جن کو مطلق آزادی نصیب نہیں تھی اجرائے محصولات کا حکومت کے اہم ترین کاموں میں شمار ہے کیونکہ اسی سے لوگوں کا آرام و آسایش اور خوش دلی عام طور پر متاثر ہوتی ہے اور جہاں کہیں اس حق میں دست اندازی کی گئی ہے وہاں اکثر مرتبہ لوگوں نے اس کی مزاحمت کی ہے اسی لئے نہایت ہی مطلق العنان حکومتوں میں بھی اجرائے محصولات کے افادات اور خطرات کے مدنظر اس کے انتظام میں ملک کے قابل ترین آدمیوں سے کام لینے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے......

"دوسرے ممالک میں حکومت اور حکومت کے عہدہ دار جزو ملت ہوتے ہیں اور ہر سرکاری تجویز کے اثر سے اور اُسکے متعلق ملک کی رائے سے پورے پورے واقف رہتے ہیں لیکن یہاں حکومت اس مفید مطلب صورت سے محروم ہے اور ان لوگوں کے لئے قوانین وضع کرتی ہے جن کے حالات سے وہ مطلق واقف نہیں اور نہ ان لوگوں کو اس معاملے میں کچھ کہنے سننے کا موقع دیتی ہے - یہ ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ ایسے مقامی صاحب عقل اور محنتی عمال سے صحیح صحیح معلومات اس بارے میں حکومت حاصل نہ کرلے جن کا کامل احتیاط کے ساتھ لوگوں کے حالات اور اُن کی رائے کی تحقیقات کرکے اطلاع دینا فرض ہے اس وقت تک لوگوں کے مناسب حال قوانین وہ وضع نہیں کرسکتی - ان افسروں کے لئے معلومات حاصل کرنے کا وسیلہ ایسے تجربہ کار دیسی ملازمین کے عملے کے سوا اور کوئی نہیں جن کے سرکاری فرائض کی نوعیت خود ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے اور لوگوں سے زیادہ اُن کو اس قسم کے معلومات حاصل ہوتے رہتے ہیں"

انگریزی راج کے فوائد و نقصانات

" اگر ہم ان فوائد و نقصانات کا مقابلہ کریں جو دیسی لوگ ہماری حکومت میں اٹھاتے رہے ہیں تو میں ڈرتا ہوں کہ حکومت کے حق میں اس مقابلے کا نتیجہ اتنا اچھا نہیں نکلے گا جتنا کہ نکلنا چاہئے اب لوگ بیرونی حملے اور اندرونی بلوے وغیرہ کی آفتوں سے زیادہ محفوظ ہیں ان کا جان و مال بھی نقصان و ضرر سے بمقابل پہلے کے اب زیادہ محفوظ ہے ۔صاحب اقتدار نہ تو اُن کو ناحق سزا دے سکتے ہیں اور نہ اُن کی ملک و املاک اُن سے بلا وجہ چھین لے سکتے ہیں بمقابل پہلے کے اُن پر محصولوں کی مجموعی مقدار بھی کم ہے لیکن برخلاف اس کے نہ خود اپنے لئے قوانین وضع کرنے میں اُن کا کچھ حصہ ہے اور نہ ان قوانین کی تعمیل کرانے میں ۔بجز چند بہت ہی معمولی خدمتوں کے جو اُن کو ملی ہیں بڑے بڑے مدارج کو خواہ فوجی ہوں کہ دیوانی وہ ترقی کر کے نہیں پہنچ سکتے ہر جگہ اُن کو ایک کمتر درجے کی نسل تصور کیا جاتا ہے اور اُن کے ساتھ ملک کے قدیم قابض و مالک کی طرح نہیں بلکہ اکثر نوکروں اور غلاموں کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے ۔

" جب تک کہ دیسیوں کی سیرت و خصائل کو اعلیٰ کرنے کی کوشش نہ کی جائے اُس وقت تک محض منصفانہ قوانین اور مبنی بر اعتدال محصول کے فوائد اُن کو عطا کرنا کافی نہیں بلکہ پردیسی حکومت میں سیرت کو انحطاط پر پہنچانے والے اتنے اسباب پہلے ہی سے موجود ہوتے ہیں کہ اُن کی روک تھام اور سیرت کا بچانا کچھ آسان کام نہیں یہ ایک قدیم مقولہ ہے کہ جس نے اپنی آزادی کھو دی اس نے اپنی آدھی خوبیاں کھو دیں ۔ یہ بات جس طرح افراد کے حق میں صادق آتی ہے اسی طرح اقوام پر بھی صادق آتی ہے اور کسی کا بھی صاحب املاک

نہ ہونا ایسا ہی مبتذل بنا دیتا ہے جیسے کہ املاک تو ہوں مگر پردیسی حکومت کی مرضی پر اُن کا انحصار رہے اور صاحب املاک کو اُن میں کچھ دخل ہی نہ ہو جو قوم حلقۂ غلامی میں آجاتی ہے وہ حقوق قومیت اسی طرح کھو دیتی ہے جس طرح کہ کوئی غلام مردِ آزاد کے حقوق کھو دیتا ہے یعنی وہ خود اپنے پر محصول لگانے یا اپنے لئے خود قوانین وضع کرنے کے اور ان قوانین کے متعلقہ انتظام میں یا ملک کی عام حکومت میں حصہ لینے کے تمام حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انگریزی راج کی رعایا کو اس طرح کا ایک بھی حق حاصل نہیں ہے۔۔۔۔۔

"ہماری ہندوستان کی حکومت میں سب سے غیر مفید بات یہ ہے کہ وہ قوم کے اعلیٰ طبقوں کو یا تو نیست و نابود کر دیتی ہے یا سب کو مساوی الدرجہ بنا کر اور ملک کے اندرونی انتظام میں اُن کو کم کارآمد آلۂ انتظام بنانے کے لئے سابقہ اثر و وقعت سے اُن کو محروم کر کے اُن کی حالت نہایت مبتذل بنا دیتی ہے۔ دیسی حکومتوں میں جاگیرداروں انعام داروں اور اعلیٰ دیوانی و فوجی عہدہ داروں پر مشتمل شرفا کا ایک طبقہ ہوتا تھا اور ان کے علاوہ بڑے بڑے تجار اور رعیت کے ممتاز افراد بھی تھے یہ سب مل کر ایک بڑی جماعت ہوتی تھی جو متمول یا کم از کم خوش حال ضرور تھی اگرچہ ایک بادشاہ کے عطا کردہ جاگیروں اور انعاموں کو دوسرا بادشاہ آکر شریک خالصہ کر لیتا تھا اور دیوانی یا فوجی عہدہ دار اکثر برطرف کر دئے جاتے تھے مگر چونکہ اُن کے دوسرے قائم مقام بنا دئے جاتے تھے اور نئے دعویدار و مستحقین کو نئی نئی جاگیریں اور انعام عطا ہوتے رہتے تھے۔ تو ان تغیرات کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ ملک میں متمول اشخاص کا ایک سلسلہ قائم رہتا تھا جن کی دولت اس سرزمین کی سرسبزی و شادابی اور لوگوں کو صنعت و حرفت کی طرف تحریص دلانے کے کام آتی تھی۔ ہماری حکومت میں یہ سارے فوائد سرے سے اُٹھ گئے۔ دیوانی اور فوجی

تمام خدمات پر جو کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں یورپی اشخاص مامور ہیں جنکی آمدنی کا سارا بیس انداز حصہ انھیں کے ملک چلا جاتا ہے۔"

ہندوستان کا مستقبل

"ایک اہم مسئلہ ایسا ہے جس کو تمام انتظامات میں ہم کو پیش نظر رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ ان انتظامات کا لوگوں کی سیرت پر آخری نتیجہ کیا ہوگا؟ فلاں انتظام سے کیا ان کی سیرت اعلیٰ ہوگی۔ یا ادنیٰ؟ کیا ہم محض رعایا کی حفاظت جان و مال کے ساتھ اپنا اقتدار برقرار رکھنے پر مطمئن ہو بیٹھیں اور لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں کہ چاہے اُن کی سیرت موجودہ شکل سے بھی زیادہ مبتذل ہو جائے اور بد سے بدتر بن جائے یا اُن کی سیرت کو ایسا ارفع و اعلیٰ بنانے کی کوشش کریں کہ وہ ملک کے انتظام میں اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات پر مامور ہو سکیں اور اس میں اصلاح کے منصوبے تجویز کرنے کے قابل بن جائیں۔ بلاشک وشبہہ یہی ہمارا نصب العین ہونا چاہیئے کہ دیسیوں کو اعلیٰ خیال بنا دیں اور اتنی احتیاط ضرور کریں کہ جب کبھی ہندوستان سے ہمارا تعلق منقطع ہو جائے تو یہ نہ کہا جائے کہ لوگوں کو ہمارے زیر عملداری رہنے کا یہ صلہ ملا کہ ان کی حالت مبتذل تر بن گئی اور اس سے بھی کم اپنے آپ پر حکومت کرنے کے قابل رہ گئے جیسے کہ وہ ہمارے ابتدائے حکومت کے وقت تھے۔ لوگوں کی اصلاح سیرت کے لئے مختلف منصوبے تجویز کیئے جا سکتے ہیں مگر ان میں سے ایک بھی منصوبہ اُس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ہماری حکمت عملی کا اصل اصول یہ نہ بن جائے کہ کسی طرح اُن کی اصلاح ہو کے رہے۔

ایک دفعہ اس اصول کے قائم ہو جانے کے بعد اس کے مقصد کو قوت سے فعل میں لانے کے لئے ہم کو استقلال سے کام لینا اور

وقت کا انتظار کرنا چاہئیے۔ ہمیں نہ اس قدر تجربہ ہے اور نہ دیسیوں سے اتنی واقفیت ہے کہ بغیر کسی تجربے کے ہم ان میں بآسانی اصلاح کرنے کے کسی نہ کسی طریقے کا تعین کرلیں۔ مختلف طریقے تجویز کیئے جا سکتے ہیں جن کا کم وبیش کارآمد ہونا اغلب ہے۔ مگر میری دانست میں ایک بھی طریقہ ان میں سے ایسا کامیاب ثابت نہیں ہو سکتا جیسا کہ ان پر زیادہ اعتبار کرکے اہم مواقع پر اُن سے کام لینے کے لئے ممکن ہو تو حکومت کے تحت اُن کو ہر خدمت کا اہل تسلیم کرکے ان میں اپنے متعلق اعلیٰ رائے رکھنے کا مادہ پیدا کرنا مفید ہو سکتا ہے۔ بالفعل کس حد تک دیسیوں کی اہلیت کو تسلیم کرلیا جائے اس کے تعین کی چنداں ضرورت نہیں مگر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہماری سطوت کو کسی خطرے میں ڈالے بغیر دیسیوں کو کیوں ایسی خدمات سے بھی محروم کر دیا جائے جس کی انجام دہی کی اُن میں قابلیت موجود ہے..........

" اگر ہم اس پر غور کریں کہ کس درجہ اقوام کی سیرت حکومتوں کی سیرت سے ہمیشہ اثر پذیر ہوتی ہے مثلاً بعض اشخاص جو کبھی نہایت ہی شائستہ تھے کس طرح نہایت ہی ناشائستہ بن گئے اور بعض جو کبھی بالکل کندۂ ناتراش تھے کس طرح مہذب سے مہذب بن گئے اور اگر ہم بھی صحیح طریقوں پر کاربند رہیں تو تذبذب کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ امتداد زمانہ کے ساتھ ہم اپنی ہندوستانی رعایا کی سیرت کو اتنی ترقی دے سکتے ہیں کہ اس میں اپنے آپ پر حکومت کرنے اور اپنے آپ کی حفاظت کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے "

سر ٹامس منرو کی وفات سے تین ربع صدی گزر چکی اور ٹامس منرو کی قبیل کے منتظمین ریاست شاذ ونادر ہی ہوئے ہیں چنانچہ شمار یہ مدراس کے ہر ایک ضلع میں ڈیڑھ لاکھ اسامیوں سے ایک مبنی بر انصاف

محصول اراضی وصول کرنے کا مشکل کام آج تک اطمینان بخش طور پر تکمیل نہیں پایا۔ منرو کی وفات سے پچیس سال کے بعد اسکاٹلینڈ کے ایک اور ممتاز باشندے نے جس نے ہندوستان کا نظم ریاست رہ کر بڑی ناموری پیدا کی تھی مدراس کے نظام کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:۔

"خیال کرنے کی بات ہے کہ ایک کلکٹر اور ڈیڑھ لاکھ اسامیوں سے سابقہ جن میں سے ایک کا بھی زمین پر پٹہ نہیں۔ لیکن ہر ایک اپنی اپنی کاشت اور فصل کے موافق اور بلحاظ اپنے مویشی۔ بھیڑ اور بچوں کی تعداد کے رقم مالگزاری ادا کرتا ہے اور تخفیف کے لئے کافی ثبوت پیش کرنے پر رقم مالگزاری میں کمی بھی حاصل کرتا ہے! ایسے نظام کے زیر اثر انگلستان ہو کہ کوئی اور ملک وہاں ایسی حالت میں زرعی تنگ دامانی اور کثرت اولاد کے متعلق کیا کچھ داویلا نہو گا۔ کیا کوئی زراعت پیشہ کبھی اس بات کا اقرار کرے گا کہ اُس کے کھیت میں کچھ پیداوار ہوئی ہے یا اُس کے گلوں میں کچھ تعداد بڑھی ہے یا اُس کی بیوی کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اگر کلکٹر پیمبروں میں کا ایک پیمبر بھی ہو اور عمر نوح تک اسی ایک ضلع میں رہا بھی ہو تو بھی وہ اپنے فریضے کی بجا آوری کے قابل نہو گا مگر وہ تو ایک معمولی آدمی ہوتا ہے اور اس پر پردیسی جو ہمیشہ بدلتا رہتا ہے پھر یہ بڑی حیرت کی بات ہو گی کہ اس کے باوجود کلکٹر کے دیسی زیر دست من مانے جو چاہیں نہ کر سکیں اور اقتدار رکھ کر بھی اس کا بیجا استعمال نہ کر سکیں اسی سبب سے عام طور پر سب کو اتفاق ہے کہ تمام نظام کی بدعملیاں بالخصوص رقم مالگزاری کے معافیات کی تو نہایت ہی بھیانک ہیں اقسام کے ہیر پھیر اور ساز باز کی کوئی حد ہی نہیں اور اس پر طرّہ یہ ہے کہ کلکٹر مدراس مخبروں پر اعتماد کرتا ہے جس سے کسی طرح اصلاح نہیں ہوتی۔"

سر ٹامس منرو نے اپنی ساری عمر اسی کام میں صرف کی تھی کہ مدراس کے ہر کاشتکار کے لئے تعین محصول اراضی ہو جائے تاکہ جو اصلاح کاشتکار کرے اُس سے خود ہی نفع کمائے اور اگرچہ اس طرح کا تعین محصول اراضی کسی قانون یا شاہی اعلان کے ذریعے عمل میں نہیں آیا لیکن ٹامس منرو کی وفات سے چالیس سال کے بعد حکومت مدراس نے اس کو بحیثیت امر واقعہ تسلیم کر لیا۔ ۱۸۵۵ء و ۱۸۵۶ء کی نظم و نسق کی رپورٹ میں درج ہے کہ "جب تک رعیت سرکار کو ایک مقررہ محصول ادا کرتی رہے سرکار کو یہ حق نہ ہوگا کہ رعیت کو نکال دے ...... اس نظام کے تحت رعیت ایک سادہ اور کامل استحقاق کی بنا پر معناً مالک زمین ہے اور دوامی پٹے کے تمام فوائد اس کو حاصل ہیں"

۱۸۵۸ء میں مجلس مالگزاری نے یہ کہا کہ "محصول اراضی میں کسی اضافے کے بغیر رعیت مدراس کو دواماً اپنی زمینات کو اپنے قبضے میں رکھنے کا حق حاصل ہے" ۱۸۶۲ء میں حکومت مدراس نے حکومت ہند پر اس بات کا اظہار کیا کہ اس میں کسی سوال کی کچھ گنجائش ہی نہیں کہ رعیت واری نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ زمینات پر مطالبہ سرکاری دواماً معین ہو چکا ہے"

اس طرح کے بہ تکرار اطمینان دلانے کے بعد اور اس زور و تاکید کے ساتھ جتنا کہ الفاظ سے ممکن تھا اب اس اصول کو نظر انداز اور بالکل رد کر دیا جاتا ہے۔ ۱۸۵۵ء کی پیمائش کے وقت سے ہر زمین مقبوضہ پر جو محصول اراضی عائد کیا گیا تھا اُس کو ہر مکرر بند و بست پر عہدہ دار مالگزاری کی مرضی پر تشخیص کیا جا سکتا ہے چنانچہ مدراس کی رعیت کیلئے محصول اراضی نہ اب کوئی تعین ضروری ہے اور نہ اس محصول میں ممکنہ اضافے سے

رعیت محفوظ ہے اور نہ اصلاحات کی ان کے پاس کوئی کافی وجہ تحریص رہی ہے۔ محصول اراضی کی غیر معینہ حالت ایسی ہے کہ گویا اُن کے سروں پر شمشیر ڈیما کیلنہ بال سے آویزاں ہے۔

محصول اراضی کیا ہے؟ ۱۸۵۶ء میں مجلس نظما نے یہ بیان کیا کہ کاشت کی لاگت ادا کرنے اور زرعی سرمائے کے منافع کو منہا کرنے کے بعد پیداوار کی فاضلات جو باقی رہ جاتی ہے وہ حق سرکار نہیں ہے بلکہ حق سرکار محض مالگزاری ہی ہے اس کے دو سال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی برخاست کر دی گئی اور سرکار برطانیہ کے پہلے وزیر ہند سر چارلس ووڈ نے جو بعد میں لارڈ ہیلیفیکس کے خطاب سے ممتاز ہوا یہ بیان کیا کہ وہ لگان کا محض ایک حصہ جو عام طور پر کرایۂ زمین کا نصف ہوتا تھا بطور محصول اراضی لینا چاہتا ہے۔

محصول کی یہ شرح بہت بڑی تھی مگر جو بھی حد مقرر کر دی گئی تھی وہ بالکل صاف تھی اور سمجھ میں بھی آسکتی تھی۔ بایں ہم اتنی بڑی مقررہ حد سے بھی عملاً و حقیقتاً تجاوز کیا جاتا تھا اور مدراس میں جس قدر بطور محصول اراضی وصول کیا جاتا تھا اکثر سارے کا سارا معاشی لگان اسی میں آجاتا تھا سرکار نے جو تہائی حد اب تعین کی ہے وہ کھیت کی پیداوار کا ایک ثلث حصہ ہے اور یہ معاشی لگان کی کل مقدار کے مساوی ہے کیونکہ چھوٹے چھوٹے اور مختصر کھیتوں کی حد تک جنکی سالانہ پیداوار تقریباً بارہ پونڈ کی ہوتی ہے کاشت کی لاگت اور زرعی سرمائے کا منافع قریب قریب سات یا آٹھ پونڈ ہوتا ہے اور سرکار کا چار پونڈ تک کے محصول اراضی کا مطالبہ درحقیقت معاشی لگان کے پچاس فی صد نہیں بلکہ صد فی صد کا مطالبہ ہے۔

سرکاری غیر متیقن مطالبے کی خرابیاں جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا ویسے ویسے بڑھتی گئیں مدراس کے کاشتکاروں کا کوئی وسیلہ نہ تھا۔ اور ۱۸۶۷ء کے فیصلے نے تو

اس صوبے کے پچاس لاکھ نفوس کا صفایا ہی کر دیا اس کے تین سال کے بعد جب مارکوئیس رپن وائسرائے مقرر ہو کر فائز ہندوستان ہوا تو آخر کار مدراس کے مسئلۂ اراضی میں وہ گتھی ہی گیا۔ مدراس کے کاشتکاروں کے حق میں محصول زمین کے غیر مشروط تعین کو تسلیم کرتے کے بغیر جس کو خود حکومت مدراس نے ۱۸۵۶ء اور ۱۸۶۲ء میں قبول کر لیا تھا۔ لارڈ رپن نے یہ قاعدہ نافذ کیا کہ اُن اضلاع میں جہاں ایک دفعہ پیمائش کے بعد بندوبست ہو چکا ہے عام قیمتوں میں اضافہ ہو جانے کی معقول وجہ کے سوا محصول اراضی میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ مالگزاری میں اضافہ کرنے کی اس طرح سے گنجائش بھی نکل آئی۔ ساتھ ہی ساتھ کھیتوں کی پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ ہونے کی معقول وجہ کے سوا کسی اور اضافے کے نہ ہونے کا کاشتکاروں کو اطمینان بھی ہو گیا۔ لگان کے بارے میں تعین غیر مشروط کے حق کو نظر انداز کر دینے کے بعد رفع داد یا ہی کا یہ سب سے معقول طریقہ تھا جو ممکن تھا اور اس سے مدراس کی زراعت پیشہ آبادی کو حفاظت حقوق کا اطمینان و سکون قلب نصیب ہوا جس کے بغیر دنیا کے کسی حصے میں بھی زراعت سرسبز نہیں ہو سکتی۔

دسمبر ۱۸۸۴ء میں مارکوئیس رپن نے ہندوستان سے مراجعت کی اور جنوری ۱۸۸۵ء میں وزیر ہند نے مارکوئیس رپن کے قائم کردہ اس واجبی قاعدے کو منسوخ کر دیا اس طرح محکمۂ ہند نے سابقہ مجلس نظار کے برابر اپنے تئیں بھی ہندوستان کے کاشتکاروں کے حق میں غیر فیاض اور سخت گیر ثابت کر دکھایا۔ اور آج کی تاریخ تک (۱۹۰۱ء) مدراس کے کاشتکاروں کے پاس سرکار کے غیر متیقن مطالبات اور غیر منصفانہ اضافہ جات سے محفوظ رہنے کا

کوئی موثر طریقہ نہیں ہے اسی لئے نہ کچھ پس انداز کرنے کا کوئی باعث ترغیب اُن کے لئے باقی ہے اور نہ اپنی حالت درست کرنے کی اُن کو مقدرت ہی رہی ہے ۔

دسواں باب

لارڈ ویلزلی اور شمالی ہند میں فتوح (۱۷۹۵ تا ۱۸۱۵)

ہندوستان کے وہ صوبے جو اب "ممالک شمالی و مغربی و اودھ" کے نام سے مشہور ہیں ایک ایک کرکے مختلف تاریخوں میں انگریزوں کے زیرنگیں آئے ۱۷۷۵ء میں نواب اودھ کی وفات پر اس کے جانشین سے جو معاہدہ کیا گیا تھا اسکی بنا پر بنارس اور اس کے ملحقہ اضلاع کا وارن ہسٹنگز نے الحاق کرلیا۔ ۱۸۰۱ء میں لارڈ ویلزلی کے دباؤ میں آکر نواب اودھ نے الہ آباد اور چند دوسرے اضلاع بھی انگریزوں کو تفویض کر دئے۔ لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء کی جنگ مرہٹہ میں آگرہ اور گنگا وجمنا کے دوآبہ کو فتح کرلیا۔ اور ۱۸۵۶ء میں اودھ کے باقی حصہ کا بھی لارڈ ڈلہوزی نے الحاق کرلیا۔

کارنوالس اور شور کو بنارس میں بھی اسی دوامی زمینداری بندوبست کی ترویج کا تردد دامنگیر تھا جسکی تکمیل ۱۷۹۳ء میں بنگالہ میں ہوئی تھی۔ بنارس کے راجہ کے ساتھ ۱۷۸۷ء سے ۱۷۹۴ء تک گفت و شنید جاری تھی ۲۷ اکتوبر ۱۷۹۴ء میں معاہدہ بھی ہوگیا جس کے رو سے راجہ بنارس نے ایک مختصر سے قطعۂ زمین پر جو اسکے خاندان کی موروثی ملک تھا اپنے حقوق زمینداری

باقی رکھکر ساری ریاست پر ابتک جو حقوق اسکو حاصل تھے ان سے انگریزوں کے حق میں دست بردار ہوگیا۔ اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد گورنر جنرل وقت سر جان شور نے ان اقطاع میں جو واگزاشت ہوئے تھے زمینداران موضع کے ساتھ بند وبست مالگزاری کرلیا۔ اور راجہ کے نظم و نسق میں قدیم زمینداروں نے جو اپنی اپنی جاگیریں کھو دی تھیں ان کو وہ سب جاگیریں واپس دلوادیں مالگزاری کے تعین کا ایک قاعدہ مقرر تھا جو تقسیم فصل پر مبنی تھا اور یہہ تقسیم سرکار اور کاشتکار کے درمیان ملک کے مختلف حصوں میں کسی قدر مختلف تناسب کے ساتھ عمل میں آتی تھی ۱۷۹۵ء میں بنارس کی ساری ریاست میں دوامی بند وبست مالگزاری کردیا گیا۔ وہی مجموعہ ضوابط اور وہی قوانین دیوانی و فوجداری جو بنگالہ و بہار اور اڑیسہ کے لئے منضبط ہوئے تھے بلا تغیر بنارس میں بھی نافذ کردئے گئے۔

اس سے چھ سال کے بعد نواب اودھ نے ضلع الہ آباد اور دوسرے اضلاع کو بھی جن کو مجموعی طور پر "اضلاع مفوضہ" کہا جاتا تھا ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کردیا ان واقعات کے متعلق نواب اور لارڈ ویلزلی میں جو جو گفت و شنید ایک مدت تک ہوتی رہی اور جن دھمکیوں میں آکر مالی امداد کے معاوضہ میں ان اضلاع کی تفویض آخر کار عمل میں آئی جس کے بعد لارڈ ویلزلی پر سنگین جرائم اور بد اطواری کے الزامات عائد کئے گئے۔ یہہ سارے معاملات سیاسی تاریخ سے متعلق اور اس کتاب کے مقصد سے باہر ہیں۔

جس روز لارڈ ویلزلی نے اس معاہدہ کی توثیق کی جس کے رو سے کمپنی کو "اضلاع مفوضہ" ملے اسی روز ان اضلاع کے انتظام اور بند وبست کے لئے لارڈ ویلزلی نے ایک کمیشن قایم کیا اس مجلس کمشنران کے ارکان تین دیوانی کے ملازم بنائے گئے اور ہنری ویلزلی جو گورنر جنرل کا حقیقی بھائی تھا اس مجلس کا میر مجلس اور اس نئی عملداری کا لفٹنٹ گورنر نامزد ہوا۔ ہنری ویلزلی نے، زمینداروں اور مستاجروں سے سہ سالہ بند وبست مالگزاری کرلیا اور اس کی پہلی رپورٹ بند وبست مورخہ ۱۰ ار فروری ۱۸۰۳ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں بھی اسی طرح حد سے زیادہ محصول آراضی لگایا گیا جیسا کہ عمال کمپنی

ہندوستان کی ہر نو حاصلہ عملداری میں کرتے رہے ہیں۔

۳۔ میرے بریلی پہنچنے کے قبل ہی کلکٹروں نے ان صوبوں کا بندوبست مالگزاری کر دیا تھا اور تفویض کے وقت نواب وزیر کی جانب سے جو جمع مقرر تھی اسی کے مساوی تعین رقم کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ مجھ کو یہہ خوف تھا کہ ملک کے موجودہ اثاثہ کے غلط حساب اور غلط شمار پر یہہ بندوبست مبنی ہوگا کیونکہ اتنی بڑی رقم بمشکل وصول ہو سکتی تھی تاہم میں نے کلکٹروں سے حال ہی میں کئیے ہوئے قرار داد کی تنسیخ نہ کرنے کا اس لیے تہیہ کر لیا کہ مجھ کو ڈر اس بات کا لگا ہوا تھا کہ میری کسی قسم کی فوری مداخلت کلکٹروں کے اقتدار کو ہمیں کمزور نہ کر دے۔ اور ایسے نازک وقت میں ان کے اقتدار کی تائید کرنا مجھ کو ضروری معلوم ہوتا تھا۔

۸۔ مغلیہ حکومت میں ان صوبوں کا سالانہ محاصل کیا رہا ہے اس کے متعلق جو اسناد میں نے جمع کئے ہیں اُن سے یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہہ تقریباً ڈھائی کروڑ روپے (ساڑھے بیس لاکھ پونڈ) ہوتا تھا...... انگریزی حکومت کے نرمی پسند اور منصفانہ نظام نے مجھ کو اپنی اس توقع کے اظہار میں پس و پیش نہیں ہے کہ جب ساری آراضی زیر کاشت ہو تو ان صوبہ جات کا محاصل ڈھائی کرور روپے (ساڑھے بیس لاکھ پونڈ) ہوگا ......

۲۔ جدید قواعد کے تحت جس کا حال ہی میں نفاذ ہوا ہے محاصل آبکاری کم از کم فرد تخمینہ کے اعداد کے مساوی تو ضرور ہو نگے ......

۷۔ میں اب اس انتظام کو عالیجناب کے سامنے پیش کرتا ہوں جو میں نے کمپنی کے ہاتھ میں نمک کی خرید و فروخت کا اجارہ آجانے کی غرض سے اختیار کیا ہے"

اس رپورٹ کی ضمیمہ فرد حساب میں حسب ذیل اعداد مندرج ہیں۔

نواب کی جمع مالگزاری کی جملہ رقم — یک کرور

صف

عالمہ للوہہ ,,,

انگریزی حکومت کے سال اول کی رقم جمع — یک کرور [illegible]

انگریزی حکومت کے سال دوم کی رقم جمع — یک کرور [illegible]

انگریزی حکومت کے سال سوم کی رقم جمع — یک کرور [illegible]

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہی فاش غلطی جو مدراس اور بنگالہ میں ان ممالک کے حصول کے وقت کی گئی تھی شمالی ہند میں بھی کی گئی ۔ ملک کے وسیع اقطاع جو پے در پے لڑائیوں کے مصائب اٹھا چکے تھے اور طرح طرح کے شدید مطالبات بیجا کی وجہ سے مفلسی و ناداری میں گرفتار تھے اب ایک متمدن اور عظیم طاقت کے زیر نگین آ گئے تھے اور ان صلح پسند محنت کش لوگوں کے کاندھوں سے بوجھ ہلکا کرنے کا اور اس طرح کی امداد سے ان کے ذرائع آمدنی کو بہتر بنانے کا یہی موقع تھا ۔ لیکن ہنری ولزلی، کے انتظام مملکت کے پہلے ہی سال ان اضلاع مفوضہ سے کمپنی کے مطالبات نواب کے سابقہ مطالبات سے بھی بیس لاکھ روپے یعنے دو لاکھ پونڈ زیادہ ہی ہوئے اور تیسرے سال کے اختتام سے بھی پہلے ان مطالبات میں اور دس لاکھ روپے کا اضافہ ہوا ۔ مزید بر ان نواب کے مطالبات کی رقم تو محض برائے نام اتنی ہوتی تھی کیونکہ جمع تو فصل کی حالت کے موافق وصول کیجاتی تھی مگر کمپنی کے مطالبات کی رقم اس تشدد کے ساتھ وصول کی گئی تھی کہ ایسا تشدد ہندوستان کے لوگوں نے تو نہ کبھی دیکھا نہ سنا تھا مسٹر ڈمیلٹن نامی ایک کلکٹر نے یہ شکایت کی کہ ۱۸۰۲ء کا بندوبست ”ایک واجبی مطالبہ سے بھی متجاوز تھا“ اور انگریزی حکومت نے بھی وہی بڑی شرح محصول برقرار رکھی جو نواب کی حکومت میں تھی مگر وصول میں ”وہ تادیل نہیں ہوتی تھی“، جو

نواب کے عہد میں روا تھی"۔

البتہ دوسری باتوں میں اس نوحاصلہ عملداری کو ایک باقاعدہ حکومت کے تحت لانے کی ہر طرح کوشش کی گئی۔ ۲۴ مئی ۱۸۰۳ء میں دستور العمل بنگالہ یہاں بھی نافذ کیا گیا اور ملک کو سات اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا سررشتۂ دیوانی کے ملازموں سے ایک ایک بہ حیثیت مجسٹریٹ و جج ہر ضلع میں مقرر ہوا۔ ایک اور ملازم دیوانی کلکٹر کے فرائض بجا لاتا تھا۔ عدالت ہائے حلقہ و استغاثہ بریلی میں قائم کی گئیں اور جیسا کہ بنارس میں تھا یہاں بھی تحصیلدار و مالکان اراضی ڈاکوؤں کی گرفتاری اور اپنے اپنے حلقۂ اختیار میں امن قائم رکھنے کے مجاز کئے گئے۔

ایک اہم قاعدہ بھی نافذ کیا گیا جس کے رو سے سہ سالہ بند و بست مالگزاری ہو چکا تھا اس کو تسلیم کرتے ہوئے یہہ اعلان کیا گیا کہ اس میعاد کے اختتام پر دوسرا سہ سالہ بند و بست کیا جائے گا اور اس کے بعد چہار سالہ جس کے اختتام پر دوامی بند و بست کر دیا جائے گا۔

دار العوام کی مجلس منتخبہ نے لکھا ہے کہ "ہنری ویلزلی کے پہلے بند و بست سے دس سال کی مجموعی میعاد گذر جانے کے بعد انھیں شرائط کے ساتھ دوامی بند و بست کی ترویج کا حتمی وعدہ حکومت اعلی نے مالکان اراضی سے کر لیا تھا"۔

۱۸۰۳ء میں جنرل ویلزلی نے جو گورنر جنرل کا دوسرا حقیقی بھائی تھا اور جو ڈیوک ولنگٹن کے خطاب سے بعد کو ممتاز ہوا مشہور جنگ اسائی کے بعد جنوبی ہند میں اور لارڈ لیک نے لاسواری کی جنگ کے بعد شمالی ہند میں مرہٹوں کے زور کو توڑ دیا۔ گنگا اور جمنا کے دوآبہ کا الحاق کر کے ممالک مفتوحہ سے اس کو نامزد کیا تاکہ دو سال قبل نواب اودھ سے جو اضلاع مفوضہ ملے تھے ان میں اور ان میں امتیاز رہے ۱۸۰۳ء میں بندیلکھنڈ کا بھی الحاق کر لیا گیا۔

پہلے پہل ممالک مفتوحہ لارڈ لیک کے زیر انتظام دئے گئے مگر

۱۸۰۵ء میں ان کو پانچ اضلاع میں تقسیم کرکے ان صوبوں کے عدالت اور مالگزاری کے نظم و نسق کے لئے علیحدہ علیحدہ عہدہ دار مقرر کئے گئے اور اضلاع مفوضہ کیطرح کلکتہ کے حکام اعلیٰ کے زیر نگرانی ان کو بھی کر دیا گیا۔ "اضلاع مفوضہ" میں جو قواعد حال حال میں نافذ کئے گئے تھے وہی قواعد "ممالک مفتوحہ" میں بھی رائج کئے گئے اور اول الذکر میں جو عہد و پیمان مالکان اراضی کے ساتھ کئے گئے تھے موخر الذکر میں بھی وہی عہد و پیمان کئے گئے یعنے یکے بعد دیگرے یک سالہ سہ سالہ اور چھ سالہ بندوبست کے بعد اگر مالکان اراضی رضامند ہوں تو آخر بندوبست جو ہو وہ دوامی کر دیا جائے۔ اس کے دو سال کے بعد ان عہد و پیمان کا اعادہ بھی کیا گیا مگر اس شرط کیساتھ کہ دوامی بندوبست کا انحصار مجلس نظمار کی توثیق پر رہے گا۔

۱۸۰۳ء کی جنگ مرہٹہ میں شمالی ہند تاخت و تاراج ہو گیا اور عمال کمپنی نے تشدد کے ساتھ جمع کی تھی جس کی وجہ سے رعایا کو اپنی حالت درست کرنے کا موقع نہیں ملا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۰۴ء میں ملک کے اس سرے سے اس سرے تک قحط پھیل گیا۔ اس وقت سرکار مالگزاری میں بڑی بڑی معافیات کرنے پر مجبور ہو گئی۔ قابضان اراضی کو پیشگی رقوم یا قرضہ دینا پڑا، اور بنارس، الہ آباد، کانپور اور فتح گڈھ میں غلہ کی برآمد قایم رکھنے کے لئے امداد بھی دینی پڑی ۱۸۰۷ء میں ایک کمیشن خاص چہار سالہ بندوبست کی نگرانی کیلئے مقرر ہوا، اور یہ بندوبست قواعد نافذہ کے رو سے آیندہ چلکر دوامی ہونے والا تھا۔

اب ہم شمالی ہند میں دوامی بندوبست کے مسئلہ پر جو مشہور بحث ہوئی تھی اس کو شروع کرتے ہیں۔

کمشنران خاص۔ آر، ڈبلیو، کاکس اور ہنری سینٹ جارج ٹکر نے اپنی کیفیت پیش کی جس میں انھوں نے دوامی بندوبست کے قواعد کو تسلیم کر لیا مگر "ممالک مفتوحہ" اور "اضلاع مفوضہ" میں اس طرح کا بندوبست فوری کرنے کے وہ خلاف تھے۔

۲۳۰۔ ہم ان فوائد کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں جو اراضی پر سرکاری مطالبات محدود کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں اور اس کو بھی جانتے ہیں کہ عارضی بندوبست رعایا کے لئے بڑی زحمت کا باعث ہیں۔ دغابازی اور بدعملی کا ان میں موقع زیادہ رہتا ہے۔ یہ غور و تحقیق طلب ہے کہ آیا کوئی ملک اپنی اصلاح حالت یا بڑے پیمانہ پر کچھ ترقی کر سکتا ہے جبکہ سرکاری محصول میں بھی ہر ترقی کے ساتھ اضافہ متناسبہ ہوتا رہے اور اس طرح اپنی پیشانی سے پسینہ ٹپکانے کے بعد بھی کسی انسان کو اپنی محنت کشی کا ثمرہ نہ ملے۔ لیکن دوامی بندوبست کے اصول کے ہر حالت میں پہلے سے طرفدار رہنے کے باوجود ہم عالیجناب کی خدمت میں باجلاس کونسل نہایت غور و خوض کے بعد بلا شرط یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ فی الوقت "ممالک مفتوحہ" اور "اضلاع مفوضہ" کیلئے یہ تحریک بے محل ہے اور اس کی ترویج کے لئے اگر بے موقع کوشش اب کیجائیگی تو اس سے نہ صرف ذرائع آمدنی کو مادی نقصان پہنچے گا بلکہ خاص طور پر خود ان اشخاص کو بھی ضرر پہنچے گا جن کی خوشحالی کو ایک مستحکم بنیاد پر قایم کرنا اس تحریک کی اصل غرض و غایت ہے۔

دوامی بندوبست کے خلاف شمالی ہند میں پہلی دفعہ جو غوغا برپا ہوا وہ یہی تھا اور "محاصل سرکاری کو مادی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہی" اسکا باعث تھا مگر کمشنران خاص کے دلائل کا قطعی جواب ایچ۔ کولبروک نے خوب دیا۔

"۲۳۔ ہم ۴ جولائی ۱۸۰۲ء اور ۱۱ جولائی ۱۸۰۳ء کے اعلانات کے ذریعہ سرکار نے مالکان اراضی سے یہ عہد کر لیا ہے کہ ان اعلانات کی مندرجہ میعاد کے اختتام پر ان زمینوں کا دوامی بندوبست کر دیا جائے گا جہاں کاشت کی حالت اس درجہ ترقی پذیر رہی ہے کہ انصاف و حق کی نظر سے وہاں دوامی بندوبست مناسب و جائز ہوگا اس مضمون پر کامل غور و خوض کرنے سے اور بیان کردہ حالات سے پوری واقفیت پیدا کرنے کے بعد اس میعاد کا پیش از پیش تعین ضروری متصور کیا گیا۔ چنانچہ جون ۱۸۰۷ء میں بذریعہ دستور العمل ۱۰ منضبطہ ۱۸۰۷ء گورنر جنرل نے باجلاس کونسل زمینداروں اور دیگر مالکان

اراضی کو یہ اطلاع دیدی تھی کہ سال گذشتہ کے بند و بست میں جو جمع معین ہوئی ہے وہی ہمیشہ قایم رہے گی بشرطیکہ سب اس پر راضی ہوں اس نظام کی مجلس نظما سے بھی منظوری حاصل کرلی جائے گی۔"

"۴۔ اس طرح حتمی وعدہ و اقرار کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا ایک ایسی نمایاں عہد شکنی ہوگی جس سے ہم تمام لوگوں میں اپنا اعتبار کھو دینے کے مستحق ہوں گے۔

"۹۔ اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو جس استدلال پر سابقہ کمشنر زیادہ تلے ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ آیندہ ترقی اور اصلاحات ممکنہ میں حق شراکت و حصہ داری سے سرکار دست بردار نہ ہو جائے اس لئے کہ خود سرکار ایک طرح اس دسیع سرزمین کی مالک و قابض ہے۔" ....

"۲۶۔ بنگالہ اور بہار اور اُن کے علاوہ ساحل کارو منڈل پر جو علاداریاں واقع ہیں اُن سب کے لئے جب دوامی بند و بست ہوا تو اس اہم موقع پر نہایت پختہ غور و خوض کے بعد وہاں کی افتادہ زمینوں کی آیندہ ترقی و اصلاحات کے فوائد میں شرکت اور حصہ داری سے سرکار نے خود دستبرداری اختیار کرلی تھی وہ بمقابل ان ممکنہ فوائد کے جو سابقہ کمشنروں نے اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ کے متعلق گنائے ہیں بہت بڑھی ہوئی تھی۔

"۲۷۔ اس تحریک کے خوشگوار نتائج بنگالہ میں اب دکھائی دے رہے ہیں۔ ملک کی خوشحالی میں جو نئی روح پڑ گئی ہے دولت از دیاد پر ہے اور ترقی و اصلاحات کی تیز رفتاری نمایاں ہو رہی ہے یہ سب کچھ دوامی بند و بست کے طفیل ہو رہا ہے جس کا اصول اس درجہ مدبرانہ ہے کہ تکمیل منصوبہ میں بعض اہم غلطیوں کے باوجود اس کے مقاصد میں ناکامی آخر کار رونما نہ ہو سکی ....

"۳۲۔ اس تجربہ کو میں محض قیاسی دلائل پر ترجیح دیتا ہوں ...

یہ توقع کیجاتی تھی کہ افتادہ اراضی کی کاشت سے جاگیر ترقی پائے گی اور قابض اراضی کی مقررہ آمدنی میں اگر اس سے اضافہ ہوگا تو اسکا تمول بھی

بڑھے گا۔ ہنگام کے اختلافات اور خشک سالی یا کثرت باران کے سیلاب کی عارضی آفتوں سے بلا معافی مالگزاری وہ نیز بھی لے گا۔

"۳۳ - یہ سارے توقعات پورے ہو گئے ......

"۳۸ - عام رائے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ انگریزوں کا نظام نظم و نسق ہماری دیسی رعایا کے پسند خاطر نہیں۔ اگر ہم اس رائے کو بے بنیاد نہ سمجھیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مالکان اراضی نے اس نظام کی بدمزگی کے سوا اور کوئی مزہ چکھا ہی نہیں اور جو ایک مبارک عطیہ ان کو پسند ہے اسی سے وہ محروم ہیں اس لئے یہ لوگ اور ان کے ساتھ ساری رعایا اسی قدر سرکار سے برگشتہ خاطر ہے جس قدر کہ انھیں سرکار سے اپنی توقعات میں مایوسی نصیب ہوئی ......

"۶۳ - میں ختم سخن پر کمشنروں کی تجاویز پر اظہار اتفاق کرتا ہوں یعنے مستقل مزاجی، اعتدال پسندی اور انصاف سرکار کے نظم و نسق کے نمایاں خط و خال ہونے چاہئیں۔ لیکن ایک ایسی تحریک سے دست بردار ہو کر جس کا ہم نے بالاتفاق ارادہ کر لیا تھا اور جو ہماری رعایا کے لئے مفید بھی ہے ہم اپنے تئیں ثابت قدم نہیں ثابت کر سکتے۔ بڑے سے بڑے محاصل کو اپنی گرفت میں کر کے اور زیادہ سے زیادہ لگان کے لئے اپنے کاشتکاروں کو نچوڑ کر ہم اپنے اعتدال کا تو اظہار کر سکتے نہیں اور نہ ہمارے معمولی معمولی قابضان اراضی کے ورثا اور اولاد کو حقوق آبائی سے محروم کر کے اپنی منصف مزاجی کا ثبوت دے سکتے ہیں"

لارڈ منٹو، گورنر جنرل وقت نے اس یادداشت کو رکن کونسل لمسڈن، کی ایک اور ایسی ہی یادداشت کے ساتھ مجلس نظما کی خدمت میں بھیج دیا اور اپنی رائے بھی نہایت صریح و صاف بیان کر دی۔

"بنگالہ، بہار، اڑیسہ اور بنارس کے صوبوں اور صوبہ قلعہ سنٹ جارج کی متعلقہ عملداریوں میں دوامی بندوبست کے قیام سے متعلق جو اسناد تھے اور اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ میں دوامی بندوبست کی

تجویز سے متعلق جتنی رپورٹیں اور یادداشتیں تھیں ان سب پر کامل غور وخوض کرنے کے بعد لارڈ منٹو کو اس حکمت عملی کے جواز اور معقولیت پر کامل اطمینان تھا بلکہ وہ اس تحریک کی شدید ضرورت محسوس کرتا تھا۔"
لیکن نظماء نے اپنے دل میں کچھ اور ٹھیرالیا تھا پہلے تو وہ ماحول سے متاثر ہوکر قوم کی بھلائی کے لئے اپنے منافعہ میں آیندہ اضافہ کی توقعات کا بھی نقصان برداشت کرنے پر آمادہ تھے مگر لارڈ کارنوالس، اس وقت تک مرچکا تھا اور نظماء پھر کبھی اس طرح کی فیاضی دکھانے کے جرم کے مرتکب نہیں ہوئے "بڑے سے بڑے محاصل کو اپنی مٹھی میں کرنا اور زیادہ سے زیادہ لگان کے لئے اپنے کاشتکاروں کو نچوڑ لینا" یہی اب انکی حکمت عملی کا لب لباب تھا۔
نظماء نے جواب میں لکھا کہ "کنٹک ہو کہ ہمارا کوئی اور صوبہ دہاں کسی بندوبست کے دوامی ہونے کا اس وقت تک اعلان نہیں کیا جانا چاہیئے جب تک کہ اس کی تمام ابتدائی روئیداد ہمارے سامنے پیش نہ ہوے اور اس روئداد پر آپ کے متفقہ پیش نہاد پر ہم بھی اپنے اتفاق اور منظوری کا اظہار نہ کردیں۔ اس کے نو مہینے کے بعد نظماء نے پھر یہ لکھا کہ "اس مراسلہ کا منشاء یہ ہے کہ ہماری نو حاصلہ عملداریوں میں بنگالہ کے معینہ محصول اراضی کے طریقہ کی ترویج کا وعدہ واقرار کرنیکے خلاف ہم آپ کو نہایت ہی صریح وصاف طور پر متنبہ کرتے ہیں۔"
ان مراسلات کو دیکھ کر گورنر جنرل ہکا بکا رہ گیا۔ نظماء نے نہ صرف اس تجویز ہی سے دست کش ہو جانے کی ہدایت کی تھی جو ہندوستان کی رعایا کی فلاح وبہبود کے لئے ضروری تھی بلکہ اس حتمی وعدہ واقرار کے عدم ایفاء کی بھی جو رعایا کے ساتھ نہ صرف بلا شرط کیا گیا تھا بلکہ وہ ۱۸۰۳ء و ۱۸۰۵ء کے دستور العمل "اضلاع مفوضہ" کے دفعہ ۲۵ ضمن (۲۹) کا جزو تھا یہ فقرہ بھی درج تھا کہ :-
"اس دہ سالہ میعاد کے اختتام پر جو ۱۲۲۶ء فصلی کے اختتام پر

ختم ہوتی ہے۔ انہی لوگوں کے ساتھ (بشرطیکہ یہ شرائط قبول کرنے پر آمادہ ہوں اور ان کے حقوق سے بہتر حقوق رکھنے والا جب تک کوئی اور پیش نہ ہو) ایسی اراضی کے لئے جن کی کاشت کی حالت کافی ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے اس تجویز کی تائید کرتی ہو ان شرائط پر دوامی بند و بست کر دیا جائے گا جن کو سرکار واجبی اور منصفانہ سمجھتی ہے۔"

ان وعدوں کی پابندی جو کمپنی کے عاملوں اور گماشتوں نے ہندوستانی رعایا سے بلا شرط کئے تھے کمپنی پر لازم تھی۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں پھر اس وعدہ کا اعادہ اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ کے لئے سنہ ۱۸۰۲ء میں جو دستور العمل نافذ ہوا تھا اس کے دفعہ (۱۰) میں سہ بارہ کیا گیا مگر پہلی مرتبہ اس میں یہ شرط لگا دی گئی کہ "دوامی بند و بست جبھی کیا جائے گا جبکہ اس انتظام پر معزز مجلس نظماء کی منظوری صادر ہوئے۔"

نظماء کے سنہ ۱۸۱۱ء کے مصدرہ احکام سے کس طرح ان سابقہ وعدوں کی خلاف ورزی ممکن تھی؟ حکومت ہند نے سنہ ۱۸۱۲ء میں یہ لکھا کہ "سنہ ۱۸۰۳ء اور سنہ ۱۸۰۵ء کے قایم کردہ انتظامات پر اگر معزز نظماء نے اپنا اختلاف رائے اسی وقت ظاہر کر دیا ہوتا جبکہ یہ قواعد نافذ ہوئے تھے تو، باوجود اس کے کہ مجلس نظماء کی منظوری کا اس دستور العمل میں کہیں ذکر نہ تھا تاہم نظماء کے وابستہ ذات اختیارات نگرانی اس اختلاف رائے کی تائید میں پیش کئے جا سکتے تھے جو ایک بات بھی تھی لیکن اب اضلاع مفوضہ میں تو میعاد مقررہ پوری ختم ہو چکی اور ممالک مفتوحہ میں بھی دو ثلث پھر ہیں اس بات کا ڈر ہے کہ اتنے عرصہ کے بعد اس وعدہ کی تنسیخ (جیسا کہ ہم آپ کو اس سے پہلے آگاہ کر چکے ہیں) حکمت عملی اور انصاف دونوں کے منشاء اور اصول کے خلاف ہوگی۔"

لارڈ منٹو نے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی یادداشت میں نظماء کے ان حالیہ احکام میں ایک محدود معنی پیدا کرنے کی کوشش کی کیونکہ ان احکام کے لفظی مطلب میں اور سرکار کے ایفاء عہد میں جو اس قدر بالا علان اور

بہ نہایت ہی حتمی طور پر مالکان اراضی کے ساتھ کیا گیا تھا جو تضاد تھا اسکو وہ دور نہیں کر سکتا تھا۔

۱۸۱۳ء میں ہندوستان سے مراجعت سے پہلے لارڈ منٹو نے نظماء کے احکام پر مکرر اعتراض کیا۔ اس نے یہ بتلایا کہ دوامی بندوبست سے الگذاری کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اور جیسا کہ آدم اسمتھ نے اپنی کتاب "دولت اقوام" (ویلتھ آف نیشنز) میں ثابت کر دیا ہے تغیر پذیر حصول زمین اراضی کی ترقی کے مانع بھی ہے اس کے علاوہ افتادہ اراضی کو شامل کرنے کے بغیر ان جاگیروں میں دوامی بندوبست ہو سکتا ہے جو شمالی ہند میں مالکان اراضی کے فی الواقع زیر قبضہ ہیں۔ حاصل کلام اگرچہ حکومت کا مطمح نظر یہ تھا کہ " دیسیوں کے عام حالات درست اور بہتر بن جائیں تو یہ ہمارا راسخ عقیدہ ہے کہ ان اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے دوامی بندوبست کے قیام سے زیادہ کوئی اور انتظام یا طریقہ موثر اور جلد نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا "۔

لیکن نظمائے کمپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔ ہندوستان کی رعایا کی رفاہ کی مسلمہ خواہش رکھنے کے باوجود اپنے نفع سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ تھے ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء کے عہد و پیمان سے نجات حاصل کرنے کا انھوں نے ایک منصوبہ ٹھہرا لیا تھا اور ایک ایسا حیلہ بھی تجویز کر لیا تھا جو کسی عدالت میں تو قابل قبول یا جائز متصور نہیں ہو سکتا تھا اور ایک شہنشاہی کے حکمرانوں کے تو کیا معمولی دیانت دار تاجروں کے بھی سزاوار شان نہ تھا۔

" بلا فصل قبضہ رکھنا اور سہ سالہ تعہد میں سرکاری مطالبات کی بروقت ادائی کر دینا اس عہد و پیمان کی محض ایک شرط تھی جس کی رو سے قابضان اراضی کے ساتھ سرکار نے دوامی بندوبست کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی ایک اہم شرط یہ بھی تھی کہ اسی اثناء میں زمینوں کی کاشت کافی ترقی پر پہنچ جائے جس پر

ہم اپنے مطالبات کی ایک دوامی حد مقرر کر سکیں۔ ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء کے نافذہ دستور العمل میں صحیح حد ترقی کا تعین نہیں کیا گیا تھا جس پر کاشت کے پہنچنے پر اس طریقہ کو رائج کرنا ضروری یا کم از کم جائز ہو سکتا تھا اور نہ کسی دستور العمل میں پیش از پیش یہ ممکن ہی تھا۔ یہ مسئلہ سرکار کے آئندہ تصفیہ کیلئے بالکل کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور دستور العمل میں کوئی ایسی بات ہی مندرج نہیں تھی کہ جس کی پابندی فیصلہ کے وقت مناسب یا ضروری تھی ''

اگر یہ استدلال دیانت اور ایمانداری کے ساتھ پیش کیا جاتا تو بعض ترقی و اصلاح یافتہ جاگیروں میں دوامی بندوبست فوری کیا جاتا اور بعض میں ملتوی رہتا۔ لیکن وعدہ خلافی کی غرض سے یہ چال چلی گئی تھی اور وعدہ خلافی میں اصل مقصد یہی تھا۔ ۱۸۱۳ء میں کسی جاگیر میں دوامی بندوبست نہیں کیا گیا اور نہ جب سے اب تک کہیں بھی کیا گیا ہے۔

لارڈ موئرا، جو بعد کو مارکوئیس ہیسٹنگز کے خطاب سے ممتاز ہوا۔ بہ حیثیت گورنر جنرل ہند لارڈ منٹو کا قایم مقام مقرر ہوا۔ اسکا نظم ونسق جنگ نیپال اور پنڈاریوں کی لڑائیوں اور آخر جنگ مرہٹہ کیوجہ سے موخر الذکر کے وقوع کے بعد ۱۸۱۷ء میں صوبہ بمبئی کا الحاق بھی کر لیا گیا تاریخ ہند میں مشہور ہے۔ ان فتنہ و فساد میں پڑنے کے بعد لارڈ ہیسٹنگز کے پاس شمالی ہند کے بندوبست پر اپنی ساری توجہ صرف کرنے کے لئے نہ تو کافی وقت تھا اور نہ اسے فرصت ہی ملی ''

گیارھواں باب

لارڈ ہیسٹنگز اور شمالی ہند میں محل داری بندوبست (۱۸۱۵ء۔ ۱۸۲۲ء)

آخری جنگ مرہٹہ ختم ہوچکی تھی اور ۱۸۱۸ء میں آخری پیشوا بھی گرفتار ہوگیا تھا۔ ہندوستان میں اراضی کا ایک مناسب انتظام کرنے کا ایک ناگزیر مسئلہ لارڈ ہیسٹنگز کے درپیش تھا جس کا تدارک پنڈاریوں کے جتھوں اور مرہٹوں کے افواج سے نسبتاً مشکل تھا ایک باقاعدہ فوج کا بے قاعدہ جرگوں کے ساتھ میدان کارزار میں مقابلہ کرکے فتوح اور الحاق کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن ان فتوح کا قصہ ہندوستان کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس نئی حکمرانی میں لوگوں کے حالات اور انتظام مملکت کی سرگزشت ہی ملک کی صحیح تاریخ کہی جانے کی مستحق ہے۔

شمالی ہند کے اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ میں جو مجلس کمشنران قایم ہوئی تھی اسکے، سر ایڈورڈ کولبروک، اور مسٹر ٹرنٹ، ارکان تھے۔ انھوں نے مختلف اضلاع مثلاً، مراد آباد، بریلی، شاہجہاں پور اور روہیلکھنڈ میں بندوبست اراضی کی اپنی کیفیت پیش کی جس میں اس بات پر زور دیا کہ جو محصول اراضی مقرر ہے وہی دوامی کردیا جائے "سرکار نے اپنی نوازش سے جو رتبہ ہمیں عطا فرمایا ہے اسکے فرایض منصبی کی بجاآوری میں ہم قصوروار ٹھہریں گے اگر ہم اپنی اس قطعی رائے کے اظہار سے احتراز کریں کہ اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ کی ایک کثیر آبادی کے ایک زمانہ سے جو

تردد و توقعات ہیں اگر ان کے خلاف سرکار نے ان کو دوامی بندوبست کے فوائد سے ابھی اور محروم رکھا تو انگریزی مقبوضات کے اس حصہ میں سرکار انگریزی کے اغراض کو سخت نقصان پہنچنے کے سوا گزیر نہیں ہے۔

"مالی نقطۂ نظر سے اس تحریک کے فوائد سے ہمیں بحث نہیں اگرچہ انکا بھی ہم نے اطمینان کر لیا ہے کیونکہ دونوں مذکورالصدر دستورالعملوں کا اعلان کر کے سرکار نے ایک طرح کا وعدہ کر لیا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ دوامی بندوبست کے مسئلہ پر معزز مجلس نظماء سے کامل بحث و مباحثہ کے بعد ہی چونکہ دستورالعملوں کا نفاذ عمل میں آیا ہے اسلئے اس ملک میں بھی حکام اعلیٰ کا یہ ایک قطعی اور آخری فیصلہ متصور ہونا چاہیئے تھا۔ . . . .

"انفرادی اور اجتماعی طور پر ہم دوبارہ اس عقیدہ کے اظہار کی اجازت چاہتے ہیں کہ ان سب صوبوں کے بندوبست کو دوامی کرنے کے سوائے کوئی اور طریقہ قابضان اراضی کے اُن توقعات کو پورا کرنے کا نہ تھا جو سرکار کے وعدہ پر مبنی تھے اور یہ وعدہ اُنکی نظر میں نہایت ہی گراں پایہ تھا۔"

مسٹر ہنری ایڈورڈ ز ڈول نے ایک مدت تک ممتاز خدمات انجام دینے کے بعد ہندوستان سے رخصت ہونے سے کچھ پہلے ۱۸۱۹ء میں اسی مضمون پر ایک یادداشت قلم بند کی تھی جس میں کوئی بات مبہم نہیں رکھی۔

"اس وقت میرے پیش نظر یہ ہے کہ ایک جگہ تفویض سے اور دوسرے مقام میں اسکی فتح سے دس سال کی میعاد گزرنے کے بعد مذکورالصدر محدود استثناء سے قطع نظر عام طور پر رعایا کیساتھ دوامی بندوبست کے فوائد ان تک پہنچانے کا قطعی وعدہ سرکار نے کر لیا تھا۔"

"مجھکو افسوس ہوتا ہے کہ میں جان بوجھ کر بھی ایسے آرا و امور واقع کو بیان کرنے پر مجبور رہوں جنکو میں جانتا ہوں کہ ان اشخاص کی پسند خاطر نہیں ہوسکتے جن کے خاص غور و خوض کے لئے ان کو پیش کرنیکا میرا منشا ہے لیکن مجھکو باور کرایا گیا ہے کہ معزز مجلس نظماء میری وجہ محرک پر نظر کرتے ہوئے میرے حق میں انصاف کریگی۔ اگر میں اپنی مرضی اور پسند کا مختار ہوتا تو اس کام کے قبول

کرنے سے صاف انکار کر دیتا جو میں اب کر رہا ہوں۔ اب محض اس وجہ سے میں اپنے خیالات کو قلم بند کرنے پر آمادہ ہوں کہ میں اظہار خیال کو ایک ایسا فریضہ سمجھتا ہوں جس کی فی الوقت غیر معمولی ضرورت داعی ہے ......

"اگر میں یہ ثابت کرنے میں مدد دے سکوں کہ اس تحریک سے ملک کی زرعی اصلاح ہو جائے گی جس سے سرکار کے اغراض بھی وابستہ ہیں اور بالخصوص ذرائع عامہ کو کوئی بہت زیادہ نقصان پہنچنے کے بغیر انگریزوں کی نیک نامی اور اقتدار کے ساتھ ساتھ رعایا کو جو دل بستگی اور محبت ہو چکی ہے وہ اور مستحکم ہو جائیگی تو میرے دل کی ساری مراد بر آئیگی کچھ شک نہیں کہ قابضان اراضی کیلئے یہ بالکلیہ باعث اطمینان ہوگا کہ وہ رفتہ رفتہ ان مختص حصص اراضی کو قابل کاشت بنا کر (جو ان کی کاشت کی زمینوں میں شامل ہیں مگر افتادہ ہیں یا بہ الفاظ دیگر پرگنہ وموضع یا جاگیر کے کسی اور حصے کے اندرون حدود واقع ہیں جہاں بند و بست کیا جا سکتا ہے) اپنے ذرائع معیشت میں اضافہ کریں لیکن جیسا کہ پچھلے فقرہ میں بتایا گیا ہے از روئے قانون مالگی زمین تو سرکار ہی کی ملک ہو گی ......

برخلاف اسکے میں اس بات کو دانشمندی وانصاف اور مصلحت نہیں سمجھتا کہ سرکار اراضی سے انتہائی محاصل حاصل کرنے کیلئے رفتہ رفتہ محصول میں اتنا اضافہ کر دے جس قدر کہ زمین پر ممکنہ طور پر ادا کیا جا سکتا ہے میرا تو یقین یہ ہے کہ عام طور پر زمین کا محصول زراعتی طبقے کی فلاح و بہبود اور ملک کی تدریجی ترقی و اصلاح کی گنجائش چھوڑ کر اب اتنا ہی زیادہ کر دیا گیا ہے جتنا کیا جا سکتا ہے۔

"میں اب اس مضمون کو یہیں ختم کرتا ہوں اور اغلب ہے کہ پھر کبھی اسکے متعلق مجھکو کچھ کہنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ خیال کر کے مجھکو اطمینان ہوتا ہے اور فخر بھی کہ میں نے بھی ملک میں امن و امان اور ضابطۂ انتظام قائم رکھنے میں کچھ نہ کچھ مدد دی ہے اور حسب حیثیت عدالت دیوانی و فوجداری کے نظم و نسق میں اصلاح کرنے کی محنت و مشقت اٹھائی ہے۔ عام انتظام

میں میری شرکت سے ذرائع آمدنی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا مختلف النوع توقعات کی تکمیل کے باوجود اگر اس ملک سے میرے رخصت ہونے سے پہلے ممالک مغربی میں دوامی بندوبست کا قیام بھی میں دیکھ لیتا تو پھر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری ایک خواہش بھی بشکل ناتمام رہ گئی۔

سر ایڈورڈ کولبروک، جو اس سے زیادہ سربرآوردہ عہدہ دار تھا بیالیس سال تک ملک میں مفید و ممتاز خدمات انجام دینے کے بعد ہندوستان سے مراجعت کرنیکو تھا اس نے بھی اپنی خدمت سے سبکدوشی کے موقع پر ایک اور سعی کی کہ اس ملک کی رعایا کے تمول اور آیندہ منفعت کے توقعات جو زمینوں سے وابستہ تھے وہ مجلس نظمار کے روز افزوں افلاس آفریں مطالبات سے کسی طرح محفوظ ہو جائیں۔ اپنی سنہ ۱۸۱۲ء کی یادداشت کے ساتھ اس نے ایک فرد حساب پیش کیا جسمیں اس نے سنہ ۱۸۰۶ء سے سنہ ۱۸۱۸ء تک یعنے اس بارہ سال کے اثنا میں اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ کی مالگزاری میں کس طرح مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے وہ سب کچھ ظاہر کر دیا اور جیسا کہ وعدہ کیا گیا تھا اسکے موافق مطالبات مالگزاری ایک حد مقرر کر دینے کی سفارش کی جس سے قابضان اراضی کو انکی محنت اور اصلاح کا ثمرہ ملنے میں کسیطرح کی دست اندازی نہ ہونے پائے ''

ذیل کے اعداد سر ایڈورڈ کولبروک کی منسلکہ فرد حساب سے لئے گئے ہیں جس میں دس روپے ایک پونڈ کے مساوی شمار کئے گئے ہیں۔

اضلاع مفوضہ و ممالک مفتوحہ شمالی ہند

سال	رقم مالگزاری	محاصل خام
۱۸۰۷	۲۰۰۸۹۵۵	
۱۸۰۸	۲۰۴۲۳۴۷	۲۶۵۳۹۶
۱۸۰۹	۲۲۵۴۷۹۱	۲۳۰۴۰۰۴

۱۸۱۰	۲۲۹۲۸۵۲	۲۵۷۹۹۴۹
۱۸۱۱	۲۴۱۴۷۳۷	۲۷۸۲۶۴۳
۱۸۱۲	۲۲۷۴۷۰۹	۲۷۳۱۷۲۸
۱۸۱۳	۲۵۰۸۶۸۱	۲۹۳۱۹۰۶
۱۸۱۴	۲۵۰۲۲۲۳	۲۸۱۵۵۷۹
۱۸۱۵	۲۴۸۳۱۳۳	۲۸۹۱۰۴۵
۱۸۱۶	۲۶۶۵۶۶۷	۳۱۳۰۸۵۳
۱۸۱۷	۲۶۴۶۷۶۱	۲۹۲۶۹۲۳
۱۸۱۸	۲۸۹۲۷۸۹	۳۱۶۲۳۶۶

اسکے بعد ایک اور یادداشت میں جو اسی سال قلم بند کی گئی تھی سر ایڈورڈ کولبروک نے ہندوستان کی رعایا کی خوشحالی کے لئے جن کے ساتھ اس نے اپنی ایک عمر گزاری تھی یہ آخری تجویز پیش کی۔

"اس ملک سے آخری دفعہ رخصت ہوتے ہوئے جہاں میں نے بیالیس سال گزارے ہیں اور اس خدمت سے سبکدوش ہوتے ہوئے جس پر وارن ہیسٹنگز متوفی نے اپنی ابتدائی جانب داری سے ۱۷۸۰ء کے ابتداہی میں بحیثیت معتمد فارسی کے میرا انتخاب کیا تھا اور جس پر میں اٹھارہ سال کی عمر سے ذمہ داری کے ساتھ کارگزار ہوں، مجھے حقیقی اطمینان حاصل ہوگا اگر میں اپنی سرکاری زندگی میں یہ آخری خدمت کرسکوں کہ انگریزی عملداری کے اس حصے میں جہاں میں نے اپنی زندگی کے آخری بارہ سال سرگرمی میں گزارے ہیں اور جس کا مجھے بجا طور پر فخر ہے محصول مالگزاری کے تعین کی برکتیں پیدا ہوجائیں۔ . . . . میں اس کو دل سے کبھی بھلا نہیں سکتا کہ ان ممالک کے قابضان اراضی کے عام کردار ہی میری کامیابی کا باعث اور میرے شکریہ کے مستحق ہیں اگر اس تحریک کے متعلق میرا اعتقاد کمزور بھی ہوجائے تو تشکر کا معمولی احساس خود مجھکو احسان کا بدلہ احسان کرنا سکھلا دے گا۔

یہ ایک اعلیٰ خیال ضرور تھا مگر محض بے سود۔ ہندوستانیوں کے وفادارانہ اور صلح پسند کردار کی وجہ سے سرکار کو اپنے مالی مطالبات کی تخفیف کی ترغیب ہی نہیں ہوئی بلکہ اسکے برخلاف نتیجہ یہ نکلا کہ سرکاری مطالبات اور زیادہ ہوتے گئے حتیٰ کہ انگریزوں کے راج میں امن و امان جان و مال کی حفاظت قایم ہونے کے باوجود رعایا کی کفایت شعاری و محنت اور زمین کی زرخیزی اور شادابی کے ہوتے ہوئے رعایا نادار اور بے وسیلہ بنتی چلی گئی۔

ارکان مجلس کمشنران مسٹر ڈائیوڈ زول، سر ایڈورڈ کولبروک مسٹر اسٹوارٹ، مسٹر آدم، مسٹر فنڈل کی مرتبہ رپورٹوں اور یادداشتوں سے مسلح ہو کر گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز نے ایک حد تک دوامی بندوبست کیلئے جس کا وعدہ انگریزی سرکار نے کر لیا تھا۔ اور رعایا کی خوشحالی کے لئے ضروری تھا مجلس نظما کی خدمت میں آخری دفعہ درخواست کی۔

"یہ ہماری متفقہ رائے ہے کہ یا تو ایک مقررہ جمع کے اصول پر یا زمین کے محصول کے ایک ایسے اصول پر کہ جس کا تعین ایک مقررہ اور غیر متزلزل شرح پر ہوا کرے دوامی بندوبست کا نظام مبنی رہے اور اضلاع مفوضہ و ممالک مفتوحہ میں بھی وہی رائج کیا جانا چاہیے۔"

ایک تجارتی کمپنی کے نظما نے جب کہ وہ ایک شاہنشہی کے بھی مالک ہو گئے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگز کی تجاویز کو ایسے روکھے سوکھے طور سے رد کر دیا جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اپنے مالی اغراض کے مقابلہ میں ان کو حقیقتاً رعایا کی خوشدلی کا کسقدر کم خیال تھا۔

"ہم آپ کو صاف طور سے دوبارہ اس بات سے آگاہ کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم اس رائے کے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں جس پر آپ کے بیان کے موافق سب نے اتفاق کیا ہے یعنے یا تو ایک مقررہ جمع کے اصول پر یا محصول اراضی کے ایک ایسے اصول پر جس کا تعین ایک مقررہ اور غیر متغیر شرح پر ہو دوامی بندوبست کا نظام مبنی رہے اور اضلاع مفوضہ و ممالک مفتوحہ

"۳۷۔ عالیجناب کو بہ اجلاس کونسل مختلف موقعوں پر اس بات کے ثبوت ملنے سے اطمینان ہوگا کہ سررشتہ مالگزاری کے دیسی عہدہ دار عطائے امتیاز اعزازی کا روح پرور احساس رکھتے ہیں۔ اس احساس کی نشو و نما نہایت ہی اہم ہے اور سرکاری عمال کا کوئی طبقہ کیوں نہ ہو حکومت کی کبھی یہ خواہش نہ ہوگی کہ اس طرح کی باطل کفایت شعاری پر عمل پیرا ہو جس سے ان عہدہ داروں کے لئے جن پر اس قدر وسیع اعتماد کیا جاتا ہے مفلسی اور بے عزتی کے سوا کوئی دوسرا دروازہ کھلا ہی نہ رہے۔"

اس تشفقہ تجویز کی تاریخ سے ایک ہفتہ کے بعد ۱۸۲۲ء کا دستور العمل نافذ کیا گیا جس میں اس اصول کو بھی بیان کر دیا گیا تھا جس کی رو سے اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ بشمول کٹک تیاس پور اور اسکے دوسرے علاقہ جات میں اسکے بعد سے بندوبست مالگزاری عمل میں لایا جائے گا۔"

یہ بندوبست موضع بہ موضع محل بہ محل از سرنو ہونے والا تھا اور ہندوستان میں "محل" بڑے موضع کو کہتے ہیں۔ اسی لئے شمالی ہند میں جو بندوبست عمل میں آیا تھا وہ محل واری بندوبست کہلاتا تھا۔ کسی محل میں بھی مطالبہ مالگزاری میں اس وقت تک اضافہ نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ یہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ زمینداروں کا منافع اس مطالبہ کے ایک خمس حصے سے بھی زیادہ ہے ایسی صورتوں میں محصول اراضی اس طرح لگایا جائے گا کہ اسکے بعد ہی زمینداروں اور مذکورالصدر دوسرے اشخاص کے لئے جمع کا بیس فی صد حصہ خالص منافع کی شکل میں بچے گا۔" اس طرح ایک ایسے محل میں جس کا زر لگان ۱۲۰۰ پونڈ ہوتا تھا سرکاری مطالبہ ۱۰۰۰ پونڈ تک کر دیا جائے والا تھا جس سے زمین کو ۲۰۰ پونڈ یعنے مطالبہ سرکاری کا ایک خمس بچتا تھا۔ اس طرح محل کے لگان میں تراسی فیصد سے کچھ زیادہ حق سرکار ہوتا تھا۔

مالگزاری کے کلکٹر کاشتکاروں کو ان کے واجب الادا لگان کا تعین کرکے زمینیں پٹے پر دینے کے مجاز کیے گئے۔ ان حالات میں جہاں محل کسی زمیندار کے قبضہ میں ہونے کے بجائے کاشتکاروں کے مشترکہ قبضہ میں ہوتا تھا وہاں

لگان کے پچانوے فیصد حصہ تک سرکاری مطالبہ میں اضافہ ممکن تھا۔ یعنے
پانچ فیصدی حق مالکانہ یاسی اور رسوم نذرانہ و پیشکش وغیرہ کی منہائی کے
بعد جو پانچ فیصد سے کم نہ ہو اور جس کا سرکار تعین کرے گی۔ تمام و کمال
مقدار لگان کی حد تک اضافہ ممکن تھا۔ ان حالات میں کلکٹر مالگزاری مقتدر
و مجاز تھا کہ چاہے وہ موضع کی زمینوں کو جدید طور پر تقسیم کر دے یا ہر کاشتکار سے
بموجب سرکار، واجب الادا ٹھہرتی تھی اس کا از سر نو تعین کرے۔

کلکٹر مالگزاری کو یہ اختیار بھی دیا جا سکتا ہے کہ وہ زمینداروں
اور پٹہ داروں کے درمیان جو کچھ قرار داد ہوں اور جو کچھ معاملات اراضی لگان یا
پٹہ وغیرہ سے متعلق ہوں ان کا تصفیہ کرے۔ کلکٹر کے فیصلے سے عدم اعتماد کی
حالت میں مجلس مالگزاری میں استغاثہ پیش کرنے کی اجازت تھی۔ اور آخر کار
عدالت ہائے دیوانی میں باضابطہ طور پر مقدمہ پیش کیا جا سکتا تھا۔

یہ تھا سب سے پہلا شمالی ہند کا قانون اراضی جو شمالی ہند کی تفویض اور
فتح کے بیس سال بعد نافذ ہوا۔ اور اس کے دفعات کے گہرے امتحان سے اسکے
نقائص ظاہر ہوتے ہیں۔ کلکٹر مالگزاری کی قوت فیصلہ کے سوا اسی قانون میں
کاشتکاروں کے لگان کی ادائی کے لئے کوئی واجبی اور قرین انصاف معیار
نہ تھا۔ اور نہ زمینداروں کے لیئے لگان کے فقط ستر فیصد حصے کے سوا
واجبی منافعہ کی کوئی گنجائش ہی رکھی گئی تھی۔

متعدد بار اس بات کا اقبال کرنے کے بعد بھی کہ ہم بیجا مطالبات سے
احتراز کریں گے اور خالص لگان کا صرف ایک حصہ ہی لیں گے۔ یہ عجیب وغریب
بات اسکے خلاف کی گئی کہ سارا لگان ہی در اصل چٹ کر لیا گیا جس سے زمیندار
اور کاشتکار دونوں بیک وقت مفلوک الحال بن گئے۔ دولت کا جمع کرنا اور
لوگوں کی مادّی حالت کی اصلاح ناممکن ہوگئی، اور پہلے بند و بست کی مختصر میعاد
کے اختتام پر بعد کے بند وبست کے وقت آیندہ سرکاری مطالبات کیلئے
کوئی حد ہی مقرر نہیں کی گئی۔

یہ نظام اسکی اپنی مضمرہ سختی اور تشدد کی وجہ سے آخر چلکر لوٹا اور

"بعد از خرابی بسیار" ۱۸۳۳ء میں کمپنی کے بہترین اور قابل ترین گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنگ نے شمالی ہند کے لوگوں کا کچھ بوجھ ہلکا کیا۔ کسی آیندہ باب میں ہم ۱۸۳۳ء کے بندوبست اراضی کے بیان کی طرف پھر متوجہ ہونگے۔

بارھواں باب

جنوبی ہند کی معاشی تاریخ ۱۸۰۰ء

پچھلے باب میں ہم نے ، بنگالہ ، مدراس اور شمالی ہند کے بند وبست ہائے اراضی کی ساری سرگزشت بیان کردی اور ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ہر جگہ مقامی حکام دوامی بند وبست مالگزاری کے لئے متقاضی تھے ۔ بنگالہ میں دوامی زمینداری بند وبست ۱۷۹۳ء میں کردیا گیا اور یہی ۱۷۹۵ء میں بنارس میں بھی رائج کیا گیا. مدراس میں بھی ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۵ء کے درمیان شمالی سرکار اور دوسرے مقامات میں دوامی زمینداری بند وبست کردیا گیا مگر اس کے بعد نظمار کی حکمت علمی میں ایک تغیر واقع ہوا ۔ ایک طرف تو ٹامس منرو نے دوامی رعیت داری بند وبست کی تجویز پیش کی مگر دوسری طرف مجلس مالگزاری نے دوامی موضع واری بند وبست کی سفارش کی ، رعیت واری بند وبست تو کیا گیا لیکن اسکے دوامی ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا ۔ شمالی ہند میں لارڈ ولزلی نے ۱۸۰۳ء میں اور پھر ۱۸۰۵ء میں برطانوی حکومت کی جانب سے دوامی زمینداری بند وبست کا حتمی وعدہ واقرار کیا ۔ اور لارڈ منٹو اور لارڈ ہیسٹنگز نے نظمار سے ایفائے عہد کے لئے تقاضا بھی کیا ، مگر نظمار نے

شکست عہد کرکے محل واری بندوبست کا حکم دیا۔ اور وہ بھی دوامی نہیں۔

ہندوستان میں انگریزی راج کے دوسرے دور میں جو بندوبست ہوئے اُن کی سرگزشت اس طرح کی ہے کہ انگریزی حکمرانوں نے عہد اولی میں یعنے کلائیو اور وارن ہیسٹنگز کے دور میں کہیں بھی بندوبست نہیں کیا۔ اراضی کے مسئلے نے ان کو بالکل پراگندہ خاطر کر دیا تھا۔ اور ان کے تشدد آمیز اور ہمیشہ بدلنے والے استظامات کا نتیجہ ظلم اور زیادتی اور ناکامی کے سوا اور کچھ نہ نکلا۔ عہد ثانی یعنے کارنوالس، ویلزلی اور لارڈ ہیسٹنگز کے دور میں بنگالہ، بنارس اور شمالی سرکاروں میں دوامی زمینداری بندوبست ہوا۔ مدراس کے نو حاصلہ مقبوضات میں رعیت واری بندوبست عمل میں آیا، جو دوامی نہ تھا اور شمالی ہند کے "اضلاع مفتوحہ" اور "ممالک مفتوحہ" میں غیر دوامی محل واری بندوبست ہوا۔

اس قصے کے اثنا میں اب ہم کچھ توقف اسلئے کریں گے کہ انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ہندوستان کے لوگوں کی اقتصادی حالت کیا تھی اسکی بھی چھان بین کرلیں۔ ہندوستان کے لوگ کس طرح زندگی گزارتے ہیں، کھیتوں کی کاشت کرتے ہیں۔ کاریگری اور دستکاری کرتے ہیں اور کیا پیدا کرتے ہیں عورتوں کا کیا شغل و پیشہ ہے ان سب چیزوں کی کسی قدر تفصیلی تحقیقات، ضروری ہے۔ لوگوں کی عہد بعہد مادی حالت کا بغور مطالعہ کرنے سے زیادہ کوئی اور مطالعہ اقوام کی تاریخ میں دلچسپ اور آگاہی بخش نہیں اور خوش قسمتی سے ڈاکٹر فرانسیس بکانن کے (جس کو انگریزی سرکار نے پہلی دفعہ اعداد و شمار کی تحقیقات کے لئے مقرر کیا تھا) تصانیف وغیرہ میں ہندوستان کے لوگوں کی صنعتوں اور پیشوں وغیرہ کے متعلق تفصیلی معلومات درج ہیں۔

۲۴۔ فروری سنہ ۱۸۰۰ء میں لارڈ ویلزلی ہندوستان کے گورنرجنرل وقت نے ڈاکٹر فرانسیس بکانن کو جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا بحیثیت طبیب ملازم تھا جنوبی ہند میں اس گوشے سے اُس گوشے تک اسی غرض سے سیاحت کرنے بھیجا کہ وہ پھر کر لوگوں کی عام حالت زراعت اور صنعتوں کی معاشی تحقیقات کرے۔ مدراس کی عملداری سے چلکر ڈاکٹر بکانن نے کرناٹک، میسور، کوئمبتور، ملیبار اور کنٹرا کی

سیاحت کی اور راس کا سفرنامہ اور نتائج تفتیش بشکل روزنامچہ ۱۸۰۷ء میں لندن میں تین جلدوں میں شائع کیا۔ اس باب میں یہی تصنیف جس میں جنوبی ہند کے لوگوں کے ۱۸۰۰ء کے حالات درج ہیں۔ ہماری رہنمائی ہوگی۔ ڈاکٹر بکانن نے شمالی ہند میں بعد کو جو تحقیقات کی ہے اس کا بیان اسکے بعد کے باب میں آئے گا۔

جاگیر مدراس

۲۳۔ اپریل ۱۸۰۰ء کو ڈاکٹر بکانن اعداد و شمار کی تحقیقات کیلئے مدراس سے دورہ پر روانہ ہوا۔ مدراس کے قرب و نواح میں افتادہ زمین نہیں تھی اگر بارش اچھی ہوتی تھی تو وہاں کی فصل بھی اچھی ہوتی تھی۔ بعض مقامات میں قدیم تالابوں اور خزانئے آب سے ہی کھیتوں کی آبپاشی ہوتی تھی۔ اور یہ کھیت دھان سے گویا ڈھکے رہتے تھے۔ مخیر لوگوں نے راستوں پر مسافروں کے مفت قیام کے لیئے "چولتریاں" یعنے مسافر خانے تعمیر کئے تھے۔

اس سے آگے مغرب کی طرف جو سڑک جاتی تھی وہ ایک ایسے مقام سے گزرتی تھی "جو اس وقت بالکل عریاں" نظر آتا تھا مگر کہیں کہیں ناریل کے نخلستان کی شکل میں آثار ترقی نمایاں تھے۔ کنداتر کے مقام کا منظر بدلا ہوا تھا اور بہت خوشنما تھا۔ یہاں ڈاکٹر بکانن نے ہندوؤں کا قدیم انتظام آبپاشی دیکھا جسکے لئے ہمیشہ سے جنوبی ہند مشہور رہا ہے۔ ایک بہت بڑا پانی کا خزانہ تھا۔ جو دو قدرتی پہاڑیوں کے درمیانی شگاف پر پشتہ باندھ کر بنایا گیا تھا۔ اس کا طول آٹھ میل کا تھا اور عرض تین میل کا۔ اس سے بے شمار چھوٹی چھوٹی نہریں نکلی تھیں جن سے موسم گرما میں کھیتوں کی آبپاشی ہوتی تھی۔ بارش میں چیر ندی کے پانی سے یہ خزانہ بھر جاتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دور پر اس میں نالیاں بنی ہوئی تھیں جو بیس تیس گز عریض تھیں اور ان نالیوں کی پھروں سے پشتہ بندی کی گئی تھی۔ جو غیر ضروری پانی کو بہا کر نکال دینے کے لیئے ڈھلوان

نصب کئے گئے تھے۔ اس خزانے سے ستیس مواضعات کی زمینوں کی آبپاشی اٹھارہ مہینے کی خشک سالی رہنے تک ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر لیکانن نے لکھا ہے کہ "ایک ایسے ملک میں جہاں بارش کی قلت سے قحط ہوتا تھا ایسا پانی کا خزانہ جیسا کہ یہ ہے بے اندازہ قدر و قیمت رکھتا ہے"۔ اس سے بھی آگے مغرب کیجانب بڑھیں تو گنداتر و اور سری پرماترو کے درمیانی ملک میں بنجر زمینوں اور خاردار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ کاشت بالکل نہ تھی اور اکثر جگہ اگر فصل بھی بوئی جاتی تو اس سے تخم کی تلافی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ بریں ہم تاڑ اور جنگلی کھجور کے درخت قدرتی طور پر اس زمین میں اُگ گئے تھے اور اول الذکر سے مشروبات مثلاً تاڑی اور رنجاگیرہ کی شکل میں پیدا ہوتے تھے۔

سری پرماترا میں ایک اور قدیم خزانۂ آب تھا جس سے موضع کے اراضی کی جہاں دو ہزار سے زیادہ ایکر دھان کے کھیتوں کے لئے مخصوص تھے آبپاشی ہوتی تھی۔ اس مقام سے اور آگے بڑھکر قدیم ہند و راج دھانی یعنے کانچی یتم جواب کنجیورم کہلاتا ہے زمین بالکل بنجر اور خالی پڑی ہوئی تھی اور یہاں بہت تھوڑی کاشت تھی۔

کنجیورم میں ایک قابل فخر بہت بڑا قدیم خزانۂ آب تھا جس سے متعدد کھیتوں کی آبپاشی ہوتی تھی جن میں دھان لہلہاتی تھی۔ نواب محمد علی کے دیوان نے بھی ایک نہایت عمدہ تالاب تعمیر کرایا تھا جس میں پتھر جڑا ہوا تھا اور نیچے تک سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس مقام پر چولتریاں "یعنے سنگ بستہ سرائیں مسافروں کے آرام و پناہ کے لئے بنائی گئی تھیں جن کے ستونوں پر نہایت عرق ریزی سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔

کنجیورم ایک بڑا شہر تھا جو ایک قاعدے پر تعمیر کیا گیا تھا لیکن یہاں کوئی بڑی آبادی نہ تھی۔ متعدد عمارتیں خالی پڑی ہوئی تھیں اور مکانات ایک منزلہ تھے، ان کی دیواریں مٹی کی تھیں۔ اور چھتیں کھپریل کی۔ انکی وضع مربع ہوتی تھی اور بیچ میں ایک صحن ہوتا تھا، گلی کوچہ وسیع اور پاک و صاف تھے اور ایک دوسرے کے زاویۂ مستقیم پر تھے جنکے دونوں جانب

ناریل کے درختوں کی دو قطاریں تھیں۔ یہاں کے اکثر برہمن یا تو شنکر چاری کے پیرو تھے یا رامنجو چاری کے۔ اول الذکر نویں صدی عیسوی میں زندہ تھے اور وید کے سخت پابند تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ساری کائنات کی ایک ہی روح اولیں ہے۔ موخر الذکر گیارہ صدی عیسوی میں زندہ تھے وید کی پیروی میں عام خیالات کے پابند تھے اور شخصی خدا پر ایمان رکھنے کی تبلیغ کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں شنکر چاری کے عقائد اکثر سیوائے کی پرستش سے ملے جلے ہوئے ہیں اور رامنجو کے وشنو کے کی پرستش میں مخلوط ہو گئے ہیں۔

کنجیورم سے روانہ ہو کر ڈاکٹر بکانن نے ڈمرلوٹک جو جاگیر مدراس کا آخری موضع تھا سوائے ویرانہ کے کچھ نہ پایا۔ پلار کی ندی سے ایک نہر بہتی تھی جو ڈمرلو اور راولور کے درمیان قیمتی اراضی کی جن میں دھان کی کاشت ہوتی تھی آبپاشی کرتی تھی۔ اولور کی زمین اچھی تو تھی مگر تابی کے فصل کے کام کی تھی۔ اور کھیتوں کے بیچ میں درخت اور جھاڑی بھی آگئی تھی۔

فی الجملہ جاگیر مدراس ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں نصف صدی سے زیادہ زمانہ گزر رہا کہ آچکی تھی مگر سر سبز و شاداب حالت میں نہ تھی۔ متعدد لڑائیوں کی وجہ سے محصول اراضی کے بار سنگین سے اور محاصل کو مقامی اصلاحات میں لگانیکی بجائے کمپنی کے منافع پر رقم لگانیکے لئے اشیاء کی خرید میں صرف کر دینے سے ملک افلاس زدہ ہو گیا تھا اور آبادی نہایت ہی قلیل و منتشر رہ گئی تھی۔ کنداترہ میں مسٹر پلیس کلکٹر وقت نے اپنے نظم و نسق کے دوران میں قدیم خزانہ آب کی مرمت کی تھی اور محصول اراضی میں بھی بہت کچھ اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن زمین کے لمبے لمبے خطے ایسے بھی تھے جن کی نہ آبپاشی ہوتی تھی اور نہ کاشت اور آبادی نہایت ہی مختصر و منتشر رہ گئی تھی۔ ڈاکٹر بکانن نے ان کا نام "لق و دق ویرانہ" رکھا تھا اور بعینہ یہی حالت وہاں کی تھی۔

کرناٹک

جس زمانہ میں ڈاکٹر بکانن کرناٹک سے دوران سفر میں گزر رہا ہے اس

وقت تک لارڈ ولزلی نے کرناٹک کا الحاق نہیں کیا تھا اور یہ مقام اگرچہ اصل میں عمال کمپنی ہی کے نظم ونسق میں تھا مگر برائے نام نواب ارکاٹ کے زیرنگیں کہلاتا تھا۔

ارکاٹ کو جاتے ہوئے ڈاکٹر بکانن نے ایک اور قدیم پانی کا خزانہ دیکھا جو کیوری پاک کہلاتا تھا۔ یہ خزانۂ آب آٹھ میل طویل اور تین میل عریض تھا اور اس سے ملک کا بہت بڑا حصہ قابل زراعت بن گیا تھا۔ تعمیرات عامہ کا کوئی اور کام اس سے زیادہ اطمینان بخش میری نظر میں نہیں جچا جیسا کہ یہ انتظام جس سے ایک کثیر آبادی کو اپنی اخلاقی حالت کے موافق ہر طرح کی آسودگی سے مستفید ہونیکا موقع ملتا ہے

کیوری پاک سے ارکاٹ کو جو سڑک جاتی تھی وہ نہایت ہی خراب تھی اور بمشکل گاڑیاں چلنے کے لایق تھی۔ بریں ہم لوگ بیلوں کی گاڑیوں میں سفر کرتے تھے اور بعض وقت مسلمان عورتیں برقعوں میں لپٹی لپٹائی بیلوں پر سوار راستہ طے کرتی تھیں۔ شہر ارکاٹ وسیع تھا اور یہاں موٹا سوتی پارچہ بنتا تھا۔ مکانات بھی اُتنے ہی اچھے تھے جیسے جاگیر مدراس کے اکمنہ تھے۔ قرب ونواح کی پہاڑیوں پر کچھ اُگتا نہ تھا۔ اور یہ سب پہاڑیاں بھربھرے پتھر کی تھیں جو فرسودہ ہوکر مٹی ہو رہے تھے۔ ارکاٹ اور مغربی پہاڑوں کی درمیانی زمینیں اچھی تھیں جس میں باغ بھی تھے۔ اور رتابیکی فصل بھی ہوتی تھی۔ مگر دوسری سب زمینیں بنجر تھیں۔

مغرب کی طرف جو سڑک ارکاٹ سے ویلور کو اور ویلور سے پالی گنڈہ کو جاتی تھی وہ پلار ندی کی وادی سے ہوکر گزرتی تھی۔ یہ زمین سرسبز وشاداب تھی۔ قلعۂ ویلور بڑا بھی تھا۔ اور خوشنما بھی۔ شہر بھی بڑا تھا اور ہندو وضع کا بنا ہوا تھا۔ مگر سڑک پر جو گاؤں تھے، وہ نہایت ہی خراب وخستہ پڑے ہوئے تھے اور اکثر تو بے چراغ تھے۔ پالی گنڈہ کے لوگ نہروں کے ذریعہ جو ریت میں چھ یا سات فٹ گہری کھودی جاتی تھیں پلار ندی سے پانی لیتے تھے۔ اور دوسری نہروں سے کھیتوں کو سیراب کرنے کیلئے اس پانی کو لیجاتے تھے۔ اس طرح ویلور کی وادی کرناٹک میں سب سے بہتر خطۂ زمین بن گئی تھی۔

بڑا محل

ڈاکٹر بکانن پھر مشرقی گھاٹیوں پر چڑھ کر ونکٹاگری کو جو بڑے محل کے

حدود میں واقع ہے ۴ مئی کو پہنچ گیا۔ چند سال قبل ٹامس منرو نے اس ملک کا
بندوبست کر دیا تھا۔ اس خطے کے نشیب و فراز نے ڈاکٹر بکانن کے دل میں انگلستان کی
یاد تازہ کر دی جہاں تک ڈاکٹر بکانن کو جانچنے کا موقعہ ملا اُسے معلوم ہوا کہ اس ملک کے
نصف حصہ کی کاشت ہوتی تھی۔ اور باقی حصہ میں پہاڑی تھی۔ یہ حصہ رمنے کے
کام میں لایا جاتا تھا۔ یہاں فلزی (خام دھات) اور سیاہ ریت کو پگھلا کر اس سے
لوہا سودھا جاتا تھا اور ملک کے اکثر حصوں میں معمولی نمک ملتا تھا۔ زیبنات سُرخ
چکنی مٹی کی زرنگاری تھیں جن میں گارا اور پھر بھرے پتھر پٹے ہوئے تھے۔ گاؤں
میں اور شہروں میں جھونپڑیوں کی دیواریں پتھر سے بنائی جاتی تھیں اور ان کی
سطح ہموار کرنے کے بعد ان پر سیدھی موٹی موٹی لکیریں ایک لال ایک سفید
رنگ کی کھینچی جاتی تھیں۔ بعض مقامات پر نیچے چھتوں پر اسی مٹی کے بالاخانے
بھی بنائے گئے تھے۔

مشرقی میسور

ڈاکٹر بکانن میسور کے راجہ کی عملداری میں اب داخل ہوا۔ اس راجہ کو
ویلزلی نے سال ماقبل میں ٹیپو سلطان کے زوال کے بعد تخت نشین کیا تھا۔
ڈاکٹر بکانن نے دیکھا کہ وہ الیرو ایک بڑا شہر تھا جہاں ہر ہفتہ منڈی لگتی تھی۔
اور کپڑا بھی بنا جاتا تھا جس کی بیرون ملک بڑی فروخت تھی۔ قرب و نواح کے
مواضعات میں موٹے موٹے کمبل بھی بکثرت بنتے تھے۔ زراعتی زمینیں تمام
زمینوں کا سات عشر تھیں اور ان کے شاید بیسویں حصے کی آبپاشی ہوتی تھی۔ ندیا ندی
کے کنارے پر دھان کی کاشت ہوتی تھی۔ عورتیں ٹوکریوں میں کھاد لا لاکر کھیتوں
میں دیتی تھیں بھینسوں اور بیلوں سے ان میں ہل چلایا جاتا تھا۔
مئی کی ۱۰ تاریخ کو ڈاکٹر بکانن منگلور پہنچا یہاں حیدر علی نے مسلمانوں کی
جنگی وضع کا بہترین سرحدی قلعہ تعمیر کیا تھا جسے حیدر علی کے بیٹے ٹیپو سلطان نے انگریزی
فوج کی بہادری وجوانمردی کے مقابل ناکارہ پاکر مسمار کر دیا۔ یہاں کے باغ وسیع
اور مربع روشوں میں منقسم تھے۔ سرو کے درخت اور انگور کی بیلیں اب تک آب و ہوا

میں کثرت سے نشو و نما پاتی تھیں، سیب اور شفتالو کے درخت بھی پھلتے پھولتے تھے صنوبر اور بلوط کے چند پودے راس امید (کیپ اوف گڈ ہوپ) سے لائے گئے تھے اور یہ ترو تازہ تھے۔ بنگلور کے نواح کی زراعتی زمینیں ملک کی تمام اراضی کے چار عشر سے زیادہ نہ تھی اور جن زمینوں کو پہلے پانی ملتا تھا اُن کا وہ مختصر حصہ بھی جو پہلے زیر کاشت تھا۔ حال کی لڑائیوں میں پانی کے خزانوں کی نگہداشت نہ ہونیکی وجہ سے اب زیادہ تر افتادہ تھا۔ حیدر علی کے بعد جب ٹیپو سلطان سریر آرائے سلطنت ہوا تو ملک سرسبز و شاداب تھا اور ڈاکٹر بکانن نے ہر شخص کو حیدر علی کا بڑا مداح و ثنا خواں پایا۔ لیکن ٹیپو کے مظالم یا لڑائیوں کی وجہ سے لوگوں کو بڑی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ اور چار عشر کاشتکاروں کو اپنا دیس اور گھر بار تک چھوڑنا پڑا تھا۔

۸ اپریل کو ڈاکٹر بکانن نے سرنگاپٹن میں جو اس وقت میسور کے راجہ کا پایہ تخت تھا اپنا خریطۂ وکالت پیش کیا، اس کے دوسرے روز پورنیا سے ملاقات کی۔ پورنیا وہی مشہور دیوان تھا جس کے نظم و نسق کی جنرل ولزلی نے (جو بعد کو ڈیوک ولنگٹن ہوا) اور ہندوستان میں ہر انگریز نے جس کو اس سے ملنے کا اتفاق ہوا بڑی تعریف کی۔ پورنیا کو ٹیپو سلطان کے عہد میں بھی بڑا اقتدار حاصل تھا اور اگر ٹیپو سلطان اپنے دیوان کے مشورہ پر چلتا ہوتا تو پورنیا ٹیپو سلطان کو بچا لیتا۔ ٹیپو کے زوال کے بعد نئے راجہ کے عہد میں تو پورنیا ہی دراصل میسور کا حکمراں بن گیا تھا۔

سرنگاپٹن کی آبادی ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں ڈیڑھ لاکھ کی تھی لیکن اب لڑائیوں کی وجہ سے وہاں کی اس قدر خراب حالت ہوگئی تھی کہ آبادی کم ہوتے ہوتے بمشکل تیس ہزار رہ گئی تھی۔ کاویری ندی کے شمالی کنارے کی آبادی پٹانا آشٹاگرم کہلاتی تھی اور جنوبی کنارے کی "مہا شورہ اشٹاگرم" کے نام سے مشہور تھی۔ ندی کے دونوں کناروں سے جیسا جیسا فاصلہ بڑھتا جاتا تھا سطح زمین بلند اور قدرتی طور پر زرخیز نظر آتی تھی۔ نہروں کا ایک اعلیٰ نظام قائم تھا جس سے یہ اراضی سیراب ہوتی تھی۔ اور ان نہروں کی شاخ سے زمین کے درمیانی حصوں کو بھی پانی پہنچتا تھا۔ کاویری ندی کا پانی ان نہروں کے منبع میں اسی کٹ یا پشتہ

باندھکر لایا گیا تھا جس کو بھربھرے پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں لگاکر ایک کثیر مصارف پر بنایا گیا تھا۔ ڈاکٹر بکانن ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ یہ اعلیٰ اور کارآمد تعمیر حیدر علی کی کی ہوئی تھی۔ یا اس کے پیشرو ہندوؤں کی لیکن ٹیپو سلطان کی لڑائیوں میں بہت بڑا نقصان ہوا تھا۔ مندر، گاؤں اور ندیوں اور تالابوں کے بند سب ٹوٹ گئے تھے۔ نہریں بند پڑی تھیں۔ بہرایں ہم پورنیا کے نظم و نسق میں صنعت و حرفت اور زراعت میں نئی جان پڑ رہی تھی۔ "ہر چیز میں پہلی سی حالت نمایاں ہو رہی ہے۔ گاؤں کی از سرِ نو تعمیر جاری ہے۔ نہریں صاف کی جارہی ہیں جہاں مرگ اور جنگلات کے پہرہ دار بستے تھے وہاں پھر اب غریب بیل اپنی کارآمد محنت میں لگے ہوئے ہیں۔

اس کتاب میں میسور میں دھان کاٹنے اور اُس کو حفاظت سے رکھنے کے طریقہ کو تفصیل کیساتھ بیان کیا گیا ہے۔ دھان کے کھیتوں کا پانی ان کو کاٹنے سے ایک ہفتہ پہلے بند کر دیا جاتا تھا اس کے بعد زمین سے چار انچ چھوڑ کر دھان کاٹ لیا جاتا تھا اور گٹھوں کو اندر کی طرف رکھ کر ایک ڈھیر لگا دیا جاتا تھا اس سے ایک ہفتہ گزرنے کے بعد کھلیاں میں اناج پھیلا کر اس پر بیلوں کو چلایا جاتا تھا۔ پھر اس کے ڈھیر لگائے جاتے تھے۔ اور ہر ڈھیر میں سات کنڈ کان یعنے (۴۴۳) بشکل (بیس سیر کا پیمانہ) ہوتے تھے۔ ہر ایک ڈھیر پر چکنی مٹی سے ایک نشان کر دیا جاتا تھا اور پتنگوں سے ڈھانک کر سرکار اور کاشتکار کے درمیان ان کی تقسیم عمل میں آنے تک بیس ۲۰ تیس ۳۰ دن کے لئے اس کو یوں ہی چھوڑ دیا جاتا تھا اپنے حصے کے اناج کو محفوظ رکھنے کے لئے کاشتکار مختلف طریقے اختیار کرتے تھے۔ بعض سخت پتھریلی زمین میں ایک چھوٹا گڑھا کھود کر جس کی گہرائی ۴۔۲ فیٹ کی ہوتی تھی اور جس کے فرش اور چھت اور دیواروں پر بھونسا بچھا دیا جاتا تھا، اپنا اناج اس میں رکھتے تھے جس کی مقدار ہر گڑھے میں (۱۲۰۹) بشکل تک ہوتی تھی۔ بعض گوداموں میں جن کے فرش پر مضبوط تختے جڑ دیئے جاتے تھے۔ بعض مٹی کی بنی ہوئی گولیوں میں بھر کر رکھتے تھے جن کے منہ اُلٹی ہانڈیوں سے ڈھانک دیئے جاتے تھے۔ اور ان کے پیندے کے سوراخ سے حسب ضرورت اناج

نکال لیتے تھے اور بعض بوریہ کے تھیلوں میں چاول رکھتے تھے۔ چاول کے علاوہ سرنگاپٹن میں سونگ، تل اور گنے بھی ہوتے تھے خشکی کی زمین میں راگی بھی بہت بوئی جاتی تھی۔ اور راگی ادنی طبقہ کی یہی غذا تھی خشکی کے غلہ میں جوار اور باجرہ درجہ دوم پر تھے۔

سرنگاپٹن کے نواح کے ہر ایک کھیت میں عموماً دو یا تین جوت کے برابر زمین ہوتی تھی کسی کے پاس صرف ایک ہل کا ہونا گویا مفلسی کی علامت تھی۔ اور جن کے پاس چار یا پانچ ہل ہوتے تھے وہ بڑا کاشتکار کہلاتا تھا۔ کسی شخص کے پاس پانچ ہل اگر ہوں تو وہ تقریباً ۱۲½ ایکڑ تری کی زمین اور ۲۵ ایکڑ خشکی کی زمین کی کاشت کرتا تھا۔ کاشتکار یا کسان اپنے قبضہ سے اس وقت تک بے دخل نہیں کیا جاتا تھا جب تک وہ واجبی لگان ادا کرتا تھا چنانچہ ٹیپو کے عہد میں بھی اس طرح کا کوئی واقعہ ایک عجوبہ شکایت سمجھا جاتا تھا بلکہ برخلاف اس کے سرکار جب لگان لیتی تھی تو سرکار پر یہ بھی لازم تھا کہ نہروں اور تالابوں کی مرمت کرائے اور ان کو اچھی حالت میں رکھے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تنخواہ سرنگاپٹن کے نواح میں ۶ شلنگ ۸½ پنس اور شہر سے دور مقامات میں ۵ شلنگ ۴ پنس ماہوار ہوتی تھی۔ کھیتوں میں اکثر عورتیں بھی کام کرتی تھیں اور کھاد ٹوکروں میں بھر بھر کر، سروں پر ڈھوتی تھیں۔ عورتیں عموماً خوش پوشاک سڈول اور سجیلی ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر بکانن کہتا ہے کہ اس ملک کی اکثر مزدور پیشہ عورتیں جس قدر خوش وضع اور رنگیلی ہوتی تھیں ان سے زیادہ اچھی شکل و وضع کی میں نے کہیں نہیں دیکھی خصوصاً ان کی گردنیں اور بازو تو نمایاں طور پر خوبصورت اور سڈول ہوتے ہیں"۔

۶ جون کو ڈاکٹر بکانن بنگلور واپس جانے کے لئے سرنگاپٹن سے روانہ ہوا۔ منڈیم میں اس نے یہ دیکھا کہ دھان کے کھیت تمام تر تالابوں اور پانی کے خزانوں سے ہی سیراب ہوتے ہیں۔ اور ہندورو کے مقام میں ڈاکٹر بکانن نے پانی کا ایک خزانہ دیکھا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ سات سو سال کے پہلے اس کو وشنو اور دھانا رایا نے تعمیر کیا تھا۔ قرب و نواح کی ندیوں سے اس میں پانی پہنچتا

باندھکر ایک نہر کے ذریعہ سے لایا گیا تھا۔ اور جب اس خزانہ کی مرمت اچھی ہوئی تھی تو اس کے پانی سے آس پاس کے کھیت جن کی سطح اس خزانہ سے نیچی ہوتی تھی۔ سال بھر تک سیراب ہو سکتے تھے۔ چیناپٹن میں جو پہلے سے۔ چاند پور رایا نامی ایک پالی گار خاندان کی قیام گاہ رہ چکا تھا۔ مینا کی، زیبائشی چھلے اور انگشتریاں، موسیقی کے آلات کے لئے فولاد کے تار سفید اور صاف شکر اور مختلف اشیاء بنائی جاتی تھیں۔ دوسرا اہم مقام رآماگری تھا جو رستے ہی میں پڑتا تھا لیکن ۱۷۹۲ئہ میں لارڈ کارنواس کی میسور پر فوج کشی نے اس کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ چنانچہ آبادی کا ایک بڑا حصہ بھوکوں مر مر کر فنا ہو چکا تھا۔ سکادی کو پہنچکر سڑک ایک عجیب و غریب غیر آباد مقام سے گزرتی تھی۔ جہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور وادیوں کے سوا کچھ نہ تھا جن میں خریف کے اجناس کی کاشت ہوتی تھی۔ سوآنا درگا کے قریب قیمتی چوبینہ اور بانس کے درخت تھے۔ اس مقام کو لارڈ کارنواس نے یلغار کر کے فتح کر لیا تھا اور اسوقت سے اب تک یہ غیر آباد تھا۔ قریب کی پہاڑیوں میں لوہا بنایا جاتا تھا۔ اور زراعت کے آلات بنانے کے لئے اس کو بھٹی میں متعدد بار پکا کر صاف کیا جاتا تھا۔ اسلحہ اور ہتھیار کے لئے فولاد بھی بنایا جاتا تھا۔ چوبینہ اور صندل کی لکڑی اس نواح میں ہوتی تھی۔ لاکھ کے کیڑوں کی پرورش کیجاتی تھی جن سے وہ مشہور رنگ بنایا جاتا تھا جس کے لئے قدیم زمانہ سے ہندوستان مشہور تھا ۲۱ جون کو ڈاکٹر بکانن بنگلور کو پہنچ گیا۔

حیدر علی کے عہد حکومت میں بنگلور کی بڑی تجارت تھی اور صنعت و حرفت بھی وسیع پیمانہ پر تھی۔ ناعاقبت اندیشی سے ٹیپو سلطان نے کرناٹک اور ممالک محروسہ سرکار عالی سے تجارت کی ممانعت کر دی جس کی وجہ سے بنگلور کی تجارت پر زوال آگیا لیکن ہندو شاہی خاندان کو گدی واپس ملنے کے بعد سے بنگلور کی اہمیت بڑھ رہی تھی۔ پونا کے تجار شال اور مشک و زعفران کشمیر سے اور موتی سورت سے یہاں لانے لگے۔ برہان پور کے تاجر چھینٹ اور سنہری لیس ناگاو رکپڑے درآمد کرتے تھے لال سوتی

کپڑا جس میں سنہری رُوپہلی گُل بُوٹے ہوتے تھے ممالک محروسہ سرکار عالی سے آتا تھا نمک، ٹمین، کتھل، تانبا اور یوروپی سامان تجارت کرناٹک سے بنگلور سے زیادہ تر جو برآمد ہوتی تھی وہ سپیاری، صندل کی لکڑی، سیاہ مرچ، الائچی اور املی کی تھی۔ کمبل اور روئی بڑی مقدار میں درآمد ہوئی تھی۔

سامان تجارت کی باربرداری کا کام مویشی سے لیا جاتا تھا۔ ایک سال میں ڈیڑھ ہزار بیلوں کے بوجھ کے برابر روئی پچاس بیلوں کے بوجھ کے مساوی بدیسی سامان درآمد ہوتا تھا اور چار ہزار بیلوں کے بوجھ کے مساوی سپاری اور چار سو بیلوں کے بوجھ کے برابر گول مرچ برآمد ہوئی تھی۔ سوتی کپڑا بننے والے جولاہے گھر کے استعمال کے لئے کپڑا بنتے تھے۔ اور ریشمی پارچہ باف زرق برق مضبوط پارچہ بناتے تھے۔ ریشم کو لال لاکھی رنگ کیا جاتا تھا اور زعفرانی رنگ سے اور ہلدی سے پیلا رنگا جاتا تھا۔ جولاہے جو ریشمی قور کا سوتی کپڑا مزدوری سے بناتے تھے۔ وہ آٹھ پین روزانہ کماتے تھے۔ اور جو ریشمی پارچہ بناتے تھے وہ چھ پین پیدا کرتے تھے۔ بطور خود کام کرنے والے جولاہے تاجروں سے پیشگی رقوم لیتے تھے۔ اور کپڑا کسی عام منڈی میں نہیں بیچتے تھے بلکہ تاجروں کو یا خانگی گاہکوں کو فروخت کر دیتے تھے۔ اقسام کی سادہ ململ بنائی جاتی تھیں جن کی بڑی فروخت تھی۔ برہمنوں کے سوائے ہر ذات اور ہر قوم کی عورت ہفتہ وار منڈیوں میں روئی خریدتی تھی۔ اور گھر ہی میں کات کر جولاہوں کو بیچتی تھی۔ اس طرح ہر طبقہ کے مرد و عورت کے لئے کاتنا اور بننا ایک نفع بخش مشغلہ تھا۔

نیل رنگنے کے بہت کام آتا تھا، چمڑے کی قماش ایک منفعت بخش حرفت تھی۔ ارنڈی، ناریل، تل اور اقسام کے تیل اُتارے اور بیچے جاتے تھے۔

بنگلور کے ایک قریبی گاؤں میں ڈاکٹر بکانن کو کسی نے اطلاع دی کہ تاجر اکثر کاشتکاروں کو لگان ادا کرنے کے لئے پیشگی رقوم دیتے تھے اور اسکے بعد آدھی فصل اصل و سود کی ادائی میں لینے پر قانع تھے۔ ملت دیہی میں تقسیم فصل کا نظام جیسا کہ ڈاکٹر بکانن نے بیان کیا ہے بہت دلچسپ ہے۔ اناج کا ایک ڈھیر جس میں اوسط بیس کندکان یا (۲۴۰۰) سیر تقریباً (۴۸۰۰) پونڈ ہوتے تھے اس طرح

تقسیم کیا جاتا تھا :-

گانوں کے پوجاری کو۔	۵ سیر
گانوں کیطرف سے خیرات میں۔	۵ "
گانوں کے جوتشی کو۔	۱ "
گانوں کے برہمن کو۔	۱ "
گانوں کے نائی کو۔	۲ "
گانوں کے کمہار کو۔	۲ "
گانوں کے لوہار کو۔	۲ "
گانوں کے دھوبی کو۔	۲ "
گانوں کے جریب کش کو۔	۴ "
گانوں کے ہرکارہ کو۔	۷ "
گانوں کے چودھری کو۔	۸ "
گانوں کے محاسب کو۔	۱۰ "
گانوں کے چوکیدار کو۔	۱۰ "
گانوں کے محاسب کو۔	۴۵ "
گانوں کے چودھری کو۔	۴۵ "
داروغۂ آبپاشی کو۔	۲۰ "
	۱۶۹

اس طرح کھیتوں کی پیداوار کے ۱/۲ ۵ فی صد تقسیم سے گانوں والوں کے لئے حجام کمہار، لوہار، پجاری اور جوتشی اہل پیشہ کی خدمات حاصل ہوتی تھیں مابقی پیداوار سے دیسمکھ یا زمیندار کا دس فی صد حق ہوتا تھا۔ اور اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسکی سرکار اور کاشتکار کے درمیان علی التسویہ تقسیم ہوتی تھی۔ جب حیدر علی نے سلکھ نکو برخاست کردیا تو اس نے اُن کے حصہ کو بحق سرکار بحق کرلیا۔

شمالی میسور

۳ر جولائی کو بنگلور سے روانہ ہوکر ڈاکٹر بکانن نے میسور کے شمالی اقطاع کا ایک لمبا اور چکر کا دورہ کیا۔ کولار کے اطراف کی ساری زمینیں صرف پانی کے خزانوں سے سیراب ہوتی تھیں جن میں سے اکثر خزانے تو خانگی لوگوں نے بنوائے تھے۔ لیکن بڑے بڑے خزانوں کو خود سرکار نے اپنے مصارف سے کھدوایا تھا۔ مالگزاری کا قدیم نرخ جو ہندوؤں کی، قدیم کتب قوانین میں درج تھا وہ پیداوار کا ۱/۶ یا ۱/۸ یا ۱/۱۲ حصہ ہوتا تھا۔ اور جب ہند کے والیان ریاست اور سرداروں نے پیداوار کے اتنے بڑے حصے یعنے نصف کا مطالبہ کیا تو یہ اس لئے تھا کہ مصارف ذاتی سے بڑے بڑے ذرائع آبپاشی حاصل کرکے اور انھیں برقرار رکھ کر انھوں نے کاشت کا سامان کیا تھا۔ اور وہ اپنا حصہ زر نقد میں وصول کرنے کے بجائے جنس میں لیتے تھے۔

کولار میں دھان، گنا، سپاری اور ترکاریاں تری کی زمینوں میں ہوتی تھیں۔ اور دھان کی پیداوار راگی کی خشک فصل کی پیداوار کے تقریباً مساوی تھی۔ کثرت سے خشخاش کی کاشت اس لئے ہوتی تھی کہ اس سے افیون بنتی تھی۔ اور یہ مٹھائیوں وغیرہ کے بھی کام آتی تھی۔ گیہوں کی کاشت چاول کے تقریباً نصف ہوتی تھی۔ کھیت کے ملازموں کو اناج کے ۱/۴ ۲۹ بشل اور ۱۳ شلنگ ۵ پنس سالانہ ملتے تھے۔ روزانہ کے مزدوروں کا نرخ اجرت مردوں کے لئے ۳ پنس اور عورتوں کے لئے ۲ پنس تھا۔

کولار اور رسنا گنڈہ ان دونوں مقامات کو ٹیپو سلطان کی مطلق العنان حکمرانی اور متعدد لڑائیوں میں بہت کچھ نقصان پہنچا تھا۔ لیکن ٹیپو کے زوال کے بعد ان میں از سر نو جان پڑ رہی تھی۔ یہاں کی نہایت اہم صنعت مختلف قسم کے سوتی کپڑے بننا تھی۔ مغرب کی جانب سفر کرتے ہوئے ڈاکٹر بکانن، نندی دوگا پہنچا جس کے نواح سے شمالی پنار، پلار اور جنوبی پنار ندیاں نکلتی تھیں۔ پہاڑیوں کے اس طرف کا ملک بالکل ویران تھا زمانۂ سابق میں جو زراعت وہاں تھی اس کا ایک ثلث رقبہ افتادہ تھا۔ اور لارڈ کارنوالس کی فوج کشی کے وقت سے گاؤں کے گاؤں بے چراغ پڑے تھے۔ لوگوں کا بیان تھا کہ پانچ آفتیں ان پر نازل ہوئی تھیں، یعنے خشک سالی اور تین مرتبہ غنیم کی ان پر فوج کشی اور دشمن کی مدافعت کرنے والی خود میسور کی فوج۔

۱۸ر جولائی کو ڈاکٹر بکانن بالاپورہ کو پہنچا۔ سولھویں صدی عیسوی میں سلطنت

وجیانگر کے زوال پر بالی گار نار این سوامی کے زیرنگیں یہہ ایک خودمختار ریاست بن گئی تھی مگر زمانۂ مابعد میں باری باری سے شاہان مغلیہ اور مرہٹوں کا نظام حیدرآباد اور حیدرعلی کا اس ریاست پر تسلط رہا تھا۔ آخرکار ہندو شاہی خاندان کو اس ریاست کی گدی واپس مل گئی۔ اس ریاست میں چھینٹ اور ململ کی درآمد تھی۔ اور یہاں سے شکر برآمد ہوتی تھی۔

مغرب کی جانب اور آگے مادیوگری پڑتی تھی۔ یہہ ریاست بھی سلطنت وجیانگر کے زوال پر ایک خودمختار پالی گار کا مستقر حکومت بن گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد سے میسور کی حکمرانی میں آگئی تھی۔ حیدرعلی نے یہاں کے پہاڑ کے قلعہ کا استحکام مکمل کر دیا تھا۔ اور جولاہوں کے سو خاندانوں کو وہاں بساکر وہاں ایک بڑی منڈی بنادی تھی ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں اس مقام میں بھی زوال کے آثار رونما ہوگئے تھے۔ مرہٹوں اور لارڈ کارنوالس کے ساتھ میسور کی جنگ و جدال میں یہہ مقام بالکل تباہ و تاراج ہوگیا جس زمانہ سے ڈاکٹر بکانن یہاں آیا ہے اس وقت چاول، راگی، گنا گیہوں، ارہر، دال، تل اور مختلف ترکاریوں کی یہاں کاشت ہوتی تھی خشکی کی زمینوں پر جوراگی کیلئے موزوں تھیں فی ایکڑ ایک شلنگ ایک پنس سے لیکر تین شلنگ چار پنس تک اور اگر زیرآب ہوں تو فی ایکر ۹ شلنگ سے گیارہ شلنگ تک لگان دیا جاتا تھا۔ کاشتکار اپنی اراضی کا حقدار تھا اور تین سال تک مفقود رہنے کے بعد بھی ان زمینوں پر دعویٰ کرسکتا تھا۔ اگر اس اثنا میں کسی عارضی پٹہ دار نے ان زمینوں میں کوئی اصلاح یا ترقی پیدا کرلی تو اصل کاشتکار کو اس کا معاوضہ دینا ضروری تھا۔ مزدور اگر مرد ہو تو ۴ شلنگ ماہوار کما لیتا تھا۔ اور اگر عورت ہو تو ۳ شلنگ ۴ پنس ملک کے اس حصے میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے اکثر اجناس کی قلت رہتی تھی مگر ایسا قحط نہیں پڑتا تھا جس میں جانوں کا نقصان ہوئے جس وقت قلت اور جنگ ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ اور اجناس کی حمل ونقل میں رکاوٹوں کا سامنا ہوتا تھا تو البتہ اس وقت قحط سے یہ سارے خوفناک اشکال پیدا ہوجاتے تھے۔ مگر یہ بھی کبھی اس تشدد کے ساتھ یہاں محسوس نہیں ہوئے تھے جیسے کہ لارڈ کارنوالس کی فوج کشی کے دوران میں ہوا یا جب ملک پر سب طرف سے حملے ہونے لگے اور دشمن کی فوج ہر جانب سے گھس

آئی یا غنیم کی مدافعت کرنے والی فوج خود کچھ کم باعث تباہی نہ ہوئی۔ ان مصائب میں کم سے کم آبادی کا نصف حصہ ذرائع معیشت کی عدم دستیابی سے جانبر نہ ہو سکا۔"

۳۱ جولائی کو ڈاکٹر بکانن سیرا کو پہنچا جو مغلیہ سلاطین کے عہد حکومت میں ایک بڑا اسمول شہر تھا۔ اس شہر میں پچاس ہزار مکانات تھے اور اس بنا پر وہاں کی آبادی ڈھائی لاکھ ہوگی۔ اس کے بعد یہ شہر حیدر علی کے زیر حکمرانی آیا۔ اور مرہٹوں کی فوج کشی اور ٹیپو سلطان کے مظالم سے تاراج ہو گیا۔ چاول، راگی، گیہوں، گنا، دال اور روئی یہاں کی اہم پیداوار تھی۔ لگان کبھی تو زر نقد میں اور کبھی فصل کے ایک حصہ کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا۔ سپیاری، کالی مرچ، صندل کی لکڑی اور مصالحہ سیرا میں درآمد ہوتے تھے۔ اور کمبل، کپڑے، تیل، گھی اور ناریل یہاں سے برآمد کئے جاتے تھے۔ اہم صنعت و حرفت میں ایک موٹے تاگے کی ململ اور خاص قسم کے موٹے کپڑے قابل ذکر ہیں۔

مادیوگری کو واپس آکر ڈاکٹر بکانن نے دریافت کیا کہ یہاں کے مشہور مویشی کہاں ہیں معلوم ہوا کہ اس پہاڑی ملک کے ہر شہر و قصبہ میں نسل پیدا کرنے والے مویشیوں کے گلے موجود ہیں۔ گوالے جنگل کے پائین میں گانوں میں رہتے تھے۔ کچھ زمین کی کاشت کر لیتے تھے۔ اور شہروں میں دودھ، مکھن وغیرہ بیچ لیتے تھے۔ ہر خاندان سالانہ چار شلنگ معمولی محصول سرکار کو نہیں بلکہ "بینی ہوڑدڑی" (مکھن کے داروغہ کو) ادا کرتا، اور داروغہ سالانہ محاصل سرکار کو ادا کرتا تھا۔ مادیوگری میں اور دوسرے قرب و جوار کے اضلاع میں لوہا سودھا جاتا اور فولاد بنایا جاتا تھا۔

جنوب کی طرف سفر کرتے ہوئے ڈاکٹر بکانن نے ٹونیا کرے میں کاشت کی حالت اچھی پائی لیکن تمکرو میں بہت ساری زمین افتادہ دیکھی۔ تمام قصبات میں قلعہ بندی تھی۔ راگی کی کاشت یہاں بھی کثرت سے ہوتی تھی لیکن دھان کے متعدد کھیت بھی تھے اور آگے جنوب کی طرف گوبی کسی قدر اہم منڈی تھی جس میں ۵۰۰ دکانیں تھیں اور ہر ہفتہ بازار بھی بھرتا تھا، سادہ اور رنگین موٹا سوتی کپڑا، کمبل، ٹاٹ سپیاری، ناریل، املی، غلہ، لاکھ، لوہا اور فولاد تمام اطراف کے قصبوں سے اسی منڈی میں آکر بکتا تھا۔

دوراگوڑہ میں لوہے کی دکانیں تھیں اور ٹونیا کرے ایک اہم مقام تھا جہاں

دو قلعے تھے ایک اندر اور ایک باہر اور اس کے کشادہ مضافات میں (۷۰۰) مکانات تھے یہ مقام زمانۂ سابق میں پالی گاروں کے ایک بڑے ذی اثر خاندان کے قبضے میں تھا اور ان میں ایک نے چار مندر اور چار بڑے پانی کے خزانے آبپاشی کے لیئے یہاں تعمیر کرائے تھے کسی زمانہ میں اس حلقہ کی ساری زمین زیر کاشت تھی لیکن پرامسورم بھاؤ کے تحت حکم مرہٹوں نے جب سے فوج کشی کی یہ اراضی یوں ہی ویران پڑی رہی اور آگے جنوب کی جانب بلور واقع تھا جہاں بہت ساری زمین دھان کی کاشت کے قابل تھی۔ اور ایک نفیس خزانۂ آب بھی تھا۔ وہ تمام نواح جس کے شمال میں بلور اور جنوب میں سرنگاپٹن تھا۔ یعنے ناک کی سیدھ سے چالیس میل کے فاصلہ تک ۱۷۹۲ء میں کارنوالس کے حملوں کے وقت تاخت و تاراج کردی گئی تھی ٹیپو سلطان نے لوگوں کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ کھلے مقامات کو چھوڑ کر جنگلوں میں بنالیں جہاں وہ جھونپڑیوں میں بسر کرتے تھے اور اشیاء خورونوش جیسے بھی ممکن ہو قوت لبسری کے لیئے حاصل کرتے تھے۔ ان لوگوں کا ایک بڑا حصہ بھوکوں جان دے چکا تھا اور ۱۸۰۰ء میں بھی جب ڈاکٹر بکانن یہاں آیا ہے یہ مقام صرف آدھا آباد تھا۔

بلور کے قریب ہی ناگا منگالہ کا ضلع تھا جہاں ہر ایک گوڈا یعنے موضع کا سردار اپنے قصبے کے کچھ حصے کو تو لگان پر چھوڑتا تھا اور کچھ حصہ پر مالگزاری وصول کرتا تھا۔ کاشتکاروں کو زمینوں پر ایک معینہ ملکیت حاصل تھی۔ اور جب تک وہ قدیم معینہ مقدار کے موافق لگان ادا کرتے رہتے تھے۔ اس وقت تک ان کو بے دخل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دھان کی زمینوں کا لگان تقسیم فصل کی شکل میں اور خشکی کی زمینوں کا زر نقد میں ادا ہوتا تھا۔

مالکوٹہ، سرنگاپٹن کے شمال میں پندرہ میل کے فاصلے پر ایک اونچے پہاڑ پر واقع تھا، جہاں سے جنوب کی طرف کاویری کی وادی اور میسور کے پہاڑ اور مغربی جانب گھاٹیاں اور مشرق کی سمت آنادہ بگا اور سیوگنگا ان سب کا ایک نہایت ہی شاندار منظر دکھائی دیتا تھا۔ ہندوؤں کا یہ ایک مشہور معبد عام تھا۔ یہاں ایک بہت بڑا مندر بھی تھا جس کے اطراف ستونوں کی قطاریں استادہ تھیں اور ایک بڑا نفیس تالاب بھی تھا جس کے اردگرد متعدد عمارتیں مسافروں کے

قیام کے لئے بنی ہوئی تھیں یہ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان بھی اس مندر کے جواہرات لینے سے ڈرتا تھا۔ یہ جواہرات سرنگاپٹن کے خزانۂ شاہی میں رکھے جاتے تھے۔ اور انگریزوں کی فوج نے بھی جس وقت پایہ تخت فتح کیا ہے ان جواہرات کو ہاتھ نہیں لگایا۔
مالکوٹہ، کے جنوب میں تیزرہ کے مقام پر ڈاکٹر بکانن نے یادآو ندی کا شاندار خزانۂ آب دیکھا جس کا تعمیر کرنے والا گیارھویں صدی عیسوی کا شہرۂ آفاق مصلح مذہب رآمانوجا مشہور تھا۔ "دو پہاڑی ریلے مل کر یہاں ایک ندی بنتی تھی جس کے بہاؤ کے زور سے دو پہاڑوں کے بیچ کے شگاف سے پانی نے اپنے لئے راستہ کاٹ لیا تھا۔ رآمانوجا نے اس شگاف کو ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ (۸۷) ہاتھ بلند ۰ ۵ا طویل اور پائین میں (۲۵۰) ہاتھ عریض تھا۔ غیر ضروری پانی کے پہنچانیکے لئے بڑی محنت سے ایک نہر اتنی لانبی پہاڑ میں سے کاٹی گئی تھی۔ کہ اس سے ملحقہ میدان کے ایک بڑے حصہ کی جس کا تین یا چار میل تک پھیلاؤ تھا آبپاشی ہوتی تھی۔ جب یہ پانی کا خزانہ بالکل بھر جاتا تھا تو اس میں اتنا پانی رہتا تھا جو دو سال تک کاشتکاروں کے لئے کافی تھا۔
پہلی سپٹمبر کو ڈاکٹر بکانن سرنگاپٹن واپس آگیا۔

جنوبی میسور

۵ سپٹمبر کو سرنگاپٹن سے روانہ ہو کر ڈاکٹر بکانن نے میسور کے جنوبی اقطاع کا دورہ کیا۔ پل ہلی مقام کے قریب جس کو حال کی جنگ میں بالکل تاخت و تاراج کر دیا گیا تھا۔ اس نے کاویری ندی کی دو نہریں دیکھیں جس سے مہاسورا، اشٹاگرم کے خطے کی آبپاشی ہوتی تھی۔ ان میں کی ایک نہر میں ایک ندی ملتی تھی۔ جو کبھی خشک ہی نہیں ہوتی تھی اور جس کے پانی سے گرمی کے موسم میں بھی کاشتکار دھان کی فصل حاصل کر سکتے تھے
لکشمن ترتھا ندی جو کاویری کی معاون ہے کرگ کے پہاڑوں سے نکلتی ہے اس سے چھ نہریں اطراف و اکناف کی آراضی کی آبپاشی کے لئے بنائی گئی تھیں۔ اور عمدہ پشتے تعمیر کئے گئے تھے جن سے ان نہروں میں پانی آتا تھا اور خوشنما آبشار اور چادریں بہتی تھیں، سابق میں ان نہروں سے جو زمین سیراب ہوتی تھی وہ (۱۸۰۰)

ایکر کے قریب تھی۔

ان اقطاع میں کوئی موروثی گوڈ یعنے گانوں کا سردار نہ تھا۔ قریہ وار بنی، مالگزاری جمع کرتے تھے۔ مگر جو کچھ میسور کے قدیم راجاؤں کے مقررہ رواج کے موافق تشخیص ہو چکا تھا اس سے زیادہ کاشتکار وصول نہیں کر سکتے تھے۔ حیدر علی نے "ہرکاروں" یعنے مہتمان مالگزاری کا تقرر کیا تھا جو قریہ داروں کا تعین اور رعایا کی شکایتوں کی سماعت کرتے تھے۔ ٹیپو سلطان نے ہرکاروں کو برخاست کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف رعایا پر مظالم دوسری طرف سرکار کے حقوق کا اتلاف بھی ہونے لگا۔ ۱۷۶۱ء میں باجی راؤ اور مرہٹوں کی فوج کشی سے اور اس کے بعد ۱۷۹۲ء میں کارنوالس کی فوج کشی سے مغرب کی جانب اور آگے جو دیہات تھے وہ سب بے چراغ ہو گئے تھے۔ پریاپٹن جس کا انگریزی نقشوں میں پریاپٹم نام ہے۔ قدیم زمانہ میں بڑا اہم مقام تھا۔ اور ایک ننھی سی راج نامی پالی گار خاندان کی ملک تھا۔ اس خاندان کی مقبوضہ عملداری کے شمالی حدود میں دریائے کاویری اور مغرب میں کرگ کی سرحد ملی ہوئی تھی۔ اس عملداری سے کرگ کے راجاؤں کو سالانہ (۹۳۶۱) پونڈ آمدنی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس پالی گار خاندان کے ایک راج کمار نے تقریباً ۱۶۴۰ء میں میسور کے مقابلہ میں داد شجاعت دی تھی۔ اور جب آگے مزاحمت اس نے ناممکن دیکھی تو اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے شمشیر بدست غنیم کے بیچ میں جان پر کھیل گیا۔ اس کے بعد سے میسور اور کرگ کے درمیان جو سرحدی لڑائیاں ہوتی رہیں پریاپٹن ان کی رزمگاہ بن گیا تھا۔ جب ٹیپو سلطان نے کرگ کو فتح کر لیا اس وقت مضرت سے یہ بھی بچ سکا۔ اور انگریزوں کے ساتھ ٹیپو نے جو جنگ وجدال کئے تو ان میں پریاپٹن بالکل تاخت و تاراج ہی ہو گیا۔

ڈاکٹر بکانن کا بیان ہے کہ "شیر اس ویرانہ پر پورا قبضہ جمائے ہوئے ہیں چند روز کے پہلے رات میں ایک گھوڑا راستہ بھولے وہاں کہیں پھر رہا تھا شیروں نے اس کو چیر پھاڑ ڈالا۔ دن کے بارہ بجے بھی کسی آدمی کا تنہا وہاں جانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ میرے لئے بھی جس کے پیچھے پیچھے مخلوق کا ایک اژدحام تھا یہ ناعاقبت اندیشانہ بات سمجھی جاتی تھی۔ کہ میں کسی ایک مندر میں بھی قدم رکھوں کیونکہ دن کی حدت سے بچنے کے لئے بھی شیروں کے پناہ کی جگہ تھی۔"

پریاپٹن کے قرب و نواح کی تری کی آراضی ایک خزانہ کے پانی سے سیراب ہوتی تھی لیکن جنوبی اقطاع میں لکشمن ترتھا دریا سے جو نہریں بہتی تھیں ان سے کاشتکار کو پانی ملتا تھا۔ مہینو یعنے تری کا دھان کار و یعنے خشکی کا دھان، گنا، راگی، چنا اقسام کی دال، تل اور دوسری فصلیں اس خطے میں ہوتی تھیں کھیتوں کے مزدور کو سالانہ ایک پونڈ سے لیکر ایک پونڈ سات شلنگ تک روزانہ ایک وقت کی خوراک کے ماسوا ملتا تھا۔ اور مزدور پیشہ عورتوں کو دن میں دو وقت کے کھانے کے علاوہ چھ شلنگ سالانہ ملتے تھے۔ آخری جنگ میسور سے پہلے غریب سے غریب کاشتکار کے پاس دو بل اور زیادہ سے زیادہ دولتمند کے پاس پندرہ ہل ہوتے تھے جس شخص کے پاس دو ہل ہوتے تھے۔ اکثر اس کے پاس چالیس بیل پچاس گائیں چھ یا سات بھینسیں اور ایک سو بھیڑ یا بکرے بھی ہوتے تھے۔ تری کی زمینوں کی پیداوار گائوں کے جملہ مطالبات کی ادائی کے بعد علی التویہ سرکار اور کاشتکار کے درمیان تقسیم ہوتی تھی۔ جنگ کے پہلے یہاں ناریل کے نہایت وسیع نخلستان اور باغ تھے۔ رمنہ بھی اچھا ہوتا تھا صندل کے درخت جنگل کے پائین میں اُگتے تھے۔

پریاپٹن سے جنوب مشرق رُخ ہناگڑھ کے قریب ڈاکٹر بکانن نے لکشمن ترتھا دریا کی ایک پشتہ بندی دیکھی "پہاڑوں کے ایک قدرتی طور پر آگے نکلے ہوئے حصہ سے جو نہر کے اس طرف سے اُس طرف تک چلا گیا تھا کام لکا لا گیا تھا اور اس میں جہاں جہاں دراریں تھیں وہ پتھروں سے بند کر دی گئی تھیں۔ اور اس طرح ایک اچھا خاصہ پشتہ بن گیا ہے۔ اس پر سے ایک سو گز طویل اور چودہ فیٹ بلند چادر بہتی ہے..... اس سے (۲۶۷۹) ایکر زمین سیراب ہوتی ہے"

ہناگڑھ سے جنوب مشرق کی جانب ہیگو دوہ دیوا کی قدیم ریاست تھی اس راجہ کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ اس نے اس سرزمین کو جنگل سے صاف کیا اور پندرھویں صدی عیسوی کی تقریباً ابتداء میں اس کو آباد کیا حیدر علی کے زمانہ تک بھی اس شہر میں ایک ہزار مکان تھے۔ لیکن ڈاکٹر بکانن کے دورہ کے وقت صرف اسی رہ گئے تھے۔ اس مقام کی لکڑی مشہور تھی۔ اور اس سے آگے

مشرق کی جانب موٹا بٹیا واقع تھا۔ جہاں خام لوہا افراط سے پیدا ہوتا تھا۔
اکٹوبر کی پہلی کو ڈاکٹر بکانن تیور رو پہنچا۔ یہ مقام دریائے کاویری کے لب ساحل واقع ہے جو کاویری کی معادن ہے۔ اس خطہ کے بعض قصبوں میں گودے یعنے پیران دہ موروثی ہوتے تھے اور سرکار اور رعایا، دونوں ان لوگوں کو قریہ داروں پر جن کا لقب بھی یہی تھا ترجیح دیتے تھے۔ کاشتکاروں سے ان موروثی "گوڈونگی" زیادہ واقفیت تھی۔ ان کے احکام کی خوشی خوشی تعمیل کی جاتی تھی اور ادائی کی مقررہ میعاد پر اگر لگان کی رقم میں کمی پڑے تو اس کو پورا کرنے کے لئے لینداروں سے ان کا زیادہ ساکھ بندھا ہوا تھا۔ کیونکہ عدم ادائی پر محاسب سرکار ساری فصل قرق کر لیتا تھا۔ اور سرکار کے حصہ کو جو لگان کے طور پر وصول کیا جاتا تھا فروخت کرنا بھی محاسب کے فریضے میں داخل تھا۔ تیور و اور نرسنگھ پور، دونوں مقامات نہایت خوش منظر تھے۔ ہر کھیت کے اطراف کانٹے دار باڑ لگی ہوئی تھی اور کاشت بھی اچھی ہوئی تھی۔ تمام سطح زمین مرتفع تھی اور دھان کے قابل نہ تھی۔
نرسنگھ پور، دریائے کاویری کے کنارے واقع تھا اور یہاں دو مندر اور تقریباً دو سو گھر تھے۔ اس کے قریب کی زمینیں نہایت سیاہ مٹی کی تھیں جہاں وسیع پیمانہ پر روئی کی کاشت ہوتی تھی۔ گیہوں، اور دمن کی پیداوار مساوی تھی۔ اور راگی سرخ مٹی میں بوئی جاتی تھی جو اس کاشت کیلئے موزوں تھی۔

کوئمتور

اکٹوبر کی ابتداء میں ڈاکٹر بکانن میسور سے روانہ ہو کر کوئمتور جاتے ہوئے انگریزوں کی عملداری میں داخل ہوا ضلع کولی گلا میں کاشت اچھی ہوئی تھی یہاں آبپاشی کے لئے چالیس خزانے تھے جن کی مرمت اسی سال کے قبل میسور کے حکام نے کی تھی۔ اور کمپنی کے مقبوضات میں اس ضلع کے داخل ہونے کے بعد خود کمپنی کے عاملوں نے بھی ان کی مرمت کی تھی۔ پانی کے شکستہ خزانوں کی طرف سے گزرتے ہوئے جن کی مرمت نہیں ہوئی تھی ان کے اطراف کی زمینوں کو ڈاکٹر بکانن نے دیکھا کہ بالکل افتادہ تھیں کیونکہ اس ملک میں کاشتکار کا انحصار ذرائع آبپاشی

ہی پر بالکلیہ تھا۔ کلکٹر وقت میجر میکلائیوڈ نے "گوڈوں" یعنے میران دہ کا سارا اقتدار چھین لیا تھا۔ اور ان کی تنخواہیں مقرر کرکے کاشتکاروں سے مالگزاری جمع کرنیکا کام ان لوگوں سے متعلق کر دیا تھا۔ اس حکمت عملی سے بیشک مالگزاری میں اضافہ تو ہوا لیکن ہندوستان کا نظام دیہی اس سے کمزور بن گیا۔

گنگا ناچوکی، اور جزیرہ سیوانا سمدرا، کی شاندار آبشاروں کو دیکھ کر ڈاکٹر بکانن تعجب کرنے لگا۔ بڑا چوکی کی جنوبی آبشار تو ان سے بھی زیادہ خوشنما اور آنکھوں میں طراوت پیدا کرتی تھی۔ ڈاکٹر بکانن سے یہ کہا گیا تھا کہ گنگا راجہ نے سیوانا سمدرا کی ریاست کو تقریباً سنہ ۱۲۰۰ئہ میں قایم کیا ہے۔ مگر خود ڈاکٹر نے سنہ ۱۵۲۳ء کو ریاست کے قیام کا زیادہ قرین قیاس سال بتلایا ہے۔ تین راجاؤں کی فرمانروائی کے بعد یہ ریاست قرب و نواح کی طاقتوں کے متفقہ حملوں سے مغلوب ہو گئی۔

کولی گلا، اور ستی گلا کے دیہات مغرب کی سمت واقع تھے جن کی بالاترین سطح سے بھی مشرقی گھاٹیاں دو ہزار فٹ بلند تھیں۔ پلیا تک تو کاشت اچھی ہوئی تھی مگر اس مقام سے آگے اس طرف کی زمینیں بے کاشت پڑی ہوئی تھیں اور تالاب بھی خراب شکستہ تھے۔ مشرق کی سمت چلتے چلتے ڈاکٹر بکانن تھلی کی گھاٹیوں میں داخل ہوا۔ اور دشوار گزار رستوں سے پہاڑوں کو عبور کرکے، کاویری پورہ پہنچ گیا جو دریائے کاویری پر واقع تھا۔ اور جہاں درہ کوہ کی حفاظت کے لئے ایک سرحدی پالی گار نے قلعہ تعمیر کیا تھا۔

کاویری پورہ، میں ایک خزانۂ آب تھا جس سے پانسو سے زیادہ ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی۔ مگر یہ خزانہ پچاس سال کے پہلے شکستہ ہو گیا تھا اور اب تک اسکی مرمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ بالائی اور زیریں اقطاع کو کثیر سامان تجارت کاکاویری پورہ سے ہو کر جاتا تھا اور مال سے لائے ہوئے چالیس پچاس اونٹ ڈاکٹر بکانن کو ہر روز رستے میں ملتے تھے۔ تمبولا، ندی کے بہاؤ پر جو دریائے کاویری کی معاون ہے پانی کے پانچ قدیم خزانے تھے۔ جن کے پچاس سال قبل ٹوٹ پھوٹ جانے پر بھی ان کی کبھی مرمت نہیں ہوئی تھی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، میران دہ کمپنی کی حکمرانی میں سب طرف

کر دیئے گئے تھے اور میجر میکلا ئیوڈ کی زیر نگرانی اس علاقہ سے ۲۹۳۰ پونڈ سے لیکر ۵۴۵ ۱۶ پونڈ تک سالانہ مالگزاری تحصیلداروں کے توسط سے وصول ہوتی تھی، ان تحصیلداروں کی تنخواہیں مقرر تھیں اور اُن کو کلکٹر مالگزاری مجسٹریٹ دیوانی اور کوتوالی کے مجموعی اختیارات بھی حاصل تھے کھیتوں کے مزدوروں کو کاشتکار ۵ شلنگ سے ۶ شلنگ ۶ پنس تک سالانہ تنخواہ، ایک گھر رہنے کے لئے اور ۱½ بشل اناج ماہانہ دیتے تھے۔ اور ان کی عورتوں کو جو کام کرنے کے قابل ہوتی تھیں روزانہ مزدوری بھی ملتی تھی چٹیل زمینوں میں جو زرعی آلات تھے وہ بمقابل ان آلات کی تعداد کے جو بالائی گھاٹوں میں زراعت کے کام میں لائے جاتے تھے معدودے چند تھے۔ اور نہایت ہی خراب ہوتے تھے۔

اس مقام سے گزر کر جس کی تین ربع زمین افتادہ نظر آتی تھی ۱۹ اکتوبر کو ڈاکٹر بکانن، ناگ رتیا پہنچا جو دریائے بھوانی کے کنارے واقع تھا۔ دریائے بھوانی کی پشتہ بندی سے دو نہریں دو جانب بہتی تھیں اور جو اراضی ان سے سیراب ہوتی تھی اُس میں سال میں ایک فصل تو ضرور ہوتی تھی۔ ایک مختصر زمین میں جو خزانہ کے پانی سے سیراب ہوتی تھی دو فصلیں ہوتی تھیں لیکن پانی کی رسد غیر معین تھی کمپنی کی حکمرانی میں کاشتکاروں کو بلالحاظ پیداوار اپنی کاشت کی زمینوں پر پورا لگان ادا کرنا ضروری تھا مگر یہ ان کو سختی معلوم ہوتی تھی اور وہ اپنی قدیم حیثیت پر قایم رہنا چاہتے تھے۔

انا کوداوری، میں ان زمینوں میں دھان کی کاشت ہوتی جو دریائے بھوانی کی نہروں کے پانی سے سیراب ہوتی تھیں۔ ایک سو بیس سال قبل، منجے راجہ نے اس دریا پر یہ پشتہ بنایا تھا۔ ان زمینوں کا جو ان نہروں کے پانی سے سیراب نہیں ہوتی تھیں ½ حصہ بھی زیر کاشت نہ تھا۔ یہاں کی مٹی اچھی تھی۔ لیکن جنرل میڈوکی فوج کشی سے کاشت موقوف ہو گئی تھی۔ یہاں کے باشندے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے تھے اور بہت سے ہلاک ہو گئے تھے۔

کمپنی کا تجارتی رزیڈنٹ جو سالم میں مقیم تھا ڈاکٹر بکانن کے آنے سے

چند مہینے پہلے ان اقطاع میں آیا تھا۔ کمپنی کے رقوم کو منافع پر لگانے کی غرض سے اس نے یہاں کے جولاہوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا اور جس کپڑے کی فرمائش کی تھی وہ، شالمیرو، کہلاتا تھا جو بنگالے کے بافتہ کی وضع کا اور ۲۶ فیٹ طول اور ۱/۲ ۳ عرض میں ہوتا تھا۔

جنوبی سمت کی غیر مزروعہ اراضی سے گزر کر ڈاکٹر بکانن ۲۸۔ اکتوبر کو کوئمبتور کے اہم شہر کو پہنچ گیا۔ یہاں کا والی بانی شہر کی اولاد میں بیسواں سردار تھا۔ ابتداءً یہ خاندان راجہ مدیورا، کا باجگزار تھا مگر بعد میں میسور کے زیر حکمرانی آگیا تھا۔ میسور کی لڑائیوں میں اس شہر کو بھی ضرر پہنچا تھا۔ لیکن اب پہلی سی رونق آرہی تھی۔ یہاں دو ہزار مکانات تھے۔

نواح شہر میں دھان کی زمینیں بہت تھیں اور دریائے نوئل، کی نہروں سے یہاں کے خزانوں میں پانی آتا تھا جس سے زمین سیراب ہوتی تھی راگی اور دوسرے اجناس کی فصل خشکی کی زمینوں میں ہوتی تھی۔ روئی اور تمباکو بعض مقامات میں ہوتا تھا۔ متمول کاشتکاروں کی زمینوں میں سپیاری اور ناریل بھی ہوتے تھے۔ کوئمبتور، سے پانچ میل کے فاصلے پر، ٹوبن ہٹیا کے مقام پر لوہا بنایا جاتا تھا۔ ۵۹۴ کارگے اس خطے میں چلتے تھے۔ ادنیٰ کاشتکاروں کی بیویاں بڑی کاتنے والی ہوتی تھیں۔ اور دھاگے کو لال یا نیلا جیسی ضرورت ہوتی رنگ لیا جاتا تھا۔ سالم کے تجارتی رزیڈنٹ نے دو مرتبہ کوئمبتور کے جولاہوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔ سابق میں جولاہے ہر کارگے پر تقریباً ۴ شلنگ سالانہ محصول ادا کرتے تھے۔ مگر کمپنی کے زیر حکمرانی اس محصول کو رسوم اسٹیمپ سے بدل دیا گیا تھا۔ جولاہوں نے اس خیال سے کہ یہ رسوم سابقہ محصول کے بہ نسبت زیادہ موجب سختی تھا اس کو مسدود کرکے سابقہ محصول دوبارہ رائج کرنے کی درخواست کی جس میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔

کوئمبتور، کے مشرق میں تیری پورہ ایک کشادہ قصبہ تھا جس میں (۳۰۰) مکان تھے اور ہفتہ وار منڈی بھی لگتی تھی۔ اس نواح کی دھان کی زمینوں میں صرف ایک ہی فصل ہوتی تھی یہ اراضی کچھ تو خزانہ کے پانی سے سیراب ہوتی

تھی اور کچھ ان نہروں سے جس کو دریائے نوٹل سے لایا گیا تھا۔ نگران کی مرمت نہ ہونے کی وجہ سے پہلے جتنی آراضی کی کاشت ہوتی تھی انمیں سے ایک ثلث سے زیادہ اب غیر مزروعہ پڑی ہوئی تھیں۔ سب سے خراب کھیت رمینے کے لئے چھوڑ دئے گئے تھے۔ اور ان میں بہت تھوڑا لگان ادا کیا جاتا تھا۔ اس سے آگے مشرق کی طرف، چنیاملی، تھا جہاں لوہا بنایا جاتا تھا اور اس محصول کے علاوہ جو جلانے کی لکڑی کاٹنے کے لئے دینا پڑتا تھا لوہے کا ½ حصہ بھی سرکار کو بطور محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ چنیاملی میں صرف ۱۲۵ مکانات تھے اور یہاں چیچک پھیلی ہوئی تھی۔ دریائے کیپلی، سے اس خطے کی اراضی سیراب ہوتی تھی۔ لیکن یہاں دھان کی کاشت نہیں ہوتی تھی۔

چنیاملی، کے شمال میں، پرندر، تھا جہاں ۱۱۸ گھر تھے اور اس کے نواح میں ۱۸۰۰ کارگے تھے۔ ارادو، دریائے کاویری پر واقع تھا اور یہاں حیدر علی کے زمانہ میں (۳۰۰۰) مکانات تھے لیکن ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں یہاں بھی انحطاط پیدا ہو گیا۔ جنرل میڈوز کی فوج کشی کے دوران میں یہ مقام بالکل تاخت و تاراج ہو گیا تھا۔ لیکن صلح ہونے کے بعد سے یہاں پہلی سی رونق آرہی تھی۔ ارادو، سے ہو کر جو نہر گزرتی تھی وہ نہایت شاندار بنائی گئی تھی۔ اور کہا جاتا ہے کہ چار سو سال کے قبل کالنگ راجا نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ اس نہر سے اب بھی (۳۴۵۹) ایکر اراضی سیراب ہوتی تھی۔

دریائے کاویری کے بہاؤ پر کوڈاموڈی کا اہم قصبہ تھا جہاں ایک قدیم مندر اور ۱۱۸ مکانات تھے۔ کاویری سے ایک نہر نکال کر دریائے نوٹل میں سے لیکا پور قصبہ کو لائی گئی تھی جس سے زمین کا ایک بہت بڑا خطہ سیراب ہوتا تھا۔ ان اقطاع میں ٹیپو سلطان نے جو لگان مقرر کیا تھا وہ پیداوار کا چار عشر تھا۔ لیکن انگریزی سرکار نے ۱۷۹۹ء میں اس کو (۳) شلنگ ۵ ½ پنس فی ایکر کے حساب سے زر نقد میں تبدیل کر دیا تھا اور سنہ ۱۸۰۰ء کا لگان ابھی تشخیص نہیں ہوا تھا۔

کوئمبٹور کے شمالی ضلع کے کلکٹر میجر میکلاؤڈ نے ڈاکٹر بکانن کو یہ

اطلاع دی تھی کہ رواج ملک کے موافق پٹہ دار کے لگان ادا کرتے رہنے پر اسکو اسکے مقبوضہ اراضی سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا میجر میکلاوڈ کا خیال تھا کہ بے اندازہ تغلب و تصرف کا دروازہ کھلا چھوڑنے کے بغیر مالگزاری کا جنس کی شکل میں وصول کرنا انگریزی سرکار کے لئے ناقابل عمل تھا۔ سیالم کے علاقہ پر کمپنی کے قبضہ حاصل کرنے کے زمانے میں دھان کی زمینوں پر جو کاویری کی پاکیزہ نہروں سے سیراب ہوتی تھیں، جنس ہی میں لگان وصول ہوتا تھا کمپنی کے عاملوں نے رعایا کے دبی زبان سے شکایت کرنے کے باوجود اس لگان کو زر نقد میں مبدل کر دیا تھا۔ کاشت میں توسیع کی تھی اور مالگزاری کی مجموعی رقم میں اضافہ کیا تھا۔ رعیت واری نظام کو زمینداری نظام پر ترجیح اس لئے دیجاتی تھی کہ اول الذکر میں محاصل زیادہ ملتا تھا۔

"وہ جمع مالگزاری کے لئے کرنل ریڈ نے جن قواعد کی ترویج کی ہے وہ زمیندار سے زیادہ سے زیادہ جو وصول کیا جا سکتا ہے اس کی باقاعدہ وصول یابی کے لئے میری رائے میں کافی معلوم ہوتے ہیں۔ اور مجھکو یہ باور کرایا گیا ہے کہ اسکے بعد جو کچھ بھی نقص نکلے گا وہ یا تو کلکٹروں کے فریضے سے غفلت کرنے کی وجہ سے ہوگا یا ان کی بد دیانتی سے۔ میں نے اس مقام پر موروثی زمینداروں کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ صرف اس حد تک ہے کہ ان سے مالگزاری اور ملک کی سیاسی حالت متاثر ہوتی ہے مگر ان پر اس نقطۂ نظر سے بھی غور کرنا چاہیئے کہ یہ زراعت کی ترقی کے لئے کار آمد ہیں یا نہیں"۔

کرود، دریائے امراوتی پر جو کاویری کی معاون تھی ایک بڑا قصبہ تھا جس میں (۱۰۰۰) گھر تھے لیکن یہاں کے تاجر چھوٹے چھوٹے بیوپاری تھے اور جولاہوں کی بھی کوئی بڑی تعداد نہ تھی۔ کاویری کی دو نہریں اور امراوتی کی متعدد نہریں اس خطے کی آبپاشی کرتی تھیں۔ گنا، چاول اور تمباکو کی فصل یہاں ہوتی تھی۔

نومبر کو ڈاکٹر بکانن، دراپورم (دھرماپورہ) پہنچا جو مسٹر ہرڈس کو کمبٹور کے جنوبی سمت کے کلکٹر کا مستقر تھا۔ یہ کلکٹر مستعد، سمجھدار، اور ہمدرد نوجوان عہدہ دار تھا جو لوگوں سے رابطہ رکھتا تھا۔ ان کے ذات پات کے جھگڑوں کا

تصفیہ کرتا تھا۔ اور ان سے خوب واقف تھا۔ مسٹر مرٹن کا خیال ہے کہ موجودہ لگان بہت زیادہ ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ یہاں کی اور ہندوستان کے ہر خطے کی رعیت نہایت ہی مفلس و نادار ہے .... زراعت پیشہ لوگوں کا افلاس اور اسکے باعث فصل کی قلت پیداوار ہندوستان کے اکثر اقطاع میں ہے اس کا ایک بڑا سبب یقیناً یہی ہے کہ اُن لوگوں کو مجبور کرکے زمینیں دیدی جاتی ہیں جن کو کاشت کرنے کی مقدرت تک نہیں۔ اس طرح دیکھنے کو سب زمین کسی نہ کسی کے زیر کاشت ضرور ہے لیکن اس صورت پر کہ اس کے آدھے حصے کے بالکل افتادہ رہنے سے بھی موجودہ حالت بہتر ہے"۔ اس کی وجہ کسی اور جگہ بیان کردی گئی ہے کمپنی کا یہ منشا تھا کہ زراعت کے قابل زمین پر خواہ اسکی معقول کاشت کی جائے یا نہ کی جائے مالگزاری برابر وصول ہوتی ہے۔ لگان سر سے اونچے تھے۔ بن باڑی پر فی ایکڑ ۳ پونڈ ۱۶ شلنگ ۹ پنس اور دھان کی زمینوں پر فی ایکڑ ایک پونڈ ۵ شلنگ ۲ پنس سے لیکر ایک پونڈ دس شلنگ ۹½ پنس تک محصول لگایا گیا تھا۔

مغرب کی سمت چلتے چلتے ڈاکٹر بکانن ۲۴ نومبر کو پلاچی پہنچا۔ اس جگہ روما کے سکوں کا ایک دفینہ نکلا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آگسٹس اور ٹائی بیریس کے عہد میں روما اور اس قدیم پانڈیا ملک کے درمیان تجارت تھی۔ اس خطے میں سب سے خراب جو زمین تھی وہ رمنے کے لئے چھوڑ دی گئی تھی اور اس پر لگان نہیں تھا۔ مگر ہر موضع کی مقبوضہ باقی اراضی کو زراعت کے قابل فرض کرکے ان پر فی ایکڑ اوسط لگان ۲ شلنگ ۳¾ پنس سے لیکر ۷ شلنگ ۴ پنس تک مقرر تھا۔ زراعت پیشہ لوگ شاکی ہیں کہ زمین ان کے گلے باندھی جا رہی ہے۔ اور کاشت کے لئے ان کے پاس جس قدر سرمایہ ہے اس سے بھی زیادہ زمین لگان پر لینے کے لئے ان کو مجبور کیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی سترہ بلے (ایک بلہ ۱/۳ سے لیکر ۶ر ایکڑ کے مساوی ہوتا تھا) زمین لگان پر لیتا ہے تو وہ اُن میں سے صرف (۹) بلوں کی کاشت کرتا اور ایک ثلث حصہ افتادہ چھوڑ دیتا تھا۔ بعض مواضعات میں ایک خمس لگان اور بعض میں ایک ثلث اس لئے کم کر دیا گیا تھا کہ یہاں کاشت

کے لئے معقول سرمایہ نہ تھا۔ وہاں جو نقصان اراضی کو اس طرح لگان پر دینے سے رعیت کو عائد ہوتا تھا اس تخفیف سے اس کی تلافی ہو جائے۔ اس قسم کی پٹہ داری ایک آفت کے مشابہ ہے"۔

ملیبار

۲۹۔ نومبر کو ڈاکٹر بکانن، ملیبار کے حدود میں داخل ہوا۔ یہ علاقہ چند ہی مہینے قبل سرکار بمبئی سے سرکار مدراس میں منتقل ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر بکانن تموراؤ راجہ کی عملداری میں داخل ہوا۔ اس راجہ کا لقب یورپی مصنفین کے پاس "زمورن" ہے۔ جنوب کی سمت اونچے اونچے پہاڑوں کی بلندی سے آبشاریں زور شور سے بہتی تھیں۔ کشت زار کے ساتھ ساتھ شاندار جنگل اور میوہ دار درختوں کے باغ و نخلستان بھی تھے۔ مگر خشکی کی زمینیں کس مپرسی میں پڑی ہوئی تھیں۔ اور دھان کی زمین بھی کچھ بہت نہ تھی۔ کونگڑہ کے شہر میں ایک ہزار مکان تھے جن میں سے اکثر جولاہوں کے تھے۔ کوئمبتور سے روئی درآمد کرتے تھے۔ بالاگھاٹ ان اقطاع میں جن کو ڈاکٹر بکانن نے اب تک دیکھا تھا سب سے زیادہ خوش منظر تھا اور بنگالے کے خوشنما ترین اقطاع سے مشابہت رکھتا تھا لیکن مرتفع زمینوں کی کاشت مطلق نہیں کی گئی تھی۔ ملیبار کی فتح کے بعد حیدر علی نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ قدیم راجاؤں کی حکومت میں یہاں زمینوں پر کوئی محصول تھا ہی نہیں لیکن حیدر علی نے اونچی زمینوں کو مستثنے کر کے نیچی زمینوں پر جو زرخیز تھیں محصول لگا دیا جس کو "ناگدی" کہتے تھے ٹیپو سلطان کے مظالم سے اکثر زمیندار تنگ آکر، ٹراونکور (جو جنوب میں تھا) بھاگ گئے تھے۔

جس زمانہ میں ڈاکٹر بکانن، بالاگھاٹ، آیا ہے وہاں چاول کی اوسط پیداوار ۲۰ سیر ہوتی تھی۔ اور لگان ۱۲ سیر یعنے ساٹھ فی صدی پیداوار سے زیادہ تھا۔ مسٹر اسمی کے تخمینہ سے زمینداروں پر محصول اراضی کی کثیر شرح لگان پر ۴۸ فیصدی تھی۔ سالانہ بارش کی مقدار دھان کی صرف ایک فصل تیار ہونے کے لئے کافی تھی۔ مگر زمینداروں نے اپنے مصارف سے پانی کے خزانے تعمیر جاری کئے تھے۔ ان سے ایک اور فصل بھی ہوتی تھی مویشی نہایت ہی کم جسامت کے اور ملک کی

ضروریات کے لئے ناکافی تھے۔ لوہے کا ایک کارخانہ کالنگڑہ میں قایم تھا۔

۶۔ دسمبر کو ڈاکٹر بکانن، راجہ کوچین کی عملداری میں داخل ہوا۔ یہ راجہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو سالانہ خراج ادا کرتا تھا۔ لیکن اس نے اپنی ریاست سے اندرون حدود اپنا دیوانی اور موجی کامل اختیار ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا۔

"اس راجہ کے ملک کا انتظام اس ملک کے انتظام سے کہیں بہتر ہے جو کمپنی کے بالکلیہ زیر اقتدار ہے اور نہ پالموں کو اور نہ نائروں کو یہاں کسی قسم کی ہلچل پیدا کرنے کی کبھی جرات ہوتی ہے"۔ کاڈو کی اکثر پہاڑیوں پر کاشت نہ تھی لیکن رمنہ برا نہ تھا۔ اور مویشی بھی اچھی حالت میں تھے، وادیاں لہلہاتے دھان سے ڈھکی ہوئی تھیں جن کے پائین لوگوں کے مکانات تھے اور میوے کے درختونکے جھنڈ ان مکانوں پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ اس کے قریب ہی ایک عیسائی قصبہ تھا ڈاکٹر بکانن سے وہاں کے راہب نے یہ کہا کہ یہاں نصرانیت کی تبلیغ سب سے پہلے سینٹ ٹامس نے کی تھی۔ جو مدراس کو سنہ ۶؁ میں آئے تھے۔

ملیبار، کے ماپلے اٹھارھویں صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں متمول تاجر رہ چکے تھے۔ اور ان کے جہاز، سورت، موکا، اور مدراس تک چلتے تھے۔ اُن ماپلوں کو جو ساحل دریا پر بستے تھے ڈاکٹر بکانن نے مسکین او محنتی پایا۔ مگر اندرون ملک رہنے والوں کو "آتش مزاج وخوں آشام، متعصب وجلاد" پایا۔ انکا مذہبی پیشوا فاطمی سید ہونے کا دعوی کرتا تھا۔

ڈاکٹر بکانن، کوچین سے، ملیبار واپس آیا۔ اور وہاں سے شمالی سمت سیاحت کرتے ہوئے ۲۲۔ دسمبر کو "ونکٹا کوٹے" پہنچا۔ یہاں کی وادیاں نہایت خوش منظر تھیں، پہاڑیوں کی نشیبی سطح کاشت کے لئے چبوترے کی سی بنی ہوئی تھی۔ لیکن پہاڑیوں کی چوٹیوں کی زمین افتادہ تھی۔ سب کاشتکار محصول اراضی سے شاکی تھے۔ اور اس کو، ملیبار کی ہر خرابی کی جڑ بتاتے تھے۔ ترودانا، اور پرودیاناڈا، کے درمیانی خطے کی زراعت کس مپرسی میں پڑی ہوئی تھی۔ اور اسکی وجہ ایک طرف آبادی کی قلت تھی۔ اور دوسری طرف ان لوگوں کا افلاس تھا جو اس خطے میں بود وباش رکھتے تھے۔ برین ہم پرودیاناڈا، کے قریب کے

ساحل دریا پر ناریل کے متعدد نخلستان تھے۔ جن میں ناریل افراط سے پیدا ہوتے تھے۔ کرسمس کے دن ڈاکٹر کالیکٹ پہنچ گیا جو ملیبار، کا قدیم پایہ تخت تھا۔

اس مقام کا، ٹورن، نامی تجارتی رزیڈنٹ لٹھے کی صنعت یہاں قایم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کپڑے کا ہر تھان طول میں ۲۸۷ ہاتھ کا ہوتا تھا۔ فی تھان ۱۶ شلنگ ½۴ پنس سے لیکر ۱۸ شلنگ ¾۶ پنس تک جولاہوں کو قیمتیں دیجاتی تھیں۔ ٹراونکور۔ اور کوچین سے ۳۴۴ جولاہے بلوائے گئے تھے جو ۲۳۷ کارگے پر کام کرتے تھے۔ اور ہر مہینے ۴۶۸ کپڑے کے تھان بنتے تھے۔ مسٹر ٹورن نے پالی گھاٹ میں اور ایک کارخانہ قایم کیا تھا جو اس سے بھی زیادہ اچھا اور کم خرچ تھا۔

ڈاکٹر بکانن نے اس نواح کی پیداوار اور لگان اور محصول اراضی کا ایک تخمینہ کیا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

ایک ادنیٰ درجہ کے کھیت کیلئے

	پونڈ	شلنگ	پنس
محصول اراضی۔	۰	۱۲	½۹
مصارف جمع۔	۰	۱	¼۳
بیج۔	۰	۹	½۴
مصارف کاشت۔	۰	۹	½۴
زمیندار۔	۰	۱	۱۱
زرپیشگی پر سود۔	۰	۱	¾
کاشتکار۔	۰	۷	۸
پونڈ	۲	۳	½۵

یعنے خام محصول اراضی تقریباً (۱۴۰) شلنگ تھا۔ مصارف کاشت (۱۹) شلنگ ہوتے تھے۔ اور زمیندار کے لئے صرف (۱۰) شلنگ بچتے تھے۔

بہترین کھیت کیلئے

	پونڈ	شلنگ	پنس
محصول اراضی اور مصارف جمع	.	۱۶	۱۰
تخم	.	۹	۴½
مصارف کاشت	.	۹	۴½
سود	.	۱	۳¾
زمیندار	.	۸	۶¼
کاشتکار	۱	۵	۶¾
	پونڈ ۳	۱۰	۴¾

یعنے محصول اراضی تقریباً (۱۷) شلنگ تھا۔ مصارف کاشت (۱۹) شلنگ ہوتے تھے۔ اور زمیندار کے لئے (۱) پونڈ (۱۴) شلنگ بچتے تھے۔

پہلی جنوری ۱۸۰۱ء کو ڈاکٹر بکانن، تماراچری پہنچا۔ یہاں کی سب اراضی ماپلے، گرویداروں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔ ہندوؤں کو ٹیپو سلطان کی ایذا رسانی سے اور ماپلیوں، کی لڑائیوں میں "کرم باٹرا" کی ایک چوتھائی دھان کی زمینیں افتادہ ہوگئی تھیں جن پر اب ایک جنگل سا کھڑا ہوا تھا۔ بڑے بڑے زراعت پیشہ اشخاص کے پاس دس ہل، بیس بیل، بیس غلام اور لونڈیاں دس نوکر اور پچیس دودھ دینے والی گائیں ہوتی تھیں لیکن ایسے اشخاص کی تعداد کم تھی۔ غلام (۲۸) شلنگ (۸) پنس سے لیکر (۹) شلنگ ۶½ پنس کی قلیل قیمت پر بکتے تھے۔ اور لونڈیاں اس کی آدھی قیمت پر۔

ڈاکٹر بکانن جب کلکٹر سٹر کورٹ، کے ضلع سے گزرا ہے اسس وقت وہ ڈاکٹر بکانن کی ہمراہی میں تھا اور اس کی رائے تھی کہ اس موضع کا ایک ربع حصہ آبپاشی کے بعد دھان کی کاشت کے قابل تھا۔ اور تقریباً نصف حصہ اونچی سطح کا ہونیکی وجہ سے خشکی کی فصل اور نخلستان کے لایق تھا۔ باقی حصہ تو پتھریلا اور ڈھلوان تھا مسٹر

کورگ کا خیال ہے کہ محصول آراضی اس قدر زیادہ ہے کہ اس سے زراعت میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔

۵۔ جنوری کو مسٹر کورڈ سے رخصت ہو کر ڈاکٹر بکانن، کپتان اوزبرن کے ساتھ، کوٹی یورم، روانہ ہوا جو وہاں کے راجہ کی قیام گاہ تھا۔ یہ راجہ کمپنی کو خراج ادا کرتا تھا لیکن اپنی عملداری میں اس کو اقتدار مطلق حاصل تھا یہاں محصول اراضی پیداوار کا ۴۰ فی صد تھا۔ زمیندار ۲۷ فی صد لے لیتا تھا اور کاشتکار ۳۳ فی صد اپنے لئے رکھ لیتا تھا۔ اس معزز سیاح کے ساتھ کپتان اوزبرن کے رہنے کے باوجود ملک کی عورتوں نے اس کا تلطف آمیز خیر مقدم نہیں کیا۔ "چونکہ نائر، یورپی لوگوں سے مخاصمت رکھتے تھے۔ اسں لئے انہوں نے اپنی عورتوں کو یہ باور کرایا تھا کہ ہم ایک طرح کے بھوت ہیں جنکی لانبی لانبی دُمیں ہوتی ہیں"۔ اور ان کی آمد پر عورتیں نظر تا ڈر کر بھاگ جاتی تھیں۔

تلیچری، ماہی اور درہماپٹن کا حلقہ مسٹر اسٹراخی، کے زیر انتظام تھا جو ایک نہایت ہی ہونہار نوجوان شریف آدمی تھا"۔ مسٹر اسٹراخی کا خیال تھا کہ اس تمام حلقہ کی کاشت کرنا یا یہاں میوہ کے درختوں کا لگانا ممکن تھا۔ لیکن اس کا بہت سا حصہ افتادہ تھا۔ دھان کی زمینوں پر محصول لگان کا (۲۵) فی صد تھا۔ اس حلقہ کی تجارت خارجہ بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ اور اہم اشیاء تجارت، سیاہ مرچ، صندل کی لکڑی اور الائچی تھے۔

ملیبار، کے شمالی ضلع کے کلکٹر مسٹر ہاجسن، نے، کنانور، پر ڈاکٹر بکانن کا خیر مقدم کیا۔ ایک مالیہ خاتون نے جس کا لقب "بی بی" تھا۔ اور جسکے آباء و اجداد نے، ڈچ، سے کنانور، کو ابتداً خریدا تھا، ڈاکٹر بکانن کی تزک و احتشام کے ساتھ ضیافت کی۔ یہ خاتون (۱۴۰۰۰) روپیے بطور مالگزاری کمپنی کو ادا کرتی تھی۔ اور کنانور کے علاوہ لکادیو جزائر میں سے اکثر کی مالک بھی تھی۔ جیسا کہ نائروں میں رواج تھا۔ اسی طرح یہاں بھی وراثت عورتوں ہی سے منتقل ہوتی تھی۔

چریکل پہاڑی مقام تھا۔ اور یہاں کاشت بالکل کم تھی۔ کنانور،

اور چریکل ہیں مکانات کی تعداد (۱۰۳۸۶) تھی، جنوری کے تقریباً وسط میں ملیبار سے روانہ ہو کر ڈاکٹر بکانن نے شمال کی سمت کنڑا کی راہ لی۔

کنڑا

جیسا کہ ہم نے پچھلے کسی باب میں پڑھا ہے، ٹامس منرو، کو جو اپنے وقت کا سب سے زیادہ ممتاز اور کامیاب منتظم ریاست گزرا ہے بڑے محل کا بندوبست کرنے کے بعد ۱۷۹۹ء میں کنڑا، کا بندوبست کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس وقت کنڑا، کا راجہ بیمار تھا۔ لیکن اس کا بھانجا اور ولیعہد، منرو، کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ منرو، نے اس کو بمقتضائے احتیاط آگاہ کر دیا تھا کہ اس کے حقوق ریاست کمپنی کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ اسی زمانہ میں، کنڑا، کو تحصیلداروں کے زیر انتظام کر کے راجہ کو سب اختیارات سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اور راسکی بسر اوقات کے لئے اسکی خانگی جائداد پر زمین کا محصول معاف کر دیا گیا تھا۔ ناٹروں، نے ان انتظامات کو دیکھکر انگریز عہدہ داروں کی بدعہدی کی شکایت کی۔ منرو، نے (۲۴۰۰۰) روپیہ محصول اراضی بمقابل (۳۲۰۰۰) روپیے کے جس کا ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں برائے نام مطالبہ کیا جاتا تھا، مقرر کر دیا لیکن اس کمی کے بعد بھی یہہ محصول اس انتہائی مقدار کا تھا جس سے بڑھ کر ملک ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اور زمینوں کا مجموعی لگان اس میں صرف ہو جاتا تھا۔ ٹرمیولارڈو تحصیلدار کی رائے تھی کہ بہ نسبت ارکاٹ کے یہہ محصول یہاں زیادہ بار معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر بکانن، منگلور، میں ایک ہفتے تک مقیم رہا۔ منگلور، لب تالاب واقع تھا اور اس تالاب و دریا کے بیچ میں، ساحل کار تیا، تھا کسی زمانہ میں یہاں بندرگاہ تھی۔ لیکن اس کے مدخل کا عمق آب کم ہو گیا تھا جسکی وجہ سے بکانن کے یہاں آنے کے زمانے میں وہ جہاز جن کو دس فیٹ سے زیادہ گہرائی درکار ہوتی تھی اس بندرگاہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ ٹیپو سلطان نے منگلور کے قلعے کو زمین دوز کر دیا تھا۔ انعامی زمینیں جو مندروں کے لئے بطور امداد

دی گئی تھیں ان سب کو ٹیپو نے واپس لے لیا تھا۔ مگر ان میں سے بعض، مخفی کر دی گئی تھیں۔ ٹامس منرو، اور اسکے قایم مقام ریونشا نے انھیں انکی حالت پر چھوڑ دیا اور ہندوؤں کے سب سے اہم مندر کی سالانہ آمدنی ۱۹۳ پونڈ، ۸ شلنگ، ۳ پنس ہوتی تھی۔ منرو، کا محصول آراضی یہاں بھی ایک بار معلوم ہوتا تھا اور اسکے متعلق بہت سی شکایتیں پیدا ہو چلی تھیں۔ مالکان اراضی کی یہ شکایت ہے کہ یہ محصول لگان سے بھی بہت زیادہ ہے اور وہ اس پر مجبور رہیں کہ سرکاری مطالبات کی تکمیل کے لئے یا تو کہیں سے قرض لیں یا خود اپنے سرمائے سے کاشت کر کے جو منافع پیدا کرتے ہیں اس کا ایک حصہ اس کی ادائی میں دے دیں.... تاہم ہندوستان کے ہر حصے میں افلاس کی جو ایک عام شکایت پائی جاتی ہے اور زمانے بھر کے مظالم دیکھ کر ہر چیز کے اخفا میں جو احتیاط برتی جاتی ہے اس کی بناء پر کاشتکار کے حالات کا معلوم کرنا نہایت ہی مشکل ہے۔ پھر بھی، کنٹرا میں ہر قسم کی غیر منقولہ جائداد کے لئے جو شدید جد وجہد جاری ہے اس سے بلا خدشہ ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس محنتانے کے علاوہ جو اپنے حسب مقدور سرمائے سے تھوڑی بہت کاشت کرنے پر ہر ایک کو ملتا ہے اراضی کے ساتھ ہر قابض زمین کے بہت سے اغراض ابھی وابستہ ہیں۔ نہایت صدق دل سے یہ تمنا کی جاتی ہے کہ خدا کرے ملکیت کی یہ شکل زمانہ دراز تک بلا مزاحمت تغیر سے یونہی باقی رہے کیونکہ جہاں حق ملکیت زمین بالکلیہ ریاست ہی کے ہاتھ میں رہے گا تو وہ ملک کبھی سرسبز نہیں رہ سکتا۔" ڈاکٹر بکانن اس سے واقف نہ تھا کہ ہندوستان میں اراضی پر حیثیت سے زیادہ محصول ہونے کے باوجود حصول آراضی کی جد وجہد اس وجہ سے تھی کہ قوم کی کسب معاش کا اصلی ذریعہ محض زمین ہی ہے شرائط خواہ کچھ کیوں نہوں، کاشتکار تو اس پر مجبور رہے کہ یا وہ زمینوں کو پٹہ پر لیں یا بھوکوں مرے۔

دھان کے کھیت ان نہروں سے جو لپست وادیوں میں بہتی

دریاؤں سے نکالی گئیں تھیں اور خزانوں کے پانی سے جو اونچی سطح پر واقع تھے سیراب ہوتے تھے اور بلند سطح پر فصل کا انحصار بارش پر تھا۔ گنے کی کاشت زیادہ تر عیسائی لوگ کرتے تھے۔ پان اور کالی مرچ نخلستان میں ہوتی تھی۔ یہاں بھی لوگ نمک بنا لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ملیبار میں تھا لیکن پیداوار کی مقدار ناکافی تھی، چاول، پان اور سیاہ مرچ برآمد کی اہم اشیاء تھے۔ ریشمی اور سوتی کپڑے، شکر اور نمک درآمد کیئے جاتے تھے۔
منگلور سے دس میل پر، آرکولہ، تھا جہاں پہلے زمانے میں کاکان کے عیسائی رہتے تھے۔ اسی لئے یہ مقام فرنگی پیٹھ بھی کہلاتا تھا یہ سارا خطہ ملیبار، کے مشابہ تھا اور پہاڑیوں کے دامن کاشت کیلئے چبوترہ کی وضع کے بنے ہوئے تھے جس پر ملیبار، کے بہ نسبت کم مشقت صرف ہوتی تھی، ٹیپو سلطان اور راجہ کرگ، نے پچھلے دنوں کی لڑائیوں میں اس نواح کو سخت نقصان پہنچایا تھا راستوں پر ڈاکٹر بکانن نے بہت سی توپیں پڑی ہوئی دیکھیں جن کو ٹیپو نے منگلور سے سرنگاپٹن لیجانا نیکا حکم دیا تھا۔ دریائے بمالا، پر پشتہ تعمیر کیا گیا تھا اور کاشت کیلئے ایک بڑا پانی کا خزانہ بنایا گیا تھا۔
۵۔ فروری کو ڈاکٹر بکانن، اینیرو، کے شہر کو پہنچا جہاں اس نے جین مت، کے آٹھ مندر اور جین مت کا ایک بہت بڑا بت دیکھا جس کو ایک ہی پتھر میں تراشا گیا تھا۔ اور زیر سما کھڑا کر دیا گیا تھا۔ حیدر علی، کے عہد میں جین مندروں کے قبضے میں جو اراضی تھی ٹیپو سلطان نے اس میں کمی کی تھی۔ ٹامس منرو، نے ان سب زمینوں کو واپس دیدیا جو لیلی گئی تھیں۔ مگر اس کے قایم مقام، ریون شا، نے انہیں پھر تخفیف کردی۔ گوتم راجہ (بدھ) کا بت جو، کارکلا، میں تھا ۳۸ فٹ اونچا اور ایک ہی پتھر میں تراشا ہوا تھا اسکے کتبے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ بت بکانن کے ورود سے ۳۶۹ سال پہلے یعنے تقریباً ۱۴۳۲ء میں بنایا گیا تھا۔

ہریا دیکا، میں جو مغرب کی سمت کچھ فاصلے پر واقع تھا اور جہاں ڈاکٹر بکانن ۱۰ فروری کو پہنچا تا "یہ محصول آراضی کے متعلق دریافت کرنے پر اُسے معلوم ہوا کہ یہ لگان کا نصف ہوتا تھا۔ لیکن ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جب، چاول سستا ہوجاتا ہے تو پورا لگان بھی اس محصول اراضی کے مساوی نہیں ہوتا"۔

اس کے دوسرے روز، اُدیپو کے مقام سے پھر ڈاکٹر بکانن کی آنکھوں کے سامنے بحیرۂ عرب لہریں مار رہا تھا۔ یہاں مہادیواچاریا کے نام کا جو چودھویں صدی عیسوی میں ہندوؤں کے بہت بڑے عالم اور مصلح گزرے ہیں بہت احترام کیا جاتا تھا اور ان کا فرقہ ترقی پر تھا۔ یہاں تین مندر اور چودہ مٹھ سناسیوں کے ملک تھے جو ہندوستت کے گرد تھے۔ اودے پور سے دریا تک دھان کی کاشت ہوتی تھی۔ "اس نواح کے پانچ قصبوں کے تخمینہ سے مجھکو یہ معلوم ہوا کہ ۲۰۴۸ پگوڈا یعنے پیداوار کی خام قیمت میں سے کاشتکاروں کو ۱۲۹۵ پگوڈا ملتے ہیں سرکار کا حصہ عموماً خام پیداوار کا ایک ربع ہوتا ہے اور ان مواضعات کا محاصل ۶۷۱ پگوڈا ہے جن میں سے ۳۷ پگوڈا، آراضی انعام کی شکل میں خارج از جمع ہیں اس کے بعد مالکان آراضی کو جو بچتا ہے وہ صرف (۸۲) پگوڈے ہیں"۔

شمال کی طرف سیاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر بکانن، کنڈاپورہ پہنچا اور ندی کو عبور کرکے کنڑا، کے صوبۂ شمالی کے حدود میں داخل ہوا۔ یہ علاقہ اس وقت، مسٹر ریڈ کے زیر انتظام تھا۔ مسٹر ریڈ "طبقہ شرفا کا ایک نوجوان شخص تھا جس نے مسٹر ایون شا کے ساتھ ایک ہی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی"۔ اور آگے شمال میں بیدرو تھا جہاں شیوا کا مندر تھا۔ اور بھٹکل ایک اس سے بھی بڑا قصبہ تھا جہاں پانسو مکانات تھے ان قصبات سے اور آگے شمال کی جانب سیاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر بکانن کو دریا اور چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان

ایک میدان نظر آیا جو صرف آدھے میل سے لیکر ڈیڑھ میل تک چوڑا تھا اور جہاں دھان کی کاشت ہوئی تھی۔ سوروڈیسوارا کا مندر ایک بلند راس میں استادہ تھا جس پر قلعہ بندی کی گئی تھی۔ اس سے قریب ہی جزیرہ کبوتران تھا جہاں جنگلی کبوتروں کی کثرت تھی اور مرجان کے لئے جس کی یہاں کثرت تھی کشتیوں کی بھی آمد و رفت رہتی تھی۔ ۲۱ فروری کو ڈاکٹر بکانن، ادنور، کے تالاب کے پاس ادنور کے بڑے شہر کو پہنچا۔

ادنور، پہلے ایک بڑا شہر اور تجارت خارجہ کا مرکز تھا۔ حیدر علی نے جنگی جہاز بنانے کے لئے یہاں ایک بندرگاہ بنائی تھی۔ مگر حیدر علی کے مطلق العنان اور ناعاقبت اندیش فرزند نے صلح منگلور کی رو سے اس شہر کے واپس ملنے پر اس بڑی تجارتی منڈی کو مسمار کر دیا اور جس زمانے میں ڈاکٹر بکانن یہاں آیا ہے یہ شہر ایک ویرانہ تھا۔ گووا سے تجارت کے لئے جہاز آتے تھے۔ تاجر تالاب کے کنارے کچھ یہاں کچھ وہاں بود و باش رکھتے تھے اور چاول، کالی مرچ، ناریل، سپاری اور سوکھی مچھلی برآمد کرنے کے لئے خرید لیا کرتے تھے۔ کاشت کی ہوئی اراضی کا بڑا حصہ خانگی ملک تھا لیکن پہاڑ اور جنگل سرکار کی ملک تھے۔ ہر شخص اپنی تمام اراضی پر محصول ادا کرتا تھا اور اپنی مرضی کے موافق اس کی کاشت کر لیتا تھا۔ متوسط الحال کاشتکاروں کے پاس ہل تعداد میں چار سے لیکر چھ تک رہتے تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر مفلوک الحال تھے جن کے پاس صرف ایک ہی ہل ہوتا تھا۔ کاشتکار چار سے لیکر دس سال تک کے لئے پٹہ حاصل کرتے تھے۔ اور زمینداروں کو لگان ادا کرتے تھے۔ اور زمیندار سرکار کو محصول اراضی ادا کرتے تھے۔

"ہر زمیندار پر لازم ہے کہ وہ محصول اراضی کی ادائی کے لئے ضمانت فراہم کرے۔ اگر وہ ضمانت فراہم نہیں کرتا ہے تو مالگزاری کا عہدہ دار فصل کی نگرانی کے لئے بھیجا جاتا ہے جو پیداوار کو فروخت کر کے اس کی قیمت میں سے رقم مالگزاری مجرا لے لیتا ہے۔ یہ ایک

بہت ہی برا انتظام ہے اور ہندوستانی طبع کی خاص ایجاد ہے کیونکہ جو شخص فصل کو جمع کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے اس کو کاشتکار سے محنتانہ ملتا ہے اور اس طرح کسی بڑے آدمی کے جو شور مچانے والے حواشیوں میں سے کوئی ایک نکما اڑ رہا کچھ دنوں اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کر لیتا ہے اگر کسی نے ضمانت داخل کرنے پر میعاد مقررہ کے تیسرے دن ادائی نہ کی تو ضامن کو طلب کر کے رقم مالگزاری کی ادائی تک اسکو حراست میں رکھا جاتا ہے"!

ایک جائداد جس پر بیس پگوڈا محصول اراضی تھا، سو پگوڈا پر بکتی تھی اور رہاس پگوڈا پر مکفول ہو سکتی تھی باپ کی جائداد بیٹے علی السویہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ لیکن فرزند کلاں ہی ساری جائداد کا انتظام کرتا تھا اور سب ملکر ایک ساتھ رہتے تھے۔ جب جائداد متعدد رشتے کے بھائیوں میں تقسیم ہوتی تھی تو عام طور پر جائداد کو کرائے پر دیدیا جاتا تھا۔ اور کرایہ تقسیم کر لیا جاتا تھا اچھے کھیت میں فی ایکر بیس سے لیکر ۳۰ بشل چاول ہوتے تھے۔ اور خراب کھیت میں ۶ سے ۱۶ بشل۔ گنا، کالی مرچ، صندل کی لکڑی، الائچی، سپاری اور ناریل کا یہاں بیوپار تھا۔

ادنور ہ کے شمال میں گوکارنا شیوا کی مشہور مورت کی وجہ سے جس کو مہابلیشور کہا جاتا تھا اور جس کی پوجا یہاں ہوتی تھی ایک مشہور مقام تھا کہا جاتا ہے کہ لنکا کا راجہ راون، اس مورت کو شمالی پہاڑوں سے اٹھا کر لیجا رہا تھا سستانے کے لئے یہاں کندھے سے نیچے اتار اگر پھر اُس کو اُٹھا نہ سکا۔ اس قصبہ میں پانسو مکان تھے۔ جن میں سے آدھے مکانات میں برہمن رہتے تھے۔ یہاں ایک بڑا تالاب تھا جس کے پاس ہی ایک مٹھ بھی تھا اور شنکر نارائن کی مورت ایک مندر میں رکھی ہوئی تھی۔ ابتدا ہی میں اس عقیدے کے پھیلنے کا یہ بین ثبوت ہے کہ "شیو، اور وشنو، ایک ہی خدا کے مختلف نام ہیں"!

انکولہ، کا سالانہ محاصل ... ۲۹ پگوڈا تھا۔ ادنور کا ... ۱۵ اور کنڈاپورہ، کا ... ۵ پگوڈا تھا۔ اچھی زمینوں کا ایک ثلث حصہ

افتادہ تھا۔ انکولہ، کے بازار کو ڈاکوؤں نے کئی مرتبہ آگ لگا دی تھی لیکن انگریزوں کی حکمرانی میں یہاں پھر چہل پہل پیدا ہو رہی تھی۔ ۱۸۰۰ء میں منرو، کا محصول ٹیپو سلطان کے محصول آراضی سے کم تھا۔ مگر برائے نام، کیونکہ اس کی مقدار جمع درحقیقت بہت زیادہ تھی" عمال مالگزاری کے بیان کے موافق میجر منرو، نے محصول اراضی کی شرح بہت گھٹا تو دی تھی لیکن احتیاط اور سختی کر کے جس قدر محاصل اس نے جمع کیا وہ پہلے کے سب محاصل سے درحقیقت زیادہ تھا" بعینہٖ یہی ہندوستان کے اکثر اضلاع میں وقوع پذیر ہوا۔ عمال کمپنی کبھی وہی قدیم محاصل برقرار رکھتے تھے۔ یا کبھی اس میں کمی و بیشی بھی کرتے تھے۔ لیکن جمع میں ایسا تشدد کرتے تھے کہ ہندوستان کے لوگوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

تینوں شمالی اضلاع یعنے، کنڈہ پورہ، اڈپور، اور انکولہ، کا ساحل بہت پہاڑی اور بنجر اور نا قابل کاشت تھا۔ مسٹر ریڈ، نے مختلف قسم کی زمینوں کا اس طرح اندازہ لگایا ہے۔

	اراضی مزروعہ	قابل زراعت	بنجر
کنڈہ پورہ	۰٫۳۲	۰٫۰۸	۰٫۶۰
اڈپور ،	۰٫۲۶	۰٫۱۲	۰٫۶۲
انکولہ ،	۰٫۲۰	۰٫۲۰	۰٫۵۹

"اس قدر زمین افتادہ رہنے کے باوجود کہا جاتا ہے کہ میجر منرو، کے انتظام کے پہلے سال محاصل جس قدر زیادہ تھا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ مسٹر ریڈ نے اس اضافۂ لگان کی طرف اس کو منسوب کیا ہے جو فی الواقع زیر کاشت زمینوں پر کیا گیا تھا لیکن اسمیں مجھ کو بہت کچھ شک ہے"

ڈاکٹر بکانن میسور سے ہوکر مدراس کی طرف واپس ہوا اور ۶ جولائی ۱۸۰۱ء کو مدراس پہنچا۔ اس سفر واپسی کا حال بیان کرنا ہمارے لئے غیر ضروری ہے۔ جنوبی ہند میں مشرقی دریا سے مغربی دریا تک ڈاکٹر بکانن کی سیاحت کی کیفیت جس کا ہم نے اس باب میں اختصار پیش کیا ہے دور قدیم اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور جدید کی ملکی اقتصادی حالت کا ایک بیش قیمت دفتر ہے جہاں جہاں کمپنی کی حکمرانی پھیلی وہاں جنگ و جدال، فتنہ و فساد کا انسداد اور دوبارہ قیام امن کا انتظام ہوگیا۔ ان تمام برکتوں کے عطا کرنے کے ساتھ ساتھ کمپنی کے نظم ونسق میں یہ مہلک غلطی سرزد ہوئی کہ اراضی پر حیثیت سے زیادہ محصول لگا دیا گیا۔ اسی لئے کمپنی کی زیر حکمرانی رعایا مایوس کن افلاس میں پڑی ہوئی تھی اور یہ حالت اس سے بھی بدتر تھی جو دیسی وزیر، پورنیا کے عہد وزارت میں میسور کی دیسی ریاست میں اس رعایا کی تھی۔

تیرھواں باب

شمالی ہند کے اقتصادی حالات

۱۸۰۹ء تا ۱۸۱۵ء

مجلس نظمار نے ڈاکٹر بکانن کی جنوبی ہند کی معاشی تحقیقات کی قدر و قیمت کا اعتراف کیا اور خواہش ظاہر کی کہ اسی ممتاز و مستند شخص سے شمالی ہند میں بھی اسی طرح کی ایک تحقیقات کرائی جائے۔ چنانچہ ۱۸۰۷ء میں بنگالے اور شمالی ہند کے بعض اضلاع کے متعلق اعداد و شمار فراہم کرنے کے لئے ڈاکٹر بکانن کو حکم دیا گیا۔ یہ تحقیقات نہایت احتیاط کے ساتھ سات سال تک جاری رہی اور اس پر (۳۰۰۰۰) پونڈ مصارف ہوئے۔

سارا قیمتی مواد جو اس طرح جمع کیا گیا تھا، حکومت ہند نے انگلستان بھیجدیا جہاں ایک زمانہ تک وہ بیکار پڑا رہا۔ ڈاکٹر بکانن کو اسکاٹ لینڈ میں کثیر جائداد مل گئی۔ اس جائداد کو حاصل کرنے پر اس نے اپنا نام ہملٹن رکھ لیا اور اپنی دماغ سوزی کے نتائج شائع ہونے سے قبل عزلت ہی میں اس نے رحلت کی۔

اس وقت برطانوی نوآبادیات کے مورخ "منٹگمری مارٹن" نے جس نے ہندوستان پر بھی سنجیدہ اور پر مغز مضامین لکھے ہیں ڈاکٹر بکانن کے باقی مسودات کے معائنہ و مطالعہ کی اجازت چاہی جو اس کو مل گئی اس قدر محنت و دماغ پاشی سے جو معلومات فراہم کئے گئے تھے۔ ان کا دانشمندانہ انتخاب ۱۸۳۸ء میں تین جلدوں میں شائع کر دیا گیا اور انیسویں صدی عیسوی کے قرون اولی کی شمالی ہند کی اقتصادی حالت کا بہترین اور معتبر ترین تفصیلی بیان انہی جلدوں میں مندرج ہے۔ موجودہ تصنیف کے منشاء و مقصد کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ان جلدوں کے اعداد و شمار والے حصوں کا خلاصہ اس باب میں پیش کرتے ہیں۔

شہر پٹنہ و ضلع بہار

(رقبہ ۵۳۵۸ مربع میل۔ آبادی ۳۳۶۴۴۲۰ نفوس)

اس سارے ضلع میں دھان کی فصل ہی سب سے زیادہ اہم تھی دھان کا اوسط نرخ فی روپیہ ۷۰ سیر تھا یعنے ایک شلنگ کو تقریباً ۷۰ پونڈ کے حساب سے یہاں بکتا تھا گیہوں اور جو کی فصل دھان کے بعد دوسرے درجے پر اہم تھی اور بعض وقت ان دونوں اناجوں کو مخلوط بویا جاتا تھا "مڑوا" بالکلیہ تابی کی فصل تھی، جوار اور جنار، زیادہ تر گنگا کے کناروں پر ہوتی تھی۔
کیسری، بھٹ، مٹر، دال، ارہر، مونگ اور خوش ذائقہ ترکاریاں بھی کھانے کے لئے یہاں بوئی جاتی تھیں۔ تل اور اقسام کے پودے جن سے تیل نکالا جاتا تھا یہاں ہوتے تھے۔ یورپ سے آلو بھی لائے گئے تھے۔ کپاس (۸۰۰۰) ایکڑ زمین میں بوی جاتی تھی جس کے تین ثلث حصہ میں کوئی اور فصل نہیں ہوتی تھی اور (۷۰۰۰) ایکڑ زمین پر گنا پیدا ہوتا تھا۔ مواضعات کی نواح میں باغ کی اراضی تھی جس میں خشخاش بوئی جاتی تھی۔ اور تمباکو (۱۶۰) ایکڑ زمین میں ہوتا تھا۔ بہار کے پان اور سب جگہ کے پان سے اچھے سمجھے

جاتے تھے۔ اور کلکتے، بنارس اور لکھنؤ بھیجے جاتے تھے۔ نیل کی کاشت انحطاط پذیر تھی کیونکہ زمینداروں کو اس سے نفرت سی ہو گئی تھی۔ لیکن کسم کثرت سے بویا جاتا تھا۔

زمینداروں کو جو لگان کاشتکاروں سے ملتا تھا وہ مصارف فصل کی منہائی کے بعد فصل کی پیداوار کا نصف ہوتا تھا مگر زمینوں کی آبپاشی کے لئے زمیندار اپنے خرچ سے نہریں اور پانی کے خزانے بناتے بھی تھے۔ اور ان کی وقتاً فوقتاً مرمت بھی کرتے رہتے تھے۔

پانی کے بڑے خزانوں کی کھدائی جو ایک میل یا اس سے بھی زیادہ لانبے ہوتے تھے تقریباً (۵۰۰) روپے یا (۵۰) پونڈ ہوتی تھی۔ لیکن چھوٹے چھوٹے پانی کے خزانوں کی کھدائی جو بے شمار تھے ۲۵ روپے سے (۱۰۰) روپے تک ہوتی تھی متعدد نہریں کئی میل لانبی تھیں اور ان میں سے پانی بہہ کر جو جاتا تھا اس کی مقدار بہ نسبت اس پانی کے جو موسم گرما میں دریا کے نالے میں رہتا تھا اکثر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ربیع کی فصل اور ترکاریوں اور رنگنے کے زیادہ تر حصہ کو باؤلیوں سے ہی پانی دیا جاتا تھا۔ رمنے کے لئے (۲۷) مربع میل غیر قابل زمین مختص تھی۔ ۳۸۴ میل جنگل اور جھاڑیاں تھیں۔ ۶۴۰ میل نخلستان تھے ۲۰۵ میل مرتفع زمینیں تھیں اور (۴۱۷) میل جابجا شکستہ کنج و زاویہ اور بنجر زمین تھی۔ پٹنہ، اور گیا کے شہروں کے کاشتکار اپنے مکانات کی زمین کے لئے کچھ نہیں دیتے تھے۔" جو کوئی بھی کھیت لگان پر لیتا ہے اپنے گھر کے لئے کچھ نہیں دیتا۔" دستکار اور نجار اور مزدور پیشہ زر نقد یا اپنے کسی کام کی شکل میں کرایہ زمین ادا کرتے تھے۔

اس طرح یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مصارف فصل کی منہائی کے بعد پیداوار کا آدھا حصہ کاشتکار کا لگان ہوتا تھا جس میں اس کے مکان کی زمین کا کرایہ مصارف آبپاشی اور مفت کی چرائی بھی شامل

تھی۔ نصف پیداوار بطور لگان یا بندی کے ساتھ ہر جگہ وصول نہیں کی جاتی تھی وہ یہ تقسیم اس قدر تکلیف دہ ہے کہ مالک اور پٹہ دار فصل تیار ہونے پر اپنا حصہ لینے کے بجائے عموماً غلہ کا ایک مقررہ حصہ یا اسکی قیمت زر نقد میں لینے اور دینے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ ایک جاگیر کے سوا جہاں زمیندار رعایا کو کثیر رقم پیشگی دینے کا عادی تھا دوسرے مقامات میں پٹہ داروں پر زمینداروں کو واجب الادا بقایا بہت معمولی سا تھا"..... زمینداروں اور پٹہ داروں کے درمیان تقاوی کا طریقہ کاشت کے لئے یہاں بہت عام نہیں ہے اگرچہ ایک حد تک موجود ہے"۔ ڈاکٹر بکانن کے زمانہ تحقیقات میں ایک عام تغیر یہ ہو رہا تھا کہ لگان کی ادائی اجناس کے بجائے زر نقد میں ہو رہی تھی۔

ہل جوتنے والے ملازم کی سالانہ اجرت ۱۶ روپیہ سے ۲۲ روپے تک یعنی ماہوار تین یا چار شلنگ ہوتی تھی۔ روز کے مزدوروں کو جن سے کھودنے کا یا دھان کے پودوں کو ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ لگانے کا یا ربیع کی فصل کو پانی دینے کا کام لیا جاتا تھا روزانہ تین یا چار پیسے (دو پینس) مزدوری دی جاتی تھی اور عورتوں کو بھی جن سے دھان کے پودوں کو ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ لگانے اور گھاس پھونس کھیتوں سے چن کر صاف کرنے کا کام لیا جاتا تھا مردوں کے برابر مزدوری ملتی تھی اور یہ فصل کے کاموں میں بھی مدد دیتی تھیں۔

کاتنا اور بُننا زراعت کے بعد ہندوستان کی بڑی قومی حرفت تھی۔ صرف عورتیں ہی چرخے کاتتی تھیں اور اس ضلع میں ڈاکٹر بکانن نے ان کی تعداد کا اندازہ ۳۳۰۔۴۲۶ کیا ہے۔ "ان عورتوں میں سے اکثر تو دوپہر میں صرف چند گھنٹے چرخہ کاتتی ہیں اور ایک اوسط تخمینے کے طور پر سال بھر میں ایک عورت

جتنا دھاگا کاتتی ہے اس کی قیمت تقریباً ۷ روپے ۲ ۸ ۹ اور اسطرح تمام سال میں جملہ ۷ ۷ ۲ ۷ ۶ ۳ ۲ روپے ہوتی ہے اسی حساب سے خام سوت کی قیمت خردہ فروشی نرخ پر ۲ ۷ ۲ ۲ ۶ ۸ ۱۱ روپے ہوگی جس میں چرخہ کاتنے والیوں کو ۸۱۰۰۵ روپے منافع یعنی ۳ روپے (۶ شلنگ ۶ پنس) سال میں ہر ایک کو ملتا تھا۔......مہین کپڑوں کی مانگ میں چند سال سے متواتر کمی نمایاں ہے اسلئے عورتوں کو بہت تکالیف اٹھانی پڑیں"۔

جولاہوں کی یہاں ایک کثیر تعداد تھی اور جملہ ۵۰۰ کارگے تھے کہ جن سے سوتی چادر اور دستر خوان بننے کا کام لیا جاتا تھا۔ سال بھر کی بافت کی قیمت ۵۴۰۰۰ روپے ہوتی تھی جس میں سے دھاگے کی قیمت منہا کرنے کے بعد ۸۱۴۰۰ روپے منافع ہوتا تھا اس طرح فی کارگہ ۸۰ روپے منافع ملتا تھا اور ہر کارگہ پر تین آدمی کام کرتے تھے یعنے دوسرے الفاظ میں فی کس ۳۶ روپے (۷۲) شلنگ سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ لیکن اکثر سوتی پارچہ باف دیہات میں پہننے کا موٹا کپڑا بنتے تھے جس کی قیمت سال میں ۲۴۳۸۶۲۱ روپے ہوتی تھی جس میں سے دھاگے کی قیمت منہا کرنے کے بعد ۶۶۷۲۴۲ روپے منافع کے بچ جاتے تھے۔ اس طرح فی کارگہ ۲۸ روپے (۵۶ شلنگ) منافع ملتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس نظام کو اختیار کیا اس کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے:۔ "ہر شخص کو کمپنی کا اسامی بننے پر دو روپے ملتے تھے اور اقرار کرنا پڑتا تھا کہ کمپنی کی ضرورتوں کی تکمیل تک وہ کسی اور کا کام نہیں کریگا اس کے علاوہ تجارتی ریزیڈنٹ نے کبھی کسی کو کوئی پیشگی رقم دی ہی نہیں۔ کمپنی کا گماشتہ ہر شخص سے فلاں فلاں کپڑے کے اتنے اتنے تھان بننے کی فرمایش کرتا ہے اور ہر شخص کو جیسے جیسے وہ تھان بنکر لاتا ہے فہرست کے موافق اسکی مقررہ قیمت ادا کردی جاتی ہے"۔

وہ پارچہ باف جو کلا یا جزاً ٹسر کے ریشم کا پارچہ بنتے تھے

اکثر مقبولہ ، گیا ، اور نوادہ میں ہی رہتے تھے ۔ سال بھر کی پیداوار کی قیمت ۱۰ ، ۷ ، ۲۱ ، ۴ روپیے ہوتی تھی اور فی کارگہ جس پر ایک مرد اور ایک عورت یعنے دو نفوس کام کرتے تھے سال میں ۳۲ روپے سے ۹۰ روپے تک فائدہ ہوتا تھا ۔

کاغذ سازی ، دباغت اور چرمی سامان وعطر سازی ، لوہے کے آلات وغیرہ سونے چاندی کا سامان ، سنگتراشی ، مٹی کے ظروف ، رانگری ، آہک سازی ۔ انگریزی کمبل بننا ۔ سنہری اور روپہلی مقیش اور تاش و زر بفت یہاں کی دوسری اہم صنعتیں تھیں یہاں کی اندرونی تجارت زیادہ تر بلدیہ بیوپاریوں کے ہاتھ میں تھی ۔ جن کے پاس بار برداری کیلئے بیل تھے ایک بیل اور ۵ روپے کے اصل سے بیوپاری تجارت کرنیکے قابل بنجاتا تھا ۔ ۱۲ آنہ ۵۰ روپے کا سامان فروخت کرتا تھا جس پر ۶ آنہ ۱۲ فی صدی منافع کماتا تھا ، اور اس طرح ۳۲ روپیے (۶۴ شلنگ) سالانہ اس کی آمدنی ہوتی تھی ۔ تجارتی سامان کشتیوں پر پٹنے سے کلکتے جاتا تھا اور ۱۰۰ امن (۸۰۰۰) پونڈ غلے کی حمل ونقل کا کرایہ ۱۲ سے ۱۵ روپیے یعنے ۲۴ سے ۳۰ شلنگ ہوتا تھا ۔ چھکڑے یا بیلوں کی گاڑیوں پر سامان لادکر ایسے مقامات پر بھیجا جاتا تھا جن کا فاصلہ کم ہوتا تھا مثلاً پٹنہ سے گیا (۷۲) میل تک ۱۲ سے ۱۵ امن (۹۶۰ سے ۱۲۰۰ پونڈ) کی باربرداری کے لئے چھکڑے یا بیلوں کی گاڑی کا کرایہ تین روپیے یا چھ شلنگ ہوتا تھا ۔

سو سال کے قبل ہندوستان میں کیا کیا اہم کاروبار تجارت اور پیشے تھے ان کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کس قدر ذرائع آمدنی کم رہ گئے تھے ۔ چرخہ کاتنا اور کپڑا بننا تو تقریباً معدوم ہوچکا تھا ۔ کیونکہ دھاگے اور کپڑے کا کثیر حصہ جو لوگوں کے کام میں لایا جاتا ہے وہ لنکاشایر سے آتا ہے ۔ کاغذ سازی بھی انحطاط پر ہے بہتر قسم کا چرمی سامان بنانے کے لئے چمڑے اب یورپ بھیجدیئے جاتے

ہیں ۔ دیسی رنگ کے بجائے نیل کے مصنوعی ولایتی رنگ استعمال ہوتے ہیں ۔ بیوپاری اور ان کی بیلوں کی گاڑیاں اگلے زمانہ کی بات ہو گئی اور بار برداری کا منافع کشتیبان نہیں بلکہ ریلوے کمپنیاں کمانے لگیں جو پردیسی اصلداروں کی ملک ہیں ۔ اقسام کی تجارت اور صنعت و حرفت کی تباہی کے بعد درحقیقت زراعت ہی لوگوں کے کسب معاش کا ذریعہ رہ گئی ہے ۔

ضلع شاہ آباد

(رقبہ ۴۰۸۷ مربع میل ۔ آبادی ۱۴۱۹۵۲۰ نفوس)

یہاں دھان کی فصل سب سے زیادہ ہوتی تھی مگر چند زمینداروں کی غفلت سے جنھوں نے اپنی اپنی جاگیروں میں پانی کے خزانوں کی مرمت نہیں کی تھی غلہ کی کاشت میں کمی واقع ہو رہی تھی اس ضلع کا آدھا حصہ دھان کے زیر کاشت تھا ۔ ذرائع آبپاشی کی توسیع سے شاہ آباد بھی پٹنہ اور بہار کی طرح ہو سکتا تھا ۔ لیکن شاہ آباد کا چاول اس قدر عمدہ اور باریک نہیں ہوتا تھا ۔

روز کے مزدور کو صرف کھیت کاٹنے کے لئے کم سے کم جو مزدوری دیجاتی تھی وہ خام پیداوار کا تقریباً ۳ ۱/۴ اور زیادہ سے زیادہ ۸ ۳/۴ فیصد تھی اوسطاً ۵ ۱۶ پونڈ غلہ ایک آدمی دن بھر میں کاٹ سکتا تھا جسکے معاوضہ میں اگر وہ روزانہ کا مزدور ہوتا تھا تو اس کو ۶ فیصد سے کسیقدر زیادہ اور اگر کھیت کا نوکر ہوتا تھا تو اس کو ۷ ۱/۲ فیصد سے کسیقدر کم دیا جاتا تھا ۔ بیج کے لئے جو غلہ ہوتا تھا وہ مٹی کی گولیوں میں محفوظ رکھا جاتا تھا اکثر عام طور پر اناج کے انبار کے لئے ایک طرح کے ٹوکرے شہد کے چھتے کی شکل کے ہوتے تھے جیسے کہ اسکاٹلینڈ میں عام طور پر پائے جاتے ہیں اور ان پر گھانس کی بٹی ہوئی رسی پیچ در پیچ بٹی ہوئی ہوتی تھی ۔ ان انباروں

چاول کے ۶۰ ۳ ۹ ۲ پونڈ ہوتے تھے بڑے بڑے انبار کھیت کے بیچ میں اتارے دہ تھے اور ان کے چھپروں کو چکنی مٹی لپیٹ کر ڈھانک دیا جاتا تھا۔ چھوٹے انبار جھونپڑیوں کے سرے پر جمائے جاتے تھے۔

"اس ضلع کے اکثر زمیندار جن کی جاگیروں پر محصول لگایا گیا ہے شاکی ہیں کہ کمپنی کی سرکار نے جو محصول لگایا ہے وہ بہت زیادہ ہے جس سے ان کے لئے بہت ہی تھوڑا یا کچھ بھی نفع نہیں بچتا بلکہ اکثر صورتوں میں تو یہ محصول اراضی کی قیمت سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ کئی جاگیریں نیلام پر چڑھ گئی تھیں مگر کوئی بولی بولنے والا نہیں ملا اور سرکار کو ان جاگیروں پر جو بقایا تھا اسکا نقصان بھی اٹھانا پڑا اور قیمت گھٹا کر ان زمینوں کا پٹہ بھی کر دینا پڑا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ محاصل اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ زمینداروں کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ اور اسی لئے پانی کے خزانوں کی درستی اور مرمت کے مصارف بھی وہ ادا نہیں کر سکتے چنانچہ روز بروز ملک کی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ محاصل ادا کرنے کا مقدور بھی گھٹا جا رہا ہے"۔ مرتفع اور مستوی سطح کی اراضی کے باستثنا سرکاری مالگزاری کی رقم شاہ آباد میں ۳۱۵۱ مربع میل قابل زراعت اراضی پر ۱۱۳۲۶۷۷ روپے ہوتی تھی۔ حالانکہ پٹنہ اور بہار میں ۵۰۵۱ مربع میل قابل زراعت زمین پر مالگزاری ۱۴۱۲۲۶۹ روپے تھی۔

کاتنا اور بننا، شاہ آباد کی اہم صنعت تھی۔ ۱۵۹۵۰۰ عورتیں کاتنے کا کام کرتی تھیں اور سال میں (۱۲۵۰۰۰۰) روپے کا دھاگا کاتتی تھیں۔ سوت کی قیمت منہا کرنے کے بعد ہر عورت صرف ۱½ روپے یا ۳ شلنگ سالانہ کماتی تھی۔ یہ بالکل تھوڑا تھا۔ مگر تھوڑا تھوڑا ہی سہی اُن کے خاندان کی آمدنی میں اس سے اضافہ تو ہوتا تھا۔

جولاہے صرف سوتی کپڑا بنتے تھے کیونکہ شاہ آباد میں ریشمی پارچہ باف شاذ تھے۔ سوتی کپڑا بننے والے جولاہے اس ضلع میں ۷۰۲۵ تھے

اور ان کے پاس ۷۹۵۰ کارگر تھے۔ فی کارگہ ۳/۴ ۲۰ روپے یا ۴۱ شلنگ ۲ پنس سالانہ آمدنی ہوتی تھی اور ہر کارگر پر، بیوی خاوند اور ایک لڑکا یا لڑکی کا کام کرنا ضروری تھا۔ لیکن ایک خاندان کی پرورش ۴۸ روپے یا ۴ پونڈ ۱۶ شلنگ سالانہ سے کم میں نہیں ہو سکتی تھی اس لئے ڈاکٹر بکانن کو شبہ رہ ہے کہ فی کارگہ جو آمدنی اوپر بیان کی گئی ہے وہ حقیقی آمدنی سے کم ظاہر کی گئی ہے۔

کاغذ، عطر، تیل، نمک، اور شراب یہ چیزیں شاہ آباد میں بنتی تھیں۔ چاول کی درآمد وبرآمد دونوں اہم تھی جو بنارس کو برآمد کیجاتی تھی اور ارہر کی دال مرشد آباد کو۔ تمباکو، چوپرے سے درآمد ہوتا تھا شکر مرزاپور سے رام گڈھ سے لوہا، اور پٹنہ سے جست، تانبا، سیسہ اور ٹین درآمد ہوتے تھے۔ خام ریشم، کپڑا، نمک، رنگ برنگ کا سامان مرہٹوں کے ملک رتن پور کو برآمد کیا جاتا تھا۔

ہفتہ وار منڈیاں بہار کی بہ نسبت یہاں تعداد میں کم تھیں لیکن زیادہ تر خرید و فروخت انہی منڈیوں میں ہوتی تھی۔ بنک کے نوٹ کا رواج ابھی عام نہیں ہوا تھا اور انہی وجوہ سے جو بہار میں موجود تھے طلا سرے سے مفقود ہی ہو گیا تھا۔ کمپنی کے ڈھالے ہوئے تانبے کے سکے صرف شہر آرہ میں چلتے تھے۔ اور اندرون ملک گورکھپور کے بدنما اور بھدے تانبے کے سکے اور مادھو ساہی اور شیر گوجی پیسے مستعمل تھے۔ کوڑیاں بھی تانبے کے سکوں سے مبادلے کے کام میں آتی تھیں۔

بہار کی بہ نسبت یہاں کشتیاں تعداد میں کم تھیں ۱۰۰ من (۸۰۰۰ پونڈ) وزن سامان کا کرایہ، بندھولیا سے بنارس تک جو ۱۴۰ میل کا فاصلہ تھا ۱۲ روپے یا ۴ ۲ شلنگ ہوتا تھا۔ دو شاہراہیں اس ضلع سے گزرتی تھیں ایک تو وہ فوجی سڑک تھی جو کلکتہ سے بنارس تک گئی تھی اور جس کی نگہداشت کے مصارف خزانہ عامرہ سے ادا ہوتے تھے اور دوسری وہ جو سابق میں گنگا کے کنارے کنارے جاتی تھی اور جس کے

معارف نگہداشت کے لئے اس ضلع کی تمام اراضی پر جو مالگزاری ادا ہوتی تھی ایک فی صدی محصول لگایا گیا تھا۔ یہہ دونوں سڑکیں بارش کے موسم میں ناقابل گزر رہتی تھیں۔

ہر دار سنگھہ، بھوج پور کا کایستھ راجہ عبد النصر نامی ایک مسلمان زمیندار، اور بی بی عصمت نامی ایک مسلمان خاتون، لالہ راجاپ اور لالہ گنگا جو دونوں کایستھ تھے غریبوں اور فقیروں کیلئے جو امداد کے لئے ان کے پاس آتے تھے سدابرت اور لنگر تقسیم کرنے میں سب سے زیادہ مشہور تھے۔ ہندوؤں میں غریبوں کی خاطر مدارات اور مہمان نوازی کی قدیم رسم "سدابرت" کو پرماتما کی لگاتار عبادت سمجھا جاتا تھا۔

ضلع بھاگلپور

(رقبہ ۸۲۲۵ مربع میل۔ آبادی ۲۰۱۹۹۰۰ نفوس)

چاول کی فصل یہاں سب سے زیادہ اہم تھی اور ۶۰ سیر دھان سے ۲۷½ سیر صاف چاول جس میں بھوسی یا ٹوٹا نہو نکلتے تھے۔ چاول کے بعد اہم فصل گیہوں کی تھی جو موٹھ کے ساتھ ملاکر کھیتوں میں اکثر بوئی جاتی تھی مرتفع زمینوں پر جوار کی کاشت ہوتی تھی اور اس کے بعد مڑوا کی، کھیری کدو، چینا، جنیرا، اور باجرا، کی بھی کاشت ہوتی تھی۔

لیکٹی، ارہر، کیسری، نہایت اہم پھلیاں ہوتی تھیں۔ تل اور اقسام کے پودے جن سے تیل نکالا جاتا تھا وسیع پیمانہ پر ہوتے تھے۔ ادرک، سبزی ترکاری، ساگ اور مصالحہ ضلع میں رہنے والوں کے استعمال کے لئے بوئے جاتے تھے۔

کوہی اقوام، اپنے دیس کی پہاڑیوں پر کثیر مقدار میں کپاس، بوتے تھے۔ اسکے علاوہ ۴۰۰۰ ایکر زمین میں بھی اس کی کاشت ہوتی

تھی۔ صرف دریا کے کنارے گنا ہوتا تھا جہاں نہروں سے اسکو پانی ملتا تھا، یہاں تمباکو پیدا ہوتا تھا مگر وہ تمام ضلع کی ضرورتوں کے لئے کافی نہ تھا۔ خام پیداوار کا نصف حصہ کاشت کے مصارف میں جاتا تھا اور زمینداروں کو جو لگان ادا کیا جاتا تھا وہ باقی نصف حصہ کے لگ بھگ ہوتا تھا۔ اس کے باوجود پیشگی رقم دینے کے طریقے سے یہاں کے لوگ ناواقف تھے اس لئے رعایا کچھ زیادہ قرضے میں پھنسی ہوئی نہ تھی زر نقد میں جو لگان ادا ہوتا تھا وہ تو بالاقساط ہوتا تھا اور جنس میں جو ادا ہوتا تھا وہ فصل پر ہی یکمشت ادا کر دیا جاتا تھا۔ تقسیم فصل سے پہلے پیداوار میں سے مختلف منہائیاں کیجاتی ہیں۔ بالخصوص فصل کے تمام لاحقہ مصارف اور منہائیوں کے بعد بعض مقامات میں زمینداروں کو نصف اور بعض میں ۲/۵ حصہ ملتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا ہے زمینداروں ہی پر نہروں کے اور آبپاشی کے خزانہ ہائے آب کے جملہ مصارف عائد ہوتے ہیں اور فصل کے مصارف جو سب سے زیادہ ہوتے ہیں ان کی منہائی پٹہ دار کے حق میں ہوتی ہے"

شمالی اقطاع میں ہل جوتنے والوں کو جنھیں فصل بہ فصل نوکر رکھا جاتا تھا ۵ روپے سے ۲۰ روپے تک پیشگی رقم دی جاتی تھی اور وہ اس رقم کے بے باق ہونے تک اپنے مالکوں کی خدمت بجالاتے تھے۔ جنوبی اقطاع میں عجیب طریقے سے فصل کی تقسیم عمل میں آتی تھی۔ زمیندار سب سے پہلے بیج کی دو چند مقدار اور اسکے بعد باقی حصہ میں سے دو تہائی خود لیتا تھا اور مزدور کو مابقی ایک ثلث ملتا تھا۔

پہاڑی اقوام بہ نسبت ہندو کاشتکاروں کے کاشت میں کم محتاط اور کم محنتی مگر زیادہ شراب خوار تھے اور ان پہاڑی قوموں میں بھی شمالی اقوام باوجودیکہ ان کی عورتیں اور مرد اکثر دونوں پی پی کر نہایت مخمور و مدہوش بن جاتے تھے۔ تاہم جنوبی اقوام کے بہ مقابل زیادہ محنتی اور مسکرات سے محتاط رہتے تھے۔ پہاڑی اقوام میں کاشت کا

طریقہ بھی عجیب تھا۔ چھوٹے چھوٹے سوراخ دو تین انگل گہرے پہاڑ کے نیچے سب سے ڈھلوان نشیب میں پتھروں کے بیچوں بیچ کئے جاتے تھے اور ہر سوراخ میں اقسام کے مخلوط بیجوں سے کوئی دس بارہ بیج یونہی لیکر ڈالدئے جاتے تھے۔ اور ماہ بماہ جیسے جیسے یہ بیج اُگتے تھے ان کو کاٹ لیا جاتا تھا۔ شمالی اقوام کپاس کی بھی کاشت کرتے تھے مگر جنوبی نہیں

تمام ذات کے لوگوں کو کاتنے کی عام اجازت تھی کہا جاتا ہے کہ ۱۶۰۰۰ عورتیں کاتی تھیں۔ سوت کی لاگت منہا کرنے کے بعد ہر عورت سالانہ ۴½ روپے یا ۹ شلنگ کما لیتی تھی۔ اور اتنا اضافہ اس کے خاندان کی جملہ آمدنی میں ہو جاتا تھا۔

چند ہی ایسے پارچہ باف تھے جو صرف ریشم کا پارچہ بنتے تھے مگر شہر بھاگلپور کی نواح میں اکثر ایسے تھے جو ریشم اور سوت ملے ہوئے لشر کے پارچہ جات بنتے تھے۔ اور ۳۲۷۵ کارگہ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ کمپنی کا تجارتی رزیڈنٹ سالانہ ۱۰۰۰۰ روپے ہانکی پارچہ جات کے لئے جو "بافتہ" اور "نمونہ" کہلاتے تھے پیشگی دیتا تھا کہا جاتا ہے کہ ہر پارچہ باف کا منافع جو اس ریشم اور سوت ملی ہوئی حرفت کا کام کرتا تھا، ماسوا اس کے جو اس کی عورتیں کماتی تھیں سالانہ ۴۶ روپے یا ۹۲ شلنگ ہوتا تھا۔

سوتی کپڑا بننے کے ۷۲۷۹ کارگے تھے اور فی کارگہ ۲۰ روپے یا ۴۰ شلنگ سالانہ آمدنی ہوتی تھی ایک اور حساب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حرفت میں جو بیوی خاوند کام کرتے ہیں انکا سالانہ منافع ۳۲ روپے یا ۶۴ شلنگ ہوتا تھا سوتی دریاں، فیتے، نواڑ، خیمے کی طنابیں، چھینٹ اور کمبل بھی اس ضلع میں تیار ہوتے تھے۔

اس ضلع کی دوسری اہم صنعتوں میں شیشہ کی موٹی موٹی چوڑیاں بنانا، چرم کی دباغت، لوہے کے کارخانے، نجاری، ظروف سازی، سنگتراشی، سونے، چاندی کے سامان اور جست کے کارخانے بھی

شامل تھے۔ نیل کی کاشت یورپی مخل بند کے ہاتھ میں تھی اور جو شورہ پیدا ہوتا تھا کمپنی خرید لیتی تھی۔

یہاں کے رہنے والے بنگالیوں کی بہ نسبت منڈیوں میں خرید و فروخت کرنے کے کم عادی تھے۔ اور زیادہ تر دکانداروں اور تاجروں سے ہی معاملہ کرتے تھے۔ جلار بالکل مفقود ہو گیا تھا۔ عام طور پر لین دین میں کلکتے کا ٹلدار روپیہ ہی زیادہ چلتا تھا۔ اور مختلف قسم کے تانبے کے سکے بھی رائج تھے "اس ضلع کے جنوب مغربی حصہ میں شاذ و نادر ہی کوئی سکہ نظر آتا ہے اور اکثر تجارتی کاروبار اشیاء کے مبادلے پر چلتے ہیں"۔ اس ضلع میں دریا کی راہ سے سامان تجارت کی آمد و رفت کچھ زیادہ نہ تھی، مونگیر سے کلکتہ کو ۳۰۰ میل ۱۰۰ من (۸۰۰۰ پونڈ) لیجانیکا کرایہ کشتی ۱۰ سے ۱۴ روپے یعنے ۲۰ سے ۲۸ شلنگ ہوتا تھا۔ ملک کی اندرونی تجارت کے زیادہ حصہ کی حمل و نقل بیلوں یا چھکڑوں پر ہوتی تھی ایک ہی اہم شاہراہ اس ضلع سے ہو کر گزرتی تھی جو کلکتہ سے پٹنہ اور بنارس کو جاتی تھی، لیکن بارش کے موسم میں باربرداری کے بیلوں کے لئے بھی یہ ناقابل گزر تھی۔ بلدیہ بیوپاری یعنے وہ تاجر جن کے پاس لدو بیل ہوتے تھے بے شمار تھے۔ سیاح اور مسافر عام طور پر پیدل ہی سفر کرتے تھے اور راتیں مودیوں یعنے حلوائیوں کی دکانوں میں پیسہ دو پیسے دیکر کچھ وہیں پکوا بھی لیتے تھے۔ اور رات بھی گزار دیتے تھے مگر کھانے کے سامان کی قیمت الگ ادا کرنی پڑتی تھی۔ مسلمان مسافر حجرے اور پکوان کے لئے اس کا دوچند دیتے تھے کیونکہ وہ بھٹیاروں سے خاص خاص کھانے پکواتے تھے۔

ضلع گورکھپور

(رقبہ ۷۴۳۳ مربع میل۔ آبادی ۱۳۸۵۴۹۵ النفوس)

اگرچہ چند قطعات میں دھان کی کاشت نہیں ہوتی تھی تاہم بہ حیثیت مجموعی

دھان کی فصل نہایت ہی اہم تھی۔ اور وہاں ہوتی تھی جہاں اراضی کو ذرائع آبپاشی مہیا کرکے پانی پہنچانے کی ضرورت نہ تھی۔ گیہوں کی فصل بھی بہت اہم تھی۔ اور اس ضلع کے اکثر اقطاع میں گیہوں کی مقدار چاول سے زیادہ ہوتی تھی۔ گیہوں اور جو کو تقریباً عام طور پر مخلوط کرکے کام میں لایا جاتا تھا۔ گیہوں کو تلوں میں بھی ملا کر بوتے تھے اور جو کو مٹر میں۔

پھلیوں میں، ارہر، چنا، ماش، مسور، بھرنگی اور مٹر عام طور پر ہوتے تھے۔ طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اور پودے بھی ہوتے تھے، جن کا آٹا وغیرہ پکانے کے کام میں لایا جاتا تھا۔ تسی، تل اور رائی کی کاشت تیل کے لئے ہوتی تھی۔ کپاس، کی بہت تھوڑی کاشت تھی۔ کھجور کے درخت اور مہوہ میٹھے رس کے لئے بوئے جاتے تھے اور ۶۰۰ ایکڑ زمین میں گنے کی کاشت ہوتی تھی۔ تمباکو، اور پان، بھی زیادہ بوئے جاتے تھے۔ مگر کمپنی نے خشخاش، کی کاشت کی ممانعت کردی تھی۔

دریاؤں، نہروں، تالابوں اور دلدل کا پانی ایک خاص طرح سے ٹوکروں میں رسی باندھکر جھولا دینے سے کھیتوں میں پہنچایا جاتا تھا اور اسطرح دس آدمی روزانہ تین سے پانچہزار مربع فٹ رقبے کو سیراب کرسکتے تھے بعض کھیتوں میں ڈولوں سے باڈلیوں کا پانی دیا جاتا تھا۔ اور یہہ عمل مویشیوں کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ لگان کا زیادہ حصہ تو زر نقد میں ادا ہوتا تھا اگرچہ بعض مقامات میں تقسیم فصل کی شکل میں بھی اس کی ادائی کیجاتی تھی اور جہاں یہہ موخر الذکر نظام رائج تھا وہاں زمیندار کو ہل چلانے، بونے اور کاٹنے کے مصارف اور دیگر اخراجات منہا کرنیکے بعد فصل کا ایک ربع حصہ ملتا تھا۔

گورکھپور کا شمار ان اضلاع میں تھا جو بیشتر شجاع الدولہ نواب اودھ کے عہد حکومت میں خوب شاداب تھے مگر جب سے آصف الدولہ کے عہد میں کرنل ہینی، کے نام اس حق مالگزاری منتقل ہوا تھا ایک طرف استحصال ناجائز اور دوسری طرف فتنہ و فساد سے یہاں کی رعایا کو سخت نقصان

پہنچا تھا اور مقام غیر آباد سا ہو گیا تھا۔ پھر، مارکوئیس ولزلی، کے انتظامات میں یہ ضلع بھی ۱۸۰۱ء میں کمپنی کے تفویض کر دیا گیا۔ ہم نے یہ سب واقعات پچھلے ابواب میں بیان کر دیئے ہیں اور اس کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء میں لارڈ ویلزلی نے ممالک مفوضہ و مفتوحہ میں دوامی بند و بست کر دینے کا حتمی وعدہ تو کر لیا تھا مگر اس کو کبھی ایفا ہی نہیں کیا۔ گورکھپور بھی انہی اضلاع مفوضہ کا ایک ضلع تھا جس کی تفویض سے قریب دس سال کے بعد ڈاکٹر بکانن وہاں آیا ہے۔ اس لئے ڈاکٹر بکانن نے اس ضلع کے اس وقت کے جو حالات لکھے ہیں ان کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہیں۔

"درحقیقت کہا یہ جاتا ہے کہ شجاع الدولہ کے عہد حکومت میں موجودہ حالت سے اس ضلع کی حالت کہیں اچھی تھی مگر کرنل ہینی کو مالگزاری کی مستاجری ملنے سے اس نے جمع کے ایسے ظالمانہ طریقے اختیار کئے کہ سارا ملک بے چراغ ہو گیا اور جہاں اس وقت جنگل اور افتادہ زمین کے سوا کچھ ہے ہی نہیں، وہاں بھی میں یقیناً سابقہ کاشت کے آثار پاتا ہوں جب یہ ضلع انگریزوں کے تفویض ہوا ہے اسوقت میجر رٹلج، اس کے انتظام پر مقرر ہوا تھا اور اس نے بہت مستعدی اور احتیاط و عاقبت بینی سے کام کیا۔ ہمارے شہرۂ آفاق حسن انتظام کے برتے پر اس نے سارے قلعے فی الفور مسمار کر دئے اور اس طرح قانون کا ایک ناقابل مزاحمت، اقتدار قایم کر دیا جس سے ادنیٰ طبقوں کی حفاظت جان و مال ایسی ہونے لگی کہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جگہ جگہ سے خوش باش یہاں کھچ آئے۔ ابتدا میں میجر رٹلج کے مطالبات اعتدال پر مبنی تھے لیکن بڑی غلطی یہ ہوئی کہ بند و بست کی میعاد اس نے بہت ہی کم رکھی۔ میں یہ ضرور کہونگا کہ بہ حیثیت مجموعی اس ضلع کے زمینداروں کے ساتھ اب تک نہایت سختی کا برتاؤ ظاہر ہوتا ہے جہاں کہیں تمام اراضی زیر قبضہ تھے جیسا کہ دریائے گھگرا کے داہنی طرف کی ساری ... ہے وہاں بھی

بنگالہ، بہار اور بنارس، کی طرح دوامی بندوبست کر دینے کی میں رائے دونگا۔"

یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہی پرانا قصہ دُہرایا گیا ہے، جہاں جہاں کمپنی کا راج پھیلا فتنہ و فساد کی جگہ امن و امان نے لی اور انتشار و ابتری کی بجائے قانون کا تسلط ہوا۔ لیکن اراضی پر سنگین محصول تھا جسمیں وقتاً فوقتاً اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا اور شمالی ہند پر کئی قرن تک محصول داروں کا یوں ہاتھ پھیرتے رہنا بمقابل سابقہ زمانہ کی حملہ آوری اور قزاقوں کی گاہے ماہے کی غارتگری کہیں زیادہ نقصان رساں تھا۔ ۶۰۰ د۱ عورتیں سوت کاتا کرتی تھیں اور ڈھائی روپے یا ۵ شلنگ ہر عورت کی سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ یہاں جولاہوں کے ۴۳۴۵ خاندان رہتے تھے جن کے پاس ۲۱۱۴ کارگے تھے اور فی کارگہ ۲۳½ روپے یا ۴۷ شلنگ سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ ڈاکٹر بکانن کا خیال تھا کہ یہ تخمینہ حقیقی مقدار سے کم تھا اور دراصل فی کارگہ ۳۶ روپے یا ۷۲ شلنگ سالانہ آمدنی تھی۔ چھینٹ نواب گنج میں بنتی تھی اور مقامی استعمال کے لئے کمبل بھی بنے جاتے تھے۔

یہاں کے بڑھئی لوہے کا سامان، دروازے، دریچے، چھکڑے گاڑیاں، زرعی آلات، میانے، صندوق اور بعض وقت کشتیاں بھی بناتے تھے۔ ہر سال ۲۰۰ سے ۴۰۰ کی تعداد میں کشتیاں بنائی جاتی تھیں۔ کانسیا کار، کانسی کے ظروف بناتے تھے۔ چھ آدمی تین مہینوں میں ۲۴۰ روپے کا سامان بنالیتے تھے جن میں سے ۵۶ روپے منافع ان کو بچتا تھا۔ اسکے یہ معنے ہوئے کہ فی کس ۳ روپے (۶ شلنگ) سے کسی قدر زیادہ ماہانہ کمائی ہوتی تھی۔ کئی قسم کے پیتلی زیورات اور زیبائش کی چیزیں بھی یہاں بنتی تھیں۔ شکر، اور نمک دیہات میں بنتے تھے۔

نواب اودھ کے پاس جو سلطنت باقی رہ گئی تھی وہاں سے بہت سا غلہ یہاں آتا تھا۔ نیز اسی متصلہ علاقہ سے جو نیپال کے قبضہ میں تھا، شکر، اور

تمباکو کی درآمد، ضلع سارن اور دوسرے مقامات سے ہوتی تھی، ہاتھی اور تانبے کے ظروف، نیپال سے آتے تھے۔ کانسے کے اشیاء اور پیتلی سامان پٹنہ سے۔

تجارتی سامان کی حمل و نقل مقررہ تاجروں کے ذریعہ سے ہوتی تھی یا ان تاجروں کے ذریعہ سے جن کے پاس باربرداری کے بیل ہوتے تھے یا ان مستاجروں کے ذریعہ سے جن کے پاس چھکڑے یا بیلوں کی گاڑیاں تھیں۔ کپڑیا (بزاز) کپڑے درآمد کرتے تھے۔ بنجارے، بیوپاری نمک لاتے تھے اور نونیا، بیوپاری اس کی خردہ فروشی کرتے تھے، بنیئے غلہ واجناس کی خردہ فروشی کرتے تھے۔ روئی کا بیوپار کرنے والے روئی درآمد کرتے تھے۔ اور مہاجن کاشتکاروں کو لگان کی ادائی کیلئے اور زمینداروں کو سرکاری مالگزاری ادا کرنے کے لئے روپیہ قرض دیتے تھے۔

یہاں بھی شاہ آباد، لکھنؤ اور بنارس کی طرح ہر ہفتہ منڈی لگتی تھی۔ عام طور پر روپیہ رائج تو تھا مگر کلکتہ کا روپیہ شاذ ونادر ہی دکھائی دیتا تھا۔ تانبے کے مقامی سکوں کا مسکوک ہونا بند ہو گیا تھا۔ نیپال کے تانبے کے سکے ہی عام طور پر رائج تھے اور کوڑیاں بھی زر کی طرح چلتی تھیں۔

گورکھپور کے کسی سادھو نے اپنے ہم شہریوں کی رفاہ کے لئے چند بہت خوشنما پل تعمیر کروائے تھے۔ اور چار سدابرت گورکھپور میں دو بیواپور میں، ایک لال گنج، اور ایک گھار میں تھا۔

ضلع دیناجپور

(رقبہ ۵۳۷۴ مربع میل۔ آبادی ۳۰۰۰۰۰ نفوس)

دھان اس ضلع کی سب سے اہم فصل تھی اور بعض اراضی میں دو فصلیں ہوتی تھیں۔ ایک خریف دوسری ربیع۔ ایک تیسری قسم،

بوآرو، کہلاتی تھی جس کی کاشت کم مقدار میں کی جاتی تھی۔ اور یہہ بھی ربیع کی فصل تھی۔

مرتفع زمینوں کو جن میں خریف کے دھان اُگتے تھے کچھ کھاد بھی دی جاتی تھی اور ان میں ربیع کی فصل بھی مثلاً، رآئی، ہوتی تھی۔ نشیبی زمینوں کو جہاں ربیع کے دھان ہوتے تھے، کھاد کی ضرورت ہی نہ تھی اور ان میں صرف ایک ہی فصل ہوتی تھی۔ عورتیں چھ فیٹ لانبے موسل سے جو دھنکی کہلاتا تھا چاول چھڑتی تھیں اور ۴۰ سیر دھان میں ۲۸ سیر سے کچھ زیادہ چاول نکلتے تھے۔

گیہوں اور جو کی فصل، دیناجپور میں قلیل المقدار ہوتی تھی اور مسٹر والکم زرخیز زمینوں میں بویا جاتا تھا۔ پھلیوں میں، کلائی ماکیسری اور مسور، عام طور پر ہوتی تھی "فیلڈ پی" (Field pea) سب سے زیادہ عام دال تھی۔ رآئی اور السی تیل کے لئے بوئی جاتی تھی۔

تقریباً ۳۷۰۰۰ ایکر نخلستان پھیلا ہوا تھا جس میں آم، کٹھل، املی وغیرہ کے درخت تھے اور ۸۳۰۰۰ ایکر سبزی ترکاری کیلئے مخصوص تھے۔ کرپاس ۱۳۰۰۰ ایکر زمین میں ہوتا تھا، اور کپاس ۸۰۰۰ ایکر میں۔ ۵۰۰۰ ایکر سن کے لئے مخصوص تھے اور ۸۰۰۰ ایکر گنّے کے لئے۔ ۵۰۰۰ ایکر زمین میں تمباکو ہوتا تھا اور ۲۰۰ ایکر میں پان کی کاشت تھی۔

نیل اور کسُم کی کاشت رنگ کے لئے کیجاتی تھی اور اول الذکر ۵۰۰۰ ایکر میں ہوتا تھا۔ ڈاکٹر بکانن کے زمانہ میں جو دستور تھا وہی اب بھی بنگالہ کے بعض اقطاع میں رائج ہے۔ یورپی نخلبندوں نے ہر کاشتکار پر یہہ لازم کیا تھا کہ وہ اپنی زمین کے کچھ حصہ میں نیل کی بھی کاشت کرتا رہے۔

بہت اچھی تیرہ سو ایکر زمین میں جو سب کی سب دریائے مہانندا سے میل بھر کے اندر رہی اندر تھی اور جہاں آموں کے

درختوں کے علاوہ بڑ، اور پیپل کے شاندار جھنڈ بھی تھے شہتوت کے درخت ریشم کے کیڑوں کی پرورش کے لئے بوئے جاتے تھے۔ کمپنی کا تجارتی رزیڈنٹ، کویہ ابریشم کے بڑے حصے کیلئے پیشگی رقوم دیتا تھا عموماً کھیتوں کو ذرائع آبپاشی سے پانی پہنچایا جاتا تھا لیکن یہہ اس قدر عام نہ تھا جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ اس ضلع میں مصنوعی تالاب بیشمار تھے، اور اکثر میں جھرنے بھی تھے۔ جن سے عموماً کافی مقدار میں پانی ان تالابوں میں آتا رہتا تھا۔ جب کبھی بارش نہیں ہوتی تھی تو ان تالابوں سے کام نکالا جاتا تھا۔

اس ضلع میں ۴۸۰۰۰ ہل تھے جس کے یہہ معنے ہوئے کہ ۹۶۰۰۰ ہل کے بیل اور گائیں بھی علاوہ ۶۳۳۰۰۰ گایوں کے جو نسل پیدا کرنے کے لئے تھیں وہاں ہونگی۔ رمنے کی آراضی میں ۲۶۱ مربع میل زیر آب زمین شامل تھی جن میں گھنی گھانس گرما میں خوب ہوتی تھی اور ۲۲۱ میل جنگل اور جھاڑیاں تقریباً ۳۰۰ میل بنجر زمین اور قریب قریب ۵۰۶ میل ایسی اراضی بھی جس میں کبھی کبھی کاشت بھی ہوتی تھی مگر جسکا چارخمس حصہ ہمیشہ افتادہ ہی رہتا تھا۔ مویشیوں کی چرائی کے لئے کچھ دینا نہیں پڑتا تھا۔ اور نہ مویشیوں کو کسی کھیت میں جانے سے جو زیر فصل نہ تھا کبھی روکا نہ جاتا تھا۔

یہاں ۵۵ ایکر کی پٹی بڑی سمجھی جاتی تھی ۱۵ سے ۲۰ ایکر کی بس ٹھیک تھی اور آبادی کا بڑا حصہ غریب کاشتکار اور ان کے اہل و عیال ہی تھے۔ جن کی پٹی ۵ سے ۱۰ ایکر کی ہوتی تھی۔ کاشت کے مصارف پیداوار کے آدھے سے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ اور لگان ایک چوتھائی پیداوار سے بڑھکر نہ تھا جس کی ادائی ہمیشہ زر نقد میں ہوتی تھی ضلع کے اکثر مقامات میں کاشتکاروں کو دوامی پٹے عطا ہوئے تھے اور بعض میں "اگر کھیت پر دس سال سے کسی کا قبضہ رہا تھا، تو لگان کی معمولی شرح پر قابض زمین دوامی قبضہ کا دعویدار تھا"

سوت کاتنا یہاں کی اہم حرفت میں داخل تھا۔ سب شریف زادیاں اور اکثر زمینداروں کی بیویاں، اپنی فرصت کا وقت اسی مشغلے میں گزارتی تھیں۔ سہ پہر میں سوت کات کر ہر عورت سالانہ ۳ روپے یا ۶ شلنگ کی آمدنی پیدا کر لیتی تھی۔ اس ضلع کی سب کاتنے والی عورتیں روئی خریدتی تھیں جس کی جملہ قیمت ۲۵۰۰۰۰ روپے ہوتی تھی اور اس سے جو دھاگا بنتا تھا اس کی قیمت ۱۱۶۵۰۰۰ روپے ہوتی تھی اسطرح ان عورتوں کو ۹۱۵۰۰۰ روپے یا ۱۰۰۰۰۰ پونڈ کے لگ بھگ منافع ملتا تھا۔

پارچہ مالدائی ہیں جو مالدا میں بننے کی وجہ سے مالدائی کہلاتا تھا۔ تانا ریشم کا اور بانا سوت کا ہوتا تھا۔ چار ہزار کارگے پر اسی پارچہ کا کام ہوتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ فی کارگہ ماہانہ بیس روپیہ کا کپڑا بنا جاتا تھا مگر اس تخمینہ کو ڈاکٹر بکانن حقیقت حال سے زیادہ سمجھتا ہے۔ ۱۰۰ کارگوں پر اناچے کے بڑے بڑے تھان بھی بنے جاتے تھے جن کے لئے کمپنی کے گماشتے پیشگی رقوم دیتے تھے۔

خالص ریشم کا پارچہ بننا مالدا کی نواح ہی تک محدود تھا، اور تقریباً ۵۰۰ پارچہ بافوں کے گھر اس کے لئے مخصوص تھے۔ تمام پارچے کی قیمت ۱۲۰۰۰۰ روپے ۱۲۰۰۰ پونڈ ہوتی تھی۔

خالص سوت کا کپڑا بنانا اس سے بھی زیادہ اہم تھا اور اس ضلع میں جو سوتی کپڑا بنتا تھا اس کی جملہ قیمت ۱۶۷۴۰۰۰ روپے یا ۱۶۷۴۰۰ پونڈ تھی۔

ادنیٰ ذات کے ہندو مثلاً، کوچ، پولیا اور راج بنسی اپنے پہننے کیلئے ٹاٹ بنتے تھے۔ اکثر خاندانوں میں کارگے موجود تھے۔ اور اکثر عورتیں سہ پہر میں بننے کا کام کرتی تھیں

مالدا کی مسلمان عورتیں سوتی کپڑوں پر چکن سازی اور کشیدہ کاڑھنے میں بہت مصروف رہتی تھیں۔ کشیدہ میں بیل بوٹے ہوتے تھے اور چکن میں پھول بند کی بعض مسلمان عورتیں ریشمی کمر بند، لچھے اور ریونچیاں بناتی تھیں۔

بننے کی صنعت سے انگریزی کی اہم صنعت بھی متعلق تھی ۔ نیل ، لاکھ ، کسم اوسہ ، ہلدی ، تکی ، ہوائیوکی ، موجستا ، اور اقسام کے پھول انگریزی کا مصالح تھے ۔ دوسری اہم صنعتیں ، معماری ، ظروف سازی ، چٹائیاں اور ٹوکریاں بنانا ، چرمی سامان ، نجاری ، راج گیری ۔ تانبے ، ٹین اور لوہے کا سامان بنانا ۔ شکر سازی ، اور نیل کی رنگ سازی تھی ۔ یورپی نخلبند کے خلاف جو شکایتیں پیدا ہوگئی تھیں ان کا باعث یہی رنگ سازی تھی اور ڈاکٹر بکانن نے ان لوگوں کی نامقبولیت کے اسباب کو آٹھ عنوانوں کے تحت ترتیب دیا ہے ۔ اول یہ کہ نخلبند کسانوں کو "اپنا غلام سمجھتا تھا اور جب کبھی اُن سے ناراض ہوجاتا تھا تو اُنکو زدوکوب کرتا تھا اور انھیں محبوس بھی کر دیتا تھا" دوسرے یہ کہ زمین اور چھلی ہوئی گھانس پات کی تول میں کسانوں کو دھوکا دیا جاتا تھا" یہ کہ سارے کھیت کی پیداوار لگان سے زیادہ نہیں ہوتی تھی ۔ چوتھے یہ کہ نخلبند نہایت سرکش و مغرور اور تندمزاج و ظالم ہوتے تھے" پانچویں یہ کہ وہ لگان جمع کرنے میں رکاوٹ ڈالتے تھے ۔ چھٹے یہ کہ نخلبند حکمران طبقے سے تعلق رکھتے تھے" ساتویں یہ کہ وہ زمینداروں کے استحصال ناجائز کے مزاحم تھے اور آٹھویں یہ کہ وہ کاشتکاروں کو ڈرا دھمکا کر کاشت سے روکتے تھے ۔

ڈاکٹر بکانن کا خیال تھا کہ اگرچہ ان شکایتوں میں اکثر بہت کچھ مبالغہ ہوتا تھا مگر یہ شکایتیں بے بنیاد نہ تھیں ۔ اس کی یہ رائے تھی کہ "جدید اجازت ناموں کے دینے سے بالکل انکار کرنا اور ایسے اشخاص کو جو کمپنی کے پاس اپنے کردار و افعال کے ذمہ دار نہیں ہیں ۔ صرف بڑے بڑے شہروں اور بندرگاہوں میں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کرنا بے انتہا مفید ثابت ہوگا" اس روزافزوں خرابی کے انسداد کے لئے کمپنی کی حکومت نے کیا کارروائی کی ، وہ اس کے بعد کے باب میں بیان کیجائیگی ۔

اس ضلع کی تجارت کا بیشتر حصہ دیسی تاجروں کے قبضے سے نکلکر کمپنی کے ہاتھ میں چلا گیا ہے ۔ اور اس ضلع میں اب بڑے بڑے

سوداگر رہے ہی نہیں "البتہ ایک خاندان نے سوداگری کر کے بڑی دولت کمائی تھی اور وہ "بیدیا ناتھ" کا خاندان ہے۔ بیدیا ناتھ منڈل کے آباؤ اجداد نو پشت تک نہایت شائستگی اور نیک نامی کے ساتھ دور دور تک تجارت کرتے رہے تھے۔ موجودہ بزرگ خاندان تجارت سے دست بردار ہو چکا ہے اس نے بہت سی زمینیں خرید لی ہیں اور لوگ جس قدر اسکے آباؤ اجداد کا احترام کرتے تھے اسی قدر اس سے نفرت کرتے ہیں"۔

"دو ہزار روپے سے پچیس ہزار روپے کے اصل دار چھوٹے چھوٹے تاجر، جن کو مہاجن کہا جاتا تھا اس ضلع میں بود و باش رکھتے تھے، چاول شکر، گڑ، تیل اور تمباکو برآمد کرتے تھے۔ اور نمک، روئی اقسام کی دھات اور مصالح درآمد کرتے تھے۔ اس ضلع میں مقررہ دوکانوں کی تعداد ۲۰۰۰ سے کچھ کم ہی تھی، لیکن زیر نمائی ایک ہاٹ ہوتے تھے چھوٹے بیوپاری "پیکار" کہلاتے تھے۔ زر، نہایت ہی کمیاب ہو گیا تھا۔ کلکتہ کا کلدار روپیہ ہی عام طور پر رائج تھا اور کوڑیاں بھی بہت زیادہ کام میں لائی جاتی تھیں۔

بارش کے موسم میں کشتیاں اکثر قصبات کو پہنچ سکتی تھیں لیکن اس زمانے میں نقل و حمل کا کاروبار کرنیوالے کم تھے اور تجارتی مال کے حمل و نقل کے قابل "وہ سڑکیں بہت کم بلکہ تھی ہی نہیں" اس لئے ان مہینوں میں جبکہ بارش نہیں ہوتی تھی۔ مال باربرداری کے بیلوں پر لدکر ایک مقام سے دوسرے مقام کو جاتا تھا کشتیوں پر ایک سو من (۸۰۰۰ پونڈ) کلکتہ تک لیجانے کا کرایہ ۱۳ روپے یا ۲۶ شلنگ ہوتا تھا۔ بیلوں کی گاڑیاں تجارتی مال بارہ میل آٹھ آنے سے کم کرائے میں لیجاتی تھیں۔

ضلع پورنیہ

(رقبہ ۶۳۴۰ مربع میل آبادی ۲۹،۰۴۳۸ نفوس)

ربیع کا دھان، تابی کا دھان اور خریف کا دھان اس ضلع کی اہم

فصلیں تھیں۔ ستر سیر دھان چھڑنے پر ابالنے کے بغیر چالیس سیر صاف چاول نکلتے تھے اور چھلکا الگ کرنے کے لئے اگر اناج کو ابالا جاتا تھا تو ۶۵ سیر دھان کے ۴۰ سیر صاف چاول ہوتے تھے "یعنے موسل ہر جگہہ عورتیں چھڑنے کے لئے استعمال کرتی تھیں۔

دیناجپور، سے بڑھکر یہاں گیہوں کھایا جاتا تھا۔ بغیر کسی سابقہ کاشت کے دریا کے کناروں پر جو بویا جاتا تھا اور غریب لوگ ہی کھاتے تھے "مڑوایں بھی اور بالخصوص دریائے کوسی کے مغربی کنارے کے مقامات پر بہت زیادہ مستعمل ہوتا تھا۔ جوار، چینا، اور اسی قسم کا اناج بھی یہاں پیدا ہوتا تھا۔ پھلیوں میں، ماش، کیسری، آرہر، بھٹ، کلتھی اور رتونگ زیادہ مستعمل تھی۔ ترائی، تلسی، اور ارنڈی کی کاشت تیل کشید کرنے کیلئے کیجاتی تھی۔ اٹھائیس ہزار ایکڑ زمین میں سبزی ترکاری کی کاشت ہوتی تھی۔

سن، ریشے کی خاطر بویا جاتا تھا۔ کپاس کی کاشت بہت ہی محدود تھی۔ گنے کی کاشت صرف دریائے گنگی، کے کناروں پر ہی زیادہ تر ہوتی تھی اس ضلع میں جتنا تمباکو ہوتا تھا اس کی آدھی کاشت دارالحکومت کے نواح ہی میں تھی اور پان اگرچہ یہاں دیناجپور کے بہ نسبت کم کھائے جاتے تھے۔ لیکن یہہ بھی ایک اہم چیز ضرور تھا۔

اس ضلع کے جنوب مشرقی حصہ میں سترہ نیل کے کارخانے، مسٹر الیرٹن کے زیر انتظام موجود تھے اور دوسرے اقطاع میں بھی کوئی پچاس کارخانے اور تھے۔ ریشم، یہاں بمقابل ان اضلاع کے جو اور زیادہ مشرقی جانب واقع تھے کسی قدر زیادہ اہمیت کی چیز تھی۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کے لئے شہتوت کی کاشت اس ضلع کے جنوب مشرقی گوشے ہی تک محدود تھی۔

اس ضلع کے رمنے کی زمین میں ۴۲۳ مربع میل مرتفع افتادہ اراضی کے ۳۸۲ میل غیر مزروعہ زمین کے اور ۸۶ میل شکستہ کنج و زاویہ اور سڑکوں کے شامل تھے۔ اس کے علاوہ ۲۸۹ میل کے قریب قریب

نشیبی زمین بھی تھی جو جھاڑی، بانس میں چھپی ہوئی تھی۔ ڈسمبر اور جنوری، میں جب خریف کی فصل ختم ہوتی تھی تو دھان کی کڑوی مویشیوں کے لئے نہایت اہم چارہ رہ جاتی تھی۔ اگر مورنگ کے صحرا و جنگل نہ ہوتے جو حکومت نیپال کی ملک تھے اور جہاں پانسو چھ سو مویشیوں کے گلوں کا مالک ان کی چرائی میں ایک چھٹیر اگر کہا عہدہ دار کو نذر کرتا تھا تو یہاں کے مویشیوں کیلئے اس ضلع کے مرغزار مکتفی ہوتے"۔ اس ضلع کے بھی بعض اقطاع میں ہندو زمیندار جو اور سب باتوں میں مذہب کے نہایت پابند ہوتے تھے اتنی عقل تھی کہ وہ رمنے کی چرائی وصول کریں"۔

"مختلف حالات کے لحاظ سے لگان بھی مختلف ہوتا تھا لیکن واجبی مصارف کاشت میں آدھی پیداوار اور پیشہ دار کے منافع میں مابقی پیداوار کا آدھا حصہ چھوڑ کر ہم اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس حد تک زمیندار واجبی طور پر مطالبہ کر سکتا ہے۔ یہہ غالباً اُس سے بھی بڑھکر نکلے گا جو اُسکو اب ملتا ہے"۔

دوسرے الفاظ میں ڈاکٹر بکانن کا خیال تھا کہ پیداوار کا ایک رُبع واجبی لگان ہو سکتا تھا لیکن پورنیہ، اور بنگالے، کے دوسرے مقامات کے زمیندار اس سے بھی کم بطور لگان وصول کر رہے تھے اور یہہ خاص اس زمانے میں جبکہ کمپنی کی حکومت مدراس کے کاشتکاروں سے محصول اراضی کی شکل میں تقریباً آدھی پیداوار وصول کر رہی تھی۔

کسی ذات کے لئے بھی کاتنا بے عزتی کی بات نہ تھی اور اس ضلع کی عورتیں بہت بڑی تعداد میں اپنی فرصت کے وقت تھوڑا بہت کاتتی ضرور رہتیں۔ ان کے منافع کا تخمینہ کرنا ڈاکٹر بکانن کے لئے بہت ہی مشکل تھا لیکن اس کا قیاس یہہ ہے کہ جو سوت سال بھر میں یہہ عورتیں کام میں لاتی تھیں اسکی لاگت ......۳ روپے ہوتی تھی اور جو دھاگا کاتتی تھیں اس کی قیمت ......۱۳ روپے آتی تھی جس میں سے ان کو ......۱ روپیہ یا ......۱ پونڈ منافع ملتا تھا۔

خالص ریشمی پارچے ۲۰۰ کارگہ پر بُنے جاتے تھے۔ اور مال کی قیمت ۴۸۶۰۰ روپے ہوتی تھی جس میں سے ۳۴۲۰۰ روپے خام ریشم کی لاگت منہا کرنے کے بعد ۱۴۴۰۰ روپے منافع رہ جاتا تھا۔ اسطرح سالانہ فی کارگہ ۷۲ روپے یعنی ۱۴۴ شلنگ آمدنی ہوتی تھی۔

سوت اور ریشم ملاکر کپڑا بُننے والے جولاہوں کی یہاں بھی وہی حیثیت تھی جو دیناجپور، میں تھی۔

سوتی کپڑا بُننے والے جولاہے یہاں بے شمار تھے اور دیہات کے لئے موٹا موٹا کپڑا بُنتے تھے۔ تین ہزار پانسو کارگہ پر جن کے زیادہ باریک کپڑا بُننے کا کام لیا جاتا تھا ۵۰۶۰۰۰ روپے کی لاگت کا مال بنتا تھا اور ۱۴۹۰۰۰ روپے خالص منافع کے آتے تھے۔ یعنی فی کارگہ سالانہ (۸۶) شلنگ پڑتے تھے۔ دس ہزار کارگہ پر جن سے موٹا موٹا کپڑا بُننے کا کام نکلتا تھا ۱۰۸۹۵۰۰ روپے قیمت کا کپڑا بنتا تھا اور ۳۲۴۰۰۰ روپے خالص منافع ہوتا تھا یعنی فی کارگہ سالانہ ۶۵ شلنگ خالص منافع ہوتا تھا۔

دری باف اور نواڑ بُننے والے صرف پایۂ تخت ہی میں تھے۔ سن، سے بہت موٹا موٹا کتان، بُنا جاتا تھا اور مشرقی سرحدی عورتیں کثیر تعداد میں اس کا لباس پہنتی تھیں۔ کمبل اور، اون، کے کپڑے موٹے موٹے ہوتے تھے جو بارش اور موسم سرما میں غریبوں کے بہت کام آتے تھے۔

پورینہ، کے دوسرے پیشہ ور طبقوں میں۔ سُنار، بڑھئی، سنگتراشی اور دوسری دھاتوں کا سامان بنانے والے، لہار، اور رنگریز تھے شکر سازی بالکل انحطاط پذیر تھی۔ پانسو خاندان نمک سازی کرتے تھے۔

روئی، ہندوستان کے مغربی اقطاع سے اور شکر، دیناجپور اور پٹنہ سے درآمد ہوتی تھی۔ پورینہ، میں ساہوکاروں کی سات کوٹھیاں تھیں، یہہ لوگ رقم لے کر ہنڈی دیتے بھی تھے۔ اور دوسرے کو ٹھیونکی ہنڈیاں بٹّا دن لیکر بھناتے بھی تھے "اگر بڑی مقدار میں نقرہ و طلا کے

مبادلہ کی ضرورت ہوتی تھی تو صرف انہی کوٹھی والوں سے مل سکتا تھا۔ جگت سیٹھ کی کوٹھی سے فی الفور ...... اروپے کا نقرہ یا طلاء نکل سکتا تھا لیکن دوسرے اس رقم کے آدھے سے زیادہ کی سربراہی نہیں کر سکتے تھے"۔
قدیم وضع کا روپیہ اسی طرح عام طور پر رائج تھا جس طرح کلکتہ کا کلدار روپیہ۔ وہ ایسے افلاس زدہ ملک میں طلائی سکّہ مسکوک کرنا ادنیٰ طبقات کے لئے ایک بڑی آفت کا سامنا تھا۔ اور میری ناچیز رائے میں اس کو بالکل مسدود کر دینا چاہیئے۔ ایک روپیہ بھی اس ملک میں بڑی رقم ہے۔ ... خوش قسمتی سے طلاء تو اب مفقود ہے آیندہ اس کو قانوناً سکۂ رائج الوقت نہ بنانا چاہیئے اور نہ یوں طلاء کے دوبارہ رائج ہونے کا موقع دینا چاہیئے۔ اس ضلع کے اکثر حصوں میں نقروی سکے اور کوڑیاں ہی رائج ہیں اور مغربی اقطاع میں چند تانبے کے سکّے بھی چلتے ہیں جن کو پیسہ، کہا جاتا ہے اور جو روپیہ کا ۱/۶۴ حصہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ایسے ملک کے خردہ کے لئے بہت بڑا سکہ ہے۔ جہاں دو پیسے میں ایک نوکر مزے سے دن بھر کے لئے کھا پی سکتا ہے۔

اس ضلع میں آبی راہ سے آمد و رفت کے ذرائع خوب تھے اور دیناجپور، سے زیادہ تعداد میں کشتیاں یہاں تھیں۔ سو من (۸۰۰۰) پونڈ) اس ضلع سے کلکتہ لیجانے کا کرایہ ۱۴ روپے یعنے ۲۸ شلنگ ہوتا تھا۔ پایۂ تخت کے قریب چند سڑکیں اور رنپل کے چند کارخانے بنائے گئے تھے۔ ٹٹوؤں اور بیلوں، سے باربرداری کا کام لیا جاتا تھا۔ دولتمند لوگ مسافروں کو اپنے پاس قیام کرنے دیتے تھے اور "موڈیوں" یعنے حلوائیوں کی دوکانیں سراؤں کا بھی کام دیتی تھیں، جہاں مسافروں کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سب سامان ہو جاتا تھا۔

خلاصہ

ڈاکٹر بکانن، کی کتابوں میں، رنگپور، اور، آسام، ان باقی دو اضلاع کا

بیان نامکمل ہے اور ان میں نہ تو زراعت کی کوئی تفصیل درج ہے نہ لگان کی اور نہ صنعت و حرفت یا تجارت کی۔ اس لئے ان اضلاع کا تذکرہ اس باب میں غیر ضروری ہے۔

ان چھ اضلاع کا رقبہ جن کا اوپر ذکر ہو چکا اسی نام کے موجودہ اضلاع سے کہیں زیادہ تھا۔ مجموعی طور پر ان کا رقبہ ۳۶۰۰۰ مربع میل اور آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ تھی۔ ان وسیع اور آباد اضلاع کے بیان سے ہماری آنکھوں کے نیچے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے بنگالے اور شمالی ہند کے سارے مقبوضات کا ایک نقشہ پھر جاتا ہے۔ لوگ ہنوز نہایت ہی مفلس تھے۔ لیکن وارن ہسٹنگز کے زمانے سے کاشت از سرِ نو ہو رہی تھی۔ اور ۱۷۹۳ء کے دوامی بندوبست کے بعد سے بہت سی افتادہ زمین زیر کاشت لے لی گئی تھی۔

اگرچہ زمیندار جس قدر زیادہ لگان مل سکے اس قدر لینے کے خواہاں ضرور تھے۔ لیکن جتنا کہ کمپنی کے عمال نے مدراس میں وصول کیا تھا، اس قدر انہوں نے کبھی وصول نہیں کیا۔ اور اس وجہ سے یہہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس حد تک تو رعایا کے حقوق کی کسی قدر حفاظت کی۔ مستثنا صورتوں میں زمینداروں نے مصارف فصل کی منہائی کے بعد خالص پیداوار کے نصف حصہ کا مطالبہ تو کیا لیکن اس کے معاوضہ میں مصارف خود ذرائع آبپاشی کا قایم رکھنا اپنے پر انھوں نے لازم کر لیا تھا۔ مگر بنگالہ میں عموماً پیداوار کے ایک ربع سے بھی کم بطور لگان زمینداروں کو ملتا تھا اور چونکہ سرکاری مالگزاری دواماً معین ہو چکی تھی اور اکثر مقامات میں حسب رواج لگان بھی معین تھے۔ اس لئے جیسا جیسا زمانہ گزرتا گیا ویسا ویسا اصلاحات اور افتادہ زمین کو زیر کاشت لینے کی کچھ نہ کچھ وجہہ محرک پیدا ہوتی گئی۔

پھر بھی صنعت و حرفت وغیرہ کے انحطاط کے ساتھ ساتھ

لوگوں کے ذرائع آمدنی معرض خطر میں پڑ گئے۔ جہاں جہاں ڈاکٹر بکانن گیا ہے وہاں اکثر مقامات میں یہی مشکل محسوس کی جا رہی تھی جو آگے چل کر اور زیادہ شدید ہو گئی۔ اب ہم رعایا کی صنعت و حرفت بیان کرنے کی طرف پھر متوجہ ہوتے ہیں۔

چودھواں باب

صنعت و حرفت کا انحطاط (سنہ ۱۷۹۳ء سے سنہ ۱۸۱۳ء)

پچھلے دو ابواب میں جن واقعات کو بیان کیا گیا ہے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی کے قرون اولی تک بھی ہندوستانکی آبادی کا ایک کثیر حصہ مختلف صنعتوں اور حرفتوں میں مشغول تھا۔ بُننا بھی لوگوں کی قومی حرفت تھی۔ لکھوکھا عورتیں کات کر کچھ نہ کچھ پیدا کرلیتی تھیں جن سے انکے خاندان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا تھا۔ انگریزی دباغت اور اقسام کی دھاتوں کا سامان بنانے میں لکھوکھا نفوس کام سے لگے ہوئے تھے۔

پھر بھی ہندوستانی صنعت و حرفت کو ترقی دینا ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمت عملی میں شامل نہیں تھا کسی پچھلے باب میں یہہ بیان کیا گیا ہے کہ سنہ ۱۷۶۹ء ہی میں نظمائے کمپنی نے یہہ خواہش ظاہر کی تھی کہ بنگالے میں خام ریشم پیدا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور ریشمی کپڑے تیار کرنے والوں کو نہ ابھرنے دیا جائے۔ نظماء نے یہہ بھی احکام دئیے تھے کہ سب ریشم بٹنے والے کمپنی ہی کے کارخانوں میں کام کریں اور حکومت کے تحت اقتدار رہ جانے اور سزائیں مقرر کرکے ان کو

باہر کام کرنے کی ممانعت کر دی جائے۔ اس کا حسب دلخواہ نتیجہ نکلا۔ سوتی اور ریشمی مال کی صنعت ہندوستان میں انحطاط پذیر ہو گئی۔ اور وہی لوگ جو اس مال کو پچھلی صدیوں میں یورپ اور ایشیا کی منڈیوں کو بھیجا کرتے تھے، خود ہندوستان کو روز افزوں مقدار میں اس قسم کے مال کی درآمد کرنے لگے۔ ذیل کے اعداد صرف انہیں سوتی پارچہ جات کی قیمت بتانے میں جو انگلستان سے بیس سال کے اثنا میں "راس امید" کے مشرق میں جتنی بندرگاہیں تھیں وہاں اور زیادہ تر ہندوستان بھیجے گئے تھے۔

تاریخ ختم سال ۵ جنوری		تاریخ ختم سال ۵ جنوری	
سال	رقم پونڈ	سال	رقم پونڈ
۱۷۹۴	۱۵۶	۱۸۰۴	۵۹۳۶
۱۷۹۵	۷۱۷	۱۸۰۵	۳۱۹۴۳
۱۷۹۶	۱۱۲	۱۸۰۶	۴۸۵۲۵
۱۷۹۷	۲۵۰۱	۱۸۰۷	۴۶۵۴۹
۱۷۹۸	۴۴۳۶	۱۸۰۸	۶۹۸۴۱
۱۷۹۹	۷۳۱۷	۱۸۰۹	۱۱۸۴۰۸
۱۸۰۰	۱۹۵۷۵	۱۸۱۰	۷۴۶۹۵
۱۸۰۱	۲۱۲۰۰	۱۸۱۱	۱۱۴۶۴۹
۱۸۰۲	۱۶۱۹۱	۱۸۱۲	۱۰۷۳۰۶
۱۸۰۳	۲۷۸۷۶	۱۸۱۳	۱۰۸۸۲۴

کمپنی کے منشور کی ۱۸۱۳ء میں تجدید ہوئی اور اس تجدید سے قبل ایک تحقیقات ہوئی اور گواہوں کا بیان بھی لیا گیا۔

وارن ہسٹنگز، ٹامس منرو، اور سرجان میلکم، کے جیسے نہایت اہم گواہوں کا بیان قلمبند کیا گیا۔ اور دارالعوام نے ہندوستانیوں کی رفاہ عام کے بارے میں بڑے تردد و فکر کا اظہار تو کیا لیکن ہندوستانی صنعتوں کے متعلق یہہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کس طرح برطانوی صنعتیں دیسی کاریگری کی قایم مقام ہو سکتی ہیں اور کس طرح ہندوستانی صنعت و حرفت کو گرا کر برطانوی صنعت و حرفت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

پچھلی نصف صدی میں ہندوستان متواتر خشک سالی کے مصائب اُٹھا چکا تھا اور جس سال یہہ شہادت قلمبند کی جا رہی تھی اس سال خود بمبئی میں قحط سے ویرانی پھیل رہی تھی۔ بنگالہ اور مدراس میں بھی صنعت و حرفت پر زوال آ گیا تھا۔ بایں ہمہ اِس قدیم کتاب میں جس میں ساری شہادت مندرج ہے ہماری نظریں ذرائع دولت میں از سرِ نو جان ڈالنے والے اسباب کے متعلق جس سے قوم کی خوشحالی کی صورت پیدا ہو جائے سوالات ٹٹولتی ہیں مگر محض بے سود۔ برخلاف اس کے یہی ایک دائمی اور لا متناہی تجسس و تفحص ہماری آنکھوں میں کھٹکتا ہے کہ کس طرح برطانوی مال ہندوستانیوں کے گلے باندھا جائے۔

وارن ہسٹنگز سے استفسار کیا گیا کہ "ہندوستانیوں کے کردار و اطوار سے واقفیت کی بناء پر کیا آپ اس قیاس غالب کے متعلق کچھ کہہ سکتے ہیں کہ آیا ہندوستان کی آبادی خود اپنے استعمال کیلئے یورپی سامان کا مطالبہ کرے گی؟"

وارن ہسٹنگز نے اس کا یہہ جواب دیا کہ "وہ تجارت کا مال لوگوں کی ضروریات یا عیش و عشرت کے سامان پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہندوستان کے نادار لوگوں کے متعلق یہہ کہا جا سکتا ہے کہ اول تو ان کی کوئی ضرورتیں ہیں ہی نہیں اور جو کچھ بھی ہیں وہ ان کے مکانات، ان کے اشیائے خورد و نوش اور پہننے کے مختصر سے کپڑوں تک ہی محدود ہیں۔ اور یہہ سب ان کو اسی زمین سے مل جاتا ہے، جس پر وہ چلتے پھرتے ہیں"۔

سر جان میلکم، نے خاصی عمر ہندوستانیوں میں گزاری تھی اور اس کو ان لوگوں سے اتنی اچھی واقفیت تھی کہ اس کے بعد سے شاید ہی کسی انگریز کو ہوئی ہو۔ اسی بنا پر سر جان میلکم، نے ان کی بہت سی قومی خوبیوں کے متعلق گواہی دی۔ اور شمالی ہند کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ، ہندو باشندے بھی انسان ہی ہیں اور یہ لوگ جو عموماً قد آور ہونے کی وجہ سے ہی ممتاز نہیں ..... بلکہ چند ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بھی ممتاز ہیں۔ یہ لوگ، دلیر، فیاض اور حلیم الطبع ہوتے ہیں اور انہیں سچائی بھی اسی طرح نمایاں ہے جس طرح بہادری" اور اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آیا یہ لوگ برطانوی مال تجارت کے صارف بن گئے یا نہیں۔ سر جان میلکم، نے کہا کہ "یورپی سامان کے صارف بننے کی ان سے اس لئے توقع نہیں ہے کہ ان کی سادہ زندگی اور سادہ لباس کے باوجود اگر ایسے سامان کی ضرورت بھی ہو تو ان میں اس سامان کے خریدنے کی استطاعت نہیں ہے"

گریھیم مرسر، جو بحیثیت طبیب ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کے علاوہ مالگزاری، اور سیاسیات کے سر رشتہ جات میں بھی مختلف خدمتوں پر رہ چکا تھا ہندوستان کے لوگوں کے متعلق بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ "حلیم الطبع، شائستہ اطوار، خانگی تعلقات میں، مہربان اور ملنسار، اولی الامر کے مطیع و فرماں بردار، اور اپنے مذہبی عقائد کے اور بالخصوص ان عقائد کے مطابق معینہ رسوم کی پابندی کے دلدادہ ہیں" ہندوستانی یورپی سامان کی ترجیح کے بارے میں، گریھیم مرسر، نے بیان کیا کہ لارڈ ویلزلی، نے روہیلکھنڈ میں میلے لگائے اور ان میلوں میں برطانوی اونی پارچہ جات کی نمائش کی، چنانچہ ہر دوار کے بڑے میلے میں بھی انگریزی رزیڈنٹ کو اسی غرض کے لئے بھیجکر ایسے مال کی منڈی لگانے کی کوشش کی تھی۔

لیکن سب سے اہم گواہ جس کی شہادت اس یادگار موقع پر

دارالعوام کی کمیٹی کے سامنے پیش ہوئی وہ ٹامس منرو، تھا۔ اور اسکی شہادت سے ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ وہی ہمدردی ٹپکتی تھی اور اُن کی خوبیوں کی وہی قدرشناسی ظاہر ہوتی تھی جو اس خداداد قابلیت رکھنے والے باشندہ اسکاٹلینڈ کیلئے ہندوستان میں اس کی بست وہفت سالہ یعنی ۱۷۸۰ء سے ۱۸۰۷ء تک کارگزاری میں باعث امتیاز ہے۔

منرو، نے بیان کیا کہ ہندوستان میں ایک زرعی مزدور کی اوسط ماہانہ اجرت ۴ شلنگ اور ۶ شلنگ کے درمیان ہوتی تھی اسباب معیشت کی لاگت فی کس ۱۸ شلنگ اور ۲۷ شلنگ کے درمیان سالانہ تھی۔ برطانوی اُونی پارچہ جات کی فروخت میں توسیع کا اس لئے امکان نہ تھا کہ لوگ اپنے بنائے ہوئے موٹے اُونی کپڑے استعمال کرتے تھے۔ یہہ لوگ بہت اچھے کاریگر تھے۔ اور ان کا انگریزی مال کے مثل مال بنانا قرین قیاس بھی تھا۔ اس استفسار پر کہ ہندو عورتیں اپنے شوہروں کی لونڈیوں کے برابر تو نہیں منرو نے جواب دیا کہ "یہہ عورتیں اپنے خاندانوں میں اتنا ہی اثر واقتدار رکھتی ہیں جتنا کہ میرے خیال میں اس ملک میں (انگلستان) عورتوں کو حاصل ہے" اور جب منرو، سے یہہ پوچھا گیا کہ کیا ہندوؤں کا تمدن کھلی تجارت کے قیام سے ترقی پذیر نہ ہوگا تو اس نے وہ یادگار جواب دیا جس کا اکثر بطور راستناد اعادہ کیا جاتا ہے اور یہاں بھی وہ قابل ذکر ہے" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوؤں کے تمدن سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ سائنس کے اعلیٰ شعبوں میں، عمدہ حکومت کے اصول وعمل سے واقفیت رکھنے میں، اور تعلیم کے حاصل کرنے میں جس کی بدولت تعصبات وتوہمات دور ہو کر ہر ہر گوشے سے ہر قسم کی ہدایت پانے قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان تمام اُمور میں ہندو، یورپی لوگوں سے بہت گرے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر ایک اچھا زرعی نظام کاریگری میں بے مثل دستگاہ ہر طرح کے عیش وعشرت آرام وآسایش

سامان پیدا کرنے کی قابلیت، ہر قصبہ میں پڑھنا، لکھنا اور حساب سکھانے کیلئے مدارس کا قیام۔ آپس میں خیر و خیرات اور مہمان نوازی کا عام طریقہ عمل اور سب سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نہایت ہی اعتماد و احترام اور ملائمت کا برتاؤ، اگر یہہ تمام باتیں متمدن اقوام کی نشانیاں اور آثار ہیں تو پھر ہند و یورپ کے اقوام سے گرے ہوئے نہیں ہیں۔ اور اگر تمدن بھی ان دو ملکوں کے درمیان ایک قسم کا سامان تجارت بن سکتا ہے تو مجھکو یقین کلی ہے کہ تجارت کی درآمد اس ملک (یعنے انگلستان) کے لئے بڑی منفعت بخش ہوگی"۔

"منرو" کے دل پر اس کے زمانے کی کاریگری کی خوبی کا سکہ بیٹھ گیا تھا، ہندوستان میں برطانوی سامان تجارت کی وسیع پیمانہ پر فروخت ہونے کے اسباب جو "منرو" نے بیان کیے ہیں، ان میں "دیسیوں کے مذہبی اور ملکی عادات اور دوسری تمام باتوں سے زیادہ خود ان کی کاریگری کی خوبی" بھی شامل تھی۔ "منرو" نے ایک ہندوستانی "شال" سات سال تک استعمال کی تھی اور اتنی مدت کے استعمال کے بعد بھی اس میں کوئی تغیر اس نے نہیں پایا۔ برخلاف اس کے نقلی شالوں کے بارے میں جو انگلستان میں بنتی تھیں اس نے کہا ہے کہ "آج تک میں نے یورپ میں کوئی شال ایسی نہیں دیکھی جو مجھکو تحفتاً بھی مل جائے تو میں اس کو استعمال کرنے پر راضی ہو جاؤں"۔

ایک اور گواہ کی شہادت قابل ذکر ہے یعنے، جان اسٹیر لیسی کی، جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے سر رشتۂ عدالت میں اور محکمۂ بنگالہ میں سرکار کا نائب معتمد رہا ہے اس نے یہہ اظہار دیا کہ ہندوستانی مزدور ۳ شلنگ ۶ پنس سے لے کر ۲ شلنگ ۶ پنس تک ماہوار کماتا ہے پھر ایک ایسی قوم کیسے یورپی مال استعمال میں لاسکتی ہے۔ "میں یہہ نہیں جانتا کہ وہ یورپ کی کوئی چیز بھی معمولی طور پر اپنے استعمال میں لاتے ہیں، الّا کچھ پشمینے یا بانات کے جو ان کو اتفاقاً کہیں سستے داموں

مل جاتی ہے۔

اس طرح کے سوالات دارالعوام کی کمیٹی کے مقاصد کو ٹھیک ٹھیک ظاہر کرتے تھے۔ خواہ کوئی نوع انسان کیوں نہ ہو یہہ فطرت انسانی کے خلاف ہے کہ اپنے اغراض کو دوسروں کے اغراض پر کوئی قربان کردے برطانوی مدبرین نے بھی انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں میں صنعت و حرفت پر ہندوستان کی صنعت و حرفت کو قربان کردینے کی حتی الامکان کوشش کی۔ کمپنی کے گورنر جنرل اور تجارتی رزیڈنٹ کے توسط سے برطانیہ کا ساختہ مال ہندوستان میں زبردستی رائج کیا گیا برخلاف اس کے ہندوستان کے صنایع پر امتناعی محصول لگا کر، انگلستان میں ان کی درآمد ہی بند کردی۔ جان رینکنگ، نامی تاجر کی شہادت جو دارالعوام کی کمیٹی میں پیش ہوئی تھی اس بات کی توضیح کرتی ہے۔

ایسٹ انڈیا ہوز، میں کپڑوں کے تھان فروخت ہوتے ہیں ان پر بحساب قیمت جو محصول لگایا جاتا ہے کیا آپ بیان کرسکتے ہیں کہ وہ کیا ہوتا ہے؟"

"کیلیکو"، ایک قسم کا کپڑا ہے جس کی درآمد پر ۳ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس فیصد محصول ہے اور اگر وہ کپڑا ملک ہی میں استعمال کیا جائے تو اس پر ۸ ۶ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس فی صد مزید محصول دینا پڑتا ہے۔"

"ایک اور قسم کا کپڑا ہوتا ہے جو ململ کہلاتا ہے اور جس کی درآمد پر ۱۰ فی صد محصول، اور اگر یہہ ململ ملک ہی میں استعمال کی جائے تو اس پر ۲۷ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس کا محصول ہوتا ہے۔"

"ایک تیسری قسم کا رنگین کپڑا ہوتا ہے جس کے استعمال کی اس ملک میں ممانعت ہے۔ اس کپڑے کی درآمد پر ۳ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس محصول ہے اور یہہ محض غیر ممالک کو بھیجنے کے لئے درآمد کیا جاتا ہے"

"پارلیمنٹ کے اس اجلاس میں مجتمعہ محصول پر ۲۰ فی صد ایک نیا

محصول لگایا گیا ہے اس حساب سے کیلیکو پر ۔ ۔ ۔ جو ملک ہی میں استعمال ہیں لائی جاتی ہے ۸ ، پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس فی صد محصول ہوتا ہے اور ململ پر ۳۱ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس "

ان امتناعی محصولات کے اصل مقصد کو پوشیدہ رکھنے کا کسی نے خیال تک نہیں کیا ۔ آگے چلکر، جان ریٹنگ، نامی گواہ نے تو کہدیا کہ "خود ہمارے صنایع کو فروغ دینے کے لئے میری نظر وںمیں یہہ محصول تامین ہے "

ہندوستان کے صنایع پر ان محاصل کا کیا نتیجہ مرتب ہوا ؟ ہنری سینٹ جارج ٹکر، جس کا نام کسی پچھلے باب میں شمالی ہند کے بند وبست سے متعلق مذکور ہوا ہے، ہندوستان کے تجربہ سے پختہ کار ہو کر انگلستان جاتے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کا ناظم بن گیا تھا ۔ اس نے ہندوستان پر انگلستان کی تاجرانہ حکمت عملی کا جو کچھ حسب منشار اثر مرتب ہوا اس کو چھپا نہیں رکھا ۔ ۱۸۲۳ء میں یعنے مذکورالصدر پارلمینٹ کی تحقیقات کی تاریخ سے صرف دس سال ہی کے بعد دوران تحریر میں ٹکر نے اس حکمت عملی پر نہایت پر زور طریقہ سے اعتراضات کئے ۔

"ہندوستان کے بارے میں وہ تجارتی حکمت عملی کیا ہے جو ہم نے اختیار کر لی ہے ؟ ایک زمانے سے وہاں کے ساختہ ریشمی پارچات اور ریشم اور سوت ملے ہوئے کپڑوں کے تھان کی ہماری منڈیوں میں آنے سے قطعی ممانعت کردی گئی ہے، اور حال حال میں کچھ تو ۶۷ فی صد محصول کے نتیجۂ عمل سے، مگر زیادہ تر بہتر مشینوں کی برکت سے سوتی کپڑوں کی جگہہ جو اب تک ہندوستان کی اصل صنعت تھی نہ صرف اس ملک میں دوسری قسم کے کپڑوں نے لے لی ہے بلکہ ہمارے ایشیائی مقبوضات کی ضرورتوں کے ایک جزو کی سربراہی کے لئے خود ہمارے سوتی کپڑے وہاں برآمد کئے جاتے ہیں اسطرح ہندوستان کی صنعت تباہ ہو کر وہ محض ایک زرعی ملک رہگیا ہے ۔

اس سے زیادہ پر زور اور غیر جانبدارانہ فیصلہ ہندوستان کے مورخ ایچ، ایچ ولسن کا ہے۔

وہ ہندوستان کے ساتھ ایک ایسے ملک کی ناانصافی کی یہ ایک ناشاد مثال ہے جس کا ہندوستان وابستہ اور زیر نگیں تھا ۱۸۱۳ء کی شہادت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اس زمانہ تک ہندوستان کے ریشمی سوتی پارچہ جات کی قیمت خود انگلستان میں بنے ہوئے پارچہ جات سے ۵۰ سے ۶۰ فی صد برطانوی منڈیوں میں کم ہونے کے باوجود بھی یہ کپڑے منافع پر بکتے تھے اسی لئے ہندوستانی پارچہ جات کی قیمت پر ۷۰ اور ۸۰ فی صد محصول لگاکر یا اُن کی قطعی ممانعت سے انگلستان کے پارچہ جات کی تامین ضروری تھی۔ اگر یہ صورت حال نہ ہوتی اور اس طرح کے امتناعی محصول اور احکام موجود نہ ہوتے تو، پیزلی، اور میانچسٹر کی گرنیاں آغاز ہی میں بند ہو جاتیں اور بھانپ، کی قوت سے بھی بہ مشکل دوبارہ حرکت میں آتیں۔ ان گرنیوں پر ہندوستان کی صنائع بھینٹ چڑھائی گئی تھیں، اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتا۔ برطانوی مال پر بھی امتناعی محصول لگاتا اور اس طرح اپنی پیداوار صنعت کو فنا ہونے سے محفوظ رکھتا۔ اپنے بچاؤ کی ہندوستان کو اجازت نہیں دی گئی، اور وہ اجنبیوں کے رحم و کرم کا محتاج تھا۔ برطانوی مال بلا ادائے محصول ہندوستان کے گلے باندھا گیا اور صنائع کے پردیسی مالکوں نے سیاسی ناانصافی کے زور بازو سے ایک ایسے مقابلہ کو فرو کرنے اور آخر کار اس کا گلا گھونٹ دینے کا انتظام کیا جس سے وہ مساوی شرائط پر ہمسری نہیں کر سکتے تھے ؎

ہندوستانی صنائع کی دل شکنی کے لئے انگلستان میں تو یہ حکمت عملی اختیار کی گئی تھی مگر جس نظام کو ہندوستان میں اختیار کیا گیا تھا اس میں بھی ہندوستان کی صنائع کو فروغ پر

پہنچانے کا مادہ نہ تھا۔ ملک کے سارے محاصل کو کمپنی نے منافع پر لگا دیا گیا تھا یعنے ہندوستان کو بلا کسی تجارتی فائدہ پہنچانے کے اس رقم سے ہندوستان کا مال یورپ کو برآمد اور فروخت کرنے کے لئے خریدا جاتا تھا۔ ملک کا محاصل کس قدر اس کام میں لگایا گیا تھا وہ ذیل کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے :-

سال	شغل اصل کی اصلی لاگت	سال	شغل اصل کی اصلی لاگت
	ہندوستانیں پونڈ		ہندوستانیں پونڈ
۱۷۹۴-۱۷۹۳	۱۲۲۰۱۰۶	۱۸۰۴-۱۸۰۳	۱۱۸۷۰۷
۱۷۹۵-۱۷۹۴	۱۲۸۸۰۵۹	۱۸۰۵-۱۸۰۴	۱۰۸۸۷۰۰
۱۷۹۶-۱۷۹۵	۱۸۲۱۵۱۲	۱۸۰۶-۱۸۰۵	۱۳۳۵۴۶۰
۱۷۹۷-۱۷۹۶	۱۷۰۸۳۷۹	۱۸۰۷-۱۸۰۶	۹۸۶۳۱۰
۱۷۹۸-۱۷۹۷	۱۰۲۵۲۰۴	۱۸۰۸-۱۸۰۷	۸۸۷۱۱۹
۱۷۹۹-۱۷۹۸	۲۰۱۹۲۶۵	۱۸۰۹-۱۸۰۸	۱۰۱۳۷۴۰
۱۸۰۰-۱۷۹۹	۱۷۶۵۶۸۹	۱۸۱۰-۱۸۰۹	۱۲۴۰۳۱۵
۱۸۰۱-۱۸۰۰	۲۰۱۳۹۷۵	۱۸۱۱-۱۸۱۰	۹۶۳۴۲۹
۱۸۰۲-۱۸۰۱	۱۴۲۵۱۶۸	۱۸۱۲-۱۸۱۱	۱۱۱۰۹۰۹
۱۸۰۳-۱۸۰۲	۱۱۳۳۵۲۶		
		میزان نوزدہ سالہ،	۲۵۱۳۴۶۷۲
		اوسط سالانہ،	۱۳۲۲۸۷۷

رقم کو منافع پر اس طرح لگانے کا طریقہ یہ تھا کہ نظمائے کمپنی کی جانب سے متعدد اربال کے متعلق اطلاع ملنے پر ہندوستان کی مجلس تجارت اس فرمائش کی نقل جہاں جہاں بنتا تھا ان سب کارخانوں کو بھیجدیتی تھی۔ ان

کارخانوں میں تجارتی رزیڈنٹ ہوتے تھے جو اس فرمایش کو اپنے سب زیر دست کارخانوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور جولاہوں کو ایک معینہ روز پیشگی رقم حاصل کرنے کے لئے حاضر رہنے کا حکم دیتے تھے۔ ہر جولاہا پیشگی رقم کی حد تک کمپنی کا دین دار اور جس قدر سامان وہ لاکر پہنچا دیتا تھا اس حد تک کمپنی کا لین دار متصور ہوتا تھا اگر جولاہوں کو نرخ پر اعتراض پیدا ہوتا تھا تو مجلس تجارت ہی اپنی صوابدید پر اس کا فیصلہ کرتی تھی۔

اس نظام میں کیا کیا زیادتیاں کی جاتی تھیں وہ سب ۱۸۱۳ء میں دار العوام کی کمیٹی کے سامنے متعدد گواہوں کی جو شہادت پیش ہوئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ٹامس منرو، نے اظہار دیا تھا کہ بڑے محل میں عمال کمپنی نے صدر جولاہوں کو جمع کرکے ان سے صرف کمپنی ہی کے لئے مال بنانے کا قرار داد لینے تک ان سب کو زیر حراست رکھا تھا ایک مرتبہ بھی کسی جولاہے نے اگر پیشگی رقم یوں قبول کر لی تو پھر شاذ و نادر ہی وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا تھا۔ اگر اس نے مال لاکر پہنچانے میں تعویق کی تو کام میں عجلت کرنے کیلئے نگرانی پر ایک چپراسی مقرر کر دیا جاتا تھا کسی عدالت میں بھی اس پر نالش کیجا سکتی تھی۔ چپراسی کا بھیجنا گویا جولاہے پر روزآنہ ایک آنہ (تقریباً ½ انپس) جرمانہ کرنا تھا اور چپراسی کے ہاتھ میں بید بھی رہتا تھا جس سے اکثر خوب کام نکالا جاتا تھا۔ بعض وقت ان جولاہوں پر جرمانہ بھی کیا جاتا تھا اور ان کے کھانے پکانے کے ظروف اس جرمانہ میں قرق کر لئے جاتے تھے۔ قصبات کی وہ آبادی جو جولاہوں کا پیشہ کرتی تھی کمپنی کی کوٹھیوں کی اس طریقے پر مطیع کر لی جاتی تھی۔ مسٹر کاکس، نے اپنی شہادت میں بیان کیا تھا کہ ۱۵۰۰ جولاہے ان کے اہل و عیال اور متعلقات کے بہ استثنار اس کوٹھی میں جس کا وہ صدر رہا تھا اس کے زیر حکم تھے۔ جولاہوں کی آبادی کا اس طرح نگرانی میں رہنا محض عادتاً نہیں تھا

بلکہ ایک منضبطہ دستور العمل کے موافق اس کی باضابطہ شکل بن گئی تھی۔ اس دستور العمل میں یہہ بھی مندرج تھا کہ جس جولاہے نے کمپنی کی سرکار سے پیشگی رقم قبول کرلی "اس پر لازم تھا کہ جب کمپنی سے ایک وقت قرار داد کرلے تو خواہ یورپی شخص ہو یا دیسی کسی کے لئے بھی وہ نہ تو محنت و مزدوری کرے اور نہ اپنی پیداوار ہی دے"۔ "اور قرار داد کے موافق کپڑا لاکر نہ پہنچانے کی صورت میں وہ کپڑا لاکر پہنچانے میں عجلت کرنے کے لئے اس پر چپراسیوں کو متعین کرنے کا تجارتی رزیڈنٹ مجاز ہوگا" "جولاہوں پر غیر اشخاص کے ہاتھ کپڑا فروخت کرنے پر عدالت دیوانی میں نالش ہوسکے گی"۔ "ایک سے زیادہ کارگہ اپنے قبضے میں رکھنے پر اور ایک یا ایک سے زیادہ کام والوں کو نوکر رکھنے پر اس ایک ایک تھان کی مقررہ قیمت کا ۳۵ فی صد بطور جرمانہ جولاہوں سے وصول کیا جائیگا۔ جو تحریری قرار داد کے خلاف وہ لاکر نہیں پہنچائینگے"۔ "زمینداروں اور پٹہ داروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ جولاہوں کے پاس آنے جانے میں وہ تجارتی رزیڈنٹ یا اس کے کارپردازوں کی کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں"۔ "اور وہ کمپنی کے تجارتی رزیڈنٹ وغیرہ کے ساتھ کوئی گستاخانہ برتاؤ کرنے کی ان کو شدید ممانعت کی جاتی ہے"۔

جب صناع خود ایک طرح کے حلقہ بگوش بنائے جائیں تو صنعتیں بھی فروغ نہیں پاسکتیں۔ لیکن اس نظام کا بدترین نتیجہ یہہ نکلا کہ ایکطرف تو کمپنی کے عمال نے ہندوستان کے صناعوں پر یہہ اقتدار لطور خود حاصل کرلیا۔ اور دوسری طرف دوسری یورپی اقوام کے افراد نے تو اس سے بھی زیادہ اختیارات بطور خود حاصل کرلیے اور ان کو عمال کمپنی سے بھی زیادہ بیدادی کے ساتھ استعمال میں لانے لگے۔

وارن ہسٹنگز نے کہا ہے کہ "وہ انگریزوں کے کردار ہندوستان آکر کچھ اور ہی ہوجاتے ہیں۔ جس کسی کا نام انگریز ہوا، اس کی برکت سے ذاتی حفاظت بھی اس کی ہوتی ہے، اور ہر ایسی خطا اور قصور کی

اجازت مل جاتی ہے جس کے کرنے کی اس کو خود اپنے ملک میں جرات تک نہیں ہوتی"

لارڈ مین مہتہ، تو یہہ کہتا ہے کہ "عام طور پر یورپی لوگوں کی اندرون ملک رسائی ہونے سے اور دیسیوں سے ان کا ربط ضبط قایم ہونے سے میرے خیال میں یہہ ایک عام نتیجہ نکلنے کا امکان ہے کہ دیسیوں کے کردار کو ارفع و اعلیٰ بنانے کی بجائے عام یورپی کردار کے متعلق دیسیوں کے جو خیالات ہیں خود ان کو گھٹیا کر دینے کا اسمیں مادہ ہے"

ٹامس منرو، کہتا ہے کہ "وہ جہاں تاجر اس ملک سے روانہ ہوئے خواہ ان میں پچھلے ہانسوں کے سے عادات ہوں یا نہ ہوں میں ایک دوسرے میں فرق نہیں پاتا۔ جب یہہ تاجر اپنے ارد گرد ایسے مسکین طبع لوگ دیکھتے ہیں جن پر وہ حکومت کر سکتے ہیں تو پھر خاموش تھوڑے رہتے ہیں کیونکہ جو تاجر ہندوستان جاتا ہے یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ حکومت سے تعلق رکھنے والا کوئی بڑا آدمی ضرور ہے۔ میں نے انہی دو تین سال کے اندر اندر شاید ۱۸۱۰ء میں بنگال میں یہہ سنا ہے کہ خانگی بیوپار کرنے والے نیل کے تاجروں نے اس دیس کے رہنے والوں کے پائوں کاٹھ میں ٹھونک دیئے۔ اپنے اپنے نوکر چاکر جمع کر کے آپس میں خوب جنگ و جدال کی۔ بہت سے لوگ زخمی بھی ہوئے"

ٹامس سڈنہم، کا بیان ہے کہ "ہمیشہ میں نے یہی مشاہدہ کیا ہے کہ دوسری اقوام کے افراد کے مقابل انگریزوں میں غیر ممالک میں ظلم ڈھانے کا زیادہ مادہ ہے اور میری دانست میں یہی حال ہندوستان میں بھی ہے"

انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں میں ملک کے اندرونی اقطاع میں یورپی تاجروں اور نیل کے نخلبند نے اکثر دفعہ وہ وہ مظالم کئے تھے کہ اس مضمون پر حکومت کو مجبوراً مجسٹریٹوں کے نام گشتیات

جاری کرنا پڑا۔ چنانچہ ۱۳؍ جولائی ۱۸۱۰ء کی مجریہ گشتی میں یہہ بیان کیا گیا تھا کہ جن مظالم کی طرف ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے اور جو بلا خوف تردید نیل کے پلانٹرز کے خلاف فرداً فرداً ثابت ہو چکے ہیں وہ حسب ذیل عنوانوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ ”اول وہ افعال جو اگرچہ قانونی معنے میں قتل کی تعریف میں داخل نہیں تھے مگر پھر بھی ان سے دیسیوں کی موت واقع ہوئی تھی۔

”دوم، خلاف قانون دیسیوں کو زیر حراست رکھنا اور بالخصوص لیکے پاؤں کاٹھ میں ٹھوکنا یا تو اس لئے کہ واجب الوصول بقایا ان سے وصول ہو جائے یا دوسرے اغراض کے لئے۔“

”سوم، اپنے ایسے کارخانوں کے متعلقہ لوگوں کو اور غیر اشخاص کو جمع کرکے ہنگامہ مچانا اور دوسرے نیل کے نخلبند کے ساتھ مقابلہ کرکے سخت کشت و خون کرنا۔“

”چہارم، کاشتکاروں اور دیسیوں کو بید یں لگوانا یا اور طرح پر خلاف حکم ناجائز طریقہ سے سزا دینا۔“

اس گشتی میں مجسٹریٹوں کے نام حکم دیا گیا تھا کہ کاٹھ بالکل توڑ پھوڑ ڈالی جائے۔ کاشتکاروں کو جہاں کہیں سزائے تازیانہ دی جائے یا کوڑے لگائے جائیں اس کی فوری اطلاع کر دی جائے اور تا وقتیکہ یورپی حکومت کے احکام کی اصل غائت اور مدعا کے موافق نہ چلیں ان کو اندرون ملک بود و باش رکھنے سے ممانعت کر دی جائے۔ ایک اور گشتی ۱۸۱۰ء کی ۲۰؍ جولائی کو صادر ہوئی جس میں مجسٹریٹوں کے نام حکم دیا گیا کہ وہ ایسے مقدمات کی بھی تفصیلی اطلاع دیں جن میں نیل، کے نخلبندنے کاشتکاروں کو پیشگی رقوم بالجبر دی تھیں۔ اور ان کو نیل کی کاشت کرنے پر مجبور کرنے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کئے تھے۔

با ایں ہمہ بنگالہ میں نیل کے نخلبند کے مظالم اور نصف صدی تک جاری رہے حتیٰ کہ بنگالہ کے لوگ اس کاشت کی مزاحمت کیلئے ایک دفعہ اُٹھ کھڑے ہو گئے۔ ۱۸۵۹ء کے ”ہنگامۂ نیل“ کے بعد بنگالہ سے تئی

ایک قطعات میں یورپی نخلبند کی نیل کی کاشت مسدود ہوگئی۔

بنگالہ کے سب سے بڑے، ڈراما نویس، دینا بندھو مترا، نے اپنے یادگار ڈرامے میں جس کا نام "دی مرراوف انڈیگو" (آئینۂ نیل) ہے پلانٹرز کے مظالم کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ مقدس پادری، جمیس لانگ، کو اس تصنیف کا انگریزی میں ترجمہ کرنے پر کلکتہ کی عدالت العالیہ نے جرمانے اور قید کی سزا دی۔ ایشلی ایڈن، کے نام کو (جو بعد میں بنگالہ کا لفٹنٹ گورنر ہوا) ان مظالم کے انسداد میں اس کی سعی بلیغ کی بنا پر لوگ آج تک تشکر کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

آسام میں چائے کی کاشت کے لئے مزدور فراہم کرنے کا ایک مختص قانون اب بھی موجود ہے جس کو ہندوستان کے لوگ "قانون بردہ فروشی" سے موسوم کرتے ہیں۔ جاہل مرد اور عورتوں کو معاہدے پر دستخط کر دینے کے بعد کئی سال تک چائے کی کشت زاروں میں کام کرنا پڑتا تھا اور نہ ان کے لئے قانونی سزائیں مقرر ہیں۔ اور سال حال ۱۹۰۱ء میں آسام کے چیف کمشنر کی انتہائی کوششیں ان غریب مزدوروں کو چائے کے کشت زار میں ان کے زبردستی قیام کے زمانہ میں معقول تنخواہ دلانے میں ناکامیاب ثابت ہوئیں خیر ہیں تو ۱۸۱۳ء کے قصہ کی طرف اب متوجہ ہونا ضروری ہے۔

۱۸۱۳ء میں پارلیمنٹ کی متعدد تحقیقاتوں کے باوجود ہندوستان کے صناعوں کی کسی طرح حق رسی نہیں ہوئی۔ امتناعی محصولات میں کوئی تخفیف نہیں کی گئی۔ کمپنی کا شغل اصل مسدود نہیں کیا گیا۔ برخلاف اس کے دارالعوام کی کمیٹی نے جس میں دارالعوام کے سارے ارکان شریک تھے اس کو صاف طور سے منظور کر لیا۔

"مذکور الصدر لگان یا محاصل اور منافع میں سے مختلف محسوبات کی گنجائش چھوڑ کر اور ان متعدد اخراجات کی سربراہی کے بعد جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے جملہ بچت خواہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو یا اس کا کچھ حصہ یا تو

ہندوستان میں کمپنی کے شغل سرمایہ کے کام میں لایا جائے گا یا چین کو وہاں انوسٹمنٹ کرنے کے لئے ارسال کیا جائے گا یا ہندوستان میں قرضہ بے باق کرنے کے کام آئے گا یا اُن اغراض کی تکمیل کے جن کے متعلق مجلس کمشنران کی پسندیدگی کے بعد مجلس نظما وقتاً فوقتاً احکام صادر کرے گی"

ایچ۔ ایچ۔ ولسن، مورخ کہتا ہے کہ ۱۸۱۳ء کے پارلیمنٹی مباحث میں "یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کے اغراض سے سروکار رکھنے کا اعتراف کرنے میں کوئی کمی نہیں کی گئی لیکن یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ جو جماعت اس مباحثہ میں شریک ہوئی اس کے ایک کثیر حصے کو محض تاج برطانیہ کی ہندوستانی رعایا کی فلاح و بہبودہی سے سروکار تھا.... ممالک متحدہ (برطانیہ) کے صناع اور تاجر محض اپنے ہی منافع پر ہمیشہ نگاہ رکھتے تھے"

۱۸۱۳ء کی پارلیمنٹی تحقیقات کی اصل غایت و غرض یہی تھی کہ انگلستان کے صناعوں کے اغراض کو فروغ دیا جائے۔ نیپولین بوناپارٹ نے اقلیم یورپ کی بندرگاہوں میں برطانوی مصنوعات کے آنے کی ممانعت کردی تھی۔ انگلستان کے تجار و صناع کو مشکلات ہی مشکلات درپیش تھے الّا یہ کہ ملکی صنعت و حرفت کے لئے کوئی نئی نکاس کہیں نکل آئے ورنہ ملک کے لئے ایک آفت و مصیبت کا سامنا تھا۔ ان حالات میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اجارہ کے خلاف قومی مطالبہ اور قوی ہو گیا اور ۱۸۱۳ء میں جب کمپنی کے منشور کی تجدید ہوئی تو ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کا اجارہ موقوف کر دیا گیا۔ اس طرح پہلی دفعہ برطانوی تاجروں کے لئے ہندوستان کے کشادہ و وسیع خطۂ زمین میں بے کھٹکے ایک کھلی راہ نکل آئی۔ اور یہ بات فطرت انسانی کے خلاف تھی کہ وہ ہندوستانی صناعوں کی فلاح و بہبود کا ایسی حالت میں کچھ زیادہ لحاظ کرتے۔

پندرھواں باب

صنعت و حرفت کی حالت (۱۸۱۳-۱۸۳۵)

سنہ ۱۸۱۳ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید ہوی تو یہ پہلا موقع تھا کہ مشرقی تجارت میں اس کا اجارہ منسوخ کر دیا گیا۔ خانگی تجارت کو ایک مرتبہ دخل ملنا ہی تھا کہ اس میں افزونی ہوتی چلی گئی اور کمپنی کی تجارت میں انحطاط شروع ہو گیا سنہ ۱۸۳۳ء میں کمپنی کے منشور کی تجدید کا پھر وقت آیا تو یہ سوال اٹھایا گیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت ہی بالکلیہ کیوں نہ بند کر دیجائے انگلستان کی رائے عامہ اس منشاء کی پر زور تائید پر تلی ہوئی تھی کہ انگلستان اور ہندوستان کے مابین جو تجارت تھی اس کو ایک ایسی کمپنی کے ناواجبی مقابلے سے آزاد کر دیا جائے جس کے ہندوستان کے کئی علاقے تھے اور اسے کلیتاً خانگی تاجروں ہی کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ تاجروں کے فرائض اور ایک سلطنت کے حکمرانوں کے فرایض میں بڑا فرق ہے اس موخرالذکر استدلال کے پیش کرنے میں لندن کے تاجروں اور انگلستان کے دوسرے بڑے بڑے تجارتی مرکزوں نے روز افزوں جوش وخروش کا اظہار کیا۔ کیونکہ یہ لوگ

کمپنی کو جو نا واجبی مگر مفید مطلب مواقع ہندوستان میں حاصل تھے ان پر رشک وحسد کرتے تھے اور توقع رکھتے تھے کہ اگر کسی طرح کمپنی کی تجارت بالکل موقوف ہو جائے تو یہ خود اپنی تجارت میں افزایش کر لیں۔

چنانچہ سنہ ۱۸۳۳ء میں کمپنی کی سب تجارت موقوف کر دی گئی اور اس تاریخ سے ہندوستان کی وہ صرف منتظم ریاست رہ گئی اور ہندوستان کے محاصل سے اپنا مفہوم نکالنے لگی۔

سنہ ۱۸۳۰ء اور سنہ ۱۸۳۱ء اور سنہ ۱۸۳۲ء میں بحث ومباحث اور جواب و سوال ابھی جاری ہی تھا کہ ہندوستان کی تجارت، صنعت وحرفت اور ہندوستانی نظم ونسق کے تمام شعبہ جات پر بہت کچھ شہادت قلم بند کی گئی۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں دار الامراء کی کمیٹی کے سامنے بیش قیمت شہادت پیش کی گئی سنہ ۱۸۳۰ء اور سنہ ۳۱-۱۸۳۰ اور سنہ ۱۸۳۱ء کی دار العوام کی رپورٹوں میں اس سے بھی زیادہ قابل قدر اور تفصیلی شہادت قلمبند کی گئی دار العوام کی سنہ ۱۸۳۲ء کی کمیٹی کے سامنے اور تازہ شہادت پیش ہوئی تھی جو چھ ضخیم مجلدوں میں جن میں تقریباً چھ ہزار صفحے شامل تھے شایع کی گئی تھی۔

اس ضخیم شہادت کے وہ حصے جو تجارت یا صنعت وحرفت سے متعلق ہیں کسی قدر یک طرفہ ہیں۔ دار الامراء اور دار العوام نے اس صنعت وحرفت کی حالت کے متعلق استفسارات کئے جو برطانوی اصل سے جاری تھیں یا جن میں برطانوی اصل سے کام لینا ممکن تھا۔ ہندوستان کے لوگوں کی صنعت وحرفت اور ہندوستانی کاریگروں کی اجرت ومنافع میں ان کو کوئی ایسی دلچسپی نہ تھی۔ انھوں نے اس بات کی تحقیقات کی کہ کیا کمپنی کی تجارت اٹھا دینے سے ہندوستان سے جو برطانوی تجارت اب قایم ہے اُس میں اضافہ ہوگا اور انگلستان کے خانگی تجار وصناع کو اس سے فائدہ پہنچے گا یا نہیں ہندوستان کی اندرونی تجارت چونکہ اس دیس کے رہنے والوں ہی کے ہاتھ میں تھی اس لئے وہ قابل التفات نہ تھی۔ ہندوستانیوں کی تجارت یا دیسی صنعت وحرفت کی نشو ونما نہ تو اس تحقیقات کی غرض وغایت تھی جو سنہ ۱۸۱۳ء میں

کی گئی اور نہ اس کی جو ۱۸۳۲ء میں کی گئی اور نہ اس تاریخ سے آج تک اس طویل عرصے میں کسی وقت بھی سنجیدگی کے ساتھ بالاستقلال اس مقصود کو حاصل کرنے کی کوئی کوشش کی گئی۔

پھر بھی جو شہادت قلم بند ہوئی خواہ کسی طرح بھی سہی ہمیں اس سے بہت کچھ معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ اور ہماری یہی کوشش ہوگی کہ اس بات کی مختصر گنجائش ہی میں اس ضخیم شہادت کا خلاصہ ایک قابل فہم شکل میں پیش نظر ہو جائے۔

روئی

امریکہ کی روئی کے مقابل ہندوستان کی روئی کا سوت کم لانبا ہوتا تھا اس میں زیادہ کثافت ملی ہوئی ہوتی تھی اور سوت کاتنے اور بننے میں زیادہ ضائع جاتا تھا۔ عام طور پر یہ سوت یا تو موٹے موٹے کپڑے بنانے یا اون میں ملا کر پشمینہ بننے کے کام میں لایا جاتا تھا۔ سورت کی روئی سب سے اچھی سمجھی جاتی تھی اور ڈھاکہ کی ململ جو بنگالہ میں بنتی تھی اس کی مثال سارے انگلستان میں نہیں مل سکتی تھی۔ جزیرہ فرانس سے بنولے لا کر تینیولی میں بوے گئے تھے جن سے اعلیٰ درجے کی روئی کی ایک کامیاب فصل ہوئی تھی لانبے سوت کی روئی ساحل دریا کے علاوہ شاذ ہی ہندوستان میں ہوتی تھی۔ اور خود لوگوں کو بھی اس کی ضرورت نہ تھی۔ ہندوستان میں تمام سوت دستی چرخے پر ہی کاتا جاتا تھا۔

امریکہ کی منڈیوں کے مقابلے کی وجہ سے ہندوستانی روئی کی برآمد میں کمی ہوگئی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری سے جو روئی برطانوی منڈیوں میں آتی تھی وہ سب سے خراب تھی۔ بمبئی کی صاف شدہ روئی اور امریکہ کی اراضی مرتفع کی روئی کی قیمتوں میں ۱۰ سے ۱۵ فیصد فرق تھا۔ سورت کی روئی عموماً انگلستان میں موٹے موٹے کپڑے بننے کے کام آتی تھی اور اس کو عمدہ روئی میں بھی ملا کر کاتا جاتا تھا۔ ہندوستان میں ردی کو

اور اچھا بنانے کی کوششیں ناکامیاب رہیں بعض تجربات میں روئی پہلے سے بھی خراب نکلی اور بعض میں تو کپاس کے پودے اچھے اُگے ہی نہیں ہندوستان کے لوگ کپاس کی کاشت کرتے تھے اور روئی بمبئی لائی جاتی تھی یورپی لوگ اس کو خریدتے تھے ایسی زمینیں جن پر کپاس ہوتی تھی کسی یورپی شخص کے قبضے میں نہ تھیں اور کپاس کی کاشت میں یورپی اشخاص کا کچھ حصہ بھی نہ تھا ہندوستان میں روئی دھننے کی کل چھوٹی سی دستی اوٹنی یا چوبی چرخی تھی اور یہ بہت ہی قدیم زمانے سے زیر استعمال تھی اس کی ۶ پنس قیمت تھی یہ ہاتھ سے چلتی تھی جس کے لئے قوت کی ضرورت نہ تھی اور روئی کو صاف تو کرتی تھی مگر ادھورا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی رزیڈنٹ کمپنی کے شغل اصل کے طور پر زیادہ تر روئی ٹینولی سے ہی مہیا کرتے تھے ۱۸۲۳ء میں شغل اصل کے لئے ۲۵۰ پونڈ وزنی روئی کے (۸۰۰۰) گٹھے ہوتے تھے جن کو چین بھیجدیا گیا تھا یورپی لوگ بنگالہ میں کپاس کی کاشت نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن ڈھاکے میں وہاں کی رعایا ایک نفیس قسم کی روئی کی کاشت کرتی تھی سب سے عمدہ ہندوستانی روئی گجرات اور کچھ میں ہوتی تھی نہ ۱۷۹۰ء میں ہندوستان کی روئی پہلی دفعہ انگلستان میں درآمد کی گئی اور امریکہ کی روئی ۱۷۹۱ء میں درآمد کی گئی ۱۸۲۷ء میں ہندوستان سے روئی کی جملہ برآمد چھ کروڑ اسی لاکھ پونڈ کی ہوئی جس کی قیمت دس لاکھ پونڈ انگلسیہ تھی۔ انگلستان میں امریکہ کی روئی کی مقدار درآمد مجموعی طور پر انتیس کروڑ چالیس لاکھ پونڈ (وزنی) تھی روئی کی ایک گرنی دھاگا کاتنے کے لئے کلکتہ میں قائم کی گئی تھی۔

جب تک کوٹھیاں برخاست نہ ہوئی تھیں کمپنی زیادہ تر بنگالہ اور بمبئی سے روئی برآمد کرتی تھی اور مدراس سے بھی۔ ملک کے اندرونی اقطاع سے روئی کشتیوں میں کلکتے آتی تھی۔ اور موسمی اثرات سے اس کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا۔ چار پانچ مہینوں تک کشتیوں میں یونہی کھلی پڑی رہتی تھی۔ اس کے بعد سوت سے روئی پر پیچ کس دئیے جاتے تھے

اور اس میں بنولوں کی ایک بڑی مقدار بھی ملی ہوئی تھی۔ اسی پھپوندی لگی ہوئی
نم آلودہ حالت میں جہازوں پر یہ انگلستان بھیجدی جاتی تھی۔ اس قبیل کے
اہتمام ہوتے ہوئے یہ ناممکن تھا کہ بہترین روئی بھی اگر انگلستان کو بھیجی جاتی
تو وہ اس سے بہتر حالت میں پہنچتی جیسی بنگالہ کی ردی پہنچتی تھی۔

ریشم

ریشم کے کیڑے خاصکر بنگالے ہی تک محدود تھے شمالی ہند میں
ان کی پرورش نہیں ہوسکتی تھی اور بمبئی کی زمین شہتوت کی نشو ونما کے
قابل نہ تھی۔ انگلستان کے لئے کمپنی کے مشغل سرمایہ کی
سربراہی ان کے تجارتی رزیڈنٹ کے توسط سے ہوتی تھی جو کرم پیلہ کی
پرورش کرنے والوں کو پیشگی رقوم دیکر ریشم اُن سے لیتے تھے۔ کمپنی کی
تقریباً بارہ رزیڈنسیان اور بڑی بڑی صنعت گاہیں تھیں لیکن
پھرکیوں پر خام ریشم لپیٹنے کے سوا ریشم سے کچھ بنایا نہیں جاتا تھا۔ چند
صنعت گاہوں میں "پٹی ریشم" کے تھان بنتے تھے۔ مہین ریشمینہ کی صنعت
بہت کچھ گھٹ گئی تھی اور کثیر تعداد میں انگریزی ریشمینے کے تھانوں کی
ہندوستان میں درآمد ہونے لگی تھی متعدد یورپی اشخاص کے بھی جو اس
دیس میں بسنے تھے کارخانے تھے لیکن کمپنی کے برابر نہ تھے اور ساری
منڈی کمپنی ہی کے زیر اثر تھی۔ ہندوستان کے ریشم میں خرابی یہ تھی کہ
نہ تو اس کا تار لانبا ہوتا تھا اور نہ یہ پاک وصاف ہی ہوتا تھا۔ ہندوستان
کا بہترین ریشم اطالیہ کے بہترین ریشم کے برابر بیش قیمت تھا لیکن ہندوستان
کا ریشم زیادہ تر نہایت ہی معمولی درجے کا ہوتا تھا۔ ریشم کی تجارت کمپنی
ہی کے ہاتھ میں تھی لیکن کمپنی اس قدر سخت نگرانی نہیں رکھ سکتی تھی جو
اعلیٰ درجے کے ریشم کی پیداوار کے لئے ضروری تھی۔ ہندوستان کا بہت
تھوڑا ریشم برآمد کی غرض سے فروخت ہوتا تھا کیونکہ چین کے ریشم کو

اس پر فوقیت حاصل تھی۔
ہندوستان میں تین قسم کے شہتوت اُگتے تھے یعنی سپید شہتوت جن کی کاشت یورپ میں بھی تھی گہرے اودے رنگ کے شہتوت جن کی کاشت چین میں بھی ہوتی تھی اور ہندوستانی شہتوت۔ دو قسم کے ریشم کے کیڑے تھے ایک دیسی دوسرے فصلی۔ اور موخر الذکر اطالیہ اور چین سے سے لائے گئے تھے جن سے بہت باریک ریشم پیدا ہوتا تھا۔ شہتوت کی کاشت اور کویہ ابریشم کی پیداوار لوگوں ہی پر چھوڑ دی گئی تھی۔ کمپنی صرف پیشگی رقوم دیتی تھی اور ریشم یا کویہ ابریشم لاکر دینے پر قیمت کا تصفیہ کرتی تھی۔ بنگالہ میں ریشم لپیٹنے کے لئے کمپنی کی گیارہ بارہ چرخیاں تھیں یہ کلیں اطالوی اصول پر بنی ہوئی بالکل سیدھی سادھی تھیں کمپنی کے رزیڈنٹ کو جس قدر ریشم کی بہم رسانی وہ کرتے تھے اس پر ڈھائی فی صد دستوری ملتی تھی اور یہی ان کی تنخواہ تھی اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے لئے ریشم خریدنے کی بھی ان کو اجازت تھی مگر ان لوگوں کو ریشم کی مطلق پہچان نہ تھی۔ بنگالے کے خام ریشم کی حالت اور خراب ہوگئی تھی لیکن تجارت کا دروازہ کھل جانے اور محصول میں تخفیف ہونے کی وجہ سے برآمد میں توفیر ہوگئی تھی۔ ۱۸۲۳ء اور ۱۸۲۵ء کے درمیان انگلستان کو خام ریشم لے جانے والے جہازوں کے بارے میں ½ ۳۵ فی صد توفیر ہوگئی تھی حالانکہ کمپنی کے شغل اصل میں ½ ۱۷ فیصدی ہی اضافہ ہوا تھا۔

بنگالے میں شہتوت اور ارنڈ کے پودے ریشم کے کیڑوں کی غذا کے کام آتے تھے۔ شہتوت کے درخت تین فٹ اونچے ہوتے تھے اور ان کو قطاروں میں چھ یا آٹھ انچ کے فاصلے سے بویا جاتا تھا اس کی پیداوار میں نفع کی خاطر انتہائی عجلت برتی جاتی تھی۔ لیکن یورپ کے جنوبی حصے میں جو طریقہ رائج تھا اگر یہاں بھی وہی اختیار کیا جاتا تو نفع زیادہ ہوتا۔ ان درختوں کو بونے کے چار مہینے بعد سارے پتے چن لئے جاتے تھے جس کے بعد ہر آٹھ یا دس ہفتوں میں نئے پتے نکل آتے تھے۔ پہلے سال چار مرتبہ پتے کترے جاتے تھے اور دوسرے سال چھ مرتبہ۔ انگریزی ایکڑ کا ایک ثلث روزانہ (۱۰۰۰) کرم پیلہ کی

غذا کے لئے کافی تھا۔ ریشم ریشم میں فرق تھا جس کا انحصار موسم پر تھا جس میں یہ ریشم پیدا ہوتا تھا۔ بہترین موسم نومبر کا تھا جب ڈسمبر کے آغاز ہی میں کرم پیلہ ریشم بنانا ختم کر دیتے تھے اور بدترین بارش کا موسم تھا دیسی کرم پیلے سال میں چار دفعہ بچے نکالتے تھے اور فصلی کرم پیلہ صرف ایک دفعہ کمپنی کے رزیڈنٹ دلالوں کے توسط سے "جو پیکار" کہلاتے تھے معاملہ کرتے تھے اور اپنی اپنی کوٹھیوں میں کوئے اور ریشم انھیں سے لیتے تھے جہاں دیسی مزدور اجرت پر اس ریشم کو پھرکیوں پر لپیٹتے تھے۔ یہاں بارہ رزیڈنسیاں تھیں مال لاکر پہنچانے رر یڈنٹ ہی اس کی قیمت کا تعین کرتے تھے اور یہ قیمت صرف مجلس تجارت کی محتاج توثیق ہوتی تھی یہ رزیڈنٹ ایسے اشخاص نہیں ہوتے تھے جن کو کوئی کارخانہ دار اپنے کارخانے کی نگرانی کے لئے منتخب کر سکے۔ ۱۸۱۵ء سے ۱۸۳۰ء تک خام ریشم کی پیداوار میں مسلسل اضافہ ہوا تھا اور کمپنی نے بھی اس کی مقدار میں توفیر کی تھی۔ کمپنی نے ہی ہندوستان میں اطالوی طریقے پر ریشم لپیٹنے کے طریقہ کی ترویج کی تھی۔ ریشم کی تجارت کرنے کی ہر شخص کو آزادی تھی۔ اور انگلستان سے یہاں آکر لوگوں نے چرخیاں بنائی تھیں لیکن اس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ کمپنی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اطالیہ کا ریشم اچھا ہوتا تھا۔ فرانس کا ریشم بھی اچھا ہوتا تھا اور بنگالہ کے ریشم کی مانگ بھی اسی قدر تھی جیسے کسی دوسرے ریشم کی لیکن یہ ریشم اطالیہ فرانس اور ترکی کے ریشم کی طرح مضبوط نہیں ہوتا تھا اور اطالیہ کے ریشم کے مقابلے میں اس لئے موٹا ہوتا تھا کہ لوگ اس کی قسم کو نہیں بلکہ مقدار کو دیکھتے تھے اور پھرکیوں پر لپیٹنے میں اس قدر احتیاط نہیں کرتے تھے جیسی اطالیہ اور فرانس میں کی جاتی تھی۔ اسی لئے بنگالی ریشم کثیف ہوتا تھا اس کے تار چھوٹے بڑے ہوتے تھے اور اس میں کئی جگہ سے سرے بھی ٹوٹے ہوئے پائے جاتے تھے

اس اہم شہادت کے مذکورالصدر اختیار سے ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ بنگالہ میں کمپنی کی حکمرانی کے ہفتاد سالہ دوران میں سوت اور ریشم کی صنعت میں کیا کیا تغیرات عمل میں آئے بعض دفعہ قطعی طور پر ممانعت کر کے اور بعد میں

اپنا اثر ڈال کر کمپنی کے رزیڈنٹ نے خود مختار ہندوستانی صناعوں کو بدل کر دینے کی کوشش کی تھی تاکہ ان کی پیداوار متاثر ہو چنانچہ پارچہ بافی بہت کچھ موقوف ہوگئی تھی وہ لوگ جو اپنے ہی اصل پر کام کرتے تھے اپنے گھروں اور قصبوں میں ہی مال بناتے تھے، اور اپنا نفع آپ کماتے تھے۔ اب وہ بھی کمپنی کے رزیڈنٹ کے دست نگر بن گئے تھے۔ یہی رزیڈنٹ ان لوگوں کو کچا ریشم اور سوت دیتے تھے اور مال کی جو قیمتیں ان کو دینی ہوتی تھیں اس کا تصفیہ بھی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنی سیاسی خود مختاری کے ساتھ اپنی صنعتی اور معاشی خودمختاری کو بھی کھو دیا۔ اور اس کے بجائے جو کچھ بنانے کے لئے ان کو کہا جاتا تھا اس کی اجرت اور قیمت انھیں ملنے لگی دنیا کی سب منڈیوں کے لئے خود مختارانہ طور سے مال پیدا کرنے والے جب یہ لوگ نہ رہے تو کسی نہ کسی کام پر لگ جانے کی امید میں ہزاروں نظریں کمپنی کی کوٹھیوں پر ہی لگ گئیں ان کوٹھیوں میں خام پیداوار کی مانگ بہت تھی ہندوستان کے لوگوں نے خام پیداوار کی سربراہی کی۔ اپنی قدیم صنعت گری اور ہنر کو بھول گئے اور صناعی کے منافع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا۔ انگلستان میں عوام الناس نے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان تجارت میں یعنی خام پیداوار کی درآمد اور بنے ہوئے مال کی برآمد میں توفیر دیکھکر یہ نتیجہ نکالا کہ ہندوستان کی خوش حالی میں بھی توفیر ہو رہی ہے دار الامرا اور دار العوام نے اس بات کی چھان بین تو کی کہ کیا یہ روز افزوں تجارت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں رہے یا خانگی تاجروں کے مگر کسی نے بھی یہ دریافت کرنے کی پروانہ کی کہ اس توفیر مبادلہ کا مطلب ہندوستانی صنعت و حرفت کا فنا ہو جانا تو نہیں ہے اور ہندوستان کو صنعتی منافع کا خسارہ تو نہ اٹھانا پڑے گا اور نہ کسی نے یہ معلوم کرنے کی خواہش ظاہر کی کہ کیا لوگوں کی معاشی فلاح و بہبود کے لئے ہندوستان کی مٹنے کی حرفت کو پھر زندہ کرنا ممکن نہیں ہے

اناج اور غلہ

ہندوستانی کاشتکاروں کی غفلت اور بے پروا کاشت کے متعلق

انگلستان میں ہمیشہ سے غلط فہمی تھی لیکن جن انگریزوں نے یہاں کے زرعی حالات کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کی تھی انھوں نے اس ناواجب اور غیر حقیقی خیال کو مٹانے کی کوشش کی تھی ڈاکٹر والک نے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے کلکتے کے نباتی باغ کا مہتمم تھا۔ دار العوام کی کمیٹی کے سامنے ۱۳ اگست ۱۸۳۲ء میں اس مضمون پر اپنی شہادت یہ دی کہ :۔

"ہندوستان سے باہر یورپی لوگوں میں بنگالے کی زراعت کے متعلق بہت بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ بنگالے کی زراعت اگرچہ کئی لحاظ سے انتہا درجے کی سادہ اور بالکل ابتدائی اسلوب او شکل کی ہے لیکن ہرگز اتنی گری ہوئی نہیں ہے جیسا کہ لوگ عام طور پر خیال کرتے ہیں اور میں نے اکثر دیکھا ہے کہ اس میں فوری اختراعات سے کوئی اچھے نتائج نہیں نکلتے مثلاً مجھ کو معلوم ہے کہ یورپ کے ساختہ آہنی ہلوں کی ترویج اس خیال سے بنگالے میں کی گئی تھی کہ معمولی بنگالی ہل چلانے میں انتہائی زحمت کے بعد بھی زمین محض سطحی طور پر کرید دی جاتی تھی لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا! جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں سطحی مٹی میں جس کو الٹ پلٹ کرنا منظور تھا سطح زیریں کی کنکی بھی مل گئی جس سے سب مٹی پہلے سے زیادہ خراب ہو گئی۔"

ڈاکٹر والک سے پوچھا گیا کہ کیا ہندوستان کی زراعت میں کوئی بڑی اصلاح اثر پذیر ہو سکتی ہے تو اس نے یہ جواب دیا کہ "یقیناً مگر اس بڑے پیمانے پر نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال ہے مثلاً دھان کی کاشت میں میرا تو خیال یہ ہے کہ اگر ہم ایک ہزار برس اور زندہ بھی رہیں تو کاشت کے اس شعبے میں بمشکل کوئی اصلاح دیکھ سکیں گے۔"

بنگالے سے دھان کی برآمد میں ۱۸۳۰ء سے کچھ پہلے ۱۰۰۰ ٹن کی توفیر اس خاص وجہ سے ہوئی کہ دھان کو انگلستان میں لا کر صاف کرتے تھے اور وہاں دھان صاف کرنے کی نئی کلیں ایجاد ہو گئی تھیں۔ سابق میں دھان کوٹنے کے بعد چاول بھیجے جاتے تھے جن میں بہت سی کنکی اور مٹی وغیرہ ملی رہتی تھی کلوں کی ایجاد کے بعد سب لبے کٹے دھان ہی بھیجے جاتے تھے اور انگلستان میں

صاف ہونے کے بعد اس کے چاول اسی طرح صاف وشفاف نظر آتے تھے جیسے کہ امریکہ کے چاول۔ اگر ہندوستان میں بھی وہاں اسی طرح صاف کیا جاتا جیسے کیا رولینا میں کیا جاتا تھا تو بڑی مقدار میں اس کی برآمد ہوسکتی تھی کیونکہ چاول بھوسی میں لپٹا ہونے کی وجہ سے جہاز کا دوچند کرایہ اس لئے دینا پڑتا تھا کہ جہاز پر اس کے لئے دوگنی وسعت درکار تھی۔

نیل

یورپی نیل کے نخل بند کے زبردست کاشتکاروں کی حالت کے متعلق جیسی کہ توقع تھی کسی قدر متضاد شہادت دی گئی تھی ریمنز نے دعوے کے ساتھ کہا تھا کہ اس رعیت کی حالت جو یورپی نخلبند کے لئے محنت مزدوری کرتی ہے دوسری رعیتوں سے بدتر ہے۔ یورپی نخلبند رعیت کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنی اپنی زمین کے ایک بڑے حصے میں خواہ اُن کا جی چاہے یا نہ چاہے نیل بوئیں دوسرے کسانوں کو تو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی زمین کی جیسی چاہیں کاشت کریں مگر یورپی نخلبند اس میں بھی مداخلت کرتے تھے دوسرے گواہوں نے اس کا ابطال کیا لیکن وہ لوگ جو بنگالے کی سنہ ۱۸۶۰ء تک کی حالت سے واقف ہیں یہ جانتے ہیں کہ ریمنز نے جن خرابیوں کی شکایت کی تھی وہ ایک مدت تک بنگالے میں پھیلی رہیں۔

یورپی نخلبند کاشتکاروں کو پیشگی رقوم دیتے تھے اور کاشتکار مقررہ قیمتوں پر ایک معینہ مقدار میں نیل کا پتا لادینے کا اقرار کرتے تھے اگر نخلبند ظلم کرتا تھا تو "رعیت کے پاس عدالتوں میں استغاثہ دائر کرنے کے سوا اس ظلم کا کوئی دوسرا چارہ نہ تھا مگر عدالتوں سے رعیت کا استغاثہ سماعت کرنے کی کوئی توقع نہ تھی بنگالے کے نشیبی اقطاع میں جہاں یورپی اور ادنیٰ ذات کے لوگ معقول تعداد میں بودوباش رکھتے تھے خصوصیت کے ساتھ یورپی اشخاص سے مظالم سرزد ہوئے تھے"

بعض ہندوستانی نخل ہند کے بھی بڑے بڑے کارخانے تھے لیکن ان کا نیل یورپی لوگوں کے بنائے ہوئے نیل کے برابر اچھا نہ ہوتا تھا۔ ہندوستانی نخل ہند کی نیل سازی میں تو فیر ہو رہی تھی پانسو اور ہزار کی تعداد کے درمیان یورپی لوگ نیل سازی میں مشغول تھے یہ لوگ عموماً یورپ سے کوئی اصل ساتھ نہیں لاتے تھے بلکہ کلکتے ہی میں ہندوستانیوں یا کمپنی کے یورپی ملازموں یا مختاروں کی کوٹھیوں سے قرض لیتے تھے اور کارخانے قائم کرتے تھے ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے کہ کوئی اصلدار نیل کا نخلستان قایم کرنے کے لئے اصل ساتھ لیکر ہندوستان آیا ہو۔

تقریباً ۱۷۹۰ء میں ہندوستان سے انگلستان میں نیل کی درآمد شروع ہوئی اور چالیس سال کے اندر اس میں اس قدر اضافہ ہوا کہ تمام دوسری قسم کے نیل کی جگہ اس نے لے لی۔ اس کی کاشت ڈھاکے سے دہلی تک تھی اور نوے لاکھ پونڈ (وزنی) تک اس کی برآمد پہنچ گئی تھی۔ برطانوی نخل ہند سالانہ جو رقم بطور لگان واجرت ادا کرتے تھے وہ ۱۶۸۰۰۰۰ پونڈ انگلسیہ ہوتی تھی اس مال کے کلکتے پہنچنے پر اس کی قیمت ۲۴۰۳۰۰۰ پونڈ انگلسیہ لگائی جاتی تھی اور انگلستان میں اسی مال کی قیمت ۳۶۰۰۰۰۰ پونڈ انگلسیہ آتی تھی بنگالے میں اس کے تین چار سو کارخانے تھے جس میں سے اکثر جسر کرشناگڑھ اور ترہوت میں تھے۔ بہترین زمینیں وہی تھیں جو گنگا کی طغیانی میں غرقاب ہو جاتی تھیں۔ کچھ نیل مدراس اور بمبئی میں بھی اگتا تھا۔ عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ نخل ہند اپنی جائداد کی کفالت پر کلکتے کے بڑے بڑے مہاجنوں سے ہی ۱۰ یا ۱۲ فی صدی سود پر قرضہ لیتے تھے۔ سود اس لئے زیادہ تھا کہ اس طرح قرض دینے میں بڑا خطرہ لگا ہوا تھا ہندوستانی نخل ہند نے بھی نیل سازی کے یورپی طریقے شروع کر دئے تھے۔ نیل سازی اور بیرون ملک فروخت کے لئے نیل بھیجنے کی یقیناً یورپی لوگوں نے پہل نہیں کی تھی۔ بلکہ مدت سے مشرق میں نیل کے رنگ اور استعمال سے لوگ واقف تھے۔ دیسی لوگ نیل سازی بھی کرتے تھے۔ اور اس کو بیرون ملک فروخت کے لئے بھی بھیجتے تھے۔

نیل سازی کا قدیم ہندوستانی طریقہ نامکمل تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اس

چیز کی پیداوار کے لئے یورپی نخلبند کو پیشگی رقم دیتی تھی۔ اور ۱۸۰۹ء میں کثیر مقدار میں انگلستان نیل ارسال کرنے لگی۔ بنگالے میں نیل کی تجارت کو ایکایک جو بہت بڑا فروغ ہوا تو اس کا سبب سینٹ ڈومنگو کا بالکلیہ برباد ہو جانا تھا جہاں سے انقلاب فرانس سے پہلے تقریباً ساری دنیا میں نیل کی رسد قائم تھی لیکن رعایا کی بغاوت کے بعد سے آدھ سیر نیل بھی وہاں پیدا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اس بغاوت میں نیل کے سارے کارخانے مسمار کر دیئے گئے تھے۔

شکر

گنے کی کاشت دکن کے مختلف اقطاع میں ہوتی تھی اس کو آبپاشی کی ضرورت تھی ہندوستانی شکر سازی کا طریقہ نہایت سادہ تھا اور اس کی کلیں بھی ناقص تھیں اس میں ترقی کی بہت کچھ گنجایش تھی۔ کپاس اور نیل کی کاشت کی طرح نیشکر کی کاشت کرنے کی بھی ہر شخص کو آزادی تھی۔ جزائر غرب الہند سے جو کلیں لائی گئی تھیں ان سے نیشکر کا اتنا رس نہیں نکلتا تھا جتنا کہ ہندوستان کی مشینوں سے اور منافع کمانے کی غرض سے ان مشینوں کے لانے والے کو نقصان اٹھانا پڑا۔ ملیبار میں دو یورپی اشخاص بھی اس منصوبے میں شریک تھے۔ لیکن دونوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ۱۷۹۶ء سے ۱۸۰۲ء تک گنجم میں نیشکر کی کاشت شروع کرنے کی کوشش کی گئی لیکن نتیجہ اطمینان بخش نہیں نکلا۔ یورپی لوگوں کو شکر سازی میں ایسی مصروفیت نہ تھی جیسی کہ نیل سازی میں تھی یہ لوگ شکر بازار سے خرید لیتے تھے۔ یا کاشتکاروں سے جن کو وہ پیشگی رقوم دیتے تھے۔ ہندوستان میں جو مشینیں استعمال ہوتی تھیں وہ جزائر غرب الہند کی مشینوں کے بہ نسبت ادنی درجے کی تھیں اور ہندوستان میں نیشکر کے بہت رشے کثرت بھی نہ تھے۔ ہندوستان کی شکر جزائر غرب الہند کی شکر سے خراب تھی۔ بنگالے میں نیشکر جزائر غرب الہند کے نیشکر کی طرح اچھا ہوتا تھا اور یہاں ایک خاص ترکیب سے نہایت ہی نفیس شکر بنائی گئی تھی۔ اس ترکیب کو اختیار کرنے میں اس قدر زیادہ لاگت ہو جاتی تھی کہ منافع کی گنجایش ہی نہیں رہتی تھی۔

بنگالی شکر کی خام پیداوار پر ۱۲۰ فیصد محصول تھا جو اصلی لاگت پر ۲۰۰ فیصد محصول کے مساوی تھا۔

گنے کی کاشت کے قابل بہت سی زمین ہندوستان میں تھی لیکن شکر سازی کا انتظام اچھا نہ تھا۔ اگر زیادہ دانائی کے ساتھ اس کے لئے نیشکر چن لئے جاتے یا رس نکالنے اور کھانڈ بنانے میں زیادہ کفایت کو ملحوظ رکھا جاتا تو اس کی مانگ میں بھی توفیر ہوتی۔ کمپنی کی ایک کوٹھی بنارس میں تھی اور گماشتے بھی تھے۔ جو ملک میں ادھر اُدھر پھر کر چھوٹے چھوٹے شکر سازوں سے شکر خریدتے تھے۔ لیکن حال ہی میں شکر کی درآمد موقوف کر دینے کے احکام صادر ہوے تھے۔

تمباکو

ہندوستان کے تمباکو کی قیمت امریکہ کے تمباکو کی ایک ثلث بھی نہ تھی کیونکہ ہند کے کاشتکاروں اور قوام سازوں میں وہ ہنر نہ تھا۔ بیج اور زمین کے انتخاب میں کھیتوں سے گھاس پات نکالنے اور ان کو کاٹنے میں تمباکو تیار کرنے اور اس کے گٹھے باندھنے میں زیادہ توجہ درکار تھی۔ ہندوستان امریکہ سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن ہندوستانی تمباکو کی مانگ اور پھیل سکتی تھی بشرطیکہ ہنر اور روپیہ اس میں لگایا جاتا۔

یورپی لوگ تمباکو کا بیوپار نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اندرون ملک تجارت کرنے کی ان کو اجازت نہ تھی۔ بمبئی کے شمالی اضلاع میں وسیع پیمانے پر تمباکو کی کاشت ہوتی تھی اور وہاں یہ اعلیٰ درجے کا ہوتا تھا۔ ایک گٹھا جو انگلستان میں درآمد ہوا تھا وہ امریکہ کے تمباکو کی بہ نسبت زیادہ قیمت یعنی ۶ پنس پر بکتا تھا۔ جبکہ موخرالذکر کی قیمت صرف ۵ پنس تھی لیکن اس گٹھے میں جس کی تجربۃً آمد کی گئی تھی تمباکو کا اوسط حصہ ایسا نکلا جس کا قوام

نا قص ہوا تھا۔ بنگالے اور بمبئی سے انگلستان کو تمباکو کی برآمد ناکامیاب ثابت ہوئی۔ گجرات کے تمباکو کے کھیت سب سے زیادہ پاک وصاف تھے اور یہاں اس کی بہترین کاشت ہوتی تھی کوئمبتور میں جو مدراس میں واقع تھا یہی سب سے زیادہ قیمتی پیداوار تھی۔

تمباکو کا کوئی ہندوستانی نام نہیں ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ ہندوستان کی اصلی پیداوار نہیں ہے لیکن یہاں بہت ہی قدیم زمانے سے اس کی کاشت تھی ہندوستان میں جن چیزوں کی مختصر کاشت ہوتی تھی ان میں اس کا بھی شمار تھا اور محض ملکی استعمال کے لئے اس کی پیداوار تھی ہندوستان میں اس کو گڑ خوشبو کا مصالحہ اور میوہ ملا کر استعمال کرتے تھے۔ زرخیز زمین میں فی ایکڑ ۱۶۰۰ پونڈ (وزنی) اس کی پیداوار ہوتی تھی لیکن اوسط درجے کی زمینوں میں ۸۰ پونڈ تمباکو کی ہری پتی محنت کا واجبی معاوضہ سمجھی جاتی تھی۔ عموماً ہندوستانی تمباکو خراب ہوتا تھا لیکن اس میں اصلاح ممکن تھی۔ شمالی سرکار کے تمباکو سے مچھلی بندر میں جو نا س بنتی تھی اس کی انگلستان میں بڑی قدر تھی۔ "ہوانا" کے عمدہ تمباکو کی بھاگلپور میں بھی جو بنگالہ میں تھا کچھ پیداوار ہوتی تھی۔

رنگ اور شورہ۔ قہوہ اور چائے۔

لاکھی رنگ کثیر مقدار میں انگلستان بھیجا جاتا تھا لاکھ ایک قسم کا گوند ہے جس میں لاکھ کے کیڑے یا ان کے انڈے ہوتے ہیں اور اسی سے رنگ بنایا جاتا ہے۔ رنگ کے اجزا علیحدہ کئے جاتے تھے جس سے رنگ بنتا تھا اور گوند جو باقی رہ جاتا تھا اس سے چپڑا لاکھ بنتی تھی۔ لاکھی رنگ سے کپڑے سرخ رنگے جاتے تھے لیکن اس رنگ کا میل نفیس ترین رنگوں کیلئے ٹھیک نہ تھا۔ لاکھ جلا دینے والے روغن کی طرح بھی مستعمل ہوتی تھی۔

قرمز مدراس کے جنوبی اقطاع میں جمع کیا جاتا تھا۔ اور میکسیکو کے

قرمز کے مقابل موٹا موٹا اور معمولی درجے کا ہوتا تھا۔ سنہ ۱۸۲۰ء سے قرمز کی قیمت غالباً لاکھی رنگ کی وجہ سے ایک رُبع گھٹ گئی تھی۔ بنگالے سے قرمز کی درآمد نہیں ہوتی تھی۔

انگلستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۴۰۰۰۰ ہنڈرڈ ویٹ کی مقدار میں شورہ ۱۸۱۴ء میں درآمد کیا تھا لیکن سنہ ۱۸۳۲ء میں اس کی مقدار صرف ۲۴۰۰ ہنڈرڈ ویٹ ہوئی تھی جس وقت سے خانگی تاجروں نے شورے کی درآمد شروع کی اس کی قیمت اتنی گھٹ گئی کہ یہ کھاد کی طرح بکنے لگا۔ ۱۸۱۴ء میں اس کی قیمت ۸۰ شلنگ ۶ پنس فی ہنڈرڈ ویٹ تھی مگر ۱۸۳۲ء میں صرف ۲۷ شلنگ ہی رہ گئی۔ کمپنی کے لئے ۱۸۱۴ء سے پہلے شورے کی انگلستان کو درآمد نفع بخش تھی مگر اس کے بعد سے ہی نفع بخش نہ رہی۔

صرف ۱۸۲۳ء سے ہی قہوہ کی کاشت وسیع پیمانے پر ہونے لگی اس کے بعد حکومت نے نخلبند کو نہ صرف قہوے کی کاشت کی اجازت ہی دیدی بلکہ کئی سال تک زمینوں پر مسلسل قبضہ رکھنے کا اذن بھی دیدیا۔ یہ رعایت کسی اور قسم کے یورپی نخلبند کے ساتھ کبھی نہیں کی گئی تھی۔ بنگالے میں ۴۰۰۰ ایکڑ زمین قہوے کے زیر کاشت تھی۔ بنگلور کا قہوہ بہت اچھا ہوتا تھا لیکن اتنا نہیں جتنا کہ موکا کا اور اس کی کاشت پھیل رہی تھی۔ ارکاٹ میں قہوے اور گنجم میں "کوکو" کے نخلستان قائم کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔

ہندوستان میں ابھی چائے کی کاشت رائج نہیں ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر والک نے جن کی شہادت دھان کی کاشت کے متعلق اس سے پہلے بیان کی گئی ہے۔ ہندوستان کے پہاڑی قطعات میں چائے کی کاشت کے امکان پر ایک قیمتی مضمون لکھ کر پیش کیا۔ اس کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:۔

"چائے کی اہم ترین کاشت چین کی شاہنشاہی کے ان صوبوں میں کی جاتی تھی جو شمالی عرض بلد کے ستائیسویں ۲۷ اور تیسویں ۳۰ متوازیات کے

مابین واقع تھے اور جہاں کلیتاً یا وہ چائے کی پیداوار ہی تھی لیکن جنوب میں بھی کینٹن کے ساحل کے قریب قریب تک کثیر مقدار میں چائے پیدا ہوتی تھی۔

پینینگ میں براؤن صاحب متوفی نے اس غیر متعلقہ واقعے سے غلطی میں پڑکر کہ اس جزیرے کی آب و ہوا اس پودے کے موافق تھی اس کی کاشت کا منصوبہ دل میں سوچ لیا تھا......... بہ حیثیت مجموعی پودوں کا نشو ونما دیکھنے کے قابل تو ہوا۔ لیکن جب ان کی فصل کا زمانہ آیا تو اس تمام محنت اور دقت اور مصارف کے باوجود پیداوار بہت ہی ادنی درجے کی نکلی۔

جاوا میں بھی اس کے مماثل تجربات مماثل حالات میں اسی طرح بے سود ثابت ہوئے اور آخر کار ان سے دست بردار ہوجانا پڑا۔ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ اس سے کئی سال بعد ڈچ حکومت نے بھی سیلون کے جنوبی اقطاع میں جو تجربات کئے تھے ان میں اُس حکومت کو کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

"تقریباً بیس سال کے قبل ایبوجنیرو میں ایک بڑے پیمانے پر چائے کی کاشت شروع کی گئی تھی......... اس پیداوار کا ذائقہ اور بو اتنی خراب ثابت ہوئی کہ حال میں اس کی کاشت ہی تقریباً چھوڑ دی گئی۔

"برازیل میں جو چائے پیدا ہوتی ہے اس کے نمونے کے جانچنے کا مجھ کو موقع ملا تھا......... اس پتی سے جو چائے دم دی گئی تھی اس کا مزہ نہایت ہی خراب تھا.........

جزائر شرق الہند کی برطانوی عملداری میں ایسے اقطاع موجود ہیں جنکی آب و ہوا اُن صوبوں کے بالکل برابر ہے جہاں چائے ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ چین میں بہتر سے بہتر جو چائے ملتی ہے اس کے برابر ان صوبوں میں بھی پیدا ہوسکتی ہے......... کماؤن گڑوال اور سرمور کے صوبوں میں ایسے مواقع موجود ہیں جو چین اور جاپان کے ان مواقع کے بالکل مماثل ہیں جن سے ہم تھوڑے بہت واقف ہیں اور جہاں چائے کے پودوں کی کاشت بڑے سے بڑے پیمانے پر کمال خوبی کے ساتھ کی جاتی ہے۔

"میں نے ایک موقع پر یہ بیان کیا تھا کہ نیپال میں کمیلیا کی قسم کا ایک خود رو پھول ہوتا تھا۔ اور ۱۸۲۱ء میں اس کی تفصیل شایع کرتے وقت ایک چائے کا پودا مجھ کو نظر پڑا تھا جو کٹھمنڈو کے ایک باغ میں خوب ہرا بھرا کھڑا تھا اور دس فیٹ اونچا تھا اور سال کے آخر چار مہینوں میں کثرت سے پھول پھل دیتا تھا۔ چند سال کے بعد اس پائے تخت میں دوبارہ جب میں آیا تو پھر میں نے اس پودے کو دیکھا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے بیج پیکن سے گرکھا حکومت کی کوئی سہ سالہ سفارت چین سے پلٹتے ہوئے اپنے ساتھ لائی تھی۔

اگر ہم ان تمام یکساں حالات پر مناسب غور کریں تو ہمیں نہایت قوی توقعات ہو سکتے ہیں کہ کسی معقول انتظام میں تھوڑے ہی زمانے کے اندر اندر چائے کی کاشت معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کی قلمرو میں پھیل جائے گی اور متمدن زندگی میں ہماری سب سے بڑی آسائش اور سب سے زیادہ عیش کی چیز رسد کا انحصار ایک مطلق العنان قوم کی محض مرضی اور اس کے تلون پر زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہے گا۔"

ڈاکٹر والک کا یہ مراسلہ ۳ فروری ۱۸۳۲ء کا ہے اور ان نامعلوم گرکھا سفیروں کے بعد جنھوں نے نیپال میں چائے کی کاشت کی پہل کی تھی انصاف یہی چاہتا ہے کہ ہم ڈاکٹر والک کو بھی ان لوگوں میں شمار کریں جنھوں نے ہندوستان میں چائے کی کاشت قائم کرنے میں اوروں کی رہنمائی کیلئے ایک نیا رستہ نکالا۔

طلا لوہا اور تانبا

طلا۔ نیلگری میں پایا جاتا تھا اور بالکل خالص طلا معقول مقدار میں ضلع وائناد میں جو پہاڑوں کے دامن میں واقع تھا جمع کیا جاتا تھا۔ لوہے کی ظرف ہندوستان کے اکثر اقطاع میں کثرت سے تھی۔ راہنما دین برطانوی یا

سویڈی لوہے سے بھی اس کی قیمت زیادہ تھی اور اس سے بھی زیادہ ملائم ہوتی تھی لیکن لوہا بنانے میں بہت فلز ضائع جاتی تھی لیکن بنا ہوا لوہا انگریزی لوہے سے اس لئے گرے ہوئے درجے کا تھا کہ ساخت کی ترکیب بھی ویسی اعلیٰ نہ تھی۔ بنگالے میں بردوان کے نواح میں لوہے کی کچھ نفیس فلزات تھیں لیکن اس سے بہتر اقسام کی ساحل مدراس پر نکلتی تھیں۔ فولاد آسانی کے ساتھ اس سے نہیں بنتا تھا لیکن جب بنتا تھا تو دیکھنے کے قابل بنتا تھا مسٹر ہیتھ نے ایک لہار خانہ مدراس کے قریب قائم کیا تھا جس میں یورپ کی مشینیں لگائی تھیں اور کمپنی کے منشور کے اختتام تک لوہے کی صنعت کے کل حقوق اس کو حاصل تھے۔ یہاں کا لوہا ہندوستان کی اور جگہ کے لوہے سے اور خود سویڈی لوہے سے بھی زیادہ اچھا ہوتا تھا لوہے کی فلز ملیبار کی سرحد پر بھی افراط سے پائی جاتی تھی اور بالخصوص کوئمبتور میں تو بڑی ہی سستی تھی۔ کچھ کا لوہا خاص طور پر عمدہ ہوتا تھا اور زیادہ تر سطح زمین پر ہی مل جاتا تھا اور ٹوکروں میں بھر بھر کے کوئلوں کے ساتھ جلادیا جاتا تھا ہندوستان میں بہترین فولاد کچھ میں بنتا تھا جس سے زرہ بکتر تلواریں وغیرہ بنائی جاتی تھیں۔ تانبا ہندوستان کے شمال مشرقی ممالک میں نکلتا تھا۔

کوئلا اور چوبینہ

بنگالے کے ضلع بردوان میں کوئلے کی بڑی بڑی کانیں تھیں جو ۱۸۳۲ء میں متحرک تھیں اور جن سے سالانہ چودہ یا پندرہ ہزار ٹن کوئلا نکلتا تھا۔ کانو کا کھودنا ۱۸۱۴ء میں شروع ہوا لیکن ۱۸۲۵ء میں وسیع پیمانے پر کان کنی کی ابتدا ہوئی۔ کوئلے کی پرت ۹ فٹ چوڑی اور سطح زمین سے تقریباً ۹۰ فٹ کی گہرائی پر تھی دو تین ہزار آدمی اس کام پر لگائے گئے تھے جن کو فی کس ۸ یا ۹ شلنگ ماہانہ ملتا تھا۔ زیادہ تر بھاپ کے انجنوں کے لئے کوئلا استعمال کیا جاتا تھا اور اسی غرض سے سنگاپور بھیجا جاتا تھا اس کے علاوہ اینٹیں جلانے کے بھی کام آتا تھا۔ کوئلا افراط کے ساتھ بندیلکھنڈ اور کچھ میں بھی نکلتا تھا۔

کچھ کا کوئلا بھاپ سے چلنے والے انجنوں کیلئے اچھا نہ تھا۔ اور بمبئی میں انگریزی کوئلہ اس سے بھی ارزاں تھا۔ بردوان کا کوئلا ہندوستان میں سب کوئلوں سے بہتر ہوتا تھا اور کلکتے میں کوئی اور کوئلا نہ بکتا تھا اس کی قیمت فی ٹن مس آنے (ایک شلنگ ۲ پنس) تھی جلنے میں اس کی ٹکیاں ٹکیاں نہیں بن جاتی تھیں بلکہ سفید راکھ ہونے تک یہ جلتا رہتا تھا۔ تپانے کے لئے یہ کوئلا انگریزی کوئلے کے برابر نہ تھا۔ انگلستان کے بہترین کوئلے اور بنگالے کے بہترین کوئلے میں آتش افروزی کے لحاظ سے ۳ اور ۵ کا تناسب تھا۔

ہندوستان کے جنگلوں میں دنیا کی ہر قسم کا چوبینہ ہوتا تھا۔ خاص خاص قسم کے چوبینہ میں ساگوان سال سیسو دشیشم، تون جار ول اور آم کی لکڑی تھی۔ سال کی لکڑی تعمیری کاموں جہاز سازی اور فوجی ضرورتوں میں لگائی جاتی تھی۔ ناقص اور مسرفانہ انتظام کی وجہ سے سال سیسو اور بانس کی مقدار میں کمی ہو رہی تھی۔ بلوط اور صنوبر کے درخت یہاں کثرت سے تھے۔ ہندوستان کا چوبینہ تجارت خارجہ کا ایک جزو بن سکتا ہے۔

افیون اور نمک

افیون اور نمک میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا اجارہ اپنے ہی ہاتھ میں رکھا جیسا کہ حکومت ہند آج تک کرتی چلی آئی ہے اور یہ دونوں آمدنی کے اہم ذریعے تھے۔

ہولٹ میکنزی نے دجوان اہم گواہوں میں تھا جن کا اظہار ۱۸۳۲ء میں دارالعوام کی کمیٹی نے لیا تھا یہ کہا ہے کہ "افیون اور نمک سازی تجارت کی خاطر نہیں بلکہ آمدنی کے لئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان اشیاء کے متعلق مجوزہ تغیرات میں ایک تغیر بھی ایسا نہیں ہے جس سے محاصل کا بہت بڑا نقصان نہ ہو۔ میں سررشتہ نمک میں تو یہ خیال نہیں کرتا کہ ہم چنگی کے محصول سے بھی اتنے ہی خالص محاصل جمع کر سکتے ہیں جتنے کہ عام نیلام سے ہمیں حاصل ہوتے ہیں"۔

"اس ذریعے (افیون) سے بھی ان کو بہت بڑی آمدنی ہوتی ہے ابتدائی لاگت سے زیادہ جو قیمتیں نیلام میں آتی ہیں وہ ایک طرح کا محصول ہی ہے جس کے کسی اور ترکیب سے وصول ہونے کی قطعی امید نہیں۔ اگرچہ تجارت کے نقطۂ نظر سے اس نظام پر بہت سے اعتراضات ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ محاصل کی ضرورت کا بھی لحاظ لازمی ہے۔ اور مجھ کو یہ یقین ہے کہ محاصل کی یہی رقم کسی اور طریقے سے ہرگز نہیں مل سکتی۔

خلاصہ

مذکورالصدر خلاصہ سے عیاں ہوتا ہے کہ دارالامرا اور دارالعوام کی کمیٹیوں کے سامنے جو شہادت ۱۸۳۰ء اور ۱۸۳۲ء کے درمیان قلمبند ہوئی تھی ان میں اس زمانے کی ہندوستانی صنعت وحرفت کے حالات کا قیمتی بیان اسی طرح درج ہے جیسا کہ ڈاکٹر فرانسس بکانین کے کاغذات اور تحریرات میں ۱۸۰۷ء اور ۱۸۱۵ء کے صنعت وحرفت کے حالات درج ہیں مگر پھر بھی پارلیمنٹی کاغذات میں جو بیان درج ہے وہ ایسا مکمل نہیں جیسا کہ ڈاکٹر بکانین کا بیان مکمل ہے، امرا اور عوام نے اپنی اپنی تحقیقات اس صنعت وحرفت تک محدود رکھی جس میں برطانوی اصل لگا ہوا تھا یا نفع بخش طور پر لگایا جاسکتا تھا ادنیٰ درجے کی صنعت وحرفت میں جو ہندوستان کے لوگوں کا پیشہ تھی ان کو کچھ ایسی دلچسپی نہ تھی مثلاً راجگری۔ معماری۔ سنگتراشی۔ نجاری۔ جہاز سازی۔ فرنیچر بنانا۔ پیتل لوہے اور تانبے کے ظروف ڈھالنا۔ طلائی اور نقرئی سامان بنانا۔ رنگ ریزی اور دباغت چرم یا ہندوستان کی کاتنے اور بننے کی صنعت جو انحطاط پر تھی۔

جس قدر شہادت قلمبند ہوئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نرے زرعی کاروبار میں تو انگلستان ہندوستان کو کچھ سکھا نہیں سکتا تھا لیکن اناج کے صاف کرنے کے علاوہ کاتنے اور بُننے میں شکر و نیل سازی اور تمباکو کو قوام کرنے میں

قہوہ اور چائے کی کاشت میں آہنی سامان اور اسلحہ بنانے میں کوئلے اور طلا کی نکالنی اور ان تمام صنعتوں میں جو کلوں کی محتاج تھیں یورپ بڑھا ہوا تھا ۔ اور ۱۸۳۰ء میں ہندوستان کے مقابل یورپ نے جو طریقہ اور اسلوب اختیار کیا تھا وہ زیادہ مکمل تھا یہ خیال کرنا ممکن ہے کہ ایک ایسی حکومت جس کے مدنظر قومی صنعت و حرفت کی ترقی ہو ان اعلیٰ طریقوں کی ترویج ہندوستان کے محنتی اور ہنرمند لوگوں میں کر سکتی تھی جیسا کہ ہمارے ہی زمانے میں جاپان کے لوگوں میں بالآخر کی گئی لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ جو لوگ صرف اپنا ہی منافع کمانے میں لگے ہوئے تھے ولیسی تجار اور حریف صانعین کا مفاد بھی ان کے پیش نظر رہتا ۔ اسی لئے اس کی کوشش ہی نہیں کی گئی ۔ بلکہ اس کے برخلاف ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی جس کا یہ منشا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ہندوستانی صنعت کی بجائے برطانوی صنعت جم جائے ۔ ۱۸۳۲ء کی پارلیمنٹی تحقیقات کی تاریخ سے پانچ سال پہلے بعد منٹگمری مارٹن نے اس زمانے کی تجارتی حکمت عملی کو بیان کرتے ہوئے شدومد کے ساتھ اس میں عیب بھی نکالے ہیں ۔

" سرکاری طور پر حکومت کو ان تمام باتوں کی یعنے (ڈاکٹر بکانن کی شمالی ہند میں معاشی تحقیقات کی) تفصیلی اطلاع ہونے کے بعد سے ہماری خودغرضی اور ہمارے لالچ نے انگلستان یا ہندوستان میں ہمیں کبھی کوئی ایسی موثر تدبیر اختیار نہ کرنے دی جو دردمندوں کی دوا ہوتی ۔ بلکہ اس کے برخلاف ہم نے ہرممکنہ کوشش بھی کی کہ ان بدنصیب بندگان خدا کو جو انگریزی تجارت خارجہ کی ظالمانہ خودغرضی کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے زیادہ مفلس اور نادار تر بنادیں ناظرین کے پیش نظر جو اوراق ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جن اضلاع میں یہ تحقیقات ہوئی تھی اکثر لوگ ایسے تھے جن کا کسب معاش کا ذریعہ محض ان کا سوتی کپڑے وغیرہ بننے کا ہنر تھا ۔ آزاد تجارت کے حیلے سے انگلستان نے ہندوستانیوں کے لئے لینکشر ۔ یارکشیر ۔ گلاسگو وغیرہ کے بھاپ سے چلنے والے کرگھے کی مصنوعات کا لینا جن پر محض برائے نام محصولات تھے ناگزیر کر دیا تھا ۔ درآنحالیکہ انگلستان میں بنگالے اور بہار کی دستی مصنوعات

اور دیدہ زیب اور پہننے میں پائدار پارچہ جات کی درآمد پر نہایت ہی سنگین بلکہ تقریباً امتناعی محصول لگائے گئے تھے۔

دارالعوام کی کمیٹی نے ہولٹ میکنزی سے یہ استفسار کیا کہ:-

”ہندوستان کے اس حصے میں جہاں برطانوی لوگ بڑی سے بڑی تعداد میں بودوباش رکھتے ہیں ہندوستانیوں کے ولایتی مذاق، وضع قطع، عادات و اطوار اختیار کرنے کی رفتار میں کوئی ترقی ہوئی ہے کہ نہیں؟“

ہولٹ میکنزی نے جواب دیا کہ:- ”کلکتے پر نظر کرتے ہوئے میرے خیال میں ہندوستانیوں میں ولایتی سامان تعیش اختیار کرنے کا نمایاں طور پر مادہ ہے۔ ان کے گھروں میں ولایت کا وافر ساز و سامان رہتا ہے اکثر تو گھڑیاں بھی لگاتے ہیں۔ گاڑیوں کے دلدادہ ہیں اور خبر ہے کہ مے نوشی بھی کرتے ہیں۔“

ہندوستان میں مغربی تمدن کے پھیلنے کے متعلق اس قدر معنی خیز شہادت ہاتھ لگنے پر دارالعوام انگلستان کے سنجیدہ اور مقدس ارکان کی (گو مکروہ نمائش خاطر کے ساتھ ہی سہی) باچھیں تو ضرور کھل گئی ہوں گی!

سولھواں باب

تجارت خارجہ (۱۸۱۳ء - ۱۸۳۵ء)

۱۸۱۳ء میں قانون نافذ ہوا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملکی حسابات اس کے تجارتی حسابات سے بالکل علحدہ رکھے جائیں اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ صرف ذیل کی صورتوں میں ملکی محاصل سے استفادہ کیا جانا چاہئے :- (۱) فوجی مصارف کے لئے (۲) دیوانی اور تجارتی عملے کے اخراجات کے واسطے (۳) ہندوستان کے ملکی قرضے کا سود ادا کرنے کی خاطر۔ اور تجارتی منافع حسب ذیل امور میں صرف ہونا چاہئے۔ (۱) ہنڈیوں اور دوسرے قرضوں کے ادا کرنے کی غرض سے (۲) مقسومات ادا کرنے کے لئے (۳) ہندوستان کے ملکی قرضے یا انگلستان کے اندرونی ملکی قرضے میں تخفیف کرنے کے واسطے۔

ہندوستان کے ملکی محاصل پندرہ سال کے اثناء میں یعنی ۱۸۱۳ء سے ۱۸۲۸ء تک حسب ذیل تھے :-

	پونڈ
بنگالہ	۱۹۶۱۲۱۹۸۳

	پونڈ
مدراس	۸۲۰۴۲۹۶۷
بمبئی	۳۰۹۸۶۸۷۰
اودھ اور اس کے ملحقات	۱۹۳۱۴۸۰

میزان ۳۱۱۰۸۳۳۰۰ پونڈ

اس حساب سے ملکی محاصل کا سالانہ اوسط دو کروڑ پونڈ انگلسیہ ہوتا تھا "مطالبات وطن" کا سالانہ اوسط جو ہندوستان کے ملکی محاصل میں سے انگلستان میں خرچ کئے جاتے تھے ۱۶۹۳۴۷۲ پونڈ ہوتا تھا اور جملہ مصارف ملکی جملہ ملکی محاصل سے زیادہ ہوتے تھے جس کی وجہ سے سالانہ اوسطاً ۱۲۲۷۳۴۳ پونڈ کی کمی واقع ہوتی تھی۔ اس پندرہ سال کے زمانے میں "ملکی قرضہ" تین کروڑ پونڈ انگلسیہ سے بڑھ کر چار کروڑ ستر لاکھ پونڈ انگلسیہ تک پہنچ گیا تھا اور ستائیس سال کی مدت میں کمپنی کے "ملکی قرضہ" میں جو مسلسل تدریجی اضافہ ہوا وہ ذیل کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے۔

	پونڈ
اپریل ۱۷۹۲ء	۹۱۴۲۷۲۰
" ۱۸۰۹ء	۳۰۸۱۲۴۴۱
" ۱۸۱۴ء	۳۰۹۱۹۶۲۰
" ۱۸۲۹ء	۴۷۲۵۵۳۷۴

اس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لارڈ ویلزلی اور لارڈ ہیسٹنگز کے نظم و نسق کے اثناء میں اس قرضے میں بہت بڑا اضافہ ہوا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کمپنی کے تجارتی منافع کے فاضلات ہنڈیوں اور مقسوبات کے ادا کرنے کے بعد ہندوستان کے ملکی قرضے یا انگلستان کے اندرونی تمسکی قرضے کی تخفیف میں لگائے جاسکتے تھے۔ لیکن تجارتی منافع کے یہ فاضلات جو ۱۸۱۲ء اور ۱۸۱۷ء میں دس لاکھ پونڈ انگلسیہ سے بھی بڑھ کر

تھے شاہنشاہی کے حدود میں وسعت اور کمپنی کی تجارت میں انحطاط پیدا ہوتے ہی تدریج
کم ہوتے گئے حتیٰ کہ ۱۸۱۹ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان صرف ۳۰۰۰۰ پونڈ اور ۴۰۰۰۰
پونڈ کے بین بین رہ گئے تھے ۱۸۲۲ء کے بعد سے کمپنی نے تجارتی مال کی ہندوستان
کی طرف برآمد بالکل موقوف ہی کر دی اور محض جنگی اور سیاسی ضروریات کا سامان
برآمد کرنے لگی کمپنی کے ہندوستان کی طرف برآمد جاری نہ رکھنے کی وجہ یہ تھی
کہ اس کے معاوضے میں ہندوستان کی کوئی پیداوار یا مصنوعہ شئے ملنی مشکل تھی۔
ہندوستان کی صنعت وحرفت پر انحطاط چھا گیا تھا اور جو اشیا کہ کمپنی ہندوستان سے
انگلستان میں درآمد کرتی تھی وہ محض خام ریشم۔ پشمینے کے کچھ تھان۔ شورہ اور
نیل تھے نیل کلکتے میں خرید لیا جاتا تھا۔ کچھ ریشم اور شورہ خود کمپنی کے کارخانوں
میں بنتا تھا اور پشمینے کے تھان جولاہوں کے چودھریوں سے معاہدات پر
لیے جاتے تھے۔ نیز انگلستان میں ہندوستانی شکر کی درآمد تک مسدود کر دی گئی
تھی۔ ہندوستان کے ساتھ کمپنی کی تجارت خارجہ مسلسل گھٹتی رہی اور جب ۱۸۳۳ء
میں منشور کی تجدید ہوئی تو کمپنی کی یہ تجارت موقوف ہی کر دی گئی۔

جتنی جتنی کمپنی کی تجارت گھٹتی گئی اتنی اتنی وہ خانگی تاجروں کے قبضے
میں چلی گئی جن کیلئے ۱۸۱۳ء میں اولاً اس کا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ اس تاریخ سے
سولہ سال کے دوران میں کمپنی کی سالانہ تجارت کا اوسط ۱۸۲۷۱۸۱ پونڈ تھا
درآنحالیکہ خانگی تجارت کا سالانہ اوسط ۵۴۵۱۴۵۲ پونڈ تھا اس لحاظ سے خانگی
تجارت کمپنی کی تجارت سے ۳ گنی زیادہ تھی اور سرزمین ہندوستان کے مالکوں کے
مقابل خانگی تاجروں نے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے میں اپنے تئیں زیادہ
قابل ثابت کر دکھایا پھر بھی ان جدید انتظامات میں ہندوستان کی مصنوعات کو بالکل میٹ دینے کی
تدبیر ہو رہی تھی ۱۸۱۳ء کلکتہ سے لندن میں بیس لاکھ پونڈ انگلشیہ کا سوتی مال برآمد ہوا
تھا مگر ۱۸۳۰ء میں خود کلکتہ میں بیس لاکھ پونڈ انگلشیہ کے برطانوی سوتی مصنوعات درآمد ہوئے
ہندوستان میں برطانوی سوتی ڈھاگے کی پہلی برآمد ۱۸۲۳ء میں ہوئی ۱۸۲۴ء میں اسکی ۱۲۱۰۰ پونڈ
(وزنی) تھی اور ۱۸۲۹ء میں وہ ۴۰۰۰۰۰ پونڈ (وزنی) تک بڑھ گئی۔ پشمینے، تانبا، لوہا، شیشہ
اور مٹی کے برتن بھی درآمد کئے جانے لگے۔ ایک معمولی ڈھائی فی صدی

محصول ادا کئے جانے پر برطانوی مصنوعات کلکتے میں درآمد کئے جاتے تھے حالانکہ انگلستان میں ہندوستانی مصنوعات کی درآمد کی روک تھام کے لئے ان کی قیمت پر سنگین محصولات ۴۰۰ فیصدی تک لگا دیے گئے تھے۔ ذیل کی فرد اعداد میں ۱۸۱۲ء اور ۱۸۳۲ء کے درمیان انگلستان میں ہندوستانی صنائع کے مختلف اشیائے تجارت کی درآمد پر جو محصول لگائے گئے تھے ان کی تفصیل بتائی گئی ہے۔

	۱۸۱۲	۱۸۲۴	۱۸۳۲
	قیمت پر فی صد	قیمت پر فی صد	قیمت پر فی صد
بید کا آرائشی سامان	۷۱	۵۰	۳۰
ململ	۲۷ ½	۳۷ ½	۱۰
کیلیکو	۷۱ ⅔	۶۷ ½	۱۰
دوسرے سوتی مصنوعات	۲۷ ½	۵۰	۲۰
بکرے کے پشمینہ کی شالیں	۷۱	۶۷ ½	۳۰
لاکھی روغن کیا ہوا سامان	۷۱	۶۲ ½	۳۰
حصیریں	۶۸ ½	۵۰	۳۰
کچا ریشم	قیمت پر ۲ پونڈ ۱۳ شلنگ ۴ پنس محصول علاوہ ۴ شلنگ فی پونڈ (وزنی محصول کے)	۴ شلنگ فی پونڈ (وزنی)	ایک پنس فی پونڈ (وزنی)
ریشمی مصنوعات	امتناع درآمد	امتناع درآمد	۲۰ فی صد قیمت پر
تافتہ یا دوسرے سادہ اور نقشی ریشمینے	امتناع درآمد	امتناع درآمد	۳۰ فی صد قیمت پر
مصنوعات ریشم	امتناع درآمد	امتناع درآمد	۲۰ فی صد قیمت پر
شکر (جس کی لاگت کی قیمت تقریباً ایک پونڈ فی ہنڈرڈ ویٹ تھی)	ایک پونڈ ۳ شلنگ فی ہنڈرڈ ویٹ	۳ پونڈ ۳ شلنگ فی ہنڈرڈ ویٹ	ایک پونڈ بارہ شلنگ فی ہنڈرڈ ویٹ
دیسی شراب (دارو۔ عرق)	ایک شلنگ ۸ پنس	۴ شلنگ ایک پنس فی گیلن	۱۵ شلنگ فی گیلن

روئی	فی گیالن علاوہ ۱۹ شلنگ ½۱ پنس محصول جنگی کے ۱۶ شلنگ ۱۱ پنس ہر ۱۰۰ پونڈ وزنی پر	علاوہ ۱۷ شلنگ ¾ پنس جنگی کے - ۶ فیصد	۲۰ فیصد

انگلستان میں ہندوستانی مصنوعات کی درآمد پر نا واجبی اور سنگین محصولات کے خلاف دار العوام میں عرائض پیش کرنے کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا - تقریباً چار سو یورپی اور ہندوستانی تاجروں نے جن میں رام گوپال گھور کا بھی نام ہے اور یہ غالباً مشہور ہندوستانی متفنن رام گوپال گھوش ہے جس کے نام میں "گھور" غلطی سے چھپ گیا ہے ایک اپنی دستخطی عرضی شکر اور دیسی شراب پر جو محصول تھے ان کے خلاف پیش کی - اس کے علاوہ ہندوستان کے سوتی اور ریشمی پارچہ جات پر محصول میں تخفیف کرنے کے لیے برطانوی حکومت کو ایک عرضی دی گئی تھی جس پر ہندوستانیوں کی ایک بہت بڑی معزز جماعت کے دستخط تھے - مگر وہ نامنظور ہوئی - اس پر بعض لندن کے تاجروں نے ان پارچہ جات کی انگلستان میں درآمد پر ڈھائی فی صدی محصول واپسی کے اجازت کی درخواست ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس پیش کی - لیکن یہ درخواست بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی -

کس حد تک انگلستان کی غیر منصفانہ تجارتی حکمت عملی سے ہندوستان کے مصنوعات کی روک تھام اور تباہی ہوئی وہ ذیل کے فرد تعداد برآمد سے ظاہر ہے اس میں تیس سال کے دوران میں کلکتے کے بندر سے جو مال تجارت صرف ممالک متحدہ برطانیہ کو بھیجا گیا تھا اس کی مقدار درج ہے -

سال عیسوی	روئی	سوتی کپڑوں کے تھان	ریشم	ریشمینوں کے تھان	لاکھ اور لاکھی رنگ	نیل
	گٹھے	گٹھے	گٹھے	گٹھے	من	پیٹیاں
۱۸۰۰	۵۰۶	۲۶۳۶	۲۱۳	۰	۰	۱۲۸۱۱

سال عیسوی	روئی	سوتی کپڑوں کے تھان	ریشم	ریشمینوں کے تھان	لاکھ اور لاکھی رنگ	نیل
	گٹھے	گٹھے	گٹھے	گٹھے	من	پیٹیاں
۱۸۰۱	۲۲۲	۹۳۴۱	۲۳۸			۹۹۲۸
۱۸۰۲	۲۰۶۲	۱۴۸۱۷	۴۰۰			۸۶۹۴
۱۸۰۳	۲۴۳۰	۱۳۶۴۹	۱۲۳۲			۱۲۹۸۶
۱۸۰۴	۶۰۴	۹۶۳۱	۱۹۲۶			۱۸۳۳۹
۱۸۰۵	۲۲۵۳	۲۳۲۵	۱۳۲۷			۱۳۴۸۶
۱۸۰۶	۷۳۱۵	۶۵۱	۱۶۸۹			۱۷۵۴۲
۱۸۰۷	۳۷۱۷	۱۲۸۶	۴۸۲			۱۹۴۵۲
۱۸۰۸	۳۰۱۲	۲۳۷	۸۱۷			۱۶۰۲۲
۱۸۰۹	۳۰۷۸۱	۱۰۴	۱۱۲۴			۸۱۵۲
۱۸۱۰	۳۴۷۷	۱۱۶۷	۹۴۹			۱۳۲۶۸
۱۸۱۱	۱۶۰	۹۵۵	۲۶۲۳			۱۴۳۲۵
۱۸۱۲	۰۰۰۰	۱۴۷۱	۱۸۸۹			۱۲۷۰۳
۱۸۱۳	۱۱۷۰۵	۵۵۷	۶۳۸			۲۳۶۷۲
۱۸۱۴	۲۱۵۸۷	۹۱۹	۱۷۸۶			۱۶۵۴۴
۱۸۱۵	۱۷۲۲۸	۳۸۴۲	۲۷۹۹			۲۶۲۲۱
۱۸۱۶	۸۵۰۲۴	۲۷۱۱	۸۸۸۴			۱۵۰۴۰
۱۸۱۷	۵۰۱۷۶	۱۹۰۴	۲۲۶۰			۱۵۵۸۲
۱۸۱۸	۱۲۷۱۲۴	۵۳۶	۲۰۶۶			۱۳۰۴۴
۱۸۱۹	۳۰۶۶۳	۳۱۸۶	۶۹۹۸	۴۶۸		۱۶۶۷۰
۱۸۲۰	۱۲۹۳۹	۲۱۳۰	۶۸۰۵	۵۲۲		۱۲۵۲۶
۱۸۲۱	۵۴۱۵		۶۹۷۷	۷۰۴		۱۲۶۳۵
۱۸۲۲	۶۵۴۴	۱۶۶۸	۷۸۹۳	۹۵۰		۱۹۷۵۱
۱۸۲۳	۱۱۷۱۳	۱۳۵۴	۶۳۵۷	۷۴۲	۱۴۱۹۰	۱۵۸۷۸

سال عیسوی	روئی	سوتی کپڑوں کے تھان	ریشم	ریشمینوں کے تھان	لاکھ اور لاکھی رنگ	نیل
	گٹھے	گٹھے	گٹھے	گٹھے	من	پیٹیاں
۱۸۲۴	۱۲۴۱۵	۱۳۳۷	۷۰۶۹	۱۱۰۵	۱۷۶۰۷	۶۲۴۷۲
۱۸۲۵	۱۵۸۰۰	۱۸۷۸	۸۰۶۱	۱۵۵۸	۱۲۴۹۱	۱۶۸۳۷
۱۸۲۶	۱۵۱۰۱	۱۲۵۳	۹۸۵۲	۱۲۳۳	۱۳۵۷۳	۱۴۹۰۴
۱۸۲۷	۴۷۳۵	۵۴۱	۷۷۱۹	۹۷۱	۱۳۷۵۶	۳۰۷۶۱
۱۸۲۸	۴۱۰۵	۷۳۶	۱۰۴۳۱	۵۵۰	۱۵۳۷۹	۱۹۰۴۱
۱۸۲۹	۰	۴۳۳	(؟) ۷۰۰۰	۰	۸۲۵۱	۲۷۰۰۰

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپی مخلبند کی نیل سازی میں افزونی ہوتی گئی۔ کچے ریشم کی برآمد ایک ہی حال پر رہی مگر ریشمینوں کے تھانوں کی برآمد گھٹتی گئی۔ روئی کی برآمد میں بھی کمی ہو چلی تھی لیکن سب سے نمایاں کمی سوتی کپڑے کے تھانوں کی برآمد میں ہے انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی چار سال میں ممانعات اور امتناعی محصولات کے باوجود چھ اور پندرہ ہزار کے درمیان تھانوں کے گٹھے سالانہ کلکتے سے ممالک متحدہ برطانیہ کو بھیجے جاتے تھے۔ اس کے بعد سے ۱۸۱۳ء تک ان کی تعداد بہت گھٹتی گئی لیکن اسی سال خانگی تاجروں کے لئے اس تجارت کا دروازہ کھل جانے سے ۱۸۱۵ء میں اس کی تعداد میں غیر متوقع اضافہ تو ہوا مگر یہ محض عارضی تھا۔ ۱۸۲۰ء کے بعد سے سوتی تھانوں کا تانتا اور ان کی برآمد مسلسل ایسی گھٹتی گئی کہ پھر اس میں کبھی اضافہ ہی نہیں ہوا۔ ہندوستان سے دنیا کے دوسرے ممالک کو بالخصوص امریکہ۔ ڈنمارک۔ اندلس۔ پرتگال۔ موریشس اور ایشیا کی منڈیوں کو سوتی تھانوں کی جو برآمد تھی اس میں بھی اسی طرح کا انحطاط رونما تھا۔ امریکہ کو ۱۸۰۱ء میں ۱۳۶۳۳ گٹھے برآمد کئے گئے تھے۔ ۱۸۲۹ء میں وہ صرف ۲۵۸ رہ گئے۔ ڈنمارک جو ۱۸۰۰ء میں ۱۴۵۷ گٹھے لیتا تھا ۱۸۲۰ء سے ۱۵۰ گٹھوں سے زیادہ نہیں لینے لگا۔ پرتگال جو ۱۷۹۹ء

میں ۱۴،۰۷۹ گٹھے لیتا تھا۔ ۱۸۲۵ء کے بعد سے ہزار گٹھوں سے زیادہ نہیں لینے لگا سنہ ۱۸۰۱ء اور سنہ ۱۸۲۴ء کے مابین خلیج عرب اور خلیج فارس کو چار سے سات ہزار تک ان گٹھوں کی برآمد پہنچ گئی تھی مگر ۱۸۲۵ء کے بعد سے دو ہزار گٹھوں سے زیادہ تعداد کبھی ہوئی ہی نہیں۔

برخلاف اس کے ہندوستان کے ہاتھوں سے جتنی صنعت نکلنے لگی اتنے اتنے برطانیہ سے ہندوستان میں پردیسی بنے ہوئے تھان زیادہ درآمد ہونے لگے جس کے معاوضہ میں ہندوستان سے اناج باہر جانے لگا۔ ذیل کے اعداد بہت معنی خیز ہیں۔

بعض برطانوی اور پردیسی اشیائے تجارت جن کی درآمد صوبۂ مدراس میں بندرگاہ مدراس سے ہوئی تھی۔

سال عیسوی	[illegible]	لٹھے	ململ	ریزے	اطلس	[illegible]	بانات	شال	[illegible]	[illegible]
	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۲۴								۱۸۱		
۱۸۲۵								۹۲۰		
۱۸۲۶			۳۳۲	۹۰۳	۳۱۲		۸۳۵	۱۱۵۹		۶۱۴
۱۸۲۷	۵۱۰	۴۷۰	۹۴۱	۵۳۶	۶۳۷		۲۱۷۶	۷۰۴	۶۰۱	۹۱۵
۱۸۲۸	۲۱۹	۳۸۰	۷۸۹	۹۵۸	۵۹۳		۹۱۵	۱۱۱۵	۴۸۱	۱۳۱۰
۱۸۲۹	۳۵۲	۳۴۸	۵۹۸	۴۷۴	۸۵۳	۴۴۴	۱۴۱۷	۴۰۹	۵۸۱	۸۴۴
۱۸۳۰	۳۷۲	۰	۲۲۴	۱۱۲۱	۵۷۷	۱۳۶	۱۱۵۸	۴۷۶	۳۶۵	۴۵۷

بعض برطانوی اور پردیسی اشیائے تجارت جن کی درآمد بنگالے میں بندرگاہ کلکتہ سے ہوئی تھی ۔

سال عیسوی	بانات کے تھان	سوت کے تار پونڈ (وزنی)	سوتی دھاگا پونڈ (وزنی)	چرخی دھاگا پونڈ (وزنی)	کپڑوں کے تھانوں کی قیمت پونڈ انگلشیہ	شراب کی قیمت پونڈ انگلشیہ میں
۱۸۱۳	۳۳۰۱					۵۲۲۵۳
۱۸۱۴	۴۶۳۵					۵۷۲۰۱
۱۸۱۵	۳۹۰۸					۵۹۴۶۲
۱۸۱۶	۴۷۰۷					۵۶۴۱۱
۱۸۱۷	۲۳۵۵					۵۳۱۵۷
۱۸۱۸	۵۶۳۳					۳۶۷۱۲
۱۸۱۹	۹۲۴۴					۲۰۹۸۸
۱۸۲۰	۵۵۴۶					۲۶۰۴۹
۱۸۲۱	۷۵۹۰					۳۰۳۸۲
۱۸۲۲	۵۱۰۸					۴۶۲۳۵
۱۸۲۳	۷۳۴۶				۶۴۴۴۹	۳۰۱۲۹
۱۸۲۴	۵۴۰۱				۴۳۰۲۰	۲۲۳۳۹
۱۸۲۵	۱۳۹۸۱				۱۵۸۰۷۶	۱۴۲۲۳
۱۸۲۶	۹۶۲۹				۱۷۸۴۸۱	۲۶۰۵۸
۱۸۲۷	۵۴۳۰	۸۲۷۳۸	۴۳۲۸۷۸	۳۳۹۲۳۴	۲۹۶۱۷۷	۸۰۵۹۵
۱۸۲۸	۷۶۰۹	۱۳۹۰۷۶	۶۴۲۳۰۶	۴۶۴۷۷۹	۲۲۵۸۳۷	۴۱۱۴۲
۱۸۲۹	۱۱۸۳۸	۹۸۱۵۴	۳۹۸۹۳۰	۹۱۸۹۴۶	۱۹۷۴۹۰	۳۱۳۱۱

سنہ ۱۸۱۳ء میں ٹامس منرو نے دارالعوام کی کمیٹی کے سامنے جو اظہار دیا

اس میں اس خیال کا پیرو کی کے شمال ہندوستان کے نفیس شالوں کی جگہ ریشمی جگہ نے لے لی تھی خوب ہی مضحکہ اڑایا تھا۔ ۱۸۲۴ء میں ٹامس منرو ہی گورنر مدراس تھا اور یہ دیکھ کر کہ ہندوستانی صنایع کی جگہ یورپی شالوں کو نیز ململ اور کپڑے کے تھانوں کو اور بانات اور پشمینوں کو رواج دیا جا رہا ہے اس کو ضرور تردد لاحق ہوا ہوگا۔ ٹامس منرو کی طرح ایک اور ہمدرد منتظم سلطنت سرجان میلکم نامی ۱۸۳۰ء میں بمبئی کا گورنر تھا اس نے بھی حیرت و پریشانی کے ساتھ ہی دیکھا کہ ہندوستانی صنعتیں تباہ و برباد ہو رہی تھیں اور ہندوستان کے لوگوں میں روز بروز افلاس پھیل رہا تھا۔

"مجلس نظماء کے مراسلے میں مرقوم ہے کہ ان کی توجہ بطور خاص اس مضمون پر مبذول کی گئی ہے ہندوستان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ انگلستان کو ایسی پیداوار خام کی ایک کثیر مقدار جس پر نہایت ہی بیش بہا برطانوی صنائع کا مدار ہے بھیجتا رہے تاکہ برطانیہ عظمیٰ کو غیر ممالک کی احتیاج باقی نہ رہے۔

"اتنا میں ضرور کہوں گا کہ ہم صرف اس قسم کی پیداوار کو رواج دیکر جیسے کہ ریشم ہے نیز روئی کی پیداوار کو بہتر بنا کر اور شکر بنانے اور صاف کرنے کی جو کوششیں ہم نے حال ہی میں شروع کی ہیں ان کو کامیاب بنا کر ہم اپنے کئی اضلاع کی پھر ڈھارس بندھا سکتے ہیں اور ملکی ذرائع کو برقرار رکھ سکتے ہیں "ایسی نفع بخش پیداوار کے لئے جس کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے نیز اناج کے علاوہ دوسرے اشیاء کی پیداوار کے واسطے لوگوں کے دل بڑھا کر اور تجارت خارجہ میں نئی روح پھونک کر اور صاحب ثروت اور حوصلہ مند لوگوں کو اس بات پر آمادہ کر کے کہ وہ ملک کے اندرونی علاقوں میں بس جائیں یا سکونت اختیار کریں، صرف انہی تدبیروں سے ہم ملک کی ڈھارس بندھا سکتے ہیں اور اسے اپنے محاصل ادا کرنے کے قابل بنا سکتے ہیں۔ اس مقصود کی تکمیل کے لئے دیسی لوگوں کو جو ہمارے زیر نگیں اور زیر نگرانی ہیں استعداد و جوہر ذاتی اور جوش و مستعدی کی کچھ احتیاج نہیں لیکن اس کے لئے پہلے ان کی جھجک نکالنا ضروری ہے۔ اس کام کے سرانجام کے لئے ایک ایسی حکومت کی کامل سرگرمی پوری قوت اور فراخ حوصلگی صرف ہونا ضروری ہے جو اپنی خوشحالی اور اپنے

ذی اقتدار ملت کی خوش حالی کو یکساں کر دینا بہتر جانتی ہے"۔
سر جان میلکم کو یا تو یہ نظر ہی نہ آیا یا اُنھوں نے یہ بیان کرنا نامناسب سمجھا کہ جب خود فرمانروا قوم کی عین مقررہ حکمت عملی یہ ہو کہ سارا ہندوستان محض خام پیداوار ہی کی سرزمین بنجائے اور وہ بھی اس غرض سے کہ "انگلستان کو خام پیداوار کی ایک ایسی مقدار کے لئے جس پر نہایت ہی بیش قیمت برطانوی صنائع کا مدار تھا غیر ملک کی احتیاج نہ رہے" تو پھر اس حالت میں ایک زیر نگیں قوم کی صنعتی خوشحالی ناممکن ہے۔

ہندوستان میں اس حکمت عملی کے اجرا کے متعلق انگلستان میں ملک کی خدمت کرنے والوں یا ملکی معاملات پر مضامین لکھنے والوں نے کبھی ایک حرف بھی نہ اپنی زبان سے نکالا نہ لکھا۔ اقتصادیات کے بڑے بڑے ماہرین وقت نے جنکا سرگروہ ریکاڈو تھا اس مضمون پر کچھ کہا ہی نہیں۔ قوانین غلہ کے خلاف جن پیشوایان قوم نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا اور کاریگروں اور مزدوروں کو سستی روٹی بہم پہنچانے کے لئے انگلستان کے مالکان زمین سے حق بجانب اور کامیاب مقابلہ کیا تھا اُن تک نے اس حکمت عملی کے متعلق جس سے ہندوستان کے لکھو کھا جولاہوں اور کاریگروں کے منہ کا نوالہ چھین گیا تھا کچھ کہا نہ سمجھا کابڈن اور برائیٹ نے جو اپنے زمانے کے سب سے زیادہ فراخ دل اور بلند اور روشن دماغ انگریز تھے قوانین غلہ کے خلاف ملک میں ایک کھلبلی سی ڈالدی تھی جس میں انھیں آخر کار کامیابی ہوئی اور سر رابرٹ پیل کو جس نے ۱۸۴۶ء میں ان قوانین کی تنسیخ کی تھی یہ گھمنڈ تھا کہ انگریز جب کبھی اپنی گئی ہوئی طاقت کو جسم میں واپس لانے کے لئے افراط کے ساتھ بلا محصول روٹی کھائیں گے جس میں ناانصافی کا خمیر نہ ہو گا اور اس لئے وہ زبان کو زیادہ میٹھی بھی لگے گی تو ہر لقمے پر رابرٹ پیل کا نام لیا کریں گے لیکن ہندوستانی کاریگروں اور صناعوں کی روٹی میں ابھی تک وہی ناانصافی کا خمیر ملا ہوا ہے اور آج تک کسی مدبر نے ان کی قدیم اور تباہ شدہ صنعتوں کی حفاظت اور نشو ونما یا ان کے دوبارہ زندہ کرنے میں دل لگا کر کبھی کوشش ہی نہیں کی۔

اقلیم یورپ کے ماہرین اقتصادیات البتہ اس قابل تھے کہ وہ ان واقعات پر ایک غیر جانبدارانہ رائے قایم کر سکیں۔ اور نہایت آزادی کے ساتھ بھی کھول کر جو چاہیں کہیں۔ اقتصادیات پر ایک مستند تصنیف میں جو ۱۸۴۴ء میں جرمنی میں لکھی گئی تھی جبکہ قوانین غلہ کی نا انصافی کے مسئلے میں سارے انگریز ماہرین اقتصادیات منہمک تھے ایک جرمن ماہر فن نے اس سے بھی زیادہ سنگین نا انصافی کو جو ہندوستان میں سرزد ہوئی تھی بتایا ہے۔

"اگر انگریزوں نے انگلستان میں ہندوستانی سوتی اور ریشمی پارچہ جات کی آزادانہ درآمد کو منظور کر لیا ہوتا تو سوت اور ریشم کے انگریزی کارخانے مجبوراً جلد سے جلد بند ہو گئے ہوتے۔ ہندوستان کو نہ صرف ارزاں محنت اور کم قیمت خام پیداوار کی وجہ سے فوقیت حاصل تھی بلکہ اُسے صدیوں کی مشق اور مہارت اور تجربہ بھی حاصل تھا۔ آزادانہ مسابقت کے طریقہ کے تحت یہ فوائد اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

انگلستان کو صنعت و حرفت میں ہندوستان کا دست نگر بننے کے لئے ایشیاء میں نوآبادیات قائم کرنا پسند نہ تھا۔ اسی لئے انگلستان نے تجارتی سلوت اعلیٰ حاصل کرنے کی کوشش کی اور یہی محسوس کیا کہ ان دو ممالک میں جن میں باہمی آزاد تجارت قایم ہے اسی ملک کو سلوت اعلیٰ حاصل ہوگی جو مصنوعات کی فروخت کرتا ہے اور وہی ملک دست نگر بنا رہے گا جو محض زرعی پیداوار بیچتا ہے شمالی امریکہ کی نوآبادیات میں انگلستان انھیں اصول پر کاربند تھا چنانچہ ان نوآبادیات میں گھوڑوں کے نعل کی ایک کیل تک بنانے کی اجازت نہ تھی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہاں کی بنی ہوئی ایک کیل بھی انگلستان میں درآمد کرنے کا حکم نہ تھا ان حالات میں یہ توقع کیونکر کی جاسکتی تھی کہ خود انگلستان اپنی صنائع کی منڈی جس پر اس کی آیندہ عظمت کی بنیاد تھی ایسے لوگوں یعنی ہندوؤں کی نذر کر دے گا جن کی تعداد اس قدر بے شمار تھی اور جو اس درجہ کفایت شعار اور صناعی کے قدیم نظام میں پختہ اور مکمل ہو چکے تھے۔

انھیں اسباب کی بنا پر انگریزوں نے ہندوستانی کارخانوں کے سوتی

اور ریشمی پارچہ جات کی اپنے یہاں درآمد ہی روک دی کیونکہ یہی چیزیں خود اس کے کارخانوں میں بھی تیار کی جاتی تھیں۔ یہ امتناع بالکل مکمل اور قطعی تھا ان پارچہ جات کے ایک تار کے بھی استعمال کی اجازت انگلستان نے نہیں دی تھی۔ ان ارزاں اور خوشنما پارچہ جات میں ایک تھان لینا بھی انگلستان کے پسند خاطر نہ تھا۔ کیونکہ انھیں اپنے ہی گھٹیا اور زیادہ قیمتی کپڑے صرف میں لانا منظور تھا البتہ یورپ کی دوسری اقوام کو ہندوستان کے نہایت ہی نفیس پارچہ جات سستے مول لادینا اور ان کو ارزانی کے سارے فوائد نذر کر دینا انگلستان کی عین خوشی تھی لیکن خود کچھ لینا قبول نہ تھا۔

"کیا انگلستان کا یہ طرز عمل احمقانہ تھا؟ اگر آدم اسمتھ اور جے بی سے کے نظریوں یعنی نظریہ قدر کو پیش نظر رکھا جائے تو بے شک ان کا یہ طرز عمل قطعی احمقانہ تھا کیونکہ ان کے اصول کے موافق انگلستان کو چاہیے تھا کہ اپنی ضرورت کا سامان وہیں خرید تا جہاں بہتر سے بہتر مال ارزاں سے ارزاں قیمت پر مل سکتا تھا جس قیمت پر یہ مال دوسری جگہ خریدا جا سکتا تھا اس سے زیادہ لاگت پر اپنے لئے خود مال بنانا اور ساتھ ہی ساتھ ارزانی کا سارا فائدہ اقلیم یورپ کی نذر کر دینا سراسر بے وقوفی کی بات تھی۔

"لیکن ہمارے نظریے کے موافق جس کا نام ہم نے "نظریۂ قوت پیدائش" رکھا ہے اور جس کو انگریزی وزارت نے اس کی بنیاد کی تحقیق کئے بغیر خام پیداوار کی درآمد اور پارچہ جات کی برآمد کا طریقہ نافذ کر کے عملی طور پر اختیار کر لیا تھا انگلستان کا یہ طریق عمل احمقانہ نہ تھا۔

"وزرائے دولت انگلشیہ کو ارزان اور ناپائدار مصنوعات حاصل کرنے کی پروا نہ تھی لیکن اس سے زیادہ بیش بہا اور پائدار "قوت صنعت گری" کی تحصیل کی فکر لگی ہوئی تھی۔

اوپر کے اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے اواخر ہی سے برطانوی ماہران اقتصادیات آزاد تجارت کے اصول کو مانتے تھے تاہم برطانوی قوم اس وقت تک اس اصول کی پیروی سے انکار کرتی ہی

جب تک کہ اس نے ہندوستان کی "صنعتی قوت" کو فنا نہ کر دیا اور اپنی "صنعتی قوت" کو پورے طور پر مستحکم نہ کر لیا اس کے بعد کہیں برطانوی قوم نے آزاد تجارت اختیار کی اور دوسرے اقوام کو آزاد تجارت کے اصول قبول کرنے کی دعوت دی۔ دوسرے اقوام بہ شمول نوآبادیات برطانیہ اس بات کو بہتر جانتے ہیں اور محاصل پر کار بند ہو کر اپنی "صنعتی قوت" کا نشو و نما کر رہے ہیں۔ لیکن ہندوستان کی رعایا کی "صنعتی قوت" ان کی صنعتوں کے خلاف محاصل جاری کر کے بالکل میٹ دی گئی اور اس کے بعد ان صنعتوں میں حیات تازہ نہ پیدا ہونے کے لیے "آزاد تجارت" ہندوستان کے گلے باندھی گئی۔

سترھواں باب

تجارت داخلہ۔ نہریں اور ریلیں

(۱۸۱۳ء ۱۸۳۵ء)

ہندوستان کی تجارت داخلہ پر ان تباہ کن محصولات راہداری کی وجہ سے جو پچھلی صدی سے اب تک جاری تھے ایک مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب پہلی دفعہ اس ملک میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم جمے تو وہ محض کمپنی کی درآمد و برآمد کی تجارت کو ان سب محصولات راہداری سے مستثنی کرنے کی وجہ سے تھا جو ملک کی ساری تجارت داخلہ پر بلا استثناء عائد تھے اور یہ بھی یاد ہوگا کہ جب کمپنی کے عاملوں نے اپنی خانگی تجارت کے لئے بھی اسی استثناء کا مطالبہ کیا تو نواب میر قاسم کے دل میں شاندار فیاضی کی ایک لہر جو آئی اس نے بنگالے میں تمام محصولات راہداری ہی کو یکقلم موقوف کر دیا۔ اور اسی فیاضی کا نتیجہ تھا کہ تخت و تاج کھو دیا۔

آخر کار جب ۱۷۶۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی مسلمہ طور پر بنگالے کی مالک بن گئی تو اب وقت آگیا تھا کہ میر قاسم کی پیش کردہ مثال کی پیروی کی جائے جس سے ہندوستان کی تجارت داخلہ کو ان محصولات سے جو ترقی کے مزاحم تھے نجات ملے۔ لیکن ان محصولات سے خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو آمدنی تو ضرور تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے محاصل کے ذرا سے حصے سے بھی دست بردار ہونے میں نہایت سستی کرتی تھی۔

انگریزی راج میں محصولات راہداری نوابان بنگالہ کے عہد حکومت کے بہ نسبت زیادہ تکلیف دہ بن گئے تھے۔ کیونکہ کمپنی کے دست قدرت کی دور تک رسائی تھی۔ اور کمپنی کی طاقت مطلق العنان اور مسلمہ تھی اور ہر چوکی پر ایک معمولی تنخواہ پانے والے عہدہ دار کو بھی لوگوں پر زیادہ ظلم ڈھانے کے ذرایع حاصل تھے۔ یہ خرابی بلا وقفہ ساٹھ سال تک یونہی بڑھتی چلی گئی۔ چنانچہ ۱۸۲۵ء تک میں "معتمد ملکی" ہولٹ میکنزی نے نہایت ہی پر زور الفاظ میں اس پر نکتہ چینی کی تھی۔

"بعض اشیائے تجارت کو کسی پریسیڈنسی (صوبہ) میں پہنچانے سے پہلے محصول خانوں سے لات مکا کھانا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی چوکیوں سے بھی گزرنا پڑتا تھا اور اس ملک کی خاص اشیائے تجارت میں سے کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس طرح کی مسلسل مزاحمت سے بچتی ہو۔

"اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ وہاں نہ استحصال بیجا ہوتا تھا اور نہ تاخیر واقع ہوتی تھی تب بھی یہ نظام بجائے خود ملک کے اندرونی تجارتی ربط ضبط اور تعلقات کے واسطے ایک رکاوٹ کا باعث تھا کیونکہ دو اضلاع کے درمیان جن کی حد فاصل چنگی کی چوکیوں کی ایک قطار بنی ہوئی تھی تجارتی اشیا کا باہمی مبادلہ اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ قیمت کا فرق نہ صرف انتقال مال پر محصول برآمد اور دیگر مصارف کے لئے مکتفی ہو بلکہ ۵ یا $\frac{1}{2}$ ۷ فیصدی محصول کی بھی کفالت کرتا ہو جو خود حکومت نے لگایا تھا۔ اس طرح قیمتوں کی فطری عدم مساوات سنگین تر ہو گئی تھی۔ اور ہر ایسے اصول کے خلاف جو محصولِ صرف پر واجبی طور پر منطبق ہو سکتا ہے انھیں مقامات پر یہ بار زیادہ تھا جہاں محصول سے قطع نظر

صارف کو اور جگہوں سے زیادہ دینا پڑتا تھا۔
"لیکن حکومت کے مطالبات میں چنگی کے عہدہ داروں کے مطالبات بھی اگر شریک کر دیئے جائیں تو یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی تجارت جو مختصر اصل پر ہی جاری رہ سکتی تھی مطلقاً رک جائے گی۔ متمول تاجر منفد ورر کھتا ہے کہ اس پر جو ممکنہ انتہائی مطالبہ کیا جائے اسے ادا کر دے کیونکہ بڑے شغل اصل پر کثیر رشوت بھی ہو تو کچھ ایسا بار نہیں پڑتا اور اس کا رتبہ اور اس کی دولت یہ چیزیں شدید رشوت ستانی سے اس کو محفوظ رکھیں گی لیکن ایک چھوٹے بیوپاری کے لئے جو جان کو جوکھوں میں ڈال کر منافع کماتا ہے غالباً سارے کا سارا اثاثہ معمولی محنتانے ہی میں صرف ہو جائے گا۔ اور مطالبے کے اعتدال سے بڑھ جانے پر تو اس کے پاس بچاؤ کی کوئی صورت ہی نہ رہے گی۔
"اب تک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان میں حکام وقت اور عام طور پر تاجروں کے گروہ کی توجہ ممالک متحدہ برطانیہ کی صنعتوں کے لئے ایک نئی منڈی پیدا کرنے کے مقصد پر ہی زیادہ مبذول تھی۔ اسی وجہ سے ہندوستان کی تجارت برآمد کے مقابل تجارت درآمد پر ان کی نظریں زیادہ لگی ہوئی تھیں چنانچہ ۱۸۱۰ء کے مجریہ دستور العمل (۹) میں جو محصول مقرر ہوئے تھے وہ بہت سے تجارتی اشیاء کے انگلستان سے یہاں لانے پر اٹھا دیئے گئے تھے حالانکہ برآمد میں سے صرف نیل۔ روئی۔ اون اور سن کو محصول سے مستثنٰی کیا گیا تھا۔ اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ بھی جو ہوا تو وہ ہندوستانیوں کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض انگریزوں کے اغراض میں ....
"ان اشیاء پر غور و خوض کرنے کے بعد جن پر کلکتے کی تجارت مشتمل ہے اور اس نرخ محصول پر بھی جس کی ہر شئے متحمل ہو سکتی ہے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بہت بڑے ایثار کے بغیر کم سے کم محصولات نمک ہی جو مغربی سرحد پر نمک کے اجارہ کی حفاظت کے لئے ضروری معلوم ہوتے ہیں قایم رہیں تو ملک کو ہمارے چنگی کے محصول کی ضرر رسانی سے نجات مل سکتی ہے۔
محصولات درآمد و برآمد میں کوئی تبدیلی کئے بغیر اگر صرف ملک کے اندرونی

محصولات برخاست کر دیے جائیں تو محاصل میں بقدر (۳۳ لاکھ ۳۲۰۰۰۰ پونڈ) فوری نقصان ہوگا۔ اور اگر مغربی نمک پر محصول برقرار رہے تو بھی ۲۲ لاکھ (۲۲۰۰۰۰ پونڈ) کا خسارہ ہوگا۔ مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ اس تمام نقصان کی فوری تلافی سمندر کی راہ سے جو درآمد و برآمد ہے اس پر نئے محصول لگانے سے نہیں ہوگی مگر اس کے ایک بڑے حصے کی تلافی ہو جائے گی۔ اور جس قدر مجوزہ انتظام کے زیر اثر تجارت بڑھے گی جس کی مجھے توقع ہے اور ہمیں عملے میں تخفیف کرنے کا موقع ملے گا اسی قدر باقی کمی خالص نقصان نہیں سمجھی جا سکتی۔"

لیکن ہولٹ میکنزی نے بہروں کے آگے یہ بین بجائی تھی ایسٹ انڈیا کمپنی ۲۲۰۰۰۰ پونڈ کے محاصل یا اس کے کسی جزو کو ہندوستان کی تجارت داخلہ کو فروغ دینے کی خاطر قربان کرنے پر آمادہ نہ تھی زبان سے تو ہندوستان کے لوگوں کی مادی فلاح کے لئے بہت کچھ تشویش و تردد کا اظہار کیا جاتا تھا لیکن اس کی تائید میں ایک شلنگ کا بھی ایثار گوارا نہ تھا۔ اگر محصول راہداری کی موقوفی کا انحصار ایسٹ انڈیا کمپنی پر ہی ہوتا تو یہ ان کے نظم و نسق میں کبھی موقوف ہی نہیں ہونے پاتا۔

خوش نصیبی سے خود کمپنی کے عاملوں نے کمپنی کے ہاتھ باندھ دیئے تھے۔ کمپنی کے گورنر جنرلوں میں سب سے بہتر اور سب سے بڑا گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنک تھا جو ۱۸۲۸ء میں ہندوستان بھیجا گیا اس نے سر چارلس ٹریویلین کو محصول راہداری کی تحقیقات کرکے رپورٹ پیش کرنے پر مقرر کیا تھا۔ ٹریویلین نے اپنی مشہور رپورٹ میں بلا کم و کاست اس نظم کی ساری خرابیوں کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوابان بنگالہ کے عہد حکومت میں جو حالت تھی اس سے کہیں زیادہ خرابیاں انگریزی راج میں تھیں۔ تاجروں کو ملک میں ہر جگہ رشوت ستانی اور تاخیر کی تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ اور چنگی کے عمال کے استحصال ناجائز سے جن کی تنخواہیں اس قدر کم تھیں کہ وہ رشوت کے بغیر گزارا نہیں کر سکتے تھے۔ مصنوعات کے فنا ہونے کے ساتھ ساتھ تجارت داخلہ کی بھی سرد بازاری ہو چکی تھی مسافر طرح طرح سے پریشان

کیئے جاتے تھے اور چنگی کے محصول خانوں کی قطاروں سے گزرتے ہوئے عورتوں کی آبرو بھی محفوظ نہ تھی۔ اتنے خفیف وحقیر محاصل کی خاطر ملک میں مظالم ہوتے تھے اور ایک اندھیر پھیلی ہوئی تھی۔ لارڈ ولیم بنٹنک نے ٹریویلین کی رپورٹ کیا شایع کی کہ محصول راہداری کا کوس رحلت بجا دیا۔

انگلستان میں لارڈ ایلن برو نے اس رپورٹ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے خاص پر زور الفاظ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس نظام کے تمام نقائص ۱۸۳۵ء میں بتا دیئے۔

"ہندوستان میں انگلستان کے سوتی مصنوعات کی درآمد تو صرف ۲ ½ فیصد محصول ادا کرنے پر ہوتی ہے لیکن ہندوستان کے سوتی مصنوعات پر خام پیداوار کی بابتہ ۵ فی صدی محصول دھاگے کی بابتہ مزید ۷ ½ فیصدی اور بنے ہوئے کپڑے کی بابتہ مزید ۲ ½ فیصدی اور اگر سفید کپڑے کے نام سے پروانہ حاصل کر لینے کے بعد اسے رنگا جائے تو مزید ۲ ½ فیصدی محصول لگائے جاتے ہیں۔ اس طرح ان سوتی کپڑوں پر جو ہندوستان ہی میں صرف ہوتے ہیں کل ۱۷ ½ فیصدی محصول ادا ہوتا ہے۔

خام چرموں پر ۵ فیصدی محصول ادا ہوتا ہے اور دباغت کے بعد چرموں پر ۵ فی صدی مزید محصول ہے اور اگر ان کے بوٹ اور شوز بنائے جاتے ہیں تو ان پر اور ۵ فی صدی محصول عائد ہوتا ہے اس طرح ہندوستانی چمڑے کے سامان پر جو ہندوستان ہی میں استعمال ہوتا ہے ۱۵ فی صدی محصول ہے۔

"شکر کے ساتھ ہم کیا کر رہے ہیں؟ جب کسی قصبے میں شکر درآمد کی جاتی ہے تو اس پر ۵ فی صدی محصول تو بابتہ چنگی لیا جاتا ہے اور مزید ۵ فی صدی محصول قصبے کے نام سے وصول کیا جاتا ہے اور شکر سازی کے بعد جب شکر قصبے سے برآمد ہوتی ہے تو اس پر ۵ فی صدی اور دینا پڑتا ہے اس طرح ہندوستانی شکر پر جو ہندوستان ہی میں مستعمل ہوتی ہے جملہ ۱۵ فی صدی محصول ادا ہوتا ہے۔

"ان جدا جدا اشیاء کی تعداد جن پر محصول راہداری ہے ۲۳۵ سے کم نہیں

نز خانۂ محصول میں ذاتی یا گھر کے استعمال کی ہر چیز داخل ہے ان محاصل کا علاوہ آمدنی نیز تلاشی کا طریقہ جو اس کے ساتھ وابستہ ہے محاصل کو کوئی خاص فائدہ پہنچائے بغیر انتہا درجہ ایذا رساں اور ناگوار معلوم ہوتا ہے اگر کروڑگیری کا ہر عہدہ دار تلاشی کا اختیار حقیقی طور پر استعمال کرنے لگے تو جو تعویق اس لازمی طور پر واقع ہوگی وہ تجارت داخلہ مسدود کر دینے کے لئے کافی ہے مگر یہ اختیار محض رشوت ستانی کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے ورنہ نہیں۔

"اس کا اثر جس قدر قومی دولت پر پڑتا ہے اس سے کہیں زیادہ قومی اخلاق پر پڑتا ہے۔ ہر تاجر ہر صانع اور ہر مسافر گویا اس بات پر مجبور ہے کہ اپنی ملک کی حفاظت یا اپنی ذاتی آسایش اور بچاؤ کے لئے اور اکثر تو اپنے خاندان کی عورتوں کے احساسات کی محافظت کی خاطر عہدہ داران سرکاری کے ساتھ ناجائز طور پر ساز باز رکھے۔ یہ وہ نظام ہے جس میں خود ہمارے لوگ بداخلاقی سیکھ جاتے ہیں اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ اسی پر ایشیا کے تمام پردیسی تاجر سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

ہم یہ اختیار خود چھ کروڑ نفوس کی اندرون ملک آمد و رفت کو فوراً پورے طور پر آزاد کر سکتے ہیں جب یا خندگان بنگالہ محنتی ہیں اور ایک ایسا ملک ان کے قبضۂ میں ہے جو زرخیز بھی اور جس میں سے اس سرے سے اس سرے تک کشتی رانی کے قابل ایک دریا بھی گذرتا ہے۔ جب کہ وہ پردیسی جنگ کے اثرات سے دور نہیں۔ اور ان کی املاک قوانین کے غیر جانبدارانہ عدل وانصاف کے تحت محفوظ حالت میں ہیں تو پھر ان کو اپنی حکومت کی ایک بصیرت نما حکمت عملی سے عام خوش حالی کے ایسے وسیع ذرایع دستیاب ہو سکتے ہیں جو دنیا کی کسی اور قوم کو نصیب ہی نہیں!!

لیکن لارڈ ایلنبرو نے بھی گو اسی طرح اندھوں کو آئینہ دکھایا۔ مجلس نظماء نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ۔ حکومت ہند انگلستان کے حکام کی رائے سے جو اس محصول کے مضر اثرات کے بارے میں ہے بخوبی واقف ہے اور ان کی اس خواہش سے بھی کہ جس وقت یہ سمجھا جائے کہ

اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تو یہ محصول بالکل موتوف ہوجانا چاہئے لیکن مجلس نظار سردست مقامی حکومت کے نام قطعی ہدایات صادر کرنے کو قبل از وقت اور خلاف مصلحت سمجھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی وہی طرز عمل اختیار کیا جو بدقسمتی سے عام ہوچلا ہے یعنی مقامی حکومت کے نام ونمود کی آڑ میں خود بھی چھپ گئے اور اپنے اصلاح نہ کرنے کے خیال کو بھی چھپا لیا۔
مگر بدنصیبی سے اب کے اس پردے سے ان کی پردہ پوشی نہ ہوسکی ٹریولین کی رپورٹ کے شایع ہوجانے سے ہندوستان کی رائے عامہ میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا تھا اور مسٹر راس نے بطور خود اپنے حلقۂ اختیار میں جتنے محصول خانے تھے ان سب کو برخاست کردیا۔ لارڈ ولیم بنٹنک کے قائمقام نے اس کے بعد ہی یکم مارچ ۱۸۳۶ء میں بنگالے کے سب محصولخانے برخاست کردئیے۔ اور قصبوں میں داخل ہونے پر جو محصول دینا پڑتا تھا وہ بھی یکم مے ۱۸۳۶ء میں کلیتہً موتوف کردئیے۔ مجلس نظار کے لئے یہ طریق عمل منظور کرنا اب ناگزیر ہوگیا تھا بایں ہمہ وہ گورنر جنرل پر اس تاسف کے ظاہر کرنے سے نہ چوکی کہ " نقصان محاصل کی تلافی کا کوئی مفید مطلب منصوبہ سوچنے کے بغیر آپ نے اس طرز عمل کو اختیار کرنے میں بڑی تعجیل کی"!
آب ہم اس تاریخ تک پہنچ گئے ہیں جبکہ ملکۂ وکٹوریہ برطانوی شاہنشہی کے تخت پر جلوہ افروز ہوئیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ محصول راہداری کے قصے کو ختم کرنے کے لئے ہم اس سے چند سال آگے کے قصے کو بھی بیان کردیں۔ لارڈ آکلینڈ ۱۸۳۶ء میں وارد ہندوستان ہوچکا تھا اور ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت کا سب سے پہلا گورنر جنرل یہی تھا۔ بدنصیبی سے اس نئے جلوس کی بالکل ابتدا ہی میں ایک حیرت انگیز نادانی کا فعل ہندوستانی ارباب نظم ونسق سے ایسا سرزد ہوا جس سے انجام کار ایک بڑی شدید آفت کا سامنا ہوگیا۔ لارڈ ولیم بنٹنک نے امن تخفیف مصارف اور اصلاح کے لئے جس حکمت عملی کی ابتدا کی تھی اس کی پروا نہ کرکے لارڈ آکلینڈ نے ۱۸۳۸ء میں پہلی جنگ افغان مول لے لی اس جنگ کا انجام یہ ہوا کہ ایک جرار قوم سے دوستی کے بجائے دشمنی ہوگئی۔

۱۸۴۲ء میں سخت ہزیمت اور پسپائی ہوئی۔ ۴۰۰۰ ہزار سپاہی اور ۱۲۰۰۰ ہمراہی و منہ جنگ میں کام آئے۔ اور ہندوستان کی سرحد سے باہر اس جنگ میں ہندوستان کے محاصل کا بھی نقصان عظیم ہوا۔

لارڈ ایلنبرو جس نے ۱۸۳۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو محصول راہداری کے موقوف کرنے کے لئے بہت تنگ کیا تھا ۱۸۴۲ء میں گورنر جنرل مقرر ہوکر وارد ہندوستان ہوا۔ اس نے سندھ میں محصول راہداری ۱۸۴۳ء میں مسدود کر دیا۔ اور جالن کے علاقہ میں ۱۸۴۴ء میں اور ۱۸۴۴ء کے قانون ۶ کی رو سے صوبہ مدراس میں بھی یہ محصول موقوف کر دیا گیا۔

اس کے نو سال کے بعد جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا منشور تجدید کے لئے پھر پیش ہوا۔ تو اس وقت لارڈ ایلنبرو دار الامرا کی مجلس منتخبہ کا رکن تھا اور مسٹر چارلس ٹریویلین گواہوں میں کا ایک گواہ تھا۔ محصولات راہداری کا حوالہ دیتے ہوئے لارڈ ایلنبرو نے دریافت کیا کہ:۔

"کیا یہ اس وجہ سے نہیں ہوا تھا کہ لارڈ ولیم بنٹنک نے آپ کو اس مضمون پر پہلے تحقیقات کرنے بھیجا تھا جس کے بعد آپ نے رپورٹ پیش کی اور حکومت نے ان محصولات کو از روے قانون موقوف کر دیا"۔

مسٹر چارلس نے جواب میں یہ کہا کہ:۔ "اگر میری رپورٹ بغیر شایع ہوئے یونہی پڑی رہتی اور عام دستور کے موافق اس پر سرکاری بحث و مباحثہ ہوکر کام ختم ہو جاتا تو پھر محصول راہداری اور محصول شہرپناہ اٹھا دینے کے لئے غالباً سالہا سال لگتے اسکے بجائے رپورٹ شایع کر دی گئی اور ہر شخص اس کو پڑھ کر فوراً محسوس کرنے لگا کہ یہ نظام قطعی قابل انسداد ہے"۔

زمانہ حال کے ناظرین کی اطلاع کے لئے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس عہد میں جس کے متعلق ہم اس باب میں لکھ رہے ہیں ہندوستان میں ابھی ایک ہی وضع کا سکہ رائج نہیں ہوا تھا۔ کلکتے میں نقرئی سکہ کا روپیہ تھا۔ جو مدراس کے روپلے سے ۶ فیصدی قیمت میں زیادہ تھا۔ طلائی مہر جو قانوناً زر رائج الوقت تھی ۱۶ روپلے کے مساوی تھی مگر طلاء کی قیمت میں چونکہ اضافہ ہو گیا تھا اس لئے

یہ ۱۴ روپے کو بکتی تھی۔ اور اب بطور سکہ رائج نہیں رہی تھی۔ ہارسلی پامر نامی انگلستان بنک کے گورنر نے ۱۸۳۲ء میں اپنی شہادت میں یہ بیان کیا تھا کہ طلائی سکے کا نہ تو ہندوستان میں رواج ہے اور نہ یہ آیندہ رائج کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہاں نقرئی سکہ ہی چلتا ہے اور قانوناً بھی یہی رائج ہے۔۔۔۔ میں تو اس رائے کا بالکل مخالف ہوں کہ ہندوستان میں طلائی سکہ کا رواج بطور سکہ رائج الملک مناسب ہوگا۔"

انگلستان اور ہندوستان کے درمیان دریائے احمر سے دخانی جہازوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی تھی اس کے مصارف ابھی بہت زیادہ ہوتے تھے۔ ہیو لنڈ نامی جہاز بمبئی سے تینتیس ۳۳ دن میں سویز پہنچا تھا اور یہی مسافت اب اس کی ایک ربع مدت میں طے کی جاتی ہے۔

بنگالے کے دریاؤں پر دخانی کشتیاں وغیرہ چلانے کا خیال تھا اور تجربۃً کلکتے اور الہ آباد کے مابین ایک دریائی سفر بھی زیر بحث رہا تھا ۱۸۲۹ء ہی میں معتمد وقت ایچ ٹی پرنسپ نے اس مضمون پر ایک دلچسپ یادداشت پیش کی تھی جس میں لکھا تھا کہ چین کے سوا دنیا میں کوئی اور دریا ایسا نہیں ہے جس میں گنگا کے برابر کشتی رانی ہوتی ہو ۱۷۸۰ء میں تیس ہزار ملاح دریاؤں پر روزی کماتے تھے۔۔ اور اب تک ان کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے ہر شخص دریا پر کشتیوں کو (جن سے دریا کبھی خالی نظر نہیں آتا تھا) ہمیشہ ادھر ادھر قطار در قطار آتا جاتا دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا اور چونکہ ہر موسم میں ہر جگہ تقریباً یہی حالت رہتی تھی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس حد تک یہ شاندار دریا تجارت اور مسافروں کے بیشمار ضروریات پورے کرتا تھا۔ ہندوستان کی ریلوے کا موجودہ نظام تجارت کی ضرورتیں اس سے زیادہ کامیابی کے ساتھ پوری کرتا ہے لیکن اس کی تعمیر و ساخت پر دیسی اصل سے ہوئی ہے اور پردیسیوں ہی کو اس اصل کا سود بھی ملتا ہے جس سے لکھو کھا ملاحوں کشتی سازوں گاڑیبانوں اور بیل والوں کی روزی چلی گئی۔ جو آمد و رفت اب تک جانوروں کے ذریعہ سے ہوتی تھی اس کو نہروں اور ریلوں کے ذریعہ سے

طے کرنے کا مسئلہ بھی غور کرنے کے لئے پیش ہوا تھا۔ تخمینہ کیا گیا تھا کہ ایک نہر یا ایک ریل کی سڑک بنانے کی لاگت ایک ہی تھی یعنی تقریباً ۹۰۰ پونڈ فی میل اور اول الذکر سے ۱۰۹ پونڈ اور موخر الذکر سے ۷۰ پونڈ فی میل آمدنی ہو سکتی تھی۔

"ایسی نہر پہ ایسے سامان اور تعمیر کی ضرورت ہو گی جو آبپاشی کی نہروں کے لئے ضروری نہیں لیکن ان کی نوعیت بالکل ہی مختلف نہ ہو گی۔ ایسی گاڑیوں کی بجائے جن کو جانور کھینچتے ہیں ریل بنانا آسان ترین کام ہے اور اس میں بمقابل ذرائع آبپاشی کے مشکلات کم ہیں ریل کو نہروں پر اس لئے فوقیت ہے کہ ریل کو پانی کی چنداں ضرورت نہیں اور پانی کرناٹک میں کمیاب ہے لیکن سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ذرائع آبپاشی پر خواہ وہ جدید ہوں یا قدیم روپیہ اور مہارت صرف کرنا ملک کے اندرونی ذرائع آمد ورفت پر روپیہ صرف کرنے سے بہتر ہو گا کہ نہیں یہاں یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ اوپر کے تمام تخمینے اور بیانات حیوانی قوت ہی کے بارے میں درست ہوں گے اور اگر دخانی انجن استعمال کئے جائیں گے تو اس کام کی نوعیت میں بڑا مادی فرق ہو جائے گا۔ اور اس کے مصارف بھی بہت زیادہ ہو جائیں گے کیونکہ اول الذکر کی طرح موخر الذکر میں ایسے فوری نکڑ اور موڑ یا نشیب و فراز نہ ہوں گے چنانچہ منچسٹر اور لیورپول کی ریل کی سڑک کی لاگت فی میل ۲۵۰۰۰ پونڈ ہوئی حالانکہ قوت حیوانیہ سے چلنے والی ریل کی دوہری سڑکوں کی اوسط لاگت فی میل تقریباً ۵۰۰۰ پونڈ ہوئی تھی۔ .... یہ مناسب معلوم ہوتا ہے محکمۂ آبپاشی میں جو ہمیشہ کام ہوتے رہتے ہیں ان کے لئے پٹریاں اور مال گاڑیوں کے پہئے تھوڑی تعداد میں ہی سہی ہندوستان کو بھیجنا چاہئیں۔ تقریباً ہزار گز دوہری پٹری جیسی عارضی کاموں کے لئے انگلستان میں مستعمل ہے اور چالیس ریل کی مال گاڑیوں کے پہئے ۲۵۰ پونڈ میں بھیجے جا سکتے ہیں۔"

ہم نے اوپر کا اقتباس اس لئے پیش کیا ہے کہ ایسے مباحث کے آغاز کو ڈھونڈھ نکالنا جو حالیہ زمانے میں اس قدر وسیع اور اہم ہو گئے ہیں ہمیشہ

دلچسپی رکھتا ہے۔ نہروں اور ریلوں کی خوبیوں کے مقابل پر آیندہ قرون میں بحث جاری رہی اور جیسی کہ توقع تھی ریلوں کو اس لئے ترجیح دی گئی کہ ان سے ہندوستان کے ساتھ برطانیہ کی جو تجارت تھی اس میں سہولتیں پیدا ہوتی تھیں اور نہروں کو اس لئے نظر انداز کر دیا گیا کہ ان سے ہندوستانی زراعت وغیرہ کو فائدہ پہنچتا تھا ہندوستانی نظم و نسق پر برطانوی تجارت کا اس قدر اثر تھا کہ ہندوستان کی حکومت نے ہندوستان کے محاصل میں سے ان کمپنیوں کو جو ہندوستان میں ریل کی سڑکیں بنانے والی تھیں سود کی ایک خاص شرح عطا فرمادی اور ریلوں کی تعمیر پر ۲۲۵۰۰۰۰۰۰ پونڈ صرف کئے گئے جس سے کوئی منافع وصول نہ ہوا۔ بلکہ سنہ ۱۹۰۰ء تک ہندوستانی محصول ادا کرنے والی رعایا کو ۴۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ نقصان ہی اٹھانا پڑا اور ہندوستانی زراعت کے اغراض کی یہ قدر کی گئی کہ سنہ ۱۹۰۰ء تک ذرایع آبپاشی پر صرف ۲۵۰۰۰۰۰۰ پونڈ صرف کئے گئے۔

اٹھارھواں باب

نظم ونسق کی ناکامیاں (۱۷۹۳ء۔۱۸۱۵ء)

کمپنی کی ہندوستانی عملداری کے دیوانی اور عدالتی نظم ونسق کی اصلاح کے لئے جو طریقے پہلے وارن ہسٹنگز نے اختیار کئے تھے اور اس کے بعد لارڈ کارنوالس نے، وہ سب مختصراً پچھلے ابواب میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان طریقوں میں اچھی اور مفید باتیں بھی تھیں مگر ساتھ ہی ساتھ ان میں چند ایسے مہلک نقائص بھی موجود تھے جو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ زیادہ نمایاں ہو گئے تھے۔ اول تو جو عدالتی انتظام کیا گیا وہ خود ایک ایسے وسیع ملک کے لئے جس کی آبادی ان خطوں میں تقریباً دس کروڑ تھی جو کارنوالس کی رحلت کے وقت کمپنی کی قلمرو میں شامل تھے) بالکل ناکافی تھا دوم یہ کہ اس منصوبے کا ناکامیاب ہونا اس لئے لازمی تھا کہ اس میں خود لوگوں کی اعانت اور باہمی امداد قبول کئے بغیر ایک کثیر متمدن آبادی کے تحفظ جان ومال کی کوشش کی گئی تھی۔

یورپی جج صاحبان رعایا کی زبان سے پوری طرح واقف نہ تھے اور ان کے رواج اور طریقوں سے تو مطلق لاعلم تھے ان کے ہندوستانی ملازموں اور چپراسیوں کو بہت ہی کم تنخواہیں ملتی تھیں اور اسی لئے وہ رشوت لیتے تھے اور عدل وانصاف کو بڑی سے بڑی بولی بولنے والے کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے۔ اس سے بھی بڑی بات یہ تھی کہ مقدمات جمع ہوتے چلے جاتے تھے اور تصفیۂ مقدمات میں اس قدر تعویق کی جاتی تھی کہ یہ درحقیقت لوگوں کے حق میں انصاف نہ کرنے کے برابر تھا۔ گواہوں کی ایک فوج کی فوج تھی کہ اپنے اور سارے کاروبار چھوڑ کر دور دور کی عدالتوں میں کشاں کشاں پھرائی جاتی تھی حتی کہ ہندو اور مسلمان دونوں کسی مقدمے میں گواہ بننا سخت سے سخت سزا سمجھتے تھے۔ انفصال مقدمات کو زیادہ گران قیمت بنانے اور عدالتوں میں لوگوں کے رجوع ہونے کو کم کر دینے کی خاطر نئے اخراجات اور رسوم عاید کئے گئے تھے۔

کام کم کر دینے کی غرض سے ججوں کو مزید اختیارات دیدیئے گئے تھے اور استغاثے کے حقوق محدود کر دیئے گئے تھے اس خرابی کے دور کرنے کے لئے سخت سے سخت تدبیر اختیار کی گئی مگر بے سود کیونکہ اس خرابی کا ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنا قبول کر لیا جاتا۔ اور عدالتی انتظام کا سارا کام لوگوں ہی کے سپرد کر دیا جاتا۔

معلوم ہوتا ہے ہم شاید یہ بھول گئے ہیں کہ یورپی کارپردازوں کے آنے سے صدیوں پہلے قانون کا اتباع اور عدل و انصاف کا اجرا دیسیوں ہی کے ہاتھ میں تھا۔ پھر بھی شیرازۂ معاشرت منتشر نہ تھا نیز کبھی ایسا زمانہ بھی تھا جب سیاحوں اور ہندوستان کے مورخوں کی شہادت کے مطابق ہندوستان آباد سرسبز اور شاداب تھا اور لوگ بھی خوشحال و خوشدل تھے"۔

انیسویں[19] صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں میں انفصال مقدمات دیوانی میں جو نقائص موجود تھے اس سے بھی زیادہ سنگین فوجداری کے

تصفیہ مقدمات میں پائے جاتے تھے۔ بنگالے میں ڈاکوؤں کی ٹولیاں لوگوں کو ستایا کرتی تھیں اور کم تنخواہ یاب ورشوت ستان محکمۂ کوتوالی کی مدد سے مجسٹریٹ ان ڈاکوؤں کا انسداد نہیں کر سکتے تھے بڑے بڑے بلاد وامصار اور تجارتی مرکزوں میں نہایت بے باکانہ ڈاکے پر ڈاکے ڈالے جاتے تھے۔ اور گاؤں پر مسلسل دہشت طاری رہتی تھی اور ڈاکوؤں کے مشہور سرگروہوں کو قصبوں سے چوتھ بھی ملتی تھی۔ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۱۰ء تک ملک میں ایک عام تشویش پھیلی ہوئی تھی۔ بنگالے میں ان ڈاکوؤں کے سرداروں کا تذکرہ ہر کوچہ وبازار میں تھا۔ مجسٹریٹی اور کوتوالی بالکل بے دست وپا تھی اور لوگ بھی راضی بہ رضا تھے۔ اعلیٰ ترین برطانوی حکام کی آنکھوں کے سامنے اور خود مستقر حکومت میں جس سے ملک کو حفاظت جان ومال کی بجا طور پر توقع ہوسکتی تھی شیرازۂ معاشرت ہیبتناک طور پر درہم وبرہم تھا۔ یہ خرابی کسی تدریجی اصلاح سے دور نہیں ہوسکتی تھی۔ لوگ ہماری آنکھوں کے سامنے مر رہے تھے۔ ایک ایک ہفتے کی تاخیر اس آباد ملک کے بے یار ومددگار باشندوں کے حق میں موجب ہلاکت وعقوبت تھی۔"

اس خرابی کے دفع کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئی تھیں وہ اس خرابی سے بھی بدتر تھیں دیوانی مہتممان پولیس مقرر کئے گئے کہ وہ جرائم کے انسداد کے لئے مجسٹریٹوں کے مشوروں پر کام کریں۔ اسپشل (خاص) مجسٹریٹوں کا بھی تقرر کیا گیا۔ جن کو ڈاکے کے انسداد کے لئے خاص اختیارات دیئے گئے۔ مشتبہ لوگوں کے خلاف مخبری کرنے کے لئے "گویندوں" یعنی جاسوسوں کو نوکر رکھا گیا تھا اور اس طرح جاسوسی کے وسیع نظام کی خرابیوں سے جرائم کی خرابیوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ دیہات کے رہنے والوں کو بلا امتیاز کسی غلط مخبریوں پر بھی گرفتار کر لیا جاتا تھا اور مقدمہ چلائے بغیر مہینوں اور بعض دفعہ برسوں ان کو قیدخانوں میں رکھا جاتا تھا اکثر دفعہ تو وہ قیدخانوں ہی میں جاں بحق تسلیم ہو جاتے تھے۔ بنگالے کا ہر قیدخانہ سیکڑوں ہزاروں بے گناہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور دیہات کے رہنے والے

مجسٹریٹ کے غیظ و غضب سے زیادہ مخبر کی بد باطنی سے ڈرتے تھے۔
سنہ ۱۸۱۳ء میں مجلس نظماء نے ہندوستان میں نظام عدالت کے چلانے کے بارے میں اپنے کئی ایک ممتاز عمال سے جو اس وقت انگلستان ہی میں تھے سوالات کئے تھے ان عاملوں میں سے اکثر تو اسی ایک قدیم روایت پر قایم رہے کہ اعلیٰ فرائض ان کے سپرد کرنے کے لئے ہندوستان کے لوگوں میں ان کے انصرام کی نہ قابلیت ہی تھی اور نہ صلاحیت۔ اور اسی روایت کے طفیل ہندوستان کے اعلیٰ خدمات خود ان کے بچوں بھانجوں، بھتیجوں اور ان کے دوست احباب عزیز و اقربا کے لئے مختص ہو گئے تھے لیکن کمپنی کے عمال میں جو سب سے زیادہ دانشمند و دانا تھے۔ انھوں نے اس عقیدے کا کھوکھلا پن دیکھ لیا اور جرأت کے ساتھ علی الاعلان اس موقع پر یہ کہدیا جس وقت ان کا ایسا کہنا الحاد و کفر میں داخل تھا کہ خود وہاں کے لوگوں سے مل جل کر کام کئے بغیر ہندوستان میں اچھی حکومت قایم نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں میں جن میں سب سے پہلے اس حقیقت کے معلوم کرنے کی فراست اور اس کو علی الاعلان کہنے کی جرأت تھی بنگالے کے سر ہنری اسٹراچی مدراس کے ٹامس منرو اور بمبئی کے کرنل واکر کا نام آتا ہے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مجلس نظماء کو جو جوابات بھیجے ان کا کچھ حصہ ناظرین کے سامنے بھی پیش کیا جائے۔

سر ہنری اسٹراچی نے لکھا تھا کہ :۔ ”جو نقائص میں نے بیان کئے ہیں ان کا یہ علاج تجویز کرتا ہوں کہ اور عدالتیں قایم کی جائیں جو ہندو اور مسلمان پر بھی مشتمل ہوں اور جن میں ہمارے قواعد و ضوابط کا اتباع کیا جائے دیسی ججوں کی اچھی تنخواہیں مقرر کی جائیں جبھی وہ کام بھی اچھا کریں گے اور اس کے متعلق مجھ کو پورا یقین ہے۔ اس کے مصارف کچھ نہ ہوں گے یا ہوں گے بھی تو بہت تھوڑے کیونکہ رسوم عدالت سے ہی ممکن ہے کہ وہ بالکلیہ ادا ہو جائیں مگر اس سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی دیسی ججوں کو فیاضانہ پیمانے پر تنخواہیں دینی زیادہ مناسب ہے۔ بہر حال ان مقدمات میں

جن میں ناواجبی طور پر زیادہ لگان وصول کیا گیا ہو مقدمہ دائر کرنے کے رسوم کے اسٹامپ یا اسنادیہ پر کوئی رسوم عائد نہ کرنا چاہئیں ۔"

"اگر منصفوں کے اختیارات میں محض اتنی توسیع کی جائے کہ وہ ۲۰۰ روپیہ (۲۰ پونڈ) تک جو آج کل رجسٹرار کے اختیار کی انتہا ہے مقدمات فیصل کر سکیں تو میری دانست میں مقدمہ دائر کرنے پر جو رسوم وصول ہوتے ہیں وہ خود دیسی ججوں اور ان کے عملے کی تنخواہوں کے لئے کافی ہوں گے ۔"

"میری تو یہ رائے ہے کہ بنگالے کے سب عدالتی کاروبار آہستہ آہستہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں دیدیئے جائیں بشرطیکہ کمپنی کی بھی یہی مرضی ہو۔ ہمارے قواعد وضوابط کی رہنمائی میں دیسیوں سے بھی ویسا ہی اچھا کاروبار چلے گا جیسا کہ یورپی لوگوں سے اور بعض لحاظ سے تو بہتر چلیگا اور لطف یہ کہ ایک عشر مصارف پر ۔"

یورپی تاجروں کے متعلق سر ہنری نے یہ لکھا تھا کہ :- "بنگالے کی تجارت نصف صدی سے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یورپی لوگوں کے ہی ہاتھ میں زیادہ تر رہی ہے ۔

جب تک کہ دیوانی اور فوجداری کی عدالتوں کو پورا کاروبار کرتے اور موجودہ شکل میں قائم ہوئے کچھ زمانہ نہ گزر گیا یورپی تاجروں کے مظالم کا انسداد نہ ہوا ۔ کمپنی یا خانگی یورپی تاجروں کی ملازمت میں جو مزدور اور صناع تھے ان کو قید الگ کیا جاتا تھا ۔ اور چپراسی جدا مارتے اور دق کرتے تھے ۔

میرے خیال میں یہ اس ملک کا قدیم دستور چلا آتا تھا ۔ اور یورپی لوگوں کی یہ اختراع نہیں ہے ۔ لیکن کمپنی کے گماشتوں کا اختیار بہت بڑھا ہوا تھا ۔ اور اسی لئے ظالموں میں سب سے بدترین ظالم یہی تھے ۔ محکمۂ نمک میں عام طور پر نہایت بے حیائی کے ساتھ دغابازی اور تشدد کیا جاتا تھا کئی ہزار آدمیوں سے مجبور کر کے کام لیا جاتا تھا مگر گزر اوقات کے لئے ان کو کچھ یونہی سا دیدیا جاتا تھا ۔ ہر سال سینکڑوں آدمی اس کام کیلئے

کشاں کشاں لائے جاتے تھے۔ بعضوں کے تو ہاتھ اور پاؤں دونوں بیڑیوں سے جکڑ دیئے جاتے تھے اور کمپنی جس نمک کی اجارہ دار تھی اس کے بنانے کے لئے سندربن کے سب سے زیادہ مضر صحت مقامات پر یہ لوگ بھیجدئے جاتے تھے۔

یہ تمام بدعملیاں ۱۷۹۳ء میں عدالتوں کے قائم ہونے تک رہیں مگر جلد یہ ظاہر ہونے لگا کہ یہ سب نادرست تھیں۔ اس وقت تک بھی یہ جو رہیں تو اس لیئے نہ تھا کہ ہم نے ان کے جوازکے قوانین نافذ کئے تھے بلکہ اس لئے کہ لوگ خود اس بات کی شکایت شاذہی کرتے تھے۔ اگر لوگ اس طرح کی شکایت کرنے کے عادی ہوتے تو کلکٹر ان شکایتوں کے دسویں حصے کی بھی سماعت نہیں کر سکتا تھا سچ تو یہ ہے کہ یہ بدعملیاں ان کے ملک کے رواج کے موافق ہی تھیں۔

"عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تجارتی معاملات میں جو خود کمپنی کرتی تھی یا دوسرے غیر ملازم یورپی اشخاص انجام دیتے تھے دیسیوں کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا جاتا تھا البتہ کسی نمایاں ظالمانہ حرکت پر بعض دفعہ کلکٹر سزا بھی دے دیتا تھا۔

"عدالہائے دیوانی کے انفصال مقدمات اور فوجداری خفیفہ کے مقدمات میں جو جلدی سے اور فی الفور تصفیہ پاتے ہیں مجسٹریٹوں کے فیصلوں سے ۱۷۹۳ء کے بعد سے ایک بڑا اچھا تغیر پیدا ہو چلا ہے"۔

عاملانہ اور عدالتی فرائض کے اہم مسئلے پر جن کو لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۳ء میں جدا جدا کر دیا تھا۔ سر ہنری اسٹراخی کے خیالات موجودہ زمانے میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔

"سب سے پہلے ۱۷۹۳ء میں کلکٹر اور جج و مجسٹریٹ کے اختیارات میں امتیاز پیدا کیا گیا اور بنگالے میں جدا جدا اشخاص کو یہ اختیارات تفویض ہوگئے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس منصوبے پر کئی سال پہلے بھی عمل کیا گیا تھا مگر پوری طرح نہیں۔ اور عمل کرنے کے بعد اس سے دست برداری

اختیار کرلی گئی تھی۔ لیکن اس وقت تک عدالتی انتظام خواہ کلکٹر کے تفویض ہو یا نہ ہو ایک خفیف سا معاملہ متصور ہوتا تھا اس میں دوسرے فرائض کی بہ نسبت کلکٹر کا کم وقت صرف ہوتا تھا اور ملک کے قدیم محض بالذات رواج کے موافق تحصیل مالگزاری ہی ملکی حکومت کی اصلی غرض وغایت متصور ہوتی تھی

"۱۷۹۳ء سے ہی بنگالے کی حکومت اپنے ملازمان عدالت کے ذریعے سے خلائق کی فلاح وبہبود اور حفاظت جان ومال پر جو اس کی قلمرو کی رعایا تھی دل لگا کر توجہ مبذول کرنے لگی"۔

سرہنری اسٹراچی نے بنگالے کے کاشتکاروں پر نظام زمینداری میں جو مظالم ہوتے تھے ان کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن ۱۸۵۹ء ۱۸۶۹ء اور ۱۸۸۵ء کے قوانین لگان کے نفاذ سے ان مظالم کا انسداد ہوچکا اور مدراس کے کاشتکاروں پر رعیت واری نظام میں جو جو مظالم ہوتے تھے ان کے بارے میں بھی اس نے نہایت پُر زور الفاظ استعمال کئے ہیں۔

"بنگالے کے عدالتی ادارت کے ساتھ رعیت واری نظام کے بے جوڑ ہونے کے بارے میں کلکتہ بہت کچھ باتیں بنائیں گے اور دستور العمل بنگالہ کی ترویج کے لئے حکومت مدراس اس خوف سے کہ کہیں کلکٹروں کا اثر نہ چلا جائے اور جمع مالگزاری میں رکاوٹیں نہ پیدا ہوجائیں۔ سال بہ سال تاخیر ہی کرتی رہے گی"

"عدالتی حکام کے تقرر کے بعد اگر رعیت واری منصوبہ کامیابی کے ساتھ جاری رکھا جاسکتا ہے اور اگر ایسے قواعد بنائے جاسکتے ہیں جن کے تحت نظام رعیت واری میں ایک کلکٹر جاگیر کے محض منتظم کی طرح کام کرے گا اور جج لوگوں کی حقوق رسی کے معمولی اختیارات حاصل رہیں گے تو اس وقت میں اس منصوبے پر کوئی الزام نہیں لگاؤں گا۔ لیکن میں کلکٹر کو کسی قسم کے بھی عدالتی اختیارات دینے کے بالکل خلاف ہوں کلکٹر کو محض ایک منتظم جاگیر تصور کرنا چاہیئے اسی لئے ہم کو اس کے اقتدار پر نظر رکھنا چاہیئے کہ کہیں وہ رشوت ستانی کے اغراض کی تکمیل میں اختیارات کو ناجائز طور پر تو استعمال نہیں کررہا ہے ہندوستان میں جاگیر کے ہر منتظم کا فطری رجحان رشوت ستانی کی طرف ہے اگر کوئی شخص

جس کا کام رعیت سے لگان وصول کرنا ہے اپنے دل میں یہ سمجھ لے کہ اس قسم کا کام کرنے کے باوجود رعیت کو اپنے اور اپنے زیر دستوں کے مظالم سے بچانے کے لئے دنیا میں سب سے زیادہ موزوں وہی ایک شخص ہے اور یہ کہ اس کا شغلہ ہی ایسا ہے جس پر نگرانی کی ضرورت ہی نہیں تو میری رائے میں ایسا شخص بالکل گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

سر منری کے قیمتی مراسلے سے جس میں وہ ہندوستانیوں کے یورپی حکام کی نگرانی کے بغیر ذمہ دارانہ اعلیٰ نوعیت کے فرائض انجام دینے کی قابلیت کا پر زور الفاظ میں اعتراف کرتا ہے ایک اور فقرہ بھی یہاں نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"میرے خیال میں یورپی حکام کی نگرانی غیر ضروری ہے اس سے پہلے میں نے اس مضمون پر چوتھے سوال کے جواب میں اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے اگر دیسی لوگ سرکاری خدمات کے قابل نہیں ہیں تو میری دانست میں یہ غلطی ہماری ہے نہ کہ اُن کی۔ اگر ہم ان کے حوصلے بڑھائیں اور بڑی بڑی خدمات پر پہنچنے کی تمنا ان کے دلوں میں پیدا کریں۔ اگر انھیں ہم معقول تنخواہیں بھی دیں اور ان کو خود ان کی نظروں میں ابھاریں تو پھر یہ لوگ ہندوستان میں ہر سرکاری خدمت کے قابل جلد سے جلد بن جائیں گے۔

"میں اس مضمون کے لب لباب کا یہاں اعادہ کرتا ہوں جو ایک زمانہ پہلے بھی بیان کیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ دیسی لوگوں کو ذیلی اور ادنیٰ خدمات کی حد تک جو رکھا گیا ہے اس سے وہ اپنے تئیں کم رتبہ اور حقیر سمجھنے لگے ہیں اگرچہ ان کی تعلیم بالکل ناقص ہوئی ہے اور ہر شخص میں جہالت اور سادہ لوحی موجود ہے بالخصوص ہندوؤں میں یہ چیز زیادہ پائی جاتی ہے بایں ہمہ یہ دیکھا گیا ہے کہ ان فرائض کی انجام دہی کی ضروری قابلیت یہ لوگ آسانی سے حاصل کر لیتے ہیں جو ہم اپنی خوشی سے اُن کے تفویض کرتے ہیں۔ طبیعت، عادت اور خاص ماحول کے دیکھتے ہوئے مختلف لحاظ سے یہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ ججی کی خدمت کے لئے موزوں ہیں۔

لیکن ہم یورپی اشخاص کو تو اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں جو ترغیب نا جائز کی رسائی سے بالاتر ہے۔ اور دیسی شخص کو جس کے آبا و اجداد بڑی بڑی خدمات کرتے رہے ہیں ہم کسی ملازم ادنیٰ کی خدمت پر مقرر کر دیتے ہیں جس کی تنخواہ بہت معمولی یعنی بیس تیس روپے ماہوار ہوتی ہے اور پھر یہ تصفیہ کر دیتے ہیں کہ ہند و ستانی رشوت ستاں ہوتے ہیں اور بنی آدم میں کمپنی کے یورپی عمال کے سوا کوئی اور ان پر حکومت کرنے کے قابل ہی نہیں ہوتا۔"

یہاں ہم سر ہنری اسٹراخی سے رخصت ہوتے ہیں اگرچہ جو کچھ سر ہنری نے اپنے مراسلہ کے آخر میں بیان کیا ہے وہ بھی نہایت قیمتی ہے۔ بنگالہ میں ڈکیتی کے انسداد کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئی تھیں ان کا تشدد بتانے کیلئے سر ہنری اعداد نقل کرتا ہے۔ دو سو نو (۲۰۹) قیدی قید میں تھے جن میں سے بعض بست و چہار پرگنوں کے قید خانے میں محض شبہ پر اور مجسٹریٹ کی تحقیقات کے بغیر پانچ مہینوں سے پڑے ہوئے تھے۔ اردال میں ڈاکہ ہونے پر باسٹھ اشخاص محض شبہ پر گرفتار کرلئے گئے تھے جن میں سے نو تو قید خانہ ہی میں لقمۂ اجل ہو گئے اور عدالتی تحقیقات میں ان میں سے ایک پر بھی جرم ثابت نہ ہوسکا۔ ڈونگیں میں ڈاکہ پڑنے کے بعد اٹھاسی آدمی محض اشتباہ پر حراست میں لے لئے گئے جن میں سے صرف دو کو جج نے مستلزم سزا پایا۔ مدن پور میں ڈاکہ ہونے کے بعد شبہ پر بیانوے (۹۲) آدمیوں کو گرفتار کر کے زد و کوب کے بعد ان سے جھوٹے سچے جرائم کا اقبال قلمبند کر لیا گیا یا حسب خواہش گھڑ لیا گیا ان میں سے چھیالیس کو بیڑیاں پہنا کر ایک سال سے زیادہ مقید رکھا گیا تین تو اس سے جانبر نہ ہو سکے اور ما بقی عدالتی تحقیقات میں بے قصور ثابت ہونے پر بری کر دیئے گئے۔ ضلع نادیا میں نومبر ۱۸۰۸ء اور مئی ۱۸۰۹ء کے درمیان ۲۰۷۱ آدمی محض شبہ پر گرفتار ہوئے چھ ماہ کے اندر ۴۸ تو جیل ہی میں مر گئے ۲۷۸ ہنوز زیر تفتیش تھے اور ۱۴۷ کی تو تحقیقات کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ سر ہنری کہتا ہے کہ "یہ وحشتناک مظالم انصاف کا اس بری طرح خون کرنا اور وہ بھی اپنی آنکھوں کے سامنے اور بالا رادہ۔ ایک جم غفیر کو قید خانے بھیج دینا ان کو

دق کرنا دروغ حلفی کی ترغیب دینا بے گناہ لوگوں کو لوٹ لینا اور ان کا قید خانہ میں مرجانا یہ وہ مناظر تھے جو میری دانست میں ان لوگوں کے لئے سخت رسوائی کا باعث تھے جنھوں نے ان کو پیدا ہونے دیا۔ یہ واقعات تو ایسے تھے کہ کسی صورت ان کو برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ڈکیتی کیسی بھیانک ہے مگر وہ بھی اس ضرر رساں فساد کے پاسنگ بھی نہیں جو اس دہشتناک نظام نے پیدا کیا ہے۔"

اب ہم ٹامس منرو کی رائے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو نہایت معنی خیز ہے "ہندوستان کے سے ایک متمدن اور آباد ملک میں عدل وانصاف جبھی اچھی طرح کیا جاسکتا ہے جبکہ وہ دیسیوں ہی کے توسط سے کیا جائے ..... بہت ساری یورپی حکومتوں نے اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کو اعزاز اور عطئے دیکر ان کی دیانت کو غیر متزلزل بنا دینا ہی زیادہ مناسب سمجھا ہے۔ اگر ہم بھی ہندوستانیوں سے دیانت کے طلبگار ہیں تو ہمیں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور اگر ہم دیانت کی وہی قیمت دینے پر آمادہ ہیں تو اس ملک کے باشندوں میں ہمیں بھی وہ آسانی کے ساتھ مل جائے گی جیسے اکثر یورپی لوگوں میں ہے۔ ہر مسلمان فاتح کی فرمانروائی میں دیسیوں کو ہندوستان میں سلطنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ملے۔ یہ ایک انگریزی راج ہی ہے کہ جس کے زیر حکومت دیسی لوگ اس حق سے محروم کر دے گئے ہیں اور اگر کسی سرکاری محکمے میں ان کو جگہ بھی دی گئی ہے تو ان کی حیثیت کبھی ایک ادنیٰ ملازم سے بڑھ کر نہ ہوئی۔"

ایک دوسری یادداشت میں ٹامس منرو نے پنچائت کے ذریعہ سے عدل وانصاف کرنے کے قدیم ہندو نظام کی خوبیاں بھی بیان کیں اور اس کے نقائص بھی۔

"پنچائت کے ذریعے سے تحقیقات مقدمات کرنے سے دیسیوں کو اس لئے دل بستگی ہو چلی ہے کہ ان کو اپنے حکمرانوں کی زر پرستی کا اندیشہ لگا ہوا ہے لیکن غالباً اس تیقن کے مدنظر جو تجربہ سے پیدا ہوا ہے یعنی یہ کہ خواہ کتنا ہی

سیدھا اور مستعد کوئی جج کیوں نہ ہو اس میں پنچائت کی طرح جائز و صحیح اور عاجلانہ طور پر تصفیہ مقدمات کی قابلیت نہیں ہوتی لوگوں کی یہ دل بستگی اور زیادہ اور موثق ہوگئی ہے۔ اس قدیم نظام کا مقابلہ انگریزی راج کے مروجہ نظام سے کرنے کے بعد طامس منرو نے چند دور اندیشی کی باتیں بتائی ہیں۔

"یہ ظاہر ہے کہ ہمارا موجودہ نظام نہ صرف گراں مصارف اور ایذا رساں ہے بلکہ از سر تا پا لنگڑا بھی ہے۔ بنگالہ کی حکومت میں تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار مقدمات التوا میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان مقدمات کے لئے متوسط تخمینہ پر بھی دس لاکھ گواہوں کی ضرورت ہے اگر ہم ان کے مصارف اور فاصلے کا اور جتنے عرصہ کے لئے یہ لوگ اپنے گھروں سے دور رہتے ہیں۔ ان سب کا حساب لگائیں تو اس سے ملک کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ آسان نہیں۔ لیکن دعوے کے ساتھ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ خرابی لاعلاج ہے اور ہندوستان کے لوگوں کی مقدمہ بازی سے پیدا ہوتی ہے اگر لوگوں کی حقیقی کردار یہی ہوتی تو جب مقدمہ دائر کرنے کے لئے کچھ دینا نہیں پڑتا تھا اس وقت یہ کردار ان سے ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی ہر حالت میں ان کو دیکھنے کا مجھ کو موقع ملا ہے اور میں یہ وثوق کے ساتھ کہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ مقدمہ بازی کے دلدادہ نہیں ہیں۔ اکثر مجھ کو یہ دیکھکر حیرت سی ہوئی کہ مقدمات کا آپس ہی میں کس سہولت کے ساتھ تصفیہ ہوگیا اور ہارنے والوں نے کس انصاف پسندی کے ساتھ اپنے خلاف تمام حقوق دعوے کو تسلیم کرلیا۔ لیکن تاخیر اور مصارف سے بگڑ کر تعجب نہیں کہ لوگ جیسے جیسے مقدمہ طول طویل مراحل طے کرتا ہے ویسے ویسے زیادہ مقدمہ بازی کرنے لگتے ہیں۔ .... ہم جس مقدمہ بازی کو لوگوں کی کردار سے بے بنیاد طور پر منسوب کرتے ہیں وہ خود ہمارے نظام کی پیدا کردہ ہے۔"

سب سے آخر ہم بمبئی کے کرنل واکر کی رائے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس نے قابل تعریف اعتدال اور غیر جانب داری کے ساتھ اس عدالتی نظام کی خوبیوں اور نقائص کے متعلق جس کی ابتدا انگریزی راج سے نے

ہندوستان میں کی تھی لکھا تھا

"برطانوی نظام عدالت کی خوبیوں کا قومی فخر کے ساتھ اکثر زبانی اور تحریری اعتراف کیا گیا ہے یہ نظام محض خلائق کی نفع رسی کے لئے بنا ہے اور نہایت ہی محترم و محتاط دیانت داری پر چلتا ہے درحقیقت انصاف بلا رعایت ہر ایک کے حق میں کیا جاتا ہے اور فطرت انسانی کی کمزوریوں سے قطع نظر غیر جانبدارانہ اور ایکساں کیا جاتا ہے اس نظام میں غیر مفید صورت صرف یہ ہے کہ پردیسیوں کے عادات و اطوار بہت مختلف ہیں اور اجنبیوں کا ایک غیر دیس کے رہنے والوں کے حق میں عدل و انصاف کرنا نا درست ہے یہ غیر مفید صورت حال بالکل تو مٹ نہیں سکتی مگر ہندوستانیوں کو نظم و نسق میں شرکت کا موقع دینے کے بعد اس میں بہت کم سختی باقی رہ جائے گی ...... اس نظام میں سب سے بڑا نقص غالباً اجنبیوں کو خدمات دینا اور اس دیس کے رہنے والوں کو خدمات سے بالکل محروم رکھنا ہی ہے۔"

کرنل واکر نے نظماء کے نویں(۹) سوال کے جواب میں جو ہندستان کے بسنے والوں کی دیانت اور مستعدی سے متعلق تھا بار بار اسی مضمون کا اعادہ کیا ہے۔

"کمپنی کی ملکی حکومت میں جو سب سے نمایاں صورت پیدا ہے وہ بھی ہندوستانیوں کا خدمات سے محروم رہنا ہے۔ جن خدمات پر دیسی ہیں وہ بہت ہی ادنیٰ ہیں جن کی کوئی یورپی شخص خواہش بھی نہیں کرے گا۔ اور ان تقررات کی تنخواہیں اس قدر کم ہیں کہ ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لئے بمشکل سامان معیشت پورا ہو سکتا ہے بلند مرتبہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ دیسیوں کے لئے کمپنی کی ملازمت میں شریک ہونے کا کوئی باعث ترغیب نہیں رہا۔ نہ صرف مشاہرات ہی بالکل قلیل دئے جاتے ہیں بلکہ عام طور پر جس نظر سے ان کو دیکھا جاتا ہے اور ان سے جو نا اعتباری ہے وہ ایسی ہے کہ اس سے بے انتہا نفرت ان لوگوں میں پیدا ہو جائے گی۔

"بڑے بڑے اعزاز و مفاد کے خدمات پر ملکیوں کے تقرر کی اجازت

دینا ہی ایک ایسی تدبیر رہ گئی ہے جس سے دیسیوں کو بالکل راضی کر لیا جا سکتا ہے
یہ توقع رکھنی بے سود ہے کہ لوگ محض اپنی حفاظت املاک پر ہی قناعت کر لیں گے
درآنحالیکہ بلند حوصلگی کی سب اعلیٰ راہیں ان پر بالکل بند ہیں۔ یہ محرومی کی
کوفت ہنر و جوہر ذاتی کا گلا گھونٹ دیتی ہے خاندانی افتخار کو نیچا دکھاتی ہے
اور نکموں اور اپاہجوں کے سوا سب کے دلوں کو پژمردہ کر دیتی ہے اعلیٰ
معاشرتی طبقے میں یہ شدید ناانصافی منصور ہوتی ہے اور یہی لوگ ملک میں
ذی اثر اور قابل احترام ہوتے ہیں جن کی رہنمائی میں رائے عامہ کی تشکیل
ہوتی ہے جب تک خصومت کا یہ سبب باقی رہے گا انگریزوں کا نظم و نسق
بارگراں ہی سمجھا جائے گا۔

"روما کے لوگ جن کا روزانہ کاروبار فتوح کرنا تھا اور جنھوں نے متمدن
دنیا کے بہت بڑے حصے کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا تھا۔ اقوام کو مطیع و محکوم
رکھنے میں ہمارے بہترین رہنما بن سکتے ہیں۔ ان دانشمند لوگوں نے ہمیشہ ایسے
ممالک کے انتظام مملکت کا بہت سا حصہ انھیں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا۔
جن کو انھوں نے بالکل مغلوب کر لیا تھا۔"

یہ دیکھنے کے قابل بات ہے کہ گزشتہ تاریخی واقعات کی بڑی تحقیق
کے بعد کرنل منرو اور کرنل واکر دونوں ایک ہی نتائج پر پہنچے۔ کرنل منرو نے
مسلمان فاتحین کی مثال دی تھی جنھوں نے ہندوستان پر پانسو برس حکومت
کی اور اس دیس کے رہنے والے ہنود کو "ملک کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب"
دئیے اور کرنل واکر نے روما کے فاتحین کی مثال پیش کی جنھوں نے اتنی ہی
مدت تک ساری مغربی دنیا کو اپنے زیر تسلط رکھا۔ اور انتظام مملکت کا
بہت سا حصہ انھی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جن کو انھوں نے بالکل مغلوب
کر لیا تھا۔ وہ لوگ بھی جو ہندوستان میں انگریزی راج کی برکتوں سے بخوبی
واقف ہیں اور تعلیم یافتہ ہندوستانی اصحاب ان میں سب سے آگے ہیں۔ آگاہ
ہو کر اس پر تاسف کرتے ہیں کہ کس طرح اعلیٰ خدمات سے اور نظم و نسق کی
نگرانی سے ہندوستانیوں کا محروم رہنا انگریزی راج کی بدنامی اور شاہنشہی کی کمزوری

کا باعث ہے۔

ہندوستانیوں کو محروم رکھنے کے جواز کی صورت اس طرح نکالتے ہیں کہ ہندوستانیوں کے کردار پر غلط حرف رکھتے ہیں اور اس کا ذکر کرنل واکر نے بھی اپنے مراسلے کے آخر میں کمال احتیاط کے ساتھ کیا ہے۔

"کمپنی کو کسی دھوکے میں ڈالنے والے ذریعے سے اس قدر بچاؤ کا سامان کرنے کی ضرورت نہیں جس قدر کہ ان کی دیسی رعایا کی قابلیت کے متعلق ان اطلاعات سے جو کمپنی تک پہنچتی رہتی ہیں۔ یہ اطلاعیں بلاشک انہی یورپی اشخاص کے ذریعے سے پہنچتی ہیں جو اس ملک میں سرکاری خدمتوں پر مامور ہیں لیکن یہ لوگ تعصب اور خود غرضی سے دیسیوں کی قابلیت کی وہ قدر نہیں کرتے جس کی وہ مستحق ہیں۔ بہت سے ان میں ایسے بھی ہوں گے جو اس نیت سے بالاتر ہیں اور چند ہی ایسے نکلیں گے جو جان بوجھ کر اس پر عمل کرتے ہوں۔ لیکن پھر بھی یہ اصول پوشیدہ طور پر اپنا اثر دکھلا رہا ہے اور لوگوں کے خیالات اور آراء پر اپنا قوی اور غالباً غیر محسوس اثر ہمیشہ یونہی دکھاتا رہے گا۔

انیسواں باب

اصلاحات نظم ونسق اور لارڈ ولیم بنٹنگ

(۱۸۱۵ء - ۱۸۳۵ء)

سر ہنری اسٹراچی کرنل منرو اور کرنل واکر نے جو آراء قلمبند کئے تھے سنہ ۱۸۱۲ء کی مجلس منتخبۂ دار العوام نے جو اپنی مشہور پانچویں رپورٹ پیش کی تھی اور سنہ ۱۸۱۳ء میں منرو اور میلکم نے دار العوام کے سامنے جو شہادت دی تھی ان سب کا انگلستان کی رائے عامہ پر اثر پڑا اور مجلس نظماء ہندوستان کے عدالتی نظم ونسق میں کچھ نہ کچھ اصلاحی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہوگئی اس مجلس نے عدالتی نظام کی تحقیقات اور اصلاح کے لئے ایک خاص کمیشن مقرر کیا جس کا صدر نشین کرنل منرو بنایا گیا۔

جون سنہ ۱۸۱۴ء میں منرو انگلستان سے روانہ ہوا اور اٹھارہ ہفتوں کے اندر سارا بحری سفر طے کر کے ستمبر میں مدراس پہنچ گیا۔ وقت ضائع کرنے کے بغیر اپنی خلقی سرگرمی کے ساتھ اس نے اپنا کام شروع کر دیا اور اسی سال کرسمس کی

ابتداء میں اس نے حکومت مدراس کے سامنے اپنی تجاویز چھ عنوان کے تحت پیش کر دیں۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ (۱) کلکٹر کو مجسٹریٹ کے اختیارات بھی ملنے چاہئیں اور دیہی پولیس کا انتظام دوبارہ میران دہ کے سپرد کر دینا چاہئے۔ (۲) دیہی پنچایتوں کو پھر قائم کرنا چاہئے (۳) دیسی لوگ ضلع کے جج یا کمشنر ہونے چاہئیں (۴) کلکٹروں کو قواعد پٹہ کی تعمیل کرانے کا اختیار دیا جانا چاہئے (۵) زمینداروں کے اختیارات فوراً محدود کر دینا چاہئیں اور (۶) حدبندی کے تنازعات کا تصفیہ کلکٹر ہی کو کرنا چاہئے۔

ان ابتدائی تجاویز میں ان دو نمایاں منصوبوں پر ایک نظر نہ ڈالنا جو ٹامس منرو کے باعث تحریک تھے ناممکن ہے۔ پہلے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو تمام عدالتی کاروبار کو ہندوستانیوں ہی کے ہاتھ میں دینے پر جن کا میران وہ حجان اضلاع اور کمشنروں کے عہدوں پر تقرر کیا جا سکتا تھا ٹامس منرو مصر تھا۔ دوسرے یہ کہ تمام عاملانہ اختیارات خواہ وہ مالگزاری کے ہوں عدالتی یا کوتوالی کے ہوں مرکزی بنانے کے لئے ایک ہی عہدہ دار یعنی کلکٹر ضلع کے تفویض کر دینے کی اس کی خواہش تھی اس کے پہلے منصوبہ کے کچھ جزو پر عمل پیرائی ہوئی لیکن اس زمانہ تک بھی اصل میں ضلع کی ججی یورپی لوگوں کے لئے ہی محفوظ ہے۔ اس کے دوسرے منصوبہ کی کوئی نہ کوئی شکل جواز اس بدعملی اور بدنظمی کے زمانہ میں غالباً نکل سکتی تھی مگر بدنصیبی سے موجودہ زمانہ میں بھی اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

ہماری اس تصنیف کی مختصر سی گنجایش میں اس کی تفصیل بالکل ناممکن ہے کہ اس کمیشن کے بعد کے دو سال کے عرصہ میں کیا کیا اور کس قدر مراسلت ہوتی رہی جس سے "ایسٹ انڈیا کاغذات" کے ۰۰ ۵ صفحے بھر گئے۔ اتنا بتا کر دینا کافی ہے کہ کمیشن نے پہلے سات دستور العملوں کا مسودہ تیار کیا اور اس پر نظر ثانی کرنے کے لئے مدراس کی صدر عدالت ہائے دیوانی و فوجداری کو بھیجدیا اس وقت مجلس نظماء کا مراسلہ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۸۱۵ء وصول ہوا جو کمیشن کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ حکومت مدراس اور صدر عدالتوں کی

تجاویز کے موافق کئی ایک تبدیلیاں اور اضافے اصل مسودہ میں کئے گئے۔
انجام کار ۱۸۱۶ء میں ہندرہ دستور العمل کا ایک سلسلہ مختلف تاریخوں میں منظور کیا گیا۔
اس دستور العمل کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ ذمہ دارانہ خدمات پر مدراسیوں کا تقرر ہونے لگا اور عدالتی کام زیادہ تر ان کے ہاتھ میں آگیا۔ یہ وہ اصلاح تھی جس کی تائید کمپنی کے سب سے زیادہ پر مغز عمال سالہا سال سے کرتے چلے آئے تھے اور نظم و نسق کے لئے اس اصلاح کی ضرورت تھی۔ ٹامس منرو کی قسمت میں تھا کہ اس ضروری اصلاح کے نفاذ کی وہی پہل کرے۔

مجلس نظما نے حکومت مدراس کو لکھا کہ "اس فریضے کے سب سے اہم اور سب سے دشوار حصے کا بوجھ کرنل منرو کے کندھوں پڑا جو پہلا کمشنر مقرر ہوا تھا اور جس کی تعریف میں ہمارا کچھ کہنا آفتاب کو آئینہ دکھانا ہے لیکن آپ کے مزید اطمینان اور آپ کی اور عام سول سروس کی اطلاع کے لئے اتنا ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ٹامس منرو نے بہ حیثیت صدر نشین کمشن کمیٹی اور دسیوں کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کو بھی ہم اسی طرح دلی اعتراف کے مستحق سمجھتے ہیں جیسے کہ اس کی قابل احترام سرکاری زندگی کے کسی اور فعل کو۔"

ٹامس منرو اس تعریف کا سزاوار تھا اور ہندوستان میں بھی رائے عامہ نے اس سے بالکل اتفاق کیا۔ لیکن یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ ایک طرف تو ان دستور العملوں میں منرو کے پیش نظر جو مقاصد تھے ان میں کے بعض پورے نہ ہوئے دیہی پولیس کو دیہی ادارے کے تحت کر دینے کی جو کوشش تھی وہ چھوڑ دی گئی اور تمام ہندوستان میں اب پولیس ایک طرح کی علحدہ جمعیت ہی بن گئی ہے۔ دیہات میں پنچائت قائم کرنے کی سعی بھی جس کے وجوہ کی کسی اور مقام پر توضیح کی گئی ہے ناکامیاب رہی۔ زیادہ دانشمندانہ قواعد و ضوابط کے تحت دیہی انجمن ہائے متحدہ کی تنظیم کا اب وقت آگیا ہے اور جب تک کہ یہ نہ ہو لے ہندوستان میں سرکار جمیع رعایا کے حالات سے وقتاً فوقتاً واقف نہیں رہ سکتی۔
دوسری طرف ٹامس منرو نے کلکٹر اور مجسٹریٹ اور پولیس کے اختیارات یکجا کر کے ایک ہی شخص کو تفویض کر دینے کی غلطی جو کی تھی اس کی ایک دوامی

شکل بن گئی ۱۸۱۵ء اور ۱۸۱۶ء میں ہی حکومت مدراس نے اس پر اعتراضات کئے تھے مگر ان اعتراضات کے ہوتے ہوئے یہ غلطی قایم رہی ۔ حکومت مدراس کے ایک رکن مسٹر فلرٹن نامی نے اختیارات کو یکجا کرنے کے مسئلے پر تمام بڑے بڑے اعتراضات مکمل اور واضح طور پر بیان کیے ہیں ۔

"میں بھی یقیناً یہی محسوس کرتا ہوں کہ کلکٹر کو عدالتی فرائض تفویض کرنا ایک نئی بات ہے جس کا عدالتی نظام کے فواید پر یوں برا اثر پڑے گا کہ جماعت عامل کو بے اندازہ اختیارات مل جائیں گے اور محکمہ عدالت کے تحفظ حقوق وغیرہ پر خلائق کو جو اعتقاد اور اعتماد ہو چلا تھا وہ کم ہو جائے گا ۔

حکومت مدراس کی بھی یہی رائے تھی کہ کلکٹر کو اگر پولیس پر نگرانی رکھنے کا اختیار بھی دیدیا جائے تو اس کو عدالتی اختیارات تو نہ دئے جانے چاہئیں یہ مسئلہ مجلس نظما تک گیا مگر مجلس نظما نے حکومت مدراس کی رائے کو رد کردیا ۔ اور حکم دیا کہ مالگزاری اور عدالت کے اختیارات ایک ہی عہدہ دار کے سپرد کردئے جائیں ۔

"آپ میں اور کرنل منرو میں جس مطلب کے سمجھنے میں اختلاف ہو گیا ہے وہ ہمارے مراسلے کے اس حصے سے متعلق ہے جس میں ہم نے عدالتی اختیارات کو کلکٹر پر منتقل کر دینے کا حکم صادر کیا تھا ۔ کرنل منرو سمجھ رہا تھا کہ اس منتقلی اختیارات سے ہمارا مطلب محض پولیس کا انتظام اور نگرانی ہی نہ تھی بلکہ مجسٹریٹ کے تمام فرایض بھی اس میں داخل تھے ۔ برخلاف اس کے ہمارے گورنر باجلاس کونسل کا خیال یہ تھا کہ ہم صرف اس منتقلی کو عملۂ پولیس کے انتظام و نگرانی کی حد تک ہی رکھنے پر آمادہ ہیں ۔

"ہمیں اس ارادے کے اظہار میں ذرا بھی پس وپیش نہیں ہے کہ اس منتقلی کا عین منشا وہی ہے جو کرنل منرو نے لیا ہے اور یہ منتقلی اسی معنی اور اسی حد تک عمل میں آنی چاہئے ۔

حکومت مدراس نے اس تصفیہ کو با دل ناخواستہ قبول کیا ۔ رابرٹ فلرٹن نے مکرر یہ لکھا کہ : "جن خیالات کو میں نے اس سے پہلے قلمبند

گیا تھا ان میں اور حکام اعلیٰ کے احکام اور آراء میں جو اس کے بعد صادر ہوئے بڑا اختلاف پیدا ہوگیا ہے جس کا مجھ کو کتنا ہی افسوس کیوں نہ ہو مقتضائے فرض میں تو ان کو رد نہیں کرسکتا۔ اسی دوران میں میں سوچتا ہی رہا اور ان مختلف سرکاری اسناد پر جو بعد میں میرے ہاتھ لگے ہیں میں نے غور کیا تو میرے اس خیال کو اور زیادہ تقویت ہوئی کہ اگر ضلع کا تمام و کمال عدالتی اختیار کلکٹر کو دیدیا جائے تو اس کا زیادہ تر حصہ مالگزاری کے ویسی عہدہ داروں کو نیابتاً بمجبوری دینا پڑے گا اور اگر ان عہدہ داروں پر جج حلقہ کے گاہے ماہے اگر دیکھ جانے کے سوا کوئی اور نگرانی نہ رہے گی تو اس سے محکمۂ مالگزاری کے وہ اختیارات ہو جائیں گے کہ ان کے استعمال بیجا پر آیندہ کوئی قانونی استغاثہ موثر و کامیاب نہو سکے گا۔

اب ہم بمبئی کے معاملات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پچھلے ابواب میں بمبئی کے بارے میں اس لئے کچھ نہیں لکھا گیا کہ انگریزوں کے زیر نگین بنگالہ اور مدراس کے آنے کے نصف صدی سے بھی زیادہ مدت کے بعد صوبۂ بمبئی کا ایک بڑا حصہ آیا تھا۔ بنگالے پر ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی کے بعد اور مدراس پر ۱۷۶۱ء کی جنگ واندیورش کے بعد برطانوی اثر مستحکم طور پر قایم ہو گیا تھا لیکن وارن ہیسٹنگز اور لارڈ ویلزلی کی جنگ وجدال کے باوجود ہندوستان کے مغرب میں مرہٹے اپنا قدم اور اثر جمائے ہوئے تھے۔ آخری پیشوا برطانوی زور شمشیر سے پونا کی گدی پر ۱۸۰۲ء میں بیٹھا اس نے انگریزوں کے ساتھ ایک عہد نامہ کیا جس کی رو سے اپنی قلمرو میں ایک برطانوی امدادی فوج بھی رکھی تھی یہ ایک بُرے انجام کا آغاز سمجھنا چاہئے۔ اس کو بہت جلد اپنے نئے حلیفوں کی رعب دار طاقت کا احساس ہونے لگا اور وہ اس خود کردہ قیود اور پابندیوں میں گرفتار دل ہی دل میں جل بھنکر رہ جاتا تھا آخر کار اس سے یوں رہا نہ گیا اس نے جنگ کی مگر شکست کھائی اور ۱۸۱۷ء میں اس کی قلمرو کا انگریزی عملداری کے ساتھ الحاق ہو گیا۔

مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن کے نام کے ساتھ بمبئی میں انگریزی نظم و نسق کا

تدریجی قیام اسی طرح منسوب ہے جیسے کہ ٹامس منرو کے نام کے ساتھ مدراس میں۔ ۱۷۹۶ء میں الفنسٹن ایک سترہ سالہ لڑکا سا تھا کہ ہندوستان آیا۔ اس کے سات سال کے بعد خوش نصیبی سے وہ آرتھر ویلزلی کا جو بعد میں شہرۂ آفاق ڈیوک ولنگٹن ہوا معتمد خانگی ہوا۔ ۱۸۰۳ء کی جنگ اسائی میں وہ ڈیوک کے ہمرکاب رہا تھا اور مرہٹوں کے معاملات اور نظم ونسق کے متعلق اس کو جو گہری واقفیت تھی وہ اس نے سب سے پہلے ناگپور میں ۱۸۰۴ء سے ۱۸۰۸ء تک رزیڈنٹ کی حیثیت سے حاصل کی تھی۔ ایک سفارت خاص پر کابل جانے سے اس کو اس غیر معروف ملک کے باشندوں اور ادارات کے متعلق ایک دلچسپ کتاب لکھنے کا موقع مل گیا کابل سے واپسی پر ۱۸۱۱ء میں وہ پونا میں رزیڈنٹ مقرر ہوا جہاں اس انقلاب میں جو اس سے چند سال بعد ہوا بہت بڑا اہم حصہ لینا اس کی قسمت میں لکھا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ۱۸۱۷ء میں انقلاب ہوا۔ باجی راؤ نامی آخر پیشوا کی حکومت ہی مٹ گئی اور دکن کا الحاق بھی برطانوی شاہنشاہی کے ساتھ ہو گیا۔

الفنسٹن کو مرہٹوں کے معاملات میں بے مثال تجربہ رکھنے کی وجہ سے سب سے زیادہ موزوں آدمی سمجھ کر اس مفتوحہ علمداری میں انتظام وغیرہ قائم کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔ جنوری ۱۸۱۸ء میں کمشنر دکن مقرر ہوا اور اس حیثیت سے اس نے جو کام کیا ہے اس کا ذکر اس کے بعد کے باب میں آئے گا۔ ۱۸۱۹ء میں الفنسٹن بمبئی کا گورنر ہو گیا اور آٹھ سال میں جبکہ وہ اس اعلیٰ خدمت پر تھا مغربی ہند میں اس نے انگریزوں کے نظم ونسق کی بنا ڈالی۔

اس کے فیاضانہ انتظام مملکت کی شہرت کا انحصار اس کی تین طرح کی کارگزاریوں پر ہے۔ اس کی پہلی کوشش تو انصاف دلانا قانون کی تھی اس کا دوسرا بڑا مقصد یہ تھا کہ جہاں تک اس وقت ممکن ہو ہندوستانیوں کو انتظام مملکت کے کاروبار میں بڑے سے بڑا حصہ عطا کیا جائے اس کی تیسری اور

آخری غرض یہ تھی کہ لوگوں میں سچی تعلیم کی اشاعت ہو جس سے وہ آیندہ چلکر خود اپنے کاروبار کے انتظام میں زیادہ اعلیٰ اور ذمہ وارانہ حصہ لینے کے قابل بن جائیں۔

پہلا کام تو نہایت عمدگی کے ساتھ ایک اطمینان بخش طور پر ہو گیا بمبئی کے تمام قواعد و ضوابط کو علیحدہ علیحدہ ان کے مضمون کے موافق مرتب کر کے ایک دستور العمل کی شکل میں منضبط کر دیا گیا۔ یہ دستور العمل ستائیس قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے جن کی ذیلی تقسیم ابواب اور واقعات میں کی گئی ہے یہ دستور العمل بھی انھی مضامین پر منضبط ہے جن پر بنگالی دستور العمل ہے لیکن اس اختلافِ صورت کے ساتھ کہ اس میں قانون فوجداری کا بھی ایک اہم مجموعہ ہے" اس کے علاوہ الفنسٹن نے لوگوں کے قوانین اور رسم و رواج کا مجموعہ بھی تیار کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لکھا ہے کہ "جس کو ہم شاستر (یعنی قانون ہنود) کہتے ہیں۔ وہ محض برہمنوں سے متعلق ہے ہر قوم اور ذات کے قوانین جدا جدا ہیں رسم و رواج الگ الگ ہیں" الفنسٹن کا خیال تھا کہ تمام ذات اور اقوام کے مختلف رسم و رواج کا ایک مکمل مجموعہ مرتب کیا جائے یہ خیال اس کے شایان تھا لیکن اس کی عملی تشکیل ناممکن تھی اس لئے یہ کام ادھورا ہی رہ گیا۔

ہندوستان کے بہترین منتظمین ریاست انگلستان کے اعلیٰ سے اعلیٰ تخیل اور شایستگی سے ہمیشہ کس قدر بہتر واقف رہتے تھے وہ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب الفنسٹن ہنود کے رسم و رواج کا ایک مجموعہ تیار کرنے کی فکر میں تھا اس وقت وہ نہایت تندہی کے ساتھ جیریمی بنتھم کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا اس نے بنتھم کے متعلق اسٹراخی کو یہ لکھا تھا کہ :۔ "آپ نے جیریمی بنتھم کا جو تذکرہ کیا ہے اس سے میں بہت محظوظ ہوا۔ اس کے حالات دریافت کرنے کی مجھ کو بڑی خواہش تھی جو آپ سے پوری ہوئی وہ بیشک چوٹی کی قابلیت رکھنے والا ہی آدمی نہیں ہے بلکہ ساری دنیا سے نرالا ہے اور یہ محض اپنے فن ہی میں نہیں بلکہ ذاتی عادات واطوار

میں بھی۔ اور یہ غالباً اس لئے ہے کہ وہ دنیا سے زیادہ سروکار ہی نہیں رکھتا۔ اس نے کتابیں تحفۃً مجھ کو جب بھیجیں تو میری مسرت کی انتہا نہ رہی میں کسی دوسرے ایسے مصنف کو نہیں جانتا جس نے اس طرح مجھ کو سرفراز کرنے پر اس کی اتنی ہی اعلیٰ قدر میرے دل میں پیدا ہوتی۔ جب آپ کو میں اس سے پہلے تفصیلی خط لکھ رہا تھا تو اس وقت میرے ذہن میں یہ تھا کہ بنگالی منتریوں کو جن کے پونا میں ملجانے کی مجھ کو توقع تھی ہندؤں کے شاستر (قانون ہنود) کی جیساکہ برہمنوں کے زمانے میں زیر عمل تھا اور مرہٹوں کے ملک کے رسم ورواج کی جن میں سے بعض میں ہم نے خود اپنے رسم ورواج کے موافق ترمیم کی ہے ایک مجموعہ کی شکل میں انضباط کرنے کے لئے نوکر رکھ لیا جائے لیکن مجھکو کوئی منتری ملے نہیں اور جس قدر اس کام پر غور کرتا گیا اسی قدر کٹھن یہ معلوم ہونے لگا"۔

ہندوستان کے مورخوں نے اس بات کو ہمیشہ کافی وضاحت کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے کہ گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں ہندوستان کے برطانوی نظم ونسق کی ہر نئی تشکیل جو ہوئی وہ یورپی اثرات ہی میں ہوئی ہے۔ فریڈرک اعظم کی جنگ وجدال ہندوستان میں بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان اٹھارہویں صدی عیسوی میں آغاز جنگ کا باعث ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانسیسی ہندوستان سے بالکل نیست ونابود ہو گئے اور نپولین کی لڑائیاں لارڈ ویلزلی اور لارڈ ہسٹنگز کی پرحوصلہ فتوح کی محرک تھیں اس کے بعد عدالتی اور دیوانی اور ملکی اصلاحات کی جو کوششیں شروع ہوئیں اور جو انگلستان میں ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح پر پہنچکر ختم ہوئیں وہی ہندوستان میں بھی اسی طرح کے اصلاحات کی بانی تھیں جن سے مدراس بمبئی اور بنگالے میں ہندوستانیوں کو ملک کے انتظامی کاروبار میں بہت بڑا حصہ مل گیا اس کے بعد سے اس ہفتاد سالہ مدت میں امن واصلاحات کے جو دور انگلستان میں آئے انھیں میں کچھ نہ کچھ اصلاحات ہندوستان میں بھی ہوئیں اور جب کبھی جنگ کی لہر انگلستان آئی اسی زمانہ میں ہندوستان میں بھی یہی احساس پرحوصلہ منصوبوں اور اکثر احمقانہ لڑائیوں کا باعث ہوا۔ ہندوستان میں سیاسی نمایندگی کا طریقہ نہیں ہے اس لئے وہ ملک کئی وجوہ سے انگلستان کا

دست نگر ہے اور انگلستان کو عارضی طور پر جب کبھی جنون کا دورہ پڑا ہندوستان کے لوگوں کو ناعاقبت اندیش اور پس رو نظم و نسق کو برداشت کرنا پڑا اور ناسمجھی کی احمقانہ لڑائیوں کے مصارف بھی اٹھانے پڑے۔

اس زمانے میں جس کا ذکر ہم اس باب میں کر رہے ہیں انگریزی اثرات نہایت ہی اچھے تھے اور انھیں اثرات سے متاثر ہو کر منرو۔ الفنسٹن او بنٹنک نے ہندوستان میں نہ صرف قوانین کی اصلاح کی بلکہ انتظام مملکت میں لوگوں کے جائز حقوق شرکت پر بھی التفات اور لحاظ کرنے لگے۔ الفنسٹن بھی اپنی بات کا ایسا ہی پکا تھا جیسے منرو اور ان سب مراسلوں اور یادداشتوں میں جن میں یہ مسئلہ غور کے لئے پیش ہوا تھا اس نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے ٹامس منرو کے موسومہ خط (مورخہ ۱۸۲۲ء) سے ذیلی اقتباس تمثیلات پیش کیا جاتا ہے:۔

"میں سنتا ہوں کہ آپ نے مدراس میں ایک دیسیوں کی مجلس ترتیب دی ہے اور اگر آپ اس منصوبے کی نوعیت سے مجھ کو آگاہ فرمائیں گے تو میں آپ کا بہت ممنون ہوں اس انتظام میں ایک بڑا فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ہندوستانیوں کے لئے اعلیٰ اور کار آمد خدمات پر مامور ہونے کی ایک نئی راہ نکلتی ہے میرے لئے یہ معلوم کرنا باعث مسرت ہوگا کہ کیا آپ کے خیال میں یہ منصوبہ عدالت یا اور سررشتہ جات میں بھی پھیلایا جا سکتا ہے یا نہیں قطع نظر اس کے دیسیوں پر حکومت کرنے کے لئے اچھے دیسی صلاح کاروں اور مشیروں کی ضرورت ہے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم دیسیوں کو خود ان کے ملک کی حکومت میں کچھ نہ کچھ حصہ دینے کی کوئی راہ نکالیں اس طرح کرنے پر ہمیں بالکل مجبور ہو جانے کے لئے او پچاس برس جائیں لیکن حکومت اور تعلیم کا نظام جو ہم نے قایم کیا ہے آج نہیں تو کل اس ملک کے لوگوں میں ایسا تغیر پیدا کر دے گا کہ ان کو ذیلی خدمتوں تک ہی محدود رکھنا ناممکن ہو جائے گا اس وقت تک ہم نے اگر کوئی راہ ان لوگوں کی بلند حوصلگی اور لیاقت کے لئے نہ نکالی تو پھر ہم ایک ایسے دھماکے کی توقع کر سکتے ہیں جس سے یکایک ساری حکومت ہی تہ و بالا ہو جائے"۔

اس سے چار سال بعد الفنسٹن نے ہنری ایلس کو خط لکھا تو اس میں اس مضمون پر

اپنی اس پختہ رائے کا اور زیادہ پرزور الفاظ میں اظہار کیا۔

"ہمیشہ سے یہ خیال میرے ذہن نشین ہے کہ چینیوں کے ساتھ تاتاریوں کا جو برتاؤ ہے وہی ہندوستانیوں کے ساتھ ہمارا ابھی ہونا چاہئے یعنی حکومت اور فوجی اقتدار اپنے ہی ہاتھ میں رکھ کر ملکی نظم ونسق میں (الا اس درجہ نگرانی کے جو بحیثیت مجموعی نظم ونسق میں ایک حرکت ڈالنے اور اس کی رہنمائی کے لئے ضروری ہے) رفتہ رفتہ ہمیں حصہ لینا ہی بالکل چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ عمل اس قدر تدریجی ہونا چاہئے کہ اس سے آپ کے قیاس کے موافق نظماء کی اپنی ملکی سرپرستی کی خاطر خوفزدہ نہو جائیں۔ لیکن یہ مقصد ہمیشہ ہمارے ذہن نشین رہنا چاہئے تاکہ ہمارے سب تدابیر کا رخ اسی کی طرف رہے۔

الفنسٹن کا آخری دم تک بھی یہی خیال تھا اور ہمیشہ وہ اسی خیال کا اظہار کرتا رہا تھا۔ ہندوستان سے واپسی کے بعد بیس سال تک اپنے دیہی مکان واقع سرے میں نہایت امن اور چین کے ساتھ کتب بینی میں وہ اپنی سادہ زندگی گزار رہا تھا اور ہندوستان کے معاملات میں تمام لوگ اس کو سب سے بڑا مستند آدمی سمجھتے تھے چنانچہ دو چار مرتبہ اصرار کے ساتھ گورنر جنرل کی خدمت پر ہندوستان جانے کے لئے اس سے کہا بھی گیا تھا مگر اس وقت بھی وہ اپنی ایک ہی رائے پر قائم تھا اور کئی خطوط میں اس کا اظہار بھی اس نے کیا ہے۔

"ہم ...... کو چاہئے کہ دیسیوں کو وہاں پہنچا دیں جہاں پہنچکر وہ ایک ایسی حکومت خود اختیاری کے قابل ہو جائیں جو ان کے اور ہمارے اور ساری دنیا کے اغراض کے لئے مفید ہو اس شاندار کامیابی کے ساتھ اپنے فریضے کی انجام دہی کا احساس ہی سب سے زیادہ ہماری محنت وجفاکشی کی جزا ہوگا"

ہمیں اتنا اور کہنا ضروری ہے کہ الفنسٹن نے اپنے انتظام مملکت کے اثناء میں اس حکمت عملی پر کاربند رہنے میں ہر ممکنہ کوشش صرف کی اور مدراس میں مسٹر ٹامس منرو نے جو نظیر قایم کی تھی اس پر نظر کرتے ہوئے اس نے بھی بمبئی میں بہت سا عدالتی کاروبار مختلف درجے کے ہندوستانی سول ججوں کے سپرد کر دیا۔

الفنسٹن کے نظم ونسق کا تیسرا اور آخری مقصد لوگوں میں اشاعت تعلیم کرنا تھا اس زمانہ میں تعلیم کے نقطۂ نظر سے بمبئی سب پریسیڈنسیوں سے پیچھے تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پادری چند خیراتی مدرسوں پر نگرانی رکھتے تھے انکے علاوہ اشاعت تعلیم کی کوششیں امریکہ کے پادریوں کی اس مختصر سی جماعت تک محدود تھیں جو ۱۸۱۴ء میں وارد بمبئی ہوئی تھی۔

۱۸۲۰ء میں الفنسٹن نے ایک عام جلسہ کی صدارت کی اور غربا میں اشاعت تعلیم کرنے کے لئے ایک انجمن قایم ہوئی۔ الفنسٹن نے طباعت کتب اور عطائے انعامات کے لئے ۵۰۰ پونڈ اس انجمن کے نام منظور کرائے۔ اسی انجمن کے توسط سے جو کچھ تعلیم ملکی زبان میں ہوتی تھی وہ سولہ سال تک جاری رہی۔ ابتدائی تعلیم کے نظام میں طول طویل تحقیقاتیں کی گئیں اور ان کا نتیجہ ۱۸۲۳ء میں شایع بھی کر دیا گیا۔ اُس وقت صوبۂ بمبئی میں جس کی آبادی تقریباً پچاس لاکھ تھی ۱۷۰۵ مدارس اور ۳۵۱۴۳ طلبا تھے الفنسٹن نے جب اعلیٰ تعلیم کی اشاعت کی کوشش کی تو خود اس کی کونسل کے ارکان اور مجلس نظما دونوں نے مخالفت کی۔ الفنسٹن چاہتا تھا کہ بمبئی میں نوجوان سولین اشخاص کی تعلیم کیلئے ایک کالج قایم کیا جائے۔ جس میں دیسی سرکاری عہدہ داروں کی تعلیم کے لئے بھی ایک خاص شعبہ رہے اس کی کونسل نے مخالفت کی اور بہ حیثیت مجموعی نظمائے کمپنی سے اس منصوبے کی منظوری حاصل کرنے میں ناکامیابی ہوئی۔

تعلیم عامّہ کی اشاعت کے لئے الفنسٹن نے حسب ذیل تجاویز پیش کیں (۱) دیسی مدارس کی اصلاح اور تعداد میں اضافہ کرنا (۲) اوران مدارس کے لئے درسی کتابیں مہیا کرنا۔ (۳) ادنیٰ طبقات کو تعلیم کی طرف ترغیب دینا (۴) یورپی حکمت وفنون سکھانے کے لئے جدید مدارس کھولنا (۵) علوم عمرانی وطبعی پر ملکی زبان میں کتابیں تیار کرنا (۶) انگریزی پڑھانے کے لئے جدید مدارس قایم کرنا اور (۷) عام طور پر لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔ نظماء کو راضی کرنے کے لئے الفنسٹن نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا تھا کہ ان مدارس کے اخراجات کا بوجھ نظما پر بالکل کم رہے گا کیونکہ زیادہ تر ان مصارف کا بند وبست خود قصبوں سے ہوگا

با ایں ہمہ الفنسٹن کے ہندوستان سے روانہ ہونے تک تو اس کی تجاویز پر منظوری حاصل نہیں ہوئی تھی۔ بمبئی میں پہلا انگریزی مدرسہ الفنسٹن کی روانگی کے ایک سال بعد ۱۸۲۸ء میں کھولا گیا اور پونا کے سنسکرت کالج میں ایک انگریزی کا شعبہ بھی قایم کیا گیا۔ بمبئی کے مشہور ادارہ "الفنسٹن" کا افتتاح ۱۸۳۴ء میں ہوا۔ ہندوستان میں الفنسٹن کے اشاعت تعلیم کے اس مختصر کارنامہ کو اس کی ۱۸۲۴ء کی یادداشت سے دو ایک اقتباسات پر ہم ختم کرتے ہیں۔

"ہماری ہندوستان کی حکومت پر یہ اعتراض ہے کہ ہم نے مشرقی ریاستوں کو تہ و بالا کر دیا۔ جن ذرائع پر اس ملک کی شان و شوکت کا انحصار تھا ان کو بند کر دیا۔ اور خود ہم نے ایک بھی کارآمد یا پرشوکت تعمیر کی بنا نہیں رکھی۔ البتہ از روئے انصاف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے دیسیوں کے ہنر کے سب چشمے خشک کر دئیے۔ اور ہمارے فتوح کی نوعیت ہی کچھ ایسی تھی کہ نہ صرف قوم کی علم کو ترقی دینے کی ہمت پست ہو گئی بلکہ قومی علم و تبحر خود معرض خطر میں پڑ گیا اور ممکن ہے کہ پچھلے صاحبان فہم و ادراک کی ساری پیداوار ہی محو ہو جائے اس رسوائی اور الزام کے مٹانے کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے۔"

اور اسی سال الفنسٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

"اگر دیسیوں میں سرکاری ملازمت میں آنے کی قابلیت بہ احتیاط تمام پیدا کی جائے اور اس کے بعد ان سے اور زیادہ کام لیا جائے تو تصویر کا رخ بدل جائے گا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ہم دیکھ لیں گے کہ دیسی لوگ بھی ضلع کا اسی طرح انتظام کرنے لگیں گے جس طرح یورپی مددگار اب کر رہے ہیں۔ آیندہ ترقی کرنے کے بعد بعض دفعہ وہ رجسٹرار اور سب کلکٹر یا کلکٹر اور جج بھی بن سکتے ہیں۔ یہ محض خیال ہی خیال نہیں کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب دیسی لوگ یورپی لوگوں کے ساتھ وہی مناسبت رکھتے ہونگے جو چین کے باشندوں کی تاتاریوں کے ساتھ ہے یعنی یورپی لوگ حکومت اور فوجی اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور دیسی لوگ بہت زیادہ ملکی مراتب و خدمات پر اور مختلف فوجی ذیلی خدمتوں پر مامور رہیں گے۔"

اپنے وقت کے دو سب سے بڑے منتظمین مملکت اسی سال ہندوستان سے

رخصت ہو گئے ایک تو ٹامس منرو جو جولائی ۱۸۲۷ء میں دنیا سے ہی چل بسا۔ اور دوسرا مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن جس نے چار مہینے کے بعد ہندوستان کو خیر باد کہا۔ اسی سال لارڈ ولیم بنٹنک ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اور اس کام کے سرانجام کا سہرا جس کی مبارک ابتدا منرو اور الفنسٹن نے کی تھی بنٹنک کے سر رہا۔

نپولین کی لڑائیوں کے بعد رائے عامۂ یورپ میں اب اچھی ہو چلی تھی اور اس کے اثرات سے ہندوستان آنے والے منتظمین مملکت میں کوئی اتنا متاثر نہ ہوا تھا جتنا کہ بنٹنک تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہ مدراس کا گورنر تھا لیکن وہاں غدر ہونے پر اس کو خدمت سے علٰحدہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد بنٹنک یورپی سیاسی امور میں منہمک رہا۔ چنانچہ سسلی اور اطالیہ میں ڈیوک ارلینس کے ساتھ (جو بعد میں لوئی فیلپ کے لقب کے ساتھ شاہ فرانس ہوا) اطالیہ کی حریت و آزادی کے منصوبے سوچتا رہا ۱۸۱۴ء میں جینوا کی فتح کے بعد اس نے جینوا میں وہاں کا قدیم دستور پھر جاری کر دیا اور اطالوی قوم کو جد و جہد کرنے اور ایک آزاد قوم بننے کی دعوت بھی دیتا رہا۔ با ایں ہمہ فاتح حلفا قدیم انتظام ہی برقرار رکھنا چاہتے تھے اسی لئے ویانا کی کانگریس نے اطالیہ کو آسٹریا کی قابل نفرت حکمرانی کے تحت رہنے پر مجبور کر دیا اس سے تیرہ سال بعد جب فرانس میں ۱۸۳۰ء کا انقلاب ہونے والا ہی تھا اور جب انگلستان میں قانون اصلاح کے لئے ایک ہنگامہ بپا تھا لارڈ ولیم بنٹنک گورنر جنرل مقرر ہو کر ۱۸۲۸ء میں وارد ہندوستان ہوا۔

لارڈ ولیم بنٹنک نے جو انتظامی اور تعلیمی اصلاحیں کیں وہ اسی ڈھنگ کی تھیں جن کی بنا منرو اور الفنسٹن نے ڈالی تھی۔ عدالتی کام کا بہت کچھ حصہ لایق ہندوستانی عہدہ داروں کے سپرد کر دیا گیا اور ہندوستانیوں کے لئے متعدد اعلیٰ درجہ کی ججیاں قایم کر کے ان کو صدر امین کا لقب دیا گیا کچھ عاملانہ اور مالگزاری کا کام بھی ان لوگوں کے تفویض ہوا اور ڈپٹی کلکٹر کے لقب کے ساتھ متعدد مقامات پر اعلیٰ درجے کے خدمات بھی قایم کئے گئے۔

اس ستر سال سے زیادہ مدت میں ہندوستان کے تعلیم یافتہ اشخاص سے نظم و نسق کے نہایت ہی دشوار اور ذمہ دارانہ کاموں میں اپنی لیاقت و یا اور قابلیت کو ثابت کر دکھایا۔

شمالی ہند میں ۱۸۲۲ء کے بند و بست ہائے اراضی جن کے رو سے سرکار کو لگان کے تین ربع سے زیادہ بطور محصول اراضی وصول کرنے کا حق حاصل تھا انتہائی درجہ شدید ثابت ہوئے تھے۔ لارڈ ولیم بنٹنک نے اس نظام کو بدل دیا اور سرکاری مطالبہ کو گھٹا کر لگان کا دو ثلث کر دیا۔ ایک جدید بندوبست آر۔ ایم۔ برڈ نامی شخص کے زیر نگرانی ۱۸۳۳ء میں شروع ہوا جس سے رعایا کے نجات کی ایک شکل نکل آئی ساتھ ہی ساتھ زمین کے محاصل میں بھی حقیقی اضافہ کی صورت ہوئی۔ اس جدید بندوبست کا ذکر ہم آیندہ باب میں کریں گے۔

راجہ رام موہن رائے نے جو تعلیم یافتہ ہندوؤں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا اس ظالمانہ ستی کے رسم کو مسدود کرنے میں جس کی رو سے ہندو بیوائیں اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ چتا میں جل مرتی تھیں گورنر جنرل کا پورا ساتھ دیا اور مسٹر سلیمن کے نام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے اس جرائم پیشہ طبقہ کو جو ٹھگ کہلاتے تھے اور ہندوستان کے مختلف اقطاع کے لوگوں کو ایذا اور ضرر پہنچاتے تھے بالکل فنا کر دیا۔

کمپنی کے منشور کی تجدید ۱۸۳۳ء میں ہوئی اور کمپنی کی ساری تجارت اٹھا دی گئی۔ اس کے بعد کمپنی کی حیثیت بجائے تاجروں کی ایک جماعت کے ہندوستان کے منتظمین مملکت کی سی ہوگئی نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انتظام مملکت برقرار رکھنے میں لارڈ ولیم بنٹنک بہت کام کا اور ہر وقت مدد دینے والا آدمی ثابت ہوا۔ گورنر جنرل کی کونسل میں قانونی رکن کی ایک نئی خدمت قایم کی گئی جس پر سب سے پہلے مشہور آفاق مکالے مقرر ہو کر ہندوستان آیا۔ کبھی کسی گورنر جنرل کو ایسے پرجوش ہم کار نصیب نہیں ہوئے تھے جیسے بنٹنک کو ملے تھے جیسا کہ پچھلے باب میں بیان

کیا گیا ہے ٹریویلین نے سب سے پہلی قطعی کارروائی یہ کی کہ محصولات راہداری کو جو اتنے دنوں تک ہندوستان میں مزاحم تجارت رہے تھے بالکل موقوف کردیا مکالے تمام قانونی کارروائیوں میں مدد دیتا تھا مکالے نے اس مشہور تعزیرات ہند کا مسودہ مرتب کیا جو آج تک دنیا کے بہترین قوانین میں شمار ہوتا ہے بنکاف بھی لارڈ ولیم کے خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اسی کی حکمت عملی کا پیرو رہا۔ اور اپنے مختصر عہد حکمرانی میں ہندوستان کے اخبارات کو آزادی عطا کردی۔

جہاں صحیح طور پر اصلاحات ہوتے ہیں وہاں ہمیشہ مصارف میں تخفیف بھی ہوجاتی ہے چنانچہ لارڈ ولیم بنٹنک نے ہندوستان کے موازنہ میں ایک زمانہ کی کمی کو فاضلات سے بدل دیا۔ ۱۸۱۴ء سے ۱۸۲۹ء تک یعنی پندرہ سال کے اثناء میں جملہ کمی تقریباً دو کروڑ پونڈ انگلشیہ تھی در آنحالیکہ اسی دور کے آخری چھ سال میں سالانہ کمی کی مقدار تیس لاکھ پونڈ تک پہنچ گئی تھی۔ لارڈ ولیم بنٹنک کے انتظام مملکت میں یہ کمی بیس لاکھ پونڈ کی فاضلات سے مبدل ہوگئی۔

ہندوستانی نظم ونسق میں حقیقی اصلاح کرنے والا کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اتہام یا الزام سے کبھی بچا ہو۔ ہندوستانی عہدہ داروں کی توسیع اختیارات دیوانی پر یورپی اشخاص جو اس وقت ہندوستان میں تھے بہت بگڑتے تھے اور اس قانون کا جس کی رو سے ان لوگوں کے کلکتہ کی عدالت العالیہ میں مستغاثہ دیوانی کرنے کے حقوق چھن گئے تھے "سیاہ قانون" نام رکھا تھا۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکالے اور لارڈ ولیم بنٹنک پر گالیوں کی بوچھار ہونے لگی۔ مورخ تھارنٹن کی فہم وفراست کو بھی تعصب بہا لے گیا اور اس نے بنٹنک کے متعلق یہ لکھ مارا کہ "اس میں ڈچ آدمی کی سی احتیاط تو تھی ہی اطالوی دغابازی مزید برآں ہوئی" برطانوی منتظمین مملکت کو ایسے لوگوں کی تکمیل اغراض کے لئے جن کا کوئی نمایندہ نہیں اپنی عرق ریزی کا صلہ ایک دو بار نہیں بلکہ ہمیشہ یہی ملتا رہا ہے چنانچہ حالیہ زمانے میں کیننگ اور رپن کی مثالیں موجود ہے۔

بمقابل کلکتہ کے بمبئی میں انگریزی تعلیم نے زیادہ ترقی کی تھی کلکتہ کے گھڑی ساز ڈیوڈ ہیر نامی نے ایک انگریزی مدرسہ کھولا تھا اسی لئے اس شخص کا لقب "بانی تعلیم انگریزی" پڑ گیا ہے۔ جو آج تک بنگالہ میں زبان زد خاص و عام ہے اس کے بعد ۱۸۱۷ء میں مارکوئیس ہیسٹنگز نے کلکتہ کا ہندو کالج قائم کیا یہ مسئلہ پیش ہوا کہ ہندوستان میں تعلیم انگریزی میں دی جائے یا سنسکرت اور عربی یا ہندوستان کی دوسری ملکی زبانوں میں۔ مستشرقین نے جو مشرقی ادبیات وغیرہ کی اعلیٰ خوبیوں کے قدرشناس تھے اس پر زور دیا کہ خود ان کی زبان میں لوگوں کی تعلیم ہونی چاہئے لیکن مکالے اور ٹریولین کے سے زیادہ علمی اشخاص کی رائے یہ تھی کہ جدید علم و حکمت کی صحیح تعلیم جدید زبان کے سوا کسی اور زبان میں نہیں دی جا سکتی۔ مکالے کی عالمانہ یادداشت نے جواب ایک خاص تاریخی سند کی حیثیت رکھتی ہے اس بحث و مباحثہ کا گویا تصفیہ ہی کر دیا۔ مکالے کو سنسکرت کے ادبیات کا پورا اندازہ نہ تھا اس کے باوجود وہ جس نتیجہ پر پہنچا بالکل درست تھا یعنی جدید تعلیم جدید زبان ہی میں دی جا سکتی ہے۔

"فرض کرو کہ خدیو مصر جس کا ملک کسی زمانے میں علم و حکمت میں یورپ کی تمام اقوام سے برتر تھا لیکن اب انھیں اقوام سے بہت پیچھے ہے ادبیات کو پھر زندہ کرنے اور ترقی دینے کی غرض سے اور تعلیم یافتہ مصریوں کی حوصلہ افزائی کی خاطر ایک رقم مختص کر دے تو کیا اس سے کوئی شخص یہ معنی نکال سکتا ہے کہ خدیو مصر کا مطلب ہے کہ مصری نوجوان قدیم مصری نقش و نگار کی تحریروں کے مطالعے میں سالہا سال صرف کریں اور ان تمام مذہبی اعتقادات کو ڈھونڈ نکالیں جو" اوسیریز" کے فسانوں میں پوشیدہ ہیں اور تمام ممکنہ تحقیق کے ساتھ ان مذہبی رسوم کا پتہ لگائیں جن کی اتباع میں بلیوں اور پیاز کی ڈلیوں کی قدیم زمانہ میں پرستش کی جاتی تھی۔ کیا مقتضائے انصاف یہی ہے کہ خدیو مصر پر تلون مزاجی کا الزام لگایا جائے اگر وہ اپنی رعایا کے نوجوان افراد کو مصری میناروں کے کتبات کرید کرید کر پڑھنے پر

لگانے کی بجائے انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کو سیکھنے اور وہ سب علوم وفنون حاصل کرنے کا حکم دے جن کی کنجی بھی زبانیں ہیں۔

ہمیں ایک قوم کو جس کی اس زمانے میں مادری زبان میں تعلیم نہیں ہو سکتی تعلیم دینا ہے اس لئے کوئی نہ کوئی غیر زبان انھیں سکھانی لازمی ہے یہ ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ ہماری اپنی زبان کے جو دعوے ہیں ان کو پھر ہم یہاں دہرائیں مغرب کی اور زبانوں میں بھی انگریزی زبان ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور بس یہی نہیں بلکہ خود ہندوستان کے حکمراں طبقے میں انگریزی زبان ہی بولی جاتی ہے اور مشرقی بروبحر میں ہر جگہ یہی تجارتی کاروبار کی زبان بن سکتی ہے یہی ان دو یورپی اقوام کی بھی زبان ہے جو اس وقت نہایت عروج پر ہیں ایک وہ ہے جو جنوبی افریقہ میں ہے اور دوسری وہ ہے جو آسٹریلیشیا میں ہے اور نہ صرف یہ دونوں قومیں روز بروز زیادہ اہم بنتی جارہی ہیں بلکہ ہماری ہندوستانی شاہنشاہی کے ساتھ ان کے زیادہ قریبی روابط قایم ہورہے ہیں خواہ ہم اپنے ادبیات کی معنوی قدر پر نظر کریں یا اس ملک کے خاص موقع محل کو دیکھیں ہمیں قوی سے قوی دلایل اس خیال کی تائید میں ملیں گے کہ سب غیر زبانوں میں انگریزی زبان ہی ایسی ہے جو ہماری دیسی رعایا کے لئے نہایت کارآمد ہوگی۔"

مکالے کی یادداشت کی ناقابل مقابلہ منطق اور بے مثال زور بیان کے آگے سارے مستشرقین نے ہار مان لی۔ فیصلہ کردیا گیا کہ ہندوستان کے لوگوں کو انگریزی زبان میں ہی تعلیم دینی چاہئے اس کے انیس سال بعد اس فیصلے کا ضمیمہ اس مشہور مراسلہ کو سمجھنا چاہئے جس کو ۱۸۵۴ء میں مکالے نے موضوع تعلیم پر تحریر کیا تھا۔ اس مراسلہ میں انتظام تعلیم کے متعلق مکالے نے لکھا تھا کہ ہندوستانی مدارس میں ابتدائی تعلیم تو ہندوستان کے ملکی زبانوں میں ہونی چاہئے مگر آگے چلکر اعلی تعلیم صرف انگریزی زبان میں ہو چنانچہ ہندوستان کی شعبۂ تعلیم میں یہی حکمت عملی آج تک قایم ہے۔

۱۸۳۵ء سات سال تک نہایت بافیض اور کامیاب حکمرانی کے بعد ۲۰ مارچ

میں لارڈ ولیم بنٹنک ہندوستان سے رخصت ہوا۔ مکالے کے شرح و واضح الفاظ میں جو کلکتہ میں بنٹنک کے مجسمہ کے چبوترے پر کندہ ہیں اس نے "کبھی فراموش نہیں کیا کہ محکوم کی خوشحالی حکومت کی اصلی غایت ہے"
ہندوستان سے مراجعت کرنے پر ۱۸۳۲ء میں لارڈ ولیم بنٹنک لبرل یعنی جدت پسند فرقہ کی طرف سے شہر گلاسگو کا نمایندہ ہو کر رکن پارلیمنٹ منتخب ہوا لیکن اپنی زندگی کا بڑا وقت اس نے فرانس ہی میں گزارا جہاں اس کا یار عزیز لوئی فیلپ اس وقت شاہ فرانس تھا اور جون ۱۸۳۹ء میں پیرس ہی میں رحلت کی۔ خاص حقوق رکھنے والے طبقات نے جو الزام و اتہام بنٹنک کے سر لگائے تھے وہ سب نظر انداز ہو گئے۔ اس کی وفات کے چودہ سال بعد سر چارلس ٹریویلین نے جو بنٹنک کا ہندوستان میں ہم کار رہا تھا دارالامرا کی مجلس کے سامنے اپنی شہادت میں بنٹنک کے انتظام مملکت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے جن پر ہندوستان کے لوگوں کی قبولیت عامہ کی مہر ثبت ہے "میں لارڈ ولیم بنٹنک کے متعلق یہی گواہی دوں گا کہ گو ہندوستان میں ہماری قلمرو کے قیام کا اعزاز دوسروں کے سر ہا لارڈ ولیم بنٹنک بھی اس بات پر بڑی تعریف کا سزاوار ہے کہ اس نے اس عظیم اصول کے اعتراف سے کہ ہندوستان پر اس طرح کی حکمرانی ہونی چاہئے جس سے ہندوستانیوں کو نفع پہنچے اور اس کی بدولت ہیں جو فوائد حاصل ہوں وہ محض اتفاقی یا معمولی ہوں ہندوستان پر ہماری فرمانروائی کی صحیح بنیاد رکھی"
اس میں شک نہیں کہ منرو۔ الفنسٹن۔ بنٹنک۔ ٹریویلین۔ مٹکاف اور مکالے جیسے لوگوں کے ہندوستانی نظم و نسق میں ہمیشہ یہی اعلیٰ نصب العین پیش نظر رہا ہے اگر یہ ممکن ہوتا کہ ایک قوم دوسری قوم کی بھلائی کے کام کرے تو ہندوستان پر آج اسی طرح کی حکمرانی رہتی جس سے ہندوستانیوں کو نفع پہنچتا" لیکن یہ فطرت انسانی ہی میں نہیں ہے کہ آدم کی اولاد ایکدوسرے کی بھلائی کا کام کرے گی چنانچہ اس امر واقعہ کو نظر انداز کرنا بیکار ہے ہندوستان کے تمام تجارتی صنعتی۔ معاشی اور مالیاتی اغراض آج تک بھی

انگلستان کے اغراض کے تابع ہیں کیونکہ نوع انسان نے کسی مطیع قوم کی بھلائی کے لئے حکمرانی کا کوئی اور طریقہ اب تک دریافت نہیں کیا ہے بجز اس کے کہ خود قوم کے اپنے معاملات کا انتظام کچھ نہ کچھ قوم کے ہی سپرد کیا جائے۔ اور قوم کو کچھ نہ کچھ حق نمایندگی اور تھوڑی بہت حکومت خود اختیاری دیجائے جب تک یہ حکمت عملی ہندوستان میں بھی اختیار نہ کی جائے گی اس وقت تک یہ کہنا کہ "ہندوستان پر حکمرانی ہندوستانیوں کو نفع پہنچانے کے لئے ہونا چاہیئے" نہ صرف ایک بے سود بات ہے بلکہ ایک نہایت دل شکن ہجو ملیح بھی۔

بیسواں باب

الفنسٹن بمبئی میں (۱۸۱۷ء — ۱۸۲۷ء)

مرہٹوں کے آخری پیشوا باجی راؤ کی قلمرو کا ۱۸۱۷ء میں الحاق کرلیا گیا اور طویل تعاقب کے بعد اس کے دوسرے ہی سال باجی راؤ بھی گرفتار ہوگیا اور وظیفہ لے کر ریاست سے دست بردار ہوجانا اس نے قبول کرلیا۔ پچھلے زمانے میں جو پیشوا کی وسیع قلمرو تھی آج وہی صوبۂ بمبئی کے اہم ترین اقطاع ہیں۔

اس وسیع خطے میں بندوبست کرنے کا فریضہ کمپنی کے بہترین اور قابل ترین عاملوں میں سے ایک کے سر پڑا۔ مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن گیارھویں لارڈ الفنسٹن کا بیٹا تھا اور جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے ۱۷۹۶ء میں وارد ہندوستان ہوا تھا مختلف تجربے حاصل کرنے کے بعد ۱۸۱۱ء میں پونا کا رزیڈنٹ مقرر ہوا۔ اور ۱۸۱۸ء میں باجی راؤ کی عملداری کے الحاق کے بعد یہ وہاں کا

کمشنر ہو گیا۔
الفنسٹن کے انتخاب سے بہتر کوئی اور انتخاب نہیں ہو سکتا تھا اگرچہ یہ ٹامس منرو سے بیس سال چھوٹا تھا مگر اس میں بھی مالگزاری کا کام کرنے کی وہی قابلیت تھی رعایا کے ساتھ وہی ہمدردی تھی وہی علمی احساس تھا اور شاہنشاہی ہند کی ترقی کے لئے وہی فراخ نظری اور تدبر تھا جو ٹامس منرو میں تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے پہلے نصف حصے میں ہندوستان میں متعدد ممتاز منتظمین مملکت ایسے پیدا ہوئے جو نہ صرف رعایا کے ساتھ ہمدردی رکھنے میں بلکہ تنظیم کی خاص قابلیت اور اعلیٰ کارگذاری میں بھی ممتاز تھے اس بات کا اعتراف ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوسرے مستحق ستائش عمال وقت کے حق میں موجب ناانصافی غالباً نہ ہوگا کہ مدراس کا منرو اور بمبئی کا الفنسٹن دونوں ان سب لوگوں میں ممتاز و سربلند تھے۔ غور کرنے پر یہ افسوسناک صورت حال ناظرین کے خیال میں آتی ہے کہ ایسے ہمدرد منتظمین مملکت کا طبقہ انیسویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں نادارالوجود بن گیا تھا اور اس زمانے کے منتظمین مملکت باشندوں کی ترقی یا احساس خود اختیاری کو فروغ دینے کی بجائے ان کی سیاسی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنے کے خواہشمند تھے۔

الفنسٹن نے "پیشوا کی قلمرو مفتوحہ پر رپورٹ" لکھی اور اکتوبر ۱۸۱۹ء میں گورنر جنرل کی خدمت میں پیش کی۔ اس رپورٹ میں ملک کی حالت اور بندوبست کے وہ طریقے جو وہاں اختیار کئے گئے تھے سب بالتفصیل نہایت قابلانہ طور پر اس نے بیان کئے ہیں۔ یہ رپورٹ بہت ضخیم ہے اور "ایسٹ انڈیا کاغذات" کی چوتھی جلد کے تقریباً ستر صفحے اس رپورٹ سے بھر گئے ہیں۔ یہاں ہم اس کے چند اقتباسات سے زیادہ پیش نہیں کر سکتے۔

ملت دیہی

خواہ کسی نقطۂ نظر سے ہم دکن کی دیسی حکومت کو دیکھیں سب سے پہلے

اور سب سے اہم جو شکل ہمیں نظر آتی ہے وہ وہاں کی تقسیم بلا دو قصبات ہے ۔ ہر ملت دیہی میں مملکت کا سب سامان ایک مختصر پیمانے پر موجود ہے اور کسی قسم کی حکومت کے زیر اثر رہے بغیر بھی وہ اپنے ارکان کی معقول محافظت کر سکتی ہے ۔ اگرچہ اس کی تنظیم غالباً حکومت کے نہایت ہی عمدہ تشکیل کے مناسب حال نہیں ہے پھر بھی اس کے ذریعہ سے حکومت کے نقائص کا علاج اور بڑی حکومت کی غفلت شعاری اور کمزوری کا انسداد ممکن ہے اور حکومت کے مظالم اور غارتگری کی بھی تھوڑی بہت روک تھام ہوتی ہے ۔

ہر قصبہ میں کچھ ایسی ملحقہ زمین بھی ہوتی ہے جس کا انتظام وہاں کے باشندوں کے سپرد ہوتا ہے ۔ حدبندی احتیاط کے ساتھ کی جاتی ہے اور نہایت خبرداری کے ساتھ حدود کی نگرانی ہوتی ہے ۔ حدود کو کھیتوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ان کھیتوں کی انتہا یا کم و کاست ہر شخص جانتا ہے ہر کھیت کا ایک نام رکھا جاتا ہے اور اس کی کاشت چھوڑے ہوئے ایک زمانہ بھی گزر جائے تو بھی وہ بالکل علحدہ ہی رہتا ہے گاؤں والے تقریباً سبھی کسان ہوتے ہیں مگر گاؤں کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے ان میں بعض تاجر اور کاریگر بھی رہتے ہیں ۔ ہر گاؤں کا صدر ایک پٹیل ہوتا ہے جس کا ایک مددگار بھی ہوتا ہے اس مددگار کا لقب "چوگلا" ہوتا ہے ایک محرر ہوتا ہے جس کو "کلکرنی" کہتے ہیں ۔ ان کے علاوہ بارہ دیہی ملازمین اور بھی ہوتے ہیں جو "بارہ بلوتی" کے نام سے مشہور ہیں ۔ یعنی جوتشی پجاری بڑھئی ۔ نائی وغیرہ لیکن ان میں سے وہ لوگ حکومت کے نظم و نسق سے تعلق رکھتے ہیں وہ صرف سنار یا پاٹدار ہیں جو زر کو پرکھتے ہیں اور مہار ہیں جو دوسرے اہم فرائض کے علاوہ گاؤں کی چوکی داری بھی کرتے ہیں ۔ جہاں ان لوگوں کے اصلی خاندانوں کی شاخیں ہو گئیں ہیں وہاں ایک ہی ذات کے کئی اشخاص موجود ہیں ۔ چنانچہ کسی گاؤں میں بھی مہار چار پانچ سے کم نہ تھے اور جہاں ان اقوام کی تعداد زیادہ تھی وہاں اکثر مہار کے علاوہ بھیلوں یا راموشیوں سے چوکیداری لی جاتی تھی مگر یہ لوگ مہاروں کے

دوسرے فرائض انجام نہیں دیتے تھے ۔

پٹیل گاؤں کے اہم ترین کارداروں ہی نہیں ہیں بلکہ دیہات میں غالباً اہم ترین طبقہ انھیں کا ہے۔ ان کو حکومت کی طرف سے پٹیلی کی خدمت عطا ہوتی ہے اور عموماً یہ عطا مغلیہ سلاطین کی ہے اس عطا کی رو سے ان کو زمین اور رسوم کا حق حاصل ہوتا ہے اور چھوٹے چھوٹے مختلف مراعات وامتیاز بھی ملتے ہیں جن سے وہ اپنی زمینوں کی طرح وابستہ ہیں ان کی خدمت اور آمدنی دونوں موروثی ہیں پھر بھی حکومت کی منظوری سے ان کو فروخت کیا جا سکتا ہے لیکن اشد ضرورت کے سوائے ان کو فروخت نہیں کیا جاتا گو کبھی کبھی کسی کو شرکتی دار بنا لیا جاتا ہے مگر قدیم قابض کی برتری کو باحتیاط تمام محفوظ کر لینے کے بعد پٹیل گاؤں کی کوتوالی کا اور عدالتی نظم ونسق کا عہدہ ہوتا ہے لیکن یہاں بحیثیت کارپرداز مالگزاری اس کا ذکر آیا ہے۔ اس حیثیت سے وہ چھوٹے پیمانہ پر وہی کام انجام دیتا ہے جو معاملہ دار یا کلکٹر بڑے پیمانہ پر کرتا ہے وہ ان کاشتکاروں کو زمین دیتا ہے جن کی اپنی زمین کوئی نہیں ہوتی اور کس شخص کو کیا لگان ادا کرنا چاہئے اس کا تعین کر دیتا ہے۔ تمام رعیت سے منجانب حکومت مالگزاری وصول کرتا ہے اور مالگزاری کے سارے انتظامات ان کے ساتھ کرتا ہے اور کاشتکاری کی ترقی اور گاؤں کی سرسبزی کے لئے بہت کچھ کوشش بھی صرف کرتا ہے اگرچہ اصل میں یہ حکومت کا ہی ایک کارپرداز ہے لیکن اب وہ رعیت کا نمایندہ بھی متصور ہوتا ہے اور حکومت کے احکام کی بجا آوری ہی میں وہ کارآمد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے حقوق سرکار کے سامنے پیش کرنے یا کم از کم ناانصافی سے سرکار کو آگاہ کرنے میں بھی وہ مدد دیتا ہے ۔

میراث دار یا مالک زمین کاشتکار

رعیت کے بیشتر افراد اپنی اپنی زمینوں کے مالک ہیں بشرطیکہ ان کا مقررہ محصول آراضی سرکار کو برابر ادا ہوتا رہے ان کی ملکیت موروثی اور

قابل فروخت ہے اور جب تک وہ محصول ادا کرتے رہیں زمین سے کبھی بے دخل نہیں کئے جاتے محصول ادا نہ کرنے پر بھی ایک عرصۂ دراز یعنی کم سے کم تیس سال تک یہ سرکاری واجب الادا رقوم وغیرہ کی ادائی پر وہ اپنی اپنی زمین واپس لے سکتے ہیں ان کی مالگزاری مقرر تھی لیکن سابقہ مرہٹہ حکومت نے طرح طرح کے محصولات سے انھیں لاد دیا تھا جس کی وجہ سے مقررہ مالگزاری کا فائدہ محض برائے نام رہ گیا تھا بایں ہمہ ان کی مملوکہ زمینات کی قدر و قیمت اس کی بدولت تباہ نہ ہونے پائی تھی اگرچہ حکومت ان کی قرقی تحصیل سے یوں فائدہ اٹھاتی رہی تھی کہ "اپری" سے کہیں زیادہ ان سے وصول کر لیتی تھی معمولی حالات میں بھی کسی میراث دار کی نادہندگی پر سارے میراث داروں پر سرکاری مطالبہ کی تکمیل لازمی تھی بایں ہمہ ان کی زمینیں قابل فروخت تھیں اور عموماً دہ سالہ آمدنی کے حساب سے بک جاتی تھیں۔

"سارے مہاراشٹر میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ ہنود کی قدیم حکومت میں تمام زمین "میراثیوں" کے قبضہ میں تھی۔ اور مسلمانوں کے مظالم سے قدیم مالکان اراضی خراب و خستہ حال ہو گئے تو "اوپریوں" کا آغاز ہوا۔ اس خیال کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر کھیت جن کی کاشت اب "اوپری" کرتے ہیں وہی کتابوں میں مفقود مالکان اراضی کے نام پر بتائی گئی ہیں یہ بات اور جزیرہ نما کے دوسرے اقطاع کے ماحول کا مشاہدہ اور منو کا مقررہ کم مقدار محصول آراضی یہ سب مل کر اس قیاس کی قوی تائید کرتے ہیں کہ ہنود کے حکومت میں نظام مالگزاری (بشرطیکہ ان کا کوئی یکساں نظام رہا ہو) زمین کی خانگی ملکیت پر ہی مبنی تھا۔"

انگریزی راج کے تغیرات

ہمارے تسخیر ملک کے زمانے سے جو نظام مالگزاری اختیار کیا گیا تھا اس کا خاکہ میرے اس مراسلے میں ہے جو ۱۰ جولائی کو کلکٹر کو ہدایات

دینے کے لئے میں نے لکھا تھا اور اس مراسلہ میں بھی جس میں ۴ ار جولائی کو معاملہ داروں کے نام میں نے احکام صادر کئے تھے۔ اس کے اہم اصول یہ ہیں کہ متاجری مالگزاری کو برخاست کر دیا جائے۔ لیکن بہر صورت دیسی نظام برقرار رکھا جائے۔ حقیقی کاشت کے تناسب مالگزاری وصول کی جائے لگان کی مقدار کم ہو جدید محصول نہ لگائے جائیں اور قدیم اس وقت تک موقوف نہ کئے جائیں جب تک کہ وہ صریحاً ناواجبی نہ ہوں اور ان سب پر مقدم یہ کہ کوئی جدت پیدا نہ کی جائے۔ پھر بھی کئی جدتیں پردیسی حکمرانوں کے آنے اور حکومت کے اجنبی قاعدے لانے سے پیدا ہوگئیں لیکن سررشتہ مالگزاری میں ان میں سے بیشتر مفید ثابت ہوئیں۔ پہلے یہ ملک متعدد معاملہ داروں کے تحت تھا جن کی عملداریاں اور اختیارات برابر برابر کے نہ تھے مگر اب پانچ اعلیٰ عہدہ دار و (بشمول ستارا) کے زیر حکم جن کا وقار اور اعزاز بھی بڑھا ہوا ہے یہ ملک کر دیا گیا ہے۔ حاکم اعلیٰ ضلع میں رہتا ہے اور اپنا سارا وقت ضلع کے کاروبار میں صرف کرتا ہے اس کے تحت کارپرداز بھی اسی کے مثال کی پیروی کرنے پر مجبور ہیں مرہٹوں کے منتشر علاقہ جات مالگزاری کی از سر نو تنظیم ایک دوسرے سے متصل جدید اضلاع بنائے گئے ہیں جن میں سے ہر ضلع پر ایک معاملہ دار مقرر کیا گیا ہے اور ہر ضلع سے پچاس سے لیکر ستر ہزار تک سالانہ آمدنی ہوتی ہے؟

پردیسی حکومت کی خرابیاں

بہت سی خرابیاں جو اب تک اس ملک میں پیدا نہیں ہوئی تھیں پردیسی حکومت کے ساتھ ان کا وجود میں آنا ضروری ہے۔ لیکن شاید مناسب احتیاط کی بدولت بڑی بڑی خرابیاں واقع نہ ہونے پائیں متعدد اعلیٰ طبقے کے افراد قعر فلاکت میں پڑیں گے اور فوج و دربار میں جن کی نوکریاں تھیں ان میں سے اکثر کی روزی چلی جائے گی۔ یہ دونوں مصیبتیں باجی راؤ کے دور حکومت کے آغاز میں پیش آئی تھیں لیکن چونکہ حکومت کا ڈھانچہ کہیں ٹوٹا نہ تھا

اس لئے ان نیم خرابیوں کا برا اثر وہیں دب گیا۔ کیا ہم بھی حکومت کے ڈھانچے کو اپنی اصلی حالت پر رکھ سکتے ہیں، ابھی اس کی آزمایش کرنی ہے کوتوالی کا موجودہ نظام قصبات کی حدتک آسانی کے ساتھ علی حالہ قایم رکھا جاسکتا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ دیہی عملے کا حسب حال برقرار رکھنا اور سب کچھ معاملہ دار کی زیر نگرانی کر دینا کافی ہے۔ بلکہ پٹیل کو گاؤں کے کاروبار پر خرچ کرنے میں اور چھوٹی موٹی ابتری یا ہل چل کے روک تھام میں کچھ نہ کچھ آزادی دیکر گاؤں میں اس کی توقیر اور اثر کو برقرار رکھنا چاہئے بعض لوگوں کی آرزو ہے کہ کاش یورپی عہدہ داروں کے لئے ایسے مقدمات میں شکایتوں کی سماعت کرنا ممکن ہوتا لیکن میں اس آرزو سے کوسوں دور ہوں بلکہ یہی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ یورپی عہدہ داروں کو ان مقدمات کی تحقیقات کے لئے وقت ہی نہیں ملتا میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ معاملہ دار بھی ایسے مقدمات کو پٹیل پر ہی چھوڑ دے اور اس طرح اس اقتدار کی حفاظت کا سامان کر دے جس کی امداد پر حکومت کے ہر شعبے میں ہمارا بہت کچھ انحصار ہے پٹیل کا کلکٹر مالگزاری سے ملکر سرگرمی کے ساتھ کام کرنا فصول مقدمات دیوانی و مالگزاری کے لئے بھی ایسا ہی ضروری ہے جیساکہ کوتوالی کے لئے اور اسی لئے بہر صورت پٹیل کو ملا کر رکھنا چاہئے۔ تعزیر و تنبیہ کے لئے پٹیلوں کے افعال کو بار بار ان کے اعلیٰ عہدہ داروں کے سامنے پیش کرنے میں جتنی احتیاط اس امر کی کی جائے کم ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو مفوضہ فرائض ان پر دوبھر ہو جائیں اور ان کا اثر بھی کم ہو جائے ان کے مظالم کی شکایتیں تو میں ہر وقت سننے کو تیار ہوں لیکن محض مراسم و طریق کارروائی کی لاپروائی پر میں ان کو چھیڑنا پسند نہیں کرتا۔ اور مجھ سے پوچھا جائے تو میں چھوٹی موٹی شکایتوں کا اپنی مرضی اور اپنے ڈھنگ پر تصفیہ کرنے کے لئے ان کو پوری آزادی دیدوں بشرطیکہ کسی فریق کو کوئی سنگین سزا نہ دی جائے"۔

تعلیم

"کتابیں کمیاب ہیں اور جو معمولی کتابیں انتخاب کی گئی ہیں وہ کچھ ویسی ہی

ہیں لیکن ہنود کی زبانوں میں متعدد قصے اور افسانے ایسے موجود ہیں جو سب کے پڑھنے کے قابل ہیں اور جن کے پڑھنے سے عوام میں اچھے اخلاق کی اشاعت ہو سکتی ہے اچھے اخلاق سکھانے والی مذہبی کتابیں بھی ان میں ہونی چاہئیں اگر ان میں کی متعدد کتابیں طبع کی جائیں اور ارزاں قیمت پر یا مفت تقسیم ہوں تو بیشک ان کا اثر بہت پھیلے گا اور مفید ہوگا۔ لیکن یہ لازمی ہے کہ یہ کتابیں ہنود ہی کی ہوں۔ ہم قابل اعتراض اخلاق سکھانے والے پند و نصائح چھپنے قبل حذف کر دیسکتے ہیں لیکن ذرا بھی مذہبی مباحث کا شائبہ ان میں پیدا ہونا ہمارا منصوبہ کو ناکامیاب بنا دے گا۔

یہی مناسب ہوگا کہ ہندوؤں کی اصلاح میں خود ان کی تعصبات سے ہم کام لیں۔ اور مذہب کے بندھنوں سے جو قانون کے بندھنوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں ان کے عیوب کو جکڑ دیں۔ اگر ہم ان کے موجودہ عقائد کو برقرار رکھیں لیکن ان کی کدورت دور کرنے کے لئے ان کی عقل بھی روشن کریں تو ان کی اس معیار کمال کے قریب قریب لا سکتے ہیں جہاں ان کو پہنچانے پر ہر شخص متفق الخیال ہے۔ اگر ان کے دین و ایمان پر حملہ کیا جائے گا اور اس میں کامیابی ہوگی تو اصولاً اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے جو عملاً پائی جاتی ہے کہ وہ سرے سے مذہب ہی کے ادب و احترام میں متزلزل بن جائیں گے۔ اور ان کا رآمد قیود سے آزاد ہو جائیں گے جو ایک مذہبی عقیدے کی وجہ سے خواہ ایسا عقیدہ توہم ہی کیوں نہ ہو انسانی جذبات و نفسانی خواہشات پر غالب رہتے ہیں؟

دیہی پنچایت

"ان تمام نقائص کے باوجود مہاراشٹر نہایت خوشحال تھا اور وہاں کی رعایا بھی بعض ان برائیوں سے بری تھی جو ہماری بہتر حکومت میں موجود ہیں۔ اس نظام میں ضرور کچھ نہ کچھ ایسے فوائد ہوں گے جن سے ان علانیہ نقائص کی تلافی ہوتی ہوگی۔ میری دانست میں یہ فوائد اکثر و بیشتر اس ایک

بات کا نتیجہ تھے کہ گو حکومت رعایا کی حق رسی کے لئے خود کچھ نہیں کرتی تھی لیکن اس نے خود ان کے ذرایع حق رسی کو انہی پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کا فائدہ انہی نیچ اقوام کو زیادہ محسوس ہوتا تھا جو حکمرانوں کے حلقہ اثر سے باہر تھے اور جن کے نظر انداز کئے جانے کا ہر حکومت کے تحت اندیشہ رہتا تھا۔ پنچایت کے ذریعہ معقول طور پر وہ آپس میں انصاف کر لیتے تھے اور یہ بھی ایک اتفاقی بات ہے کہ مذکورالصدر اعتراضات میں سے کثر ان پر منطبق نہیں ہوتے تھے۔

" اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ دیہی نظام کو بحفاظت برقرار رکھا جائے اور بدنظمیوں کی بیخ کنی اور اسکی تقویت کے ذرائع اختیار کئے جائیں یہ طریق عمل بمقابل کسی یک لخت تغیر کے دیسیوں کے زیادہ پسند خاطر ہوگا اور اگر یہ بالکل ناکامیاب ہو بھی تو عدالتوں کو از سر نو قائم کرنا کبھی بعد از وقت نہیں ہو سکتا۔

ہمارا اصلی آلۂ معدلت پنچایت ہی رہنی چاہئے اور ہماری طرف سے کسی قسم کی جدید تشکیل یا مداخلت یا قواعد وغیرہ سے یہ بالکل بری رہنی چاہئے"

پچھلے اقتباسات سے ظاہر ہوتا کہ الفنسٹن کا اصل مدعا مرہٹوں کے قدیم اداراتی کی خوبیوں کو محفوظ رکھنا تھا۔ ملک کے لئے یہ بہت اچھا ہوتا اگر الفنسٹن کے قایم مقام بھی جدت و اختراع کرنے میں الفنسٹن کی طرح احتیاط مد نظر رکھتے۔ لیکن یکے بعد دیگرے نئے نئے حکمرانوں کے نئے نئے نظم و نسق میں ملل دیہی مفقود ہوگئیں اور ایک مقررہ شرح لگان کے ساتھ زمین پر قبضہ قائم رکھنے کے جو حقوق میراث داروں کو حاصل تھے وہ مالگزاری کے روز افزوں مطالبات سے پامال ہوگئے۔

الفنسٹن اپنی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے حکومت کی اعلیٰ ترین خدمت کے بالکل موزون تھا اور ۱۸۱۹ء میں یعنی سر ٹامس منرو کے گورنر مدراس ہونے سے ایک سال پہلے وہ بمبئی کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اپنے ہشت سالہ نظم و نسق میں الفنسٹن نے بمبئی میں صحیح طور پر بندوبست آراضی کی جو کوششیں کی تھیں ان کو مختصراً یہاں بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بروچ

۱۸۲۱ء میں بروچ کے انتظامات مالگزاری پر گورنر نے ایک یادداشت قلمبند کی محصول آراضی کی بیشی کو جو انگریزی راج میں شروع ہوگئی تھی وہ کچھ پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔

ہر گائوں کے حالات کی علحدہ علحدہ تحقیقات کئے بغیر لگان گائوں گائوں پر لگا دیا جاتا ہے مالگزاری کا ایک موروثی عہدہ دار ہر فصل پر پیداوار کا معائنہ کرنے کے لئے بھیجدیا جاتا ہے۔ یہ عہدہ دار ایک فرد حساب مرتب کرتا ہے جس میں ہر فرد رعیت کی مزروعہ زمین کی مقدار اور قسم پیداوار اور ہر کھیت کے ہر قسم کی مقدار پیداوار کا اپنے طور پر تخمینہ درج کرتا ہے ان سب کی میزان گائوں کے ہر قسم کے غلّہ کی مقدار پیداوار بتاتی ہے عام اصول یہ ہے کہ فصل کے زر فروخت کا آدھا لے لیا جائے اور مابقی رعیت کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

"اس کا پتہ لگانا ہمیشہ مشکل ہے کہ لگان خفیف ہے یا سنگین اور جو طریقہ یہاں اختیار کیا گیا ہے اس سے تو یہ بالکل ہی ناممکن ہے اس سال ساڑھے چار لاکھ (۴۵۰۰۰ پونڈ) کی بیشی ہوئی ہے جس کے خیال سے مجھ کو خوشی نہیں ہوتی"

احمد آباد

اسی سنہ میں الفنسٹن نے احمد اباد اور خیرا کی مالگزاری کے طریق عمل پر ایک اور یادداشت قلمبند کی اور پہلے کی طرح حزم واحتیاط اور پس وپیش اس کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔

ضلع احمد اباد میں متعدد قصبوں کو بڑی سے بڑی بولی بولنے والوں کے نام قول پر دینا اور اس کی وجہ سے آمدنی کے سارے ذرائع ڈھونڈھ نکالنا

اور بعض کا صورتوں میں پنچایت کے ذریعہ ان تخمینوں میں اضافہ کرنا جو کسان کی تجویز پر عطا کئے گئے تھے ان تمام ترکیبوں کا رجحان اس بات کی طرف ہے کہ مالگزاری کو کھینچ تانکر انتہائی مقدار پر پہنچا دیا جاسے "۔

سورت

سنہ ۱۸۲۱ء میں الفنسٹن نے سورت پر ایک یادداشت قلمبند کی جس میں محصول اراضی کی سنگینی پر اس نے سخت تاسف کا اظہار کیا ہے۔

"اگر اس ضلع کے لوگوں کی موجودہ حالت کے متعلق مجھ کو کوئی تصفیہ کرنا ہو تو میں یہی فیصلہ کروں گا کہ ان کی حالت بہت ہی گری ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو رعیت کے رہنے کے لئے گھر اچھے ہیں اور نہ پہننے کے لئے کپڑے ہی بس رہیں اور اگرچہ اس ضلع کے بعض اقطاع بہت پیداآور ہیں تاہم میرا خیال یہ ہے کہ دوسرے اقطاع کی کاشت نہایت ناقص ہے یہ خرابیاں موجودہ نظام کے سر نہیں لگائی جاسکتیں برخلاف اس کے جو تدابیر فی الوقت زیر عمل ہیں ان سے میرے خیال میں اس نظام سے ہماری رہائی کی صورت ہوجائے گی۔ جو ہمیں اپنے پیشروؤں سے ارثاً ملا ہے تشخیص مالگزاری کی انتہائی سنگینی اور عدم مساوات ہی ہمارے لئے سب سے زیادہ مزاحم ہوگی۔

کانکین

شمالی کانکین میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ کلکٹر نے یہ تجویز پیش کی کہ سرکاری مطالبہ خام پیداوار کا ایک ثلث منضبط رہنا چاہئے اور کم درجہ اراضی پرچہ مین بار زیادہ سے زیادہ چار نوع کی قرار دی جاسکتی ہیں مطالبہ بھی نسبتاً کم تر شرح سے ہونا چاہئے کوئی لگان جنس میں ادا نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ طریقہ حکومت کے لئے بیش مصارف ہے اور اسمیں معمولی دیسی کارپردازوں کو بھی خورد برد کے مواقع ملتے ہیں۔

لگان کے زر نقد میں مشخص ہونے کے بعد چھ سال تک وہی قایم رہنا چاہیئے۔ اور شرح لگان بھی دوامی مقرر نہیں ہونی چاہیئے بلکہ دوازدہ سالہ بندوبست ہونا ہی مناسب ہے۔"

اسی سنہ میں جنوبی کانکین کے متعلق ایک علیحدہ مراسلہ لکھا گیا تھا جس سے ہمیں وہاں کے "کوٹیوں" اور کسانوں کے عام حقوق کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

"یہاں قصبوں کو کلارگی" یا "کوٹی گی" کہا جاتا ہے اول الذکر میں دفتری کے اندراج کے مطابق ہر کاشتکار پر ایک مقررہ لگان ہوتا ہے جس سے بڑھکر ضابطہ کے تحت اس سے وصول نہیں کیا جا سکتا۔ اور موخر الذکر میں اگرچہ "کوٹی" یعنی گاؤں کا چودھری رعیت کے ایک خاص طبقہ سے ایک مخصوص ومعینہ رقم ہی وصول کر سکتا ہے لیکن دوسروں سے جو نئی زمینیں یا خود "کوٹی" کی آراضی لیتے ہیں اپنے حسب منشاء معاملہ کر سکتا تھا۔ یہاں پہنچکر ہمیں اس ضلع کی ہر دو قسم کی حقیقت اراضی کی توضیح کرنی پڑتی ہے ایک "دھارے کاری" دوسرے "اڑدھیلی"

"دھارے کاری قریب قریب دکن کی "میراثی" کے مماثل ہے کیونکہ ابھی بھی جب تک رواج ملک کے موافق واجب الادا رقوم ادا ہوتی رہیں قابض زمین بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر در اصل وہ اپنی ملکیت کو بیچ نہیں سکتا ہے تو بلاخوف اعتراض مکفول کر سکتا ہے گو عام طور پر خیال یہی ہے کہ وہ اس کو فروخت بھی کر سکتا ہے۔

"جیسے اور جگہ "اوپری" رعیت ہے ویسے ہی یہاں "اردھیلی رعیت" کی حیثیت ہے وہ "کوٹی" کا یا کسی اور قابض آراضی کا (جیسی بھی صورت ہو) آسامی ہوتا ہے اپنے قبضہ کی زمین نہ فروخت کر سکتا ہے اور نہ مکفول کیونکہ بلحاظ حقیقت یہ دوسرے کی ملک ہے جس پر وہ محض مالک کی مرضی سے قابض ہے۔ اگر مالک آراضی خود اپنی زمین اپنے قبضے میں لینا چاہیئے یا کسی اور شخص کو دینا چاہیئے تو گویہ طریقہ خاصکر اس حالت میں جبکہ قابض اپنے قول کی شرائط

بلا کم و کاست پورا کرتا رہا ہو موجب سختی متصور ہو گا تاہم وہ رعیت قابض کو فوراً بے دخل کر دے سکتا ہے قول کی ہر سال تجدید ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب کبھی مالک اراضی کو کسی قولدار کا نکالنا منظور رہو گا تو وہ اپنے مطالبہ کو اتنا بڑھا کر کہ جس سے کاشت ہی نفع بخش باقی نہ رہے قابض کو بے دخل کر دے سکتا ہے اٹر وصیلی رعیت جب دھان کی کاشت کرتی ہے تو مالک اراضی کو عموماً نصف پیداوار جنس میں ہی ادا کرتی ہے۔

"مذکورالصدر بیان سے معزز مجلس نظما پر روشن ہو گا کہ "کوئی بہت کچھ بنگالے کے چھوٹے زمینداروں کے مماثل ہے"۔

دکن

ہم نے یہاں تک جو کچھ بیان کیا ہے اس میں بروچ سے کانکین تک مغربی ساحل پر تجربتاً جو بندوبست ہوئے تھے صرف انھیں کے حوالے دیئے ہیں۔ اب ہم پھر دکن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ الفنسٹن کی جگہ پر مسٹر چپالین کمشنر دکن مقرر ہوا اور اس نے اپنی نومبر ۱۸۲۱ء اور اگست ۱۸۲۲ء کی واضح رپورٹوں اور ان کے متعلقات سے "ایسٹ انڈیا کاغذات" کے پانسو صفحات بھر دئے۔

اس جدید علمداری کی آبادی بشمول پونا۔ احمد نگر۔ خاندیس۔ دھارواڑ ستارا اور جاگیرات جنوبی تقریباً چالیس لاکھ اندازہ کی گئی تھی۔ ابتدائی بندوبست میں یہاں کوشش کی گئی تھی کہ رعیت واری نظام جس کی ترویج مسٹر ٹامس منرو نے مدراس میں کی تھی اور محل واری نظام جس کی پرزور تائید مدراس کی مجلس مالگزاری نے کی تھی یہ دونوں ملا دیے جائیں۔ جو بندوبست کیا گیا وہ رعیت واری کہکر کیا گیا اور دراصل وہ تھا بھی رعیت واری۔ لیکن فرداً فرداً تقسیم دیہی کارپردازوں پر چھوڑ دی گئی تھی جس میں ان کو بڑی آزادی دیدی گئی تھی۔ ابتداً یہ جدید نظام اس نظام سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا جو مرہٹوں کی حکمرانی میں مشہور نانا فرنویس کے

عہد وزارت میں موجود تھا الّا اس کے کہ معاملہ داروں کو مالگزاری کے گھٹانے بڑھانے کے اختیارات پہلے سے کم تھے۔ کمپنی کے عمال کاشت اور سابقہ رسائد کو دیکھ کر رعیت پر واجب الادا رقم کا تعین کرتے تھے اور سرکاری مطالبات کی وصولات پہلے سے زیادہ سخت تھیں ۱۸۱۷ء میں اس نئی مقبوضہ علداری کا محاصل ۸۰۰۰۰۰ پونڈ تھا مگر ۱۸۱۸ء میں اس کو بڑھا کر ۱۱۵۰۰۰۰ پونڈ کر دیا گیا اور اس کے چند سال بعد ۱۵۰۰۰۰۰ پونڈ ہو گیا تھا۔ دیہی کارپردازوں کے مداخلت کرنے کے اختیارات روز بروز کم کئے جا رہے تھے۔ کمپنی کے عمال ہر کاشتکار کے ساتھ دیہی ربط قایم کرنا چاہتے تھے مگر چند ہی سال میں دیہی ملتیں جیسے مدراس سے غائب ہو گئی تھیں بمبئی سے بھی ہو گئیں

خاندیس

خاندیس کا ضلع کپتان برگز کے زیر انتظام تھا برگز نے بعد کے زمانے میں "ہندوستان کے محصول آراضی" پر ایک مستند کتاب لکھی تھی اور فرشتہ کی تاریخ ہند کا ترجمہ بھی کیا تھا جس سے اس کو ایک خاص امتیاز حاصل ہو گیا تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے پہلے نصف حصہ میں جو اینگلو انڈین مصنفین اور مورخین تھے مثلاً انفنسٹن۔ میلکم۔ گرانٹ ڈف۔ ٹاڈ۔ ہارس ہمن ولسن ان سب کی صف اول میں برگز ہی تھا۔ اس نے خاندیس میں دیکھا کہ "سو سے زیادہ مستحکم پشتہ بندیوں کے (جو آبپاشی کی نہروں میں پانی لانے کے لئے بنائی گئی تھیں اور جس میں سے اکثر پر بے انتہا مصارف ہوئے تھے) اب صرف کھنڈر رہ گئے تھے" مگر یہ بھی "سابق مسلمان بادشاہوں کی روشن خیالی اور فیاضانہ حکمت عملی" کے گواہ تھے لیکن برگز کے زمانے میں خاندیس ویران اور افلاس زدہ تھا متواتر جنگ، بھیل قوم کی حملہ آوری اور شیروں سے ہزاروں جانوں کا نقصان چنانچہ تین مہینوں کے اندر اندر ۵۰۰ آدمی اور ۲۰۰۰۰ ہزار راس مویشی ہلاک ہو گئے تھے اور اس طرح پر اس ضلع کے مصائب

میں اضافہ ہوگیا تھا کپتان برگز کو بڑی مشکل یہ پیش تھی کہ ذرائع آمدنی کے متعلق سابقہ صحیح معلومات کی عدم دستیابی کے باوجود کس طرح خفیف اور سنگین لگان میں حد امتیاز قایم کی جائے۔"

پونا

ضلع پونا کپتان رابرٹسن کے زیر انتظام تھا اور کمشنروں کے سوالات کے اس نے جو ابات کیا دئے ہیں کہ دکن کے کاشتکاروں کے ادارات اور حالات پر روشنی کا ایک دریا بہا دیا ہے۔ دکن میں میراثدار کسان ہی تھے جو دراصل ایک طرح کے مالک اراضی تھے اور سرکار کو محصول اراضی ادا کرنا اُن پر لازم تھا۔ کپتان رابرٹسن نے لکھا ہے کہ "میراثدار انگلستان کے سب سے زیادہ ناقابل اعتراض زمینداروں سے ان کی حقیت کی اصلی بنیاد کا لحاظ کرتے ہوئے جو مذکورالصدر اقتباس میں تفصیلاً بیان کی گئی ہے کسی طرح کم درجہ نہیں۔ دکن کی زمینوں کے اکثر قابضان حال کے آبا واجداد غالباً مسلمانوں کی فتح سے بھی پہلے اس شرط پر قابض زمین تھے کہ اپنی زمینوں کی پیداوار کے چھٹے حصے کے مساوی لگان ادا کریں" "دکن کے "تھلکاری" (میراثدار) جو کچھ ادا کرتے ہیں اگر اس میں میں کوئی امتیاز پیدا کروں تو کہوں گا کہ یہ لگان نہیں بلکہ محصول ہے"۔ موجودہ زمانے کے منتظمین مملکت جو جنوبی ہند کے کاشتکاروں کے اور شمالی ہند کے زمینداروں کے حقوق زمین کو برطانوی وضع قوانین کی تخلیق سمجھتے ہیں ابتدائی برطانوی منتظمین مملکت کی ضخیم رپوٹوں میں یہ بات پائیں گے کہ زمین کی قابل ارث و قابل انتقال خانگی ملکیت انگریزوں کے ہندوستان فتح کرنے سے پہلے اس قدر قوی تھی کہ آج کل کے بندوبست مالگزاری میں بھی نہیں ہے۔ زمین سرکار کی ملک نہیں تھی بلکہ قوم کی ملک تھی اور سرکار کو ایک محصول اور وہ بھی ایک مقررہ محصول کے سوا میراثداروں سے کچھ اور وصول کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔

کاشتکاروں کے خاندان قصبوں پر مشترکہ قبضہ رکھتے تھے اس مضمون پر کپتان رابرٹسن کے خیالات نہایت آگاہی بخش ہیں۔

"ہر اصل کاغذ سے" جو تھلکاریوں" (میراثداروں) کے یا ان کے قبضۂ اراضی کے متعلق تھا اور ضلع کے ہر فرد حساب سے جو مجھ کو دستیاب ہوا اور قدیمی تقسیم آراضی سے بھی بلاشک وشبہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں ہر قصبے کی تمام قابل کاشت آراضی کو حصہ حصہ کر کے کاشتکاروں کی ایک مقررہ تعداد پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ انہی خاندانوں کے گروہ اب "جتھا" کہلاتے ہیں اور یہ استنباط کیا جاتا ہے کہ تمام اصل جائداد انہی کے مشترکہ قبضے میں سے بہ حیثیت ایک شخصیہ جماعت کے یہ لوگ تمام جائداد پر سب واجب الادا رقوم سرکار کو یا دو سروں کو دینے کے ذمہ دار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نے یا دوسرے جتھوں نے ایک جتھے کا انتخاب اس لئے کر لیا ہے کہ وہ خاندان کی شاخ کلاں کے توسط سے تمام دوسرے جتھوں سے مالگزاری وصول کرنے کے فرائض انجام دے اور ان سب پر جو سرکاری حقوق ہیں ان کا ذمہ دار رہے اس طرح یہ لوگ سب مل کر مقررہ فرائض کے سرانجام کے لئے اور مختص حقوق ومراعات حاصل کرنے کے لئے ایک شخصیہ والی جماعت بنا دئے گئے ہیں جتھا کے ارکان جو اس طرح منتخب ہوتے ہیں ان کو پٹیل کا امتیازی لقب دیا جاتا ہے اور غالباً یہ لقب یا کوئی اسی طرح کا لقب ان کو ہمیشہ دیا جاتا رہا ہے اس شاخ کلاں کا ایک شخص جو صدر ہوتا ہے مقدم کے لقب سے ملقب ہے۔ یہ پہلے بھی ملت کی خوشی اور حکومت کے تقرر کرنے سے مجسٹریٹ تھا اور اب بھی ہے انگلستان میں جو مختص قواعد شخصیہ کہلاتے ہیں یہ اسی طرح کے قواعد کی تعمیل کراتا ہے۔ سابق میں چندہ کی رقم سے وہ اس شخصیہ کے مصارف کی ادائی اور بہ حیثیت صدر شخصیہ اپنے وقار ومنزلت کے موافق گزراوقات بھی اسی رقم سے کرتا تھا وہی اس انجمن کی اصلاح وترقی کے لئے تجاویز سوچتا تھا۔ اور اس عامہ قایم رکھنے میں اس انجمن کے ارکان کو اپنی اعانت کے لئے کام پر لگاتا تھا

بزرگ خاندان کی طرح ان لوگوں کے لئے جن کو بہ حیثیت پنچ یا ثالث اس کے فیصلے قبول تھے وہ دیوانی کے مقدمات کے فیصلے بھی کرتا تھا یا ان لوگوں کی کارروائیوں میں حصہ لیتا تھا جن کو وہ خود یا فریقین مقدمہ اپنے مقدمات کے تصفیے کے لئے پنچ یا ثالث مقرر کرتے تھے"۔

کپتان رابرٹسن نے حقیت میراثی کا قابل ارث و قابل انتقال ہونا متعدد اسناد سے ثابت کر دیا ہے اور یہ بھی لکھدیا ہے کہ "حقیت میراثی اس ضلع کے تمام قصبوں میں موجود ہے اور بہت ہی کم ایسے قصبے ہوں گے جن میں یہ اب موجود نہیں"۔

مذکورالصدر تحریر ۱۸۲۱ء کی ہے اور اس سے ہم کو کچھ اندازہ اس بات کا ہوتا ہے کہ مرہٹوں کی حکمرانی میں بمبئی کے کاشتکاروں کی حیثیت اور حقوق کیا تھے

احمد نگر

ضلع احمد نگر کپتان پاٹنجر کے زیر انتظام تھا پاٹنجر نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "میراثدار رعیت اپنی زمینوں کو اپنی مرضی کے موافق فروخت یا مکفول کر سکتی ہے" "حقیت میراثی ہندوستان کے اس خطے میں اور میرے خیال میں تمام اقطاع ہند میں بہت قدیم زمانے سے موجود ہے اور جب کبھی میں نے اس کی ابتدائے قیام کے متعلق دریافت کیا تو مجھ کو یہی جواب ملا کہ میرے لئے زمین کب پیدا ہوئی دریافت کرنا زیادہ آسان ہے۔ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ مسٹر ایلیس نے "میراثی" کے متعلق اپنے متعدد جوابات میں بطور حاشیہ ایک جگہ بیان کیا ہے کہ "حقیقت حال یہ ہے کہ یہ چیز (میراثی) ہندوستان میں اس وقت سے موجود ہے جب پہلی دفعہ واضعین قانون نے قلم کاغذ پر رکھا" اور میری ناچیز رائے میں ایسے مستند شخص کا یہ کہنا بالکل قطعی اور خاتم حجت ہے۔

دہاروار

ضلع دہاروار مسٹر سینٹ جان تھیکرے کے زیر انتظام تھا یہ نہایت

تجربہ کار عہدہ دار مالگزاری تھا۔ کاشتکاروں کے ساتھ اس کے بڑے روابط تھے اور جو سوالات اس سے کئے گئے ان کے جوابات بھی اپنی خاص طبیعت کے موافق اس نے دیئے۔ اس نے لکھا تھا کہ "زراعت کو ترقی دینے کے لئے عہدہ داران مالگزاری کی ذاتی کوششوں کے بارے میں اتنا عرض کروں گا کہ میں نے ان عہدہ داروں میں عموماً رعیت کی ہمت بڑھانے کے بجائے رعیت کو بیجا طور پر تنگ کرنے کا رجحان زیادہ پایا۔ ان عہدہ داروں کا مقصد ملک کے ذرایع آمدنی میں اضافہ کرنا نہیں ہے بلکہ کاشت کی توفیر محض کاغذ پر بتا کر اپنی سرگرمی کا اظہار کرنا ہے۔ رعیت نفع کی امید ہی پر کاشت کرتی ہے اور جب نفع معقول ملتا ہے تو پھر رعیت کو اکسانے کی ضرورت نہیں۔"

دکن

کمشنر وقت چپالن نے دکن کے بندوبست ہائے مالگزاری پر ایک نہایت ہی مکمل رپورٹ پیش کی جس کے ساتھ اضلاع کی رپوٹیں وغیرہ بھی ملفوف کر دیں اس نے ملک عنبر کے سابقہ بندوبست کا بھی حوالہ دیا ہے جو دکن میں ایسا ہی مشہور تھا جیسے شمالی ہند میں ٹوڈرمل کا بندوبست۔ ملک عنبر کے بندوبست کی نوعیت یہ تھی کہ اس نے ہر قصبے کے لئے زر مطالبہ معین کر دیا تھا اس کا مسلک یہ تھا کہ قدیم "میراثی" حقیت کو تقویت دی جائے جس کی بدولت ملک کی زرعی زمینوں میں "خانگی ملکیت کے حقیقی اوصاف بہت کچھ پیدا ہو سکتے ہیں۔"

نئے انگریزی راج میں زمین پر جو لگان لگایا گیا تھا اس کا ذکر کرتے ہوئے چپالن نے قیاس کیا ہے کہ ایک متوسط الحال کاشتکار کے قبضے میں دس ایکڑ خشکی کی زمینیں اور غالباً ایک ثلث ایکڑ باغ کے قابل زمین اور دو ہل چار بیل بھی ہوتے تھے بارہ پونڈ سالانہ اسکی آمدنی تھی اس کے مصارف کا چپالن نے حسب ذیل اندازہ کیا ہے:—

	پونڈ	شلنگ	پنس
محصول اراضی	۴	۴	×
بیلوں کی تناسبہ سالانہ لاگت اس مفروضہ پر کہ ہر جوڑی آٹھ سال تک کام دے سکتی ہے۔	۱	۵	×
ہلوں کی لاگت، اور اتفاقی مزدوروں کی اجرت۔	×	۱۶	×
خشکی کی زمین اور باغ کے لئے بیج۔	×	۱۹	×
رسوم عہدہ داران ومطالبات قصبہ۔	×	۱۲	×
کاشتکار اور اس کے اہل وعیال کی روزمرہ خوراک کا اناج۔	۲	۴	×
کاشتکار اور اس کے اہل وعیال کے پہننے کیلئے کپڑے۔	۱	۲	×
متفرق ضروری مصارف	×	۱۲	×
میزان	۱۲	۲	×

اعداد مذکورہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یوں تخمینہ کی ہوئی بارہ پونڈ کی آمدنی پر چار پونڈ چار شلنگ کا سرکاری مطالبہ خام پیداوار پر ۴۵ یا ۵۰ فی صد کے مطالبے سے کم ہے جیسا کہ سرکار نے پہلے مدراس اور بمبئی کے کسانوں پر قایم کیا تھا۔ لیکن بارہ پونڈ میں سے چار پونڈ چار شلنگ محصول کی نہائی کے بعد کاشتکار کے پاس نہ تو کوئی بچت ہی رہتی تھی اور نہ کوئی ذریعہ آمدنی۔ یہ بالکل صاف بات ہے کہ اسی وجہ سے رعیت واری نظمائے کمپنی کے پسند خاطر تھا یعنی اس میں کوئی درمیانی مالک آراضی یا ملت دیہی ایسی موجود نہ تھی جو منافع کے کچھ حصہ کو بیچوں بیچ ہی اڑالیتی۔ کمپنی کی گرفت کاشتکاروں پر ایسی ہی تھی جیسی مالک وآقا کی اپنے غلاموں پر اور کمپنی ان کے سدرمق کے بموجب چھوڑ کر سب کچھ ان سے چھین لیتی تھی۔ ایک ناظم کمپنی نے تو کہدیا کہ "میرے خیال میں یہ بات نہ چھپانے سے چھپ سکتی ہے

نہ جھٹلائے سے جھٹلائی جاسکتی ہے کہ اس (رعیت واری) نظام کا حقیقی مقصد حکومت کے لئے زمین سے اسی قدر محاصل لگان کی شکل میں حاصل کرنا ہے جس قدر اس سے وصول ہو سکے "

میراثی حقیت کے متعلق چپاپلین نے لکھا ہے کہ " مفتوحہ علداری کے اس تمام حصے میں جو کرشنا سے ان گھاٹیوں کے سلسلے تک پھیلا ہوا ہے جو خاندیس اور گنگتور کے درمیان ہیں میراثی حقیت اس گوشہ سے اس گوشہ تک عام طور پر موجود ہے " کوئی فرد رعیت موروثی قبضے کا حق حاصل کرنے کے بعد معہ ورثائے خود اس کا مجاز ہے کہ وہ ایسی زمین پر رواج دکن کے موافق قبل از قبل ہی حکومت کی اجازت حاصل کئے بغیر ہی خواہ فروخت خواہ رہن کی کی بنا پر اپنا قبضہ قایم رکھے " میراثدار کو تمام دیہی پنچایتوں میں شریک ہونے اور گاؤں کے مشترکہ چراگاہ میں مویشی کی چرائی کا حق حاصل ہے اور وہ مکان تعمیر اور فروخت بھی کر سکتا ہے۔ پونا میں میراثداروں اور اپریوں یعنی غیر وتحیل کارآسامیوں کا باہمی تناسب تقریباً تین اور ایک تھا شمال کی طرف گوداوری سے اس پار میراثی حقیت کا وجود عام نہیں ہے اور اس میں اور " اپری " حقیت میں فرق بھی یہاں موہوم سا ہے " جنوبی مہاراشٹر میں " میراث کا بالکل وجود ہے ہی نہیں ،، لیکن اس پر بھی دوامی قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے ستارا میں بھی میراث کے حقوق و مراعات وہی ہیں جو دکن کے دوسرے اقطاع میں ہیں "

چپاپلین نے لکھا ہے کہ کلکٹر (پونہ) درست طور پر میراثداروں کے حقوق کا حامی ہے اس نے اس حکمت عملی کی کئی جگہ تائید کی ہے لیکن مجھکو یقین ہے کہ کسی نے بھی ان کے حقوق میں مداخلت کا خیال آج تک نہیں کیا اس لئے اس مسئلہ پر طول طویل مباحث بھی غیر ضروری ہیں " مسٹر چپاپلین کو کیا توقع تھی کہ بعد میں جو برطانوی منتظمین آئیں گے وہ دکن کے کاشتکاروں کی قدیم میراث کی حقیت کو قرق کریں گے۔ چپاپلین کی طویل رپورٹ کے خاتمہ پر انگریزی عہدہ داروں کو ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ دوستانہ

ربط وضبط اور مراسم رکھنے کی نصیحت ہے"

"یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حکومت کے تغیر کے باعث ناگزیر طور پر یہ لوگ پہلی قدر و منزلت سے محروم ہوگئے اس لئے ہم پر یہ زیادہ لازمی ہے کہ ہم ان کے ساتھ دوستانہ روابط جاری رکھیں جو اپنے بس کی بات ہے گو ہمارا میلان خاطر اپنے سے ان کو نیچا سمجھنے کی طرف زیادہ ہے پھر بھی ان لوگوں کو دیسی بادشاہوں کے عہد حکومت میں بڑے بڑے مراتب واعزاز ملے تھے اور جب ہم ان بادشاہوں کی جگہ پر حکومت کر رہے ہیں تو جہاں تک ہمارا بس چلے ان کا حفظ مراتب ضروری ہے۔

"نوجوان اشخاص جب پہلی دفعہ ہندوستان آئے ہیں اور پہلی دفعہ ان کو کوئی خدمت ملتی ہے تو وہ آسانی کے ساتھ ایسی رائے قایم کر لیتے ہیں جو میری مذکورالصدر رائے سے بالکل مختلف ہوتی ہے اور اس قدر متضاد خیالات پر عمل پیرا ہوتے ہیں کہ میں نے ان کے اصول کو ان مددگاروں کے ذہن نشیں کرنا مناسب سمجھا جن کا دکن میں تقرر ہوا ہے اور ان کی رہنمائی کے لئے حال میں ہی اس مضمون پر سرجان ملکم کے دانشمندانہ ہدایتوں کو بھی میں نے ان لوگوں میں گشت کرا دیا۔ میرے خیال میں اگر اسی طرح کا ایک ضابطہ رسالہ کی شکل میں انگلستان سے ہر نووارد کو دیا جائے تو اس کا اثر بہت اچھا ہوگا اس پر شکسپیر کا یہ مقولہ لکھا جا سکتا ہے کہ

"آہ حضرت انسان۔ مغرور انسان!

دو روزہ حکومت کے نشہ میں چور!

جہل مرکب میں یوں مبتلا کہ انھیں باتوں سے ناواقف جن کی واقفیت پر اس کو گھمنڈ ہے۔ "نداند و بداند کہ بداند"۔ اس کے آئینہ ہستی کی چمک زیر فلک الافلاک وہ وہ رنگ برنگ کے شعبدے دکھاتی ہے کہ فرشتوں کو بھی حضرت انسان کی حرکات پر رونا آجاتا ہے"

اس نہایت ہی قیمتی اور نہایت ہی مکمل رپورٹ کے متعدد منسلکات کے ساتھ وصول ہونے پر بمبئی کے گورنر وقت مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن نے

مفتوحہ علداری کی بتدریج پیمائش و بندوبست کرنے کا حکم صادر کیا۔ اس نے ہر قصبے میں پٹیل کے اختیارات بحال رکھنے پر اصرار کیا۔ یہ بھی سفارش کی کہ لگان ہلکے اور مساوی طور پر منقسم ہوں اور ہر قسم کی مروجہ حقیت کے تحت کاشتکاروں کی محافظت حقوق کی اہمیت موثر طریقہ پر کمشنر کے گوش گزار کی۔ مجلس نظار نے بھی عام پیمائش کی تجویز پر اظہار اطمینان کیا کمشنر دکن کے ستمبر ۱۸۲۴ء میں قواعد پیمائش کا ایک مجموعہ پیش کیا اور فروری ۱۸۲۵ء میں ترمیم کے بعد ایک اور مجموعہ پیش کیا سر ٹامس منرو نے مدراس میں محصول اراضی کو گھٹا کر کھیت کی پیداوار کا تقریباً ایک ثلث کر دیا تھا چاپلن نے بھی یہی معیار دکن کے لئے اختیار کیا اور یہ اس گشتی کے فقرہ (۷) میں درج ہیں جو قواعد پیمائش کے ساتھ ان کی نظر ثانی ہونے کے بعد جاری ہوئی۔ یہی سخت مطالبہ جنوبی ہند کی زرعی تباہی کا باعث ہوا۔ مدراس میں آج تک بھی سرکاری مطالبہ اسی اصول پر ہوتا ہے بمبئی میں اگرچہ پیداوار کا کوئی خاص حصہ مقرر کر دینے کی کوششیں چھوڑ دی گئیں پھر بھی محصول آراضی جو وصول ہوتا ہے وہ اکثر کھیت کی پیداوار کا ایک ثلث یا اس سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اس طرح رعیت واری نظام کو پھیلانے کے وجوہ کے متعلق ہنری سرجان ٹسکر کی فراست جس کا اوپر بیان ہوا ہے بعد کے واقعات پر نظر کرتے ہوئے بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔

پیمائش عامہ کی تجویز ابھی معرض التوا میں تھی مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن نے دکن میں وہی نظام کو اچھوتا رکھنے کی کوشش کی۔ جیساکہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس کا خیال یہ تھا کہ رعیت واری نظام کے اصول کو محل واری نظام کے اصول کے ساتھ ملا دیا جائے مقصد یہ کہ پیمائش کے بعد سرکار کو ہر کاشتکار کیا دینا چاہیے اس کا تعین کر لیا جائے مگر پٹیل کے توسط سے ہی یہ لگان موضع واری وصول ہوتا رہے "پیمائش سے رعیت پر سرکاری مطالبات اور رعیت کے حقوق فرداً فرداً معین ہو جائیں گے جس کے بعد ایک مقررہ میعاد تک موضع کی مستاجری مالگزاری پٹیل کو دی جا سکتی ہے۔" اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ اس تجویز میں ایک ابتدائی کمزوری تھی۔ مجوزہ پیمائش سے اگر موضع کا پٹیل اور موضع کی پنچایت دونوں گاؤں

کے کاشتکاروں پر موضع کے مجموعی لگان کو تقسیم کرنے کے اختیارات سے محروم کر دیئے جائیں تو پھر پٹیل اور اس کی پنچایت کو قایم رکھنے سے فائدہ کیا ہے!
اگر ان لوگوں سے سرکار کے مجموعی مطالبات کی تکمیل کے لئے موضع کی رعیت پر لگان لگانے کے فرایض منصبی جو صدیوں سے چلے آئے ہیں چھین لئے جائیں تو ان کو مستاجران مالگزاری کی حیثیت سے برقرار رکھنے کی ضرورت کیا تھی۔
اصولی طور پر مدراس میں یہ مسئلہ کبھی کا تصفیہ پا چکا تھا مدراس کی مجلس مالگزاری بلا استثنا احدے" اجتماعیت کی حامی تھی اور ان کی خواہش یہی تھی کہ دیہی ادارات اور ان کے اختیارات بلا کم و کاست بحال رہیں۔ ٹامس منرو سر تا پا "انفرادیت" کا حامی تھا اور محصول آراضی کی حد تک دیہی حکام کی مداخلت کے بغیر فرداً فرداً ہر شخص سے راست سرکاری تعلقات قایم کرنے پر مصر تھا۔ ٹامس منرو اپنے ارادے میں کامیاب رہا۔ ملت دیہی کو انئے اختیارات عطا کر کے برقرار رکھنے کی کوششوں کے باوجود ان میں پہلی سی گرمی باقی نہیں رہی۔
یہ تجربات اور ان کے نتایج ہمیں نیا سبق سکھاتے ہیں۔ ملل دیہی ہندوستان میں جیسے صدیوں سے قایم رہے تھے اسی طرح جبھی قایم رہ سکتے ہیں جب کہ موضع پر لگان لگانے کی سب کارروائی گاؤں کے پنچایتوں کے ہاتھ میں چھوڑ دی جائے۔ زمین کی پیداوار کے لحاظ سے بے اندازہ لگان نہ لگانے کے لئے چند قواعد مرتب کر دئے جا سکتے تھے اور ان قواعد کی پابندی کے ساتھ گاؤں کے بڑوں کو الگ الگ لگان لگانے اور وصول کرنے کے لئے اور سرکار کو سب کی طرف سے لگان کی ادائی کرنے کے لئے اپنا مقررہ کام جاری رکھنے کی اجازت دی جا سکتی تھی۔ اس طرح کے انتظام میں فائدہ یہ تھا کہ اس سے ہندوستان کے قدیم نظام کا ایک سلسلہ بھی قایم رہتا اور ہر قصبے میں ایک منتظمہ جماعت عامہ بھی باقی رہتی لیکن اس طرح کا انتظام کمپنی کے دلی مدعا سے دور تھا کمپنی کی حکمت عملی یہ تھی کہ محصول دینے والوں سے فرداً فرداً معاملہ کریں اور جس قدر کسی کی بساط ہو اس قدر محصول اس سے وصول کر لیں خود انفنسٹن بھی اس خیال سے اس قدر متاثر ہو گیا تھا کہ اس نے ایک ایسی پیمائش کو منظور کر لیا

جوہر کاشتکار کے ذمگی لگان کو فرداً فرداً مشخص کر سکے۔ اور اس کے بعد بھی بہ حیثیت مجموعی مواضعات کے ساتھ ان کے صدر کے توسط سے معاملہ کرنے کی اس کو جو خواہش تھی تو اس کے اس منصوبے پر یہ بدیہی تنقید ہو سکتی تھی کہ گاؤں کے بڑوں کیلئے کوئی کام ہی نہ تھا۔

الفنسٹن نے ۱۸۲۷ء میں ہندوستان کو خیرباد کہا اسی سال مجلس نظماء نے الفنسٹن کے منصوبے کی کمزوری کو تاڑ لیا اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

اگر پیمائش فرداً فرداً رعیت کی ذمگی رقوم اور حقوق کا تعین کر دے اور رعیت کو اپنی حق تلفی پر براہ راست دادخواہی کا موقعہ دیا جائے تو پٹیل سے وہی مفید کام لیا جا سکتا ہے جو پچھلے فقرہ میں بیان ہوا۔ پیشوا کے ساتھ نظم و نسق میں متاجری مالگزاری کے نظام کی جن خرابیوں کا آپ کو تجربہ ہے ان کے مدنظر ایسے اشخاص کو اختیارات دینے میں جن سے ان کی سابقہ عادات اور افعال کا لحاظ کرتے ان اختیارات کے استعمال بیجا کا ڈر ہے آپ کو انتہائی احتیاط کرنی چاہئے صرف لگان کی مقدار کم دیکھکر جو ہر کار کو متاجر موضع ادا کرتا ہے ہم یہ بھروسہ نہیں کر سکتے کہ اس سے استحصال ناجائز کا بالکل سدباب ہوگیا۔"

دیہی نظام کے خاتمہ کا آغاز یہیں سے ہوا ۔

اکیسواں باب

ونگیٹ اور بمبئی میں رعیت واری بندوبست

(۱۸۳۵ء - ۱۸۳۷ء)

ہم نے اس قصے کو ہندوستان سے مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن کے سال روانگی تک بیان کر دیا ہے اس زمانے میں ہندوستان کے ہر صوبے میں نہ صرف وہاں کے لوگ بلکہ خود کمپنی کے عمال اور مالگزاری کے عہدہ دار بھی محصول اراضی کی مقدار کو بہت زیادہ سمجھتے تھے۔ ناظرین نے بارھویں باب میں پڑھا ہوگا کہ مدراس میں عہدہ داران مالگزاری نے ڈاکٹر فرانسیس سے یہ بیان کیا تھا کہ سنگین محصول اراضی زراعت اور رعایا کی خوشحالی کا سد راہ تھا۔ اور مسٹر ٹامس منرو نے اس کی شرح میں خام پیداوار کے نصف کی بجائے ایک ثلث کر کے بتدریج تخفیف کر دی تھی۔ شمالی ہند میں سر ایڈورڈ کو بروک اور اس کے بعد بھی متعدد گورنر جنرلوں نے مجلس نظما کے پاس برطانوی حکومت کے ایفائے عہد اور محصول اراضی کے دوامی تعین کی جس سے لوگوں کے لئے دولت جمع کرنا اور اپنی حالت کی اصلاح کرنا ممکن ہو سکے متعدد مرتبہ التجا کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا اور

بمبئی کے متعدد اضلاع کے محاصل میں جلد جلد بیشی ہوئی تھی جو الفنسٹن کے آنکھوں میں کھٹکتی تھی۔ خام پیداوار کا ایک ثلث بطور مالگزاری مقرر کرنے کی جیاپن نے تجویز پیش کی تھی مگر اس سے بھی رعیت کے کندھے ہلکے ہونے کی توقع نہ تھی ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک بجز ان اقطاع کے جہاں محصول اراضی دواماً معین کر دیا گیا تھا ملک کے نئے حکمرانوں کے محصول کے بوجھ سے لوگ ہر جگہ نالاں تھے مگر اس سے نظماء کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ عمال کمپنی جن کو لوگوں کے حق میں اس ناانصافی کا احساس تھا ڈرتے ڈرتے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تو تھے لیکن لوگوں کے کندھوں کا بوجھ ہلکا کرنا اُن کے بس میں نہ تھا۔

ہندوستان میں اس زمانہ کے ممتاز ترین انگریزوں میں ایک بشپ ہیبر بھی تھا اس نے ۱۸۲۴ء اور ۱۸۲۵ء اور ۱۸۲۶ء میں ہندوستان کا دورہ کیا اور اس وسیع دورے میں جن مختلف صوبوں سے گزرا بہ احتیاط تمام وہاں کے لوگوں کے حالات دریافت کئے سب سے زیادہ غمناک نقش جو اس کے دل پر بیٹھا یہ تھا کہ ایک طرف لوگ بحد درجہ افلاس زدہ تھے اور دوسری طرف کمپنی اپنی قلمرو میں نہایت سنگین محصول اراضی وصول کر رہی تھی۔ اس نے یہ ساری باتیں صاف صاف اپنے سفرنامہ میں اس لئے بیان نہیں کیں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ اشاعت کے خیال سے لکھا گیا تھا۔ لیکن اپنے خانگی خطوط میں دل کھول کر اپنے خیالات کا اس نے اظہار کیا ہے۔ رائیٹ آنریبل چارلس ولیمز وین کے نام اس نے جو خط کرناٹک سے مارچ ۱۸۲۶ء میں لکھا تھا وہ مثالاً پیش کیا جاتا ہے۔

"میری دانست میں موجودہ شرح اجرائی محصولات کے ہوتے ہوئے نہ دیسی مزارعین سرسبز رہ سکتے ہیں اور نہ یورپی۔ زمین کی نصف خام پیداوار کی سرکار حقدار ہے اور جہاں کہیں دوامی بندوبست نہیں ہوا یہی تقریباً اوسط شرح محصول ہے اگرچہ دیسی لوگ کفایت شعار ہیں مگر جس کم خرچ طریقہ پر وہ اپنی زمین کی محض سطحی کاشت کرتے ہیں اس کا لحاظ کرتے ہوئے جو کچھ ان کے لئے

سمجھتا ہے وہ فی زمانہ ان کی قوت بسری کے لئے بھی کافی نہیں ہوتا اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ یہ صورت حال ان کی اصلاح کی سدِ راہ ہے۔ اچھے سالوں میں بھی لوگ اسی وجہ سے افلاس میں گرفتار رہتے ہیں۔ اگر ذرا بھی فصل خراب ہوتی ہے تو حکومت کو معافیات اور تقسیم کے کثیر مصارف برداشت کرنا ضروری ہو جاتا ہے مگر اس سے مرد عورت اور بچوں کے ایک انبوہ کثیر کا گلی کوچوں میں سرِ راہ لقمۂ اجل ہونا اور سڑکوں پر ادھر اُدھر جانوروں کی لاشوں کے ڈھیر لگ جانا بند نہیں ہوتا۔ بنگالہ میں جہاں زمین کی شادابی سے قطع نظر کرتے ہوئے محصول اراضی دوامًا مقرر ہے قحط کبھی ہوا ہی نہیں برخلاف اس کے ہندوستان (شمالی ہند) میں سرکاری عہدہ داروں کا عام خیال یہی ہے اور میں خود بھی بعض حالات پر نظر کرتے ہوئے ان سے اتفاق کرتا ہوں کہ کمپنی کے صوبوں کے کسان مجموعی حیثیت سے دیسی ریاستوں کی رعایا سے زیادہ مفلس، مفلوک الحال اور پست ہمت ہیں۔ اور یہاں مدراس میں جہاں عام طور پر زمین بھی خراب ہے یہ فرق اور زیادہ نمایاں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی دیسی رئیس اس قدر مالگزاری وصول نہیں کرتا جس قدر ہم کرتے ہیں اور ہمارے نظام کی باقاعدگی وغیرہ کو پورا پورا الحوظ رکھتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے آدمی مجھے بہت کم ملے جو دل میں اس بات کے قایل نہیں کہ رعایا پر حد سے زیادہ محصول عاید ہے اور ملک پر آہستہ آہستہ افلاس چھا رہا ہے کلکٹر سرکاری طور پر بالاعلان اس بات کا اقبال کرنا نہیں چاہتے۔ کبھی کبھی درحقیقت ایک ایسا قابل کلکٹر نکل آتا ہے جو نہایت توجہ اور کوشش سے سرکاری محاصل میں افزونی کرنے کے ساتھ ساتھ رعایا کے لئے شرح محصول گھٹا دینے میں بھی کامیاب ہوتا ہے لیکن عام طور پر کلکٹران غمناک تصاویر سے اس لیے نگاہ پھیر لیتے ہیں کہ ان سب عام باتوں کا الزام انھیں پر عاید ہوتا ہے اور مدراس یا کلکتے کے معتمدین سے پوچھا جاتا ہے تو وہ نظام کمپنی کے شدید مطالبات زر کو اپنے جواز میں پیش کرتے ہیں۔

"میرا کامل یقین یہی ہے کہ یورپ میں ہندوستانی صنعت و حرفت کی نکاس کے لئے اتنا کرنا کافی ہے کہ کسانوں کی جیبوں کو اس قدر خالی نہ کریں جیسا ہم کر رہے ہیں جو کچھ بھی وصول کریں اس کا زیادہ تر حصہ ملک میں ہی صرف کریں اور کاشتکاروں کو خوش حال اور پائدار بنانے کے لئے دیسیوں کو خود ان کے ملک کے

عدالتی کاروبار میں کچھ زیادہ حصہ لینے دیں۔

مذکورالصدر بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں شاذہی ایسے عہدہ دار نکلیں گے جنہیں رعایا پر بے حد محصول عائد ہونے کا علم نہ تھا۔ لیکن علانیہ اس کا اعتراف کرنا کسی کو پسند نہ تھا۔ ان عہدہ داروں میں یہ شرافت تھی کہ جب انگلستان میں اسی مضمون پر ان سے بالکل کھلے سوالات کئے گئے تو ان میں سے بعض نے نہایت پرزور الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ مثلاً رابرٹ رچرڈ نے دارالعوام کی کمیٹی کو جو جوابات دئے تھے وہ یہاں دہرانے کے لائق ہیں۔

"جہاں مالگزاری اس اصول پر جمع کی جاتی ہے کہ سرکار زمین کی خام پیداوار کے نصف حصے کی حقدار ہے جیسے ہندوستان میں اور کثیر التعداد عہدہ داروں کے افعال پر نگرانی رکھنا ناممکن ہے، مالگزاری وصول کرنے میں مصروف رہتے ہیں تو رعایا کے لئے یہ اخلاقاً ناممکن ہے کہ وہ اس طرح جئے یا پھلے پھولے جس سے دوسروں کے تجارتی تعلقات ایک وسیع پیمانہ پر اس کے ساتھ قایم رہیں۔

"یہ (یعنی غیر ممالک کو بھیجنے کے لئے اشیاء کا بنانا) اس ملک میں ہو سکتا ہے جہاں حد سے زیادہ محصول نہیں لیا جاتا۔ غالباً بنگالے میں یہ ممکن ہوگا کیونکہ وہاں کئی سال سے دوامی بندوبست نافذ ہے اور اس بندوبست کا وہ ابتدائی تباہ کن اثر اب باقی نہیں رہا۔ لیکن اس سرزمین میں جہاں مثلاً رعیت واری محصول جاری ہے یا ان زمینوں میں جن پر خام پیداوار کا ۴۵ فیصد یا ۵۰ فیصد بطور حقیقی مالگزاری وصول ہوتا ہے اس غرض کے لئے صناعی کا ہونا بالکل ناممکن ہے۔

"کئی ایک مثالیں میرے ذاتی علم میں ہیں جہاں چند خاص زمینوں پر جو لگان عائد کیا گیا تھا وہ حقیقی پیداوار سے بھی زیادہ تھا اور بعض ایسی زمینیں بھی مجھکو معلوم ہیں جن پر وہ خاص محصول لگایا گیا تھا جو دھان کی یا باغ کی آراضی سے یا ان زمینوں سے جن میں کالی مرچ اور انگور کی بیلیں وغیرہ ہوتی ہیں جنہیں میں وصول ہوتا تھا اور ہر قطعہ کو مع پیداوار جدا جدا بیان بھی کر دیا گیا تھا لیکن جب لگان کا ان زمینوں سے مقابلہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان زمینوں میں جہاں انسان کا حافظہ کام کرتا ہے سوائے جنگل کے کچھ نہ تھا۔"

ان عہدہ داروں کے عام احساس کا جن کے نزدیک ہندوستان میں زمین پر تخمین محصول کرنا تھا آخر کار ایک بڑی یادگار تصنیف میں ظہور ہوا۔ لفٹنٹ برگز پہلا شخص تھا جس نے موجودہ اور قدیم قوانین اور رسم و رواج کی مکمل تحقیق کے بعد ہندوستان کے محصول آراضی کی صحیح نوعیت کی توضیح کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی مملکت ہندوستان کو اپنی جاگیر سمجھتی تھی اور قدیم حقوق یا رسم و رواج کی پروا نہ کر کے جس قدر زیادہ ممکن تھا مالگذاری وصول کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس طرز عمل کی مخالفت پر جان برگز نے کمر باندھی اور اس مضمون پر اپنی مستند کتاب میں جس سے دور جدید کی ابتدا ہوتی ہے اس نے اپنے ہمعصر انگریزوں اور تمام آنے والی نسلوں کی آگاہی کے لئے یہ صاف صاف بیان کر دیا کہ ہندوستان میں زمین کبھی مملکت کی ملک نہ تھی بلکہ وہ ہندوستان میں بھی خانگی ملکیت میں داخل تھی جیسے دنیا کے دوسرے تمام اقوام میں ہے مملکت کو جس طرح اور املاک پر محصول لگانے کا حق تھا اسی طرح اس ملکیت پر بھی محصول لگانے کا حق حاصل تھا۔

اس کتاب کی مختصر گنجایش میں اس ضخیم پانسو صفحے کی کتاب کی تشریح کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے لیکن اس میں جو نتائج نکالے گئے ان میں سے چند ناظرین کے سامنے پیش کرنا اس لئے ضروری ہے کہ ستر برس پہلے ان نتائج کی جو قدر و اہمیت تھی اب بھی وہی قایم ہے جان برگز نے یہ بتایا تھا کہ قدیم اقوام میں جیسے یونان، روما، فارس، اور چین کے ہیں پیداوار کے ایک عشر کے برابر محصول وصول کرنے کا مملکت کو حق حاصل تھا۔ ہندوؤں کے قدیم تمدن میں بادشاہ یا مملکت زمین کی خاصیت اور اسے کاشت کرنے کے لئے جو محنت درکار ہوتی تھی اس کے لحاظ سے اناج کا چھٹواں یا آٹھواں یا بارہواں حصہ بطور محصول وصول کرنے کا حق تھا۔

عہد بعہد یکے بعد دیگرے کیا عمل رہا تھا اس کی تحقیق کرنے کے بعد برگز نے یہ ثابت کر دیا کہ قابض اراضی ہی اس کا تنہا مالک تھا اور مملکت کے برقرار رکھنے کے لئے اس سے مالی امداد کا جو مطالبہ ہوتا تھا وہ ایک طرح کا محصول آمدنی تھا

یعنی وہ اس کی پیداوار جاگیر کا ایک محدود حصہ ہوتا تھا اور یہ حصہ امن کے زمانے میں معینہ تھا مگر جنگ کے زمانے میں اس میں بیشی کی جاسکتی تھی ہر حالت میں مالک کو کچھ نہ کچھ فاضلات بطور منافعہ ملتی تھی جو لگان کے مساوی تھی مزید براں اس بات کو ثابت کرنے میں غالباً میں کامیاب رہا ہوں کہ کسی فرمانروا نے زمین کے مالک ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا بلکہ صرف محصول زمین کا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اس اساسی اصول کو نظر انداز کرنا اور کاشتکاروں کے لئے سدّرمق برابر کچھ چھوڑ کر جملہ منافعہ کو اس ملک سے باہر بھیجدینے کی کوشش کرنا جان برگز کی نظر میں یہی اسباب تھے جن سے انگریزی راج میں ہندوستان پر افلاس چھا رہا تھا گذشتہ تین صدیوں میں جتنے سیاحوں نے مشرق کی سیر کی انھوں نے شاہان مغلیہ کے دور حکومت میں ملک کی سرسبزی و شادابی کا ذکر کیا ہے ہندوستان کی دولت اور آبادی اور قوم کی خوش حالی دیکھ کر یہ لوگ حیران ہوگئے۔ یہ حالت یورپ میں انھوں نے کہیں نہیں دیکھی تھی جب ہم خود بالالتزام ہر روز کہتے ہیں کہ ہماری حکومت میں رعایا اور ملک کی حالت ایسی قابل دید نہیں ہے تو یہ بات صحیح سمجھنی چاہئے۔

"اگر میں نے یہ ثابت کرکے دکھا دیا ہے کہ ہم نے اپنے پیشروؤں کے طریق عمل کو ترک کر دیا ہے اور ایک ایسا نظام قایم کیا ہے جس میں ان کے نظام سے اور ان کے باقاعدہ حکومتوں کی بدترین حکومت سے بھی بڑھ کر سختی ہے تو پھر درحقیقت کچھ نہ کچھ وجہ اصلاح طلب کرنے کی یا کم از کم تحقیقات کی توقع رکھنے کی پیدا ہو جاتی ہے۔

"نہایت ایمانداری کے ساتھ میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ کسی حکومت میں بھی خواہ وہ ہندوؤں کی ہو یا مسلمانوں کی جس کو قانون کی بنیاد پر قایم ہونے کا دعویٰ تھا ایسا نظام تو نہ تھا جو عام رعایا کی خوش حالی کو تہ و بالا کر دے اور یہی داغ ہمارے نظم و نسق پر ہے۔

"اگرچہ ہم نے ہر جگہ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اجرائے محصول کے بارسنگیں سے رعایا کو سخت ترین ضرر پہنچا ہے لیکن ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے

جہاں ہم نے اس بوجھ کو ہلکا کیا ہو بر خلاف اس کے اس محصول کے تعین کرنے میں ہم نے ایک غلط معیار اختیار کیا ہے یعنی پیداوار کی بجائے زر کا۔ دوسرے طبقات پر معمولی محصول اٹھا دینے کے حیلہ سے ہم نے یہی مقدار رقم فائضان آراضی پر لگا دی۔ اپنے حق میں انصاف کرنے کے عذر سے ہم نے ہر شخص کے معاملات میں تفحص کیا۔ متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ہم نے اس طرح کاشتکاروں کو ان ذرایع آمدنی سے محروم کر دیا جن سے وہ اُن سنگین محصولوں کی ادائی کرتے تھے جن سے خلاصی پانے کے وہ ہم سے طالب تھے حتیٰ کہ شدید وصولات سے ہم نے اپنے محاصل میں بیشی کر لی اور لوگوں کی حالت محض مزدوروں کی سی ہو گئی یہی ہماری حکمرانی کا قاعدہ ہے جس کا ہم کو بھی اقبال ہے اور زمین کے سارے فاضلات منافع لے لینے کا بھی یہی یقینی اور لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔

اس مفروضہ کی بناء پر کہ حکومت بلا شرکت غیرے مالک زمین ہے یہ یعنی موجودہ حکومت زمین ہی کو سب سے زیادہ نفع بخش ذریعہ آمدنی سمجھتی ہے۔ سرکاری ملازموں کی فوج کی فوج کاشتکار کی نگرانی پر مامور ہے تمام منافع اپنی مٹھی میں کر لینے کا حکومت کو اعتراف بھی ہے اس طرح کا محصول اراضی جو فی الوقت ہندوستان میں موجود ہے اور جس میں کل مالک آراضی کا لگان ختم ہو جاتا ہے کبھی کسی یورپی یا ایشیائی حکومت میں نہیں تھا۔

ایسی پر مغز اور اعلیٰ تصنیف دنیا کے کسی ملک میں بھی ہوتی تو وہاں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیتی مگر ہندوستان میں بمبئی کے عہدہ داران مالگزاری کے عمل درآمد میں اس سے ذرا بھی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ الفنسٹن کے مجوزہ بند و بست پیمائش کو بمبئی سول سروس کے مسٹر پرنگل نے ۱۸۲۴-۱۸۲۸ء میں شروع کر دیا تھا اور یہ بند و بست زمین کی پیداوار کے غیر صحیح اور مبالغہ آمیز تخمینے پر کئے گئے تھے جس کے نہایت مضر نتائج نکلے۔

"پرنگل نے جو تعین محصول کیا وہ کھیتوں کی پیمائش اور مختلف قسم کی زمینوں کے تخمینۂ پیداوار اور تخمینۂ مصارفِ کاشت پر کیا تھا اور یہ اصول اختیار کیا گیا تھا کہ سرکاری مطالبہ خالص پیداوار کا ۵۵ فی صد مشخص کر دیا جائے

پیمائش کا ابتدائی کام بالکل غلط ہوا اور پیداوار کا تخمینہ جو تشخیص محصول میں نہایت اہم عنصر تھا اور جس کو بہت مکمل طور پر تیار کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس قدر غلطیوں سے مملو تھا کہ بے کار سے بدتر ہو گیا اس اثنا میں یہ بند وبست رائج کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن خرابیوں کی اس سے مٹنے کی توقع تھی اُن میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ ابتدا سے ہی اس بند وبست میں پوری مالگزاری کا وصول ہونا ناممکن نظر آتا تھا بعض اضلاع میں تو آدھی مالگزاری بھی وصول نہیں ہوتی تھی اب حالت بد سے بدتر ہوتی چلی۔ ہر سال مالگزاری کی باقیات میں اضافہ ہوتا چلا اور معافیات یا تخفیف شرح محصول کی ضرورت پیش آتی رہی بدنصیب کسانوں سے انتہائی وصولات کی ہر جائز و ناجائز کوشش کی گئی۔ بعض مثالیں ایسی بھی تھیں جہاں کسانوں نے بہ طیب خاطر یا ان کی بساط سے باہر ہونے کی وجہ سے ان مطالبات کی تکمیل نہیں کی تو ان کو ایسی سخت سخت اذیتیں اور سزائیں دی گئیں جو بیان سے باہر ہیں اور جن کو دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے بے شمار کسان گھر بار چھوڑ کر نکل گئے اور آس پاس کی دیسی ریاستوں کو بھاگ گئے۔ زمین کے بڑے بڑے خطے بے کاشت پڑے ہوئے تھے اور بعض اضلاع میں قابل کاشت رقبے کا ایک ثلث سے زیادہ زیر کاشت نہ تھا۔

انجام کار اس نظام سے دست برداری قبول کر لی گئی ۱۸۳۵ء میں بمبئی کے سول سروس کے مسٹر گولڈ اسمتھ اور لفٹننٹ ونگٹ نے جو بعد میں سر جان ونگٹ ہوا ایک جدید پیمائش شروع کی۔

"مختلف اقسام کی زمین کی پیداوار کو معلوم کر کے اور اس کے ایک حصہ متناسبہ تک مطالبۂ سرکار کا تعین کر کے تشخیص لگان کا ایک اصولی نصب العین معلوم کرنے کی جو کوششیں اب تک تھیں ان سب کو ترک کر کے پیمائش کے عہدہ داروں نے یہ آسان طریقہ اختیار کیا تھا کہ ہر کھیت میں زمین کی گہرائی اور اوسط پیداآوری دریافت کر کے اس کا ایک خاص درجہ قرار دیدیا جائے اور اس غرض سے تخمینہ کے نو اقسام قائم کئے۔

شرح محصول کے تعین میں محض عملی نقطۂ نظر سے زمین کی پیداآوری اور ضلع کا عام ماحول ان کے پیش نظر رہتا تھا۔

موخر الذکر نظام سرکار کو پسند آنے کے باوجود ناظرین خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ یہ جدید طریق کار اصولاً غلط تھا۔ کھیتوں کی اوسط پیداوار کے لحاظ سے تعین محصول کا اصول درست اور قدیم تھا گو پرنگل غلط طریقہ پر کام کرنے کی وجہ سے اس میں ناکام رہا۔ لیکن محصول کا جدید طریقہ یعنی زمین کی اوسط خوبی اور گہرائی معلوم کرنا سنئے سے ہی احمقانہ بات معلوم ہوئی تھی گو ونگٹ اس میں اس وجہ سے کامیاب رہا کہ اس نے نہایت اعتدال اور نرمی کے ساتھ جو اس کی طبیعت کا خاصہ تھا اس کام کو بھی کیا علم طبقات الارض کے اصولوں پر زمین کا جو امتحان کیا جائے گا وہ اس کی پیداوار کا تخمینہ قائم کرنے کی بنیاد نہیں بن سکتا اور اس ناقابل اعتبار بنا پر بعد کے بند وبست میں مالگزاری میں جو مسلسل افزونی ہو رہی تھی اس سے تمام صوبے میں افلاس اور مصیبت پھیلی ہوئی تھی۔

۱۸۳۵ء میں جو پیمائش شروع کی گئی تھی وہی بمبئی کے موجودہ نظام مالگزاری کا گویا مقدمہ بن گئی اور اس کے دوسرے ہی سال جب ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس صوبہ کا پہلا باقاعدہ بند وبست شروع ہوا۔ اس بند وبست کی تفصیلی طور پر تنقیح و تدقیق ضروری ہے کیونکہ بمبئی میں فی زمانہ بھی اسی نظام کی تقلید کی جاتی ہے۔

بند وبست کے کام کئی سال تک ہوتے رہے اور بتدریج تمام صوبے کو اس میں لے لیا گیا جتنا جتنا تجربہ پختہ ہوتا گیا سارے نتائج کو ایک جا کرنا اور آیندہ کی رہنمائی کے لئے قواعد بنانا ضروری معلوم ہوتا گیا۔ ۱۸۴۷ء میں یہ کام بھی اس مشترکہ رپورٹ کی شکل میں جس پر ہز اکسلنسی گولڈ اسمتھ کپتان ونگیٹ، اور کپتان ڈیوڈسن کی دستخطیں ہیں پورا ہو گیا۔

اس بند وبست کے اصول جیسے اس مشترکہ رپورٹ میں بیان کئے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ بندوبست مجموعی طور پر زیر قبضہ زمینوں یا قصبوں پر نہیں کیا گیا تھا بلکہ علیحدہ علیحدہ ہر کھیت پر تعین محصول کے اصول پر مبنی تھا۔ (۲) سابقہ مختصر المیعاد پٹوں کی بجائے طویل المیعاد سی سالہ پٹے عطا کئے گئے تھے (۳) محصول کی بنیاد تخمینۂ پیداوار پر باقی نہیں رکھی گئی تھی بلکہ آراضی کے تخمینہ قیمت پر مشترکہ رپورٹ سے چند اقتباسات توضیحاً پیش کئے جاتے ہیں۔

"کھیتوں پر کاشتکار کا حق قبضہ ناقابل فسخ رہتا ہے بشرطیکہ جو محصول اس پر لگایا جاتا ہے وہ برابر ادا ہوتا رہے گو ہر کھیت کے متعلق سالانہ اس کے تجدید اقرار نامہ بھی ہوتی رہے اس کی جملہ زمینوں پر محصول لگانے کی بجائے ہر کھیت پر علیحدہ علیحدہ محصول عاید کرنے میں فائدہ یہ تھا کہ جب وہ مناسب سمجھے اپنی موجودہ اراضی سے دست بردار ہو جائے یا دوسری زمینوں کو جو کسی کے زیر قبضہ نہوں اپنے قبضہ میں کرلے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری اپنے ذرایع آمدنی تک محدود رکھ سکے۔ کھیتوں پر ایک معینہ سی سالہ محصول ہو جانے سے جس کی ابتدا ہماری پیمائش سے ہوئی کاشتکار کو سی سالہ پٹے کے سارے فوائد حاصل ہو گئے اور قبضہ قائم رہنے تک سال بسال محصول مقررہ کی ادائی کے سوائے کسی مزید شرط کا بوجھ کاشتکار پر عائد نہیں ہوا"

"ہم نے مختلف زمینوں کے نو اقسام قائم کئے ہیں اور تجربے سے ثابت ہے کہ عملی طور پر سارے اغراض کے لئے یہ تفصیلی تقسیم کافی ہے مثلاً فلاں زمین کس قسم کی ہے اس کا تعین کرنے میں محض تقسیم کرنے والے کے اختیار تمیزی پر بالکلیہ بھروسہ کرنے کی بجائے ہم نے ایسے قاعدے اختراع کئے ہیں جن سے یہ پہچان لیا جا سکے کہ کونسی زمین کس درجے کی ہے۔ اس ملک میں یا کم سے کم ان اقطاع ملک میں جہاں تک پیمائش ہوئی ہے زمین کی شادابی کا انحصار مٹی کی نمی کی قوت کو جذب کرنے پر ہے اور چونکہ قوت انجذاب مٹی کی گہرائی سے متاثر ہوتی ہے اس لئے ہم نے اپنے تخمینہ میں اسی کو (یعنی گہرائی کو) کمی وبیشی کا اصول قرار دیا"

"اگر مٹی کی ایکساں گہرائی میں ایکساں شادابی ہوتی تو پھر تقسیم کیلئے

محض گہرائی کو جانچ لینا کافی سمجھتے ہیں کہ مٹی کو شادابی کے اعتبار سے تین مدارج میں تقسیم کیا جائے بہ لحاظ گہرائی ہمارے معیار کے بموجب اس کے نو اقسام قرار دیئے جائیں جو حسب ذیل نقشے سے بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں۔

قسم	قسم کی قیمت اضافی آنوں میں یعنی روپیہ کے سولھویں حصہ میں گہرائی ہاتھوں کے مساوی ایک ہاتھ کی گہرائی = ۱½ فٹ	مٹی درجہ اول جو یکساں باریک اجزا سے مرکب ہے اور رنگ میں گہری سیاہ سے گہری بھوری تک ہوتی ہے گہرائی ہاتھوں کے مساوی ایک ہاتھ کی گہرائی = ۱½ فٹ	درجہ دوم جو مقابلتًا یکساں موٹے اجزاء سے مرکب ہے اور رنگ میں بھی پھیکی اور عمومًا سرخ ہوتی ہے۔ گہرائی ہاتھوں کے مساوی (ایک ہاتھ کی گہرائی = ۱½ فٹ)	درجہ سوم کنکریلی اور بھربھری رنگ میں ہلکی بادامی یا بھوری ہوتی ہے۔
۱	۱۶	۱ ¾		۰
۲	۱۴	۱ ½	۱ ¾	۰
۳	۱۲	۱ ¼	۱ ½	۰
۴	۱۰	۱	۱ ¼	۰
۵	۸	۱ ¾	۱	۰
۶	۶	½	¾	۱
۷	۴ ½	¼	½	¾
۸	۳	۰	¼	½
۹	۲	۰	۰	¼

اس نقشے کے پہلے خانے میں ہمارے معیار کے بموجب مٹی کے نو اقسام درج ہیں دوسرے خانے میں اضافی قیمتیں درج ہیں جن میں سب سے زیادہ قیمت سولہ آنے یا ایک روپیہ ہے اور روپیوں میں اس لئے قیمت درج کی گئی ہے کہ

یہ طریقہ ویسیوں کے قریب الفہم ہے"
"ہر قسم کی زمین سے جن جن مدات محاصل کے تحت ابتک وصولات ہوتے ہیں ہر ایک کے ماخذ و مقدار کے متعلق تفصیلی اعداد کا ایک نقشہ پیش ہونا چاہیئے"
"اگر ایسے معلومات فراہم کئے جائیں اور ضلع کی تاریخ گزشتہ سے متعلق تعاملی تحقیقات کے ساتھ بالمقابل پیش ہوں تو سابقہ حالات پر کن اسباب وعلل کا اثر پڑتا تھا ہم آسانی کے ساتھ ان کا پتا لگا سکتے ہیں اس وجہ سے آگاہ ہونے اور اطراف کے اضلاع کی استعداد اراضی سے اس ضلع کا مقابلہ کرنے کے بعد کسی اطمینان بخش نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اب کتنا محصول عائد کیا جا سکتا ہے"
"کسی ضلع پر ایک خاص محصول مشخص کرنے کی بجائے اس میں زیادہ سہولت ہے اور بات بھی وہی ہے کہ ضلع کے اندرون حدود جتنی مختلف الاقسام مٹی اور کاشت موجود ہے اس کے لحاظ سے ایک ایسی شرح محصول مقرر کر دی جائے جس سے رقم زیر بحث پوری وصول ہو جائے اور اس کے لئے سب قسم کی کاشت پر صرف انتہائی شرح کا معین کرنا کافی ہوگا۔ اس کے بعد سب اضافی قیمتوں کو مدنظر رکھ کر ہماری تقسیم کے معیار سے ہی سب ذیلی شرح بھی اخذ کئے جا سکتے ہیں"

مذکورالصدر اقتباسات اس مشہور مشترکہ رپورٹ کا لب لباب ہیں جس پر بمبئی کا نظام مالگزاری مبنی تھا اس میں کاشتکار کے اپنے کھیت پر قابل ارث اور قابل انتقال حقوق تسلیم کر لئے گئے لیکن محصول آراضی کے معینہ رہنے کا قدیم استحقاق جو میراثی کاشتکاروں کو مرہٹوں کے عہد حکومت میں حاصل تھا ہمیشہ کے لئے فسخ کر دیا گیا۔ ضلع کے دس لاکھ کھیتوں کے لئے مطالبہ مالگزاری کا طول طویل معیار تقسیم اختراع تو کیا گیا لیکن اس مطالبہ پر کوئی قید نہیں لگائی گئی تھی اور محصول مشخص کرنے کی غرض سے کھیت کی پیداوار کے واجبی اصول کی بجائے علم طبقات ارض کے ناقابل عمل اصول بھی اختیار کئے گئے تھے ان حالات میں ہر شخص زمین کا درجہ قرار دینے والا بن گیا جو دس شلنگ تنخواہ پر اضافی قیمت مقرر کرنے کے لئے ہر کھیت کی مٹی کی گہرائی اور نوعیت کا محققانہ تعین کرتا تھا اور انہی مقررہ اضافی قیمتوں کے

موافق ضلع پر جو جملہ مطالبہ عائد تھا وہ وہاں کے کھیتوں پر تقسیم ہوتا تھا لیکن خود اس جملہ مطالبے کی بنیاد "ضلع کی گذشتہ تاریخ" اور رعایا کی سابقہ حالت پر رکھی گئی تھی۔ چنانچہ اس صوبے میں تیس سال انگریزوں کی حکومت رہنے کے بعد بھی ایک چھوٹی سے بات کے لئے جب رعایا نے حکومت سے اپنا اطمینان کرنا چاہا تو کامیابی نہیں ہوئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے عمال اپنے مطالبہ پر کوئی قید رکھنا نہیں چاہتے تھے اور مابعد میں آنے والے بندوبست پر رعایا کے حسب حال اپنے مطالبہ کی تشکیل اور اس کو بڑھانے اور گھٹانے کا اختیار اپنے ہی ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے ہر بعد میں آنے والے بندوبست پر مطالبہ مالگزاری اضافہ کرنے کا اختیار مطلق جس نظام میں بلا قید عہدہ داران مالگزاری پر چھوڑ دیا گیا ہو اس نظام سے زیادہ موزوں کوئی اور نظام ایک زراعت پیشہ قوم کو ہمیشہ مفلس اور بے وسیلہ رکھنے کے لئے انسانی ذہانت نے اختراع ہی نہیں کیا۔ محصول اراضی کے تعین میں کسی کاشتکار کو کچھ دخل نہ تھا۔ اور نہ اس سے کسی قسم کا مشورہ کیا جاتا تھا ہر سرکاری مطالبہ کے تعین کے بعد اس پر تقاضہ کیا جاتا تھا کہ یا تو وہ سرکاری مطالبہ کی تکمیل کر دے یا اپنی آبائی زمین سے دست بردار ہو جائے جس کے یہ معنی تھے کہ وہ بھوکوں مرے۔

جو لوگ اس بندوبست میں شریک تھے وہ شاہد ہیں کہ اس جدید نظام کی خرابیوں کے انکشاف میں ہم نے مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے ۱۸۵۳ء میں کمپنی کا منشور تجدید کے لئے پیش ہوا اور معمول کے موافق تجدید سے پہلے پارلیمنٹ سے کمپنی کے ہندوستانی نظم ونسق کے ہر شعبہ میں تحقیقات شروع کی دارالعوام اور دارالامرا کی منتخبہ کمیٹیوں نے ۱۸۵۲ء میں شہادت قلمبند کی اور رپورٹیں مرتب کیں ۱۸۵۳ء میں انھوں نے اور بیانات لئے دارالامرا نے تین رپورٹیں اور دارالعوام نے چھ رپورٹیں پیش کیں اس ضخیم شہادت میں سے ہم ایک نوجوان عہدہ دار کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جس کا نام گولڈ فنچ تھا اور جس نے بمبئی میں بندوبست کا بھی کام کیا تھا اس نے

اپنا کارنامہ ۲۰ جون ۱۸۵۳ء میں تفصیلی طور پر بیان کیا ہے۔
"۶۷۱۴۔ پیمائش ختم ہونے کے بعد جب آپ نے کوئی کھیت مثلاً نمبر ۱۱ پانچ بیگہ کا تقریباً ۲ ایکڑ) کسی خاص شخص کے قبضے میں دیکھا تو کیا کلکٹر نے اس پر محصول اپنی مرضی سے لگایا تھا یا مالک اراضی یا قابض زمین سے بھی دریافت کیا تھا کہ کیا وہ اس رقم کی ادائی پر راضی ہے یا نہیں۔
"مہتمم پیمائش نے بلا استصواب کاشتکار محصول مشخص کر دیا تھا اور جب جدید شرح کی ابتدا ہوئی تو ہر قابض اراضی کو کلکٹر کے پاس طلب کر کے اسکی زمین پر آیندہ جو شرح عائد ہونے والی تھی اس سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ ان شرائط پر جس کاشتکار نے زمین پر قبضہ قائم رکھنا چاہا رکھا اور جس نے نہ رکھنا چاہا نہ رکھا۔"
"۶۷۲۰۔ کیا اس ضلع کے تمام قصبوں میں خالص پیداوار اور محصول کا باہمی تناسب ہر جگہ یکساں ہے یا مختلف؟
"میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا البتہ زمین کی خالص پیداوار پر محصول کا تناسب کیا ہے اس کے متعلق میں قیاس قائم کر سکتا ہوں۔"
"۶۷۲۲۔ کیا کل ضلع کی پیمائش کے اہتمام و نگرانی پر کوئی ایک عہدہ دار مقرر ہے؟ "جی ہاں"
"۶۷۶۳۔ کیا اسی لئے محصول کے تعین کا اصول پریسیڈنسی کے اس سرے سے اس سرے تک یکساں ہے۔ "یقیناً"
۶۷۴۴۔ مہتمم پیمائش کی اصلی خدمت کیا ہے؟
"وہ انجنیر ہے۔" کپتان ونگیٹ مہتمم پیمائش ہے۔"
"بلا استصواب کاشتکار" محصول آراضی مقرر کر دینا پھر کاشتکار سے یہ کہہ دینا کہ وہ یا مقررہ لگان قبول کرے یا اپنی زمین سے دست بردار ہو جائے گولڈ فینچ کی نظروں میں ایک منصفانہ اور واجبی طریق کارروائی تھا یہ بات کبھی اس کے ذہن میں نہیں آئی کہ زمین کاشت کار کی ملک تھی اور ایک معینہ محصول آراضی پر اس کے اجداد کے قبضے میں رہی تھی۔ زمین سے

دست بردار ہو جانے کے معنی کاشتکار کی موروثی ملکیت کی ترقی تھی۔ اس بندوبست کے نتائج کا تفصیلی بیان دوسری کتاب میں کیا جائے گا جس کا نام "ہندوستان عہد وکٹوریہ میں" ہے۔

کپتان ونگیٹ کے متعلق انصافاً یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ اس نے اس خراب نظام کے چلانے میں اعتدال اور رعایت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے متعلق انصافاً یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ کمپنی نے اس نظام کی نا واجبیت محسوس کی اور عام محصول لگانے پر قیود عاید کرنے کی بھی کوشش کی۔ تجدید منشور سے تین سال کے بعد کمپنی نے وہ مشہور مراسلہ ۱۷ دسمبر ۱۸۵۶ء کا تحریر کیا جس میں یہ اصول قرار دیا گیا تھا کہ "حکومت اس لگان کی حقدار نہیں ہے جو مصارف کاشت اور زرعی اصل کے منافع کی منہائی کے بعد پیداوار کی جملہ فاضلات پر مشتمل ہے بلکہ صرف مالگزاری ہی کی حقدار ہے" اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے اٹھ جانے کے بعد سر چارلس ووڈ نے جو اس وقت وزیر ہند تھا اور جس کو بعد میں لارڈ ہیلی فکس کا خطاب ملا اپنے ۱۸۶۴ء کے مشہور مراسلے میں یہ تحریر کیا تھا کہ لگان کا ایک حصہ اور وہ بھی صرف آدھا لینا اس کو پسند تھا۔

لیکن یہ سب محض کہنے کی باتیں تھیں جن پر عمل نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ بمبئی کے نظام میں کھیت کی پیداوار اور معاش لگان کی کبھی تحقیق ہی نہیں کی گئی تھی بلکہ ہر ضلع میں محصول آراضی کا تعین اس تحقیق کے لحاظ سے کیا گیا تھا کہ رعایا گزشتہ زمانہ میں کیا دیتی تھی اور آیندہ کیا دے سکتی ہے۔ ایسے نظام کے تحت جہاں کاشتکاروں سے کبھی مشورہ نہیں کیا جاتا تھا اور وہ کسی عدالت اراضی کے سامنے استغاثہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔ ہر آیندہ بندوبست پر مالگزاری کے مطالبے میں اضافہ ہوتا گیا اور کسان بے وسیلہ افلاس زدہ ہی رہے۔

لارڈ کیننگ نے جو ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۲ء تک ہندوستان کا وایسرائے تھا بمبئی میں ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح بندوبست مالگزاری کو دوامی کر دینے کی تجویز پیش کی تھی لیکن وزیر ہند نے ۱۸۸۳ء میں اس تجویز کو رد کر دیا۔ مارکوئیس رپن نے جو ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک ہندوستان کا وایسرائے تھا

اس واجبی شرط کے عاید کرنے کی تجویز پیش کی کہ جب عام قیمتوں میں افزونی ہو تو صرف اسی وقت اور اسی تناسب مالگزاری میں بھی اضافہ کیا جائے۔ لیکن اس تجویز کو بھی وزیر ہند نے ۱۸۸۵ء میں نامنظور کیا۔

محصول اراضی پر از روے انصاف جو معقول شرائط وقتاً فوقتاً عائد کئے گئے تھے وہ سب اسی طرح یا تو نظر انداز کر دئے گئے یا نامنظور کر دئے گئے۔ بمبئی کے کاشتکاروں کو دوامًا بے وسیلہ رکھنے کے لئے موجودہ نظام بھی ایسا ہی موزوں تھا جیسے کوئی اور نظام ہو سکتا ہے جس کو انسان کی ذہانت اختراع کر سکتی ہے۔ چنانچہ ساہوکاروں کی غلامی کرتے کرتے کاشتکار قعر مذلت میں پڑے ہوے تھے مزید براں انیسویں صدی عیسوی کے اختتام پر بمبئی میں ایک ایسا قحط ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا اور اس کے اثرات بھی اس گوشے سے اس گوشے تک پھیل گئے تھے۔

بائیسواں باب

برڈ اور شمالی ہند میں بندوبست جدید

(۱۸۲۲ء - ۱۸۳۵ء)

شمالی ہند کا بندوبست ۱۸۲۲ء میں شروع ہوا اور جیسا کہ اس کتاب کے گیارھویں باب میں بیان ہو چکا ہے بالکل ناکامیاب رہا۔ "سیاہۂ حقوق" کی ترتیب کے لئے جس دریافت کی ضرورت تھی وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھی۔ کھیت کی پیداوار کے متعلق نہایت تفصیلی تحقیقات ایذا رساں اور بے سود ثابت ہوئی۔ حکومت کا لگان کے ۸۰ فیصد سے زیادہ مطالبہ کرنا موجب تکلیف اور ناقابل عمل تھا۔ خود اپنی سختی کی وجہ سے یہ نظام ہی ٹوٹ گیا۔ اصلاح کی سخت ضرورت تھی اور ایک حقیقی مصلح منظر پر نمودار ہوا۔

لارڈ ولیم بنٹنک ۱۸۲۸ء میں بہ حیثیت گورنر جنرل ہندوستان آیا اس سے زیادہ سچا اور رعایا کا مخلص حاکم ایسٹ انڈیا کمپنی نے کبھی بھیجا ہی نہیں۔ بنٹنک نے شمالی ہند کا دورہ کیا اور اپنے مشاہدات نظمائے کمپنی کے موسومہ مراسلہ میں اس نے بیان کئے ہیں۔

"ممالک مغربی کو میرا جانا زیادہ تر جس تردد کے مدنظر تھا معزز مجلس نظما

اس سے واقف ہے یعنی ۱۸۲۲ء کے دستور العمل ع ک کے شرایط کی رو سے بندوبست کے کام میں کیا ترقی ہوئی تھی اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر میں اپنا اطمینان کروں اور یہ معلوم کروں کہ آیا ترقی میں تعجیل کرنے کا یا ایسے تدابیر اختیار کرنے کا عملاً امکان ہے جس سے ملک فلاح و بہبود کو پہنچے اور یہی معزز مجلس کا مطمح نظر تھا"

"۴۔ جن عہدہ داروں سے میں نے صلاح و مشورت کی ان میں نہ تو جوش و سرگرمی کی کمی تھی اور نہ فہم و فراست کی۔ بر این ہم معزز مجلس کو اس بات سے آگاہ کر دینا میرا فریضہ ہے کہ ناکامیابی کی وجہ خواہ کچھ ہو ان ممالک کے بندوبست کے لئے اب تک کچھ کیا ہی نہیں گیا"

"۸۔ معزز کمپنی کی اس رائے کے پڑھنے سے مجھ کو حقیقی مسرت ہوئی جو مراسلہ مورخہ ۹ / فروری کے فقرۂ (۵۸) میں درج ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طویل المیعاد پٹے کی ضرورت معزز کمپنی بھی محسوس کرتی ہے بندوبست کے کام میں تعجیل پیدا کرنے اور تشکمیدار اسامیوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے متعلق معزز کمیٹی نے تفصیلی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے قریب قریب میرے خیالات کے مطابق ہیں۔

لارڈ ولیم بنٹنک نے اسی سال مجلس مالگزاری کے نام ایک مراسلہ لکھا جس میں ۱۸۲۲ء منصوبے کے اہم اسباب ناکامیابی کی نشاندہی کی۔ اس نے لگان کے ۸۰ فی صد سے زیادہ مطالبہ کرنے پر حکومت کو مورد الزام قرار دیا ہے اور یہ صلاح دینے کی جسارت کی ہے کہ اس مطالبے میں کمی ہونی چاہئے۔

بنٹنک نے لکھا ہے کہ :۔ دستور العمل میں یہ مقرر کر دیا گیا تھا کہ "جہاں مطالبے میں اضافہ کر دیا جائے گا وہاں محصول اس قاعدہ پر لگایا جائے گا کہ زمینداروں اور دیگر اشخاص کے لئے اس جمع کی کل مقدار پر جو خود ان سے یا ان کے توسط سے قابل ادا ہو گی ۲۰ فی صد خالص منافع چھوڑ دیا جائے گا لیکن ہنر لارڈشپ کا خیال ہے کہ عہدہ داران مالگزاری میں جن کی رائے قابل احترام ہے یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ زمینداروں کے حق میں جو منہائی دی جائے وہ کسی حال سرکاری جمع کے تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ فی صدی سے کم نہ ہو لیکن سب کچھ یہی

اصلاح و ترقی کے لئے اصل درکار ہے اور کیا یہ اصل نہیں سمجھا جائے گا۔

تاہم مصارف جمع اس میں شامل نہیں ہیں اور خالص لگان پر اس کا حساب لگایا گیا ہے زمینداروں اور دیگر مالکان اراضی کو خام لگان میں سے ہر حساب میں جو منہائی دی جاتی ہے ہز لارڈشپ کا منشا اس کو معین کر دینے کا ہے اور مناسب شرح کچھ ہی ہو ہز لارڈشپ کے حسب خواہش آپ کے غور کرنے کے لئے میں یہ رائے پیش کرتا ہوں کہ خام لگان میں سے جتنی منہائیاں زمینداروں کو دی جاتی ہیں کیا ان کو ایک کر دینا اور ان کی مقدار معین کر دینا ممکن نہیں تاکہ عہدہ داروں کے شخصی اختیار تمیزی پر منہائی دینے کی بجائے جیسا کہ آج تک ہوتا آیا ہے یہ منہائی سب جگہ یکساں ہو جائے گی۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۳۱ء میں ہی لارڈ ولیم بنٹنک نے اس جدید بندوبست کے سب اساسی اصول خوب ذہن نشیں کر لیے تھے یعنی طویل المیعاد پٹے جو مالکان اراضی اور پٹہ داروں کے لئے محرک ترقی ہو سکتے تھے اور ایک واجبی مطالبۂ حکومت جس سے زمین کے منافع کا کچھ حصہ ان کے لئے بچتا تھا۔

ایک اور معاملہ میں جس پر گورنر جنرل نے توجہ مبذول کی وہ شمالی ہند میں ملت دیہی کو محفوظ رکھنا تھا۔ سر چارلس مٹکاف گورنر جنرل کی کونسل کے رکن وقت نے جس نے بعد میں گورنر جنرل ہند کی حکومت عارضی طور پر انجام بھی دی تھی اپنے ۱۸۳۰ء کے مشہور مراسلہ میں جس کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے اس بات کی پر زور تائید کی ہے۔

"ملل دیہی چھوٹی چھوٹی جمہوریہ ہیں جن میں ان کے مایحتاج کا سب سامان موجود تھا اور باہر سے تعلقات پیدا کرنے کی انھیں حاجت ہی نہ تھی جہاں کسی چیز کو ثبات نہ تھا وہاں ان کا وجود قائم ہے۔ شاہی خاندان پر شاہی خاندان تہ و بالا ہو گئے۔ انقلاب پر انقلاب رونما ہوئے ملک کے مالک پہلے ہندو تھے پھر پٹھان ہوئے۔ مغل گئے تو مرہٹے آئے اور سکھوں کے بعد اب انگریز ہیں۔ مگر ملت دیہی ایک ہی حالت پر ہیں۔ فتنہ و فساد کے

زمانے میں یہ اپنے اسلحہ آپ فراہم اور اپنی مورچہ بندی آپ کر لیتے ہیں جب کسی غنیم کی فوج ان کے علاقے کے حدود میں سے گزرتی ہے۔ ملت دیہی اپنے مویشی کو گانوں کی چار دیواری میں جمع کر لیتے ہیں اور غنیم کو بلا مزاحمت گزر جانے دیتے ہیں۔ اگر تباہی اور غارتگری ان کا رخ کرتی ہے اور زور و ظلم نا قابل مقابلہ ہوتا ہے تو یہ دور کے کسی گانوں کو فرار ہو جاتے ہیں لیکن جب ہنگامہ فرو ہو جاتا ہے تو اپنے اپنے گھروں کو واپس آکر اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اگر دیہات کئی سال تک یوں ہی قتل و غارت کے منظر بنے رہیں کہ لوگ وہاں آکر نہ رہ سکیں تو جب کبھی امن و چین کے ساتھ ان کو اپنے مقبوضات واپس ملنے کا زمانہ آتا ہے تو یہ گانوں والے جو جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے سب اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں اگر ایک پشت بھی یونہی گزر جائے تو دوسری پشت ضرور واپس آئے گی۔ اخلاف آبائی جگہ لیں گے۔ بستیاں جہاں تھیں وہیں ہوں گی۔ مکانات بھی جہاں پہلے تھے وہیں بنیں گے وہی پہلی زمینیں ان کے زیر قبضہ ہوں گی۔ اور ان سب پر انہی لوگوں کی اولاد قابض ہوگی جو گانوں کے اجڑنے پر بے گھر ہو گئے تھے۔ کوئی معمولی واقعہ ان کو گانوں سے نکال نہیں سکتا تھا کیوں کہ اکثر بلوے اور ہنگامے کے زمانے میں بھی ان کے قدم جمے رہتے تھے ان میں اتنی طاقت موجود تھی کہ ظلم اور غارتگری کی مدافعت کر سکیں اور اس میں کامیاب رہیں۔

"ان تمام تغیرات و انقلابات میں جو وقتاً فوقتاً ہندوستان پر نازل ہوتے رہے میرا خیال یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کی بقا میں سب اسباب و علل سے بڑھکر ان ملل دیہی کا حصہ ہے جو ہر ایک گویا علیحدہ علیحدہ ایک مملکت کے برابر ہے اور زیادہ تر انھیں سے لوگوں کو سکھ چین بھی نصیب ہے اور آزادی و خود مختاری بھی میری تمنا یہی ہے کہ دستور دیہی میں کبھی کوئی خلل نہ پڑے اور جو بات ان کو درہم برہم کرنے والی پیدا ہوتی ہے اس سے مجھے بھی اندیشہ رہتا ہے۔ مجھ کو یہ بھی خدشہ ہے کہ ملل دیہی کے نمایندہ سے جو ان کا چودھری ہے بندوبست مالگزاری نہ کر کے ہر کاشتکار سے

علیحدہ علیحدہ بند وبست کرنا جیسے رعیت واری بند وبست میں عمل ہے کہیں ملت دیہی کی تباہی کا باعث نہ بن جائے ۔ اسی لئے اور محض اس وجہ سے مجھے منظور نہیں ہے کہ ممالک مغربی میں عام طور پر رعیت واری بند وبست کی ترویج ہو۔"

بمبئی اور مدراس میں ملت دیہی کے باقی نہ رہنے کی صحیح وجہ سر چارلس مٹکاف کے خیال میں رعیت واری نظام کی ترویج تھی ۔ جب ہر کاشتکار سے بند وبست علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو ملت دیہی کے وجود کی اصل غائت باقی نہیں رہتی ملت دیہی کو ان کے حقیقی فرائض سے محروم کرنے کے بعد منرو اور الفنسٹن نے ان کو زندہ رکھنے کی کوشش کی مگر اس میں ان کو ناکامیابی ہوئی ۔ شمالی ہند میں بھی انہیں وجوہ سے گزشتہ ستر سال کے زمانہ میں تمام ملل دیہی ایک ایک کر کے مفقود ہو گئیں ۔ انگریزوں کی حکومت نے مغربی خیالات کی تقلید میں محصول اراضی کی پوری ذمہ داری خاص خاص آدمیوں مثلاً زمینداروں اور چودہریوں پر عائد کرنے کی کوشش کی حتی کہ محصول ادا کرنے کے ذمہ دار اور مالک اراضی یہی لوگ بن گئے اور ملل دیہی پر زوال آگیا ۔ مغربی ادارات کے زیر اثر حکومت نے تمام عدالتی اور عاملانہ اختیارات اپنے ہی عہدہ داروں کے قبضے میں دیکر ان کو مرکزی بنا دینا چاہا جس سے ملت دیہی کے قدیم اختیارات چھن گئے یا کمزور ہو گئے حتیٰ کہ ان درختوں کی طرح گر گئے جن کی جڑیں کٹ گئی ہوں ۔ حکومت خود اختیاری کی اس قدیم تشکیل کو محفوظ رکھنے کی نہایت سچی خواہش رکھنے کے باوجود جس کو منرو الفنسٹن اور مٹکاف نے بھی محسوس کیا تھا اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کیا تھا انگریزی حکومت حصول مقصد میں اس لئے ناکام رہی کہ اس نے ان چھوٹی چھوٹی جمہوریہ سے حکومت خود اختیاری کے سب اختیارات چھین لئے اور اپنی دیوانی عدالتوں اور عاملانہ عہدہ داروں کے تفویض کر کے ان اختیارات کو مرکزی بنا دیا ۔ اور لوگوں کے قدیم ادارات پر کوئی حقیقی اعتماد نہیں کیا ۔ انگریزوں کے راج کا سب سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ نکلا کہ نظام دیہی کی حکومت خود اختیاری جس کی ابتدا روئے زمین کے دوسرے ملکوں کے مقابل سب سے پہلے

ہندوستان میں ہوئی تھی اور سب جگہ سے زیادہ مدت تک قایم رہی تھی وہی مٹ گئی۔

لارڈ ولیم بنٹنگ نے اپنے ارکان کونسل اور مجلس مالگزاری اور نظمائے کمپنی سے مشورہ کرنے کے بعد اپنی تجاویز کو مکمل کر دیا تھا ۱۸۳۲ء میں بنٹنگ نے عہدہ داروں کی ایک کانفرنس الہ آباد میں منعقد کی جس کی بالذات اُس نے صدارت کی اس کانفرنس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۳۳ء کا دستور العمل ۹ منظور و نافذ ہوا۔ اور اسی پر شمالی ہند کے بند وبست مالگزاری کی بنیاد قائم ہے۔ اس دستور العمل کے روسے اکثر عدالتی مقدمات محکمہ بند وبست سے اور جگہ منتقل کر دیئے گئے۔ پیداوار اور لگان کے تخمینے کو آسان بنا دیا گیا۔ اور مختلف الاقسام مٹی کے اوسط لگان کا نظام پہلی دفعہ قائم کیا گیا یہ پہلا مرتبہ تھا کہ کھیتوں کے نقشوں اور کھیتوں کے چٹھوں کا استعمال عام طور پر لازمی قرار دیا گیا۔ حکومت کا مطالبہ گھٹا کر عام لگان کا دو ثلث کر دیا گیا۔ اور جس بند وبست گے کرنے میں ۱۸۳۳ء سے ۱۸۴۹ء تک سولہ سال صرف ہوئے تھے اسکی میعاد تیس سالہ کر دی گئی۔

اس قدر بڑے پیمانے پر بند وبست کرنے کا انتظام ایک ایسے شخص کے ذمے ہوا جس میں اس کام کے سرانجام کی خاص صلاحیت تھی۔ اس شخص کا نام رابرٹ مارٹنس برڈ تھا اور یہی شخص شمالی ہند کے بندوبست مالگزاری کا بانی ہے برڈ ابتدا میں ایک عدالتی عہدہ دار تھا اور عدالتی کام میں اتنا تجربہ اس نے پیدا کیا تھا کہ مالگزاری کے ایک بڑے منتظم کا رہونیکی قابلیت بھی اس میں پیدا ہوگئی تھی۔

برڈ نے ۱۸۴۲ء میں یہ لکھا ہے کہ :۔ "جو تدابیر اب اختیار کی گئی ہیں ان میں کی اکثر و بیشتر سالہا سال گزرے کہ میں نے محض عدالتی نقطۂ نظر سے اس وقت سوچی اور غور و فکر سے نکالی تھیں جب میں ایک عدالتی عہدہ دار تھا اور سررشتۂ مالگزاری میں خدمات انجام دینے کی مجھ کو توقع ہی نہ تھی۔"

"ایک عدالتی عہدہ دار کو سرکاری سہولتیں ایسی حاصل نہیں ہیں کہ وہ عام معاد کے منصوبوں پر عمل کر کے دیکھ لے۔ اس لئے ضلع گورکھپور کا بند وبست

کرنے کے لئے کمشنر مالگزاری نے جب میرے تقرر کی تجویز پیش کی تو اس کو میں نے نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ اس سے میرے مقاصد کو پورا کرنے کا اور خیالات کے صحیح اور عملی ہونے کی آزمایش کا ذریعہ میرے ہاتھ آگیا۔

"مجھ کو یہ شک کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ زمین پر ایک واجبی محصول مالگزاری کا تعین کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ملت دیہی کی مقدار و نوعیت کاشت اور خانگی حقوق بھی معلوم کر لئے جا سکتے ہیں ایسے بیانیے مرتب اور اصول معین کئے جا سکتے ہیں اور ایسے عمدہ طریقے زیر عمل لائے جا سکتے ہیں کہ ان سے ساری خرابیوں کا استیصال ہو جائے ورنہ ان خرابیوں نے تو ملکیت اراضی اور زرعی فلاح و بہبود میں زہریلے کیڑوں کی طرح گھر کر لیا ہے۔

"ان اصول پر میں نے گورکھپور میں کام شروع کر دیا۔ لارڈ ولیم بنٹنک اس کے بعد کے سال اس ضلع میں جب تشریف لائے تھے تو میرے منصوبوں پر انھوں نے خوب تبادلہ خیالات کیا اور ان کے حسب الحکم میں نے اس مضمون پر ان کے ساتھ مراسلت جاری رکھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۳۲ء میں لارڈ صاحب نے ایک ایسی خدمت پر میرا تقرر فرمایا جس کے ذمے شمال مغربی ممالک کے بندوبست کی ساری نگرانی اور کل انتظام تھا۔

"میرے خیال میں بہ حیثیت مجموعی یہ سمجھنے کی معقول وجہ ہے کہ زمین پر ایک معتدل اور مساوی اور واجبی مطالبہ جو اجتماع املاک اور زرعی سرسبزی و شادابی میں کسی قسم کی مداخلت کے بغیر وصول ہونا چاہئے اور ہو سکتا ہے۔ عام طور پر مقرر کر دیا گیا ہے۔"

شمالی ہند کے مختلف ضلعوں اور ڈویژنوں کے سوانح بندوبست کا اول سے آخر تک بیان کرنا اس کتاب میں غیر ضروری ہے۔ لیکن اس طرح محصول لگانے کا نتیجہ ذیل کے نقشے کے اعداد سے جو برڈ کی رپورٹ کا ضمیمہ ہے ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں:-

ڈویژن اور ضلع کا نام	جملہ رقبہ ایکڑ زمین	مزروعہ رقبہ ایکڑ میں	کاشت کی زمین پر سرکاری شرح مالگزاری بحساب فی ایکڑ		
			روپے	آنے	پائی
پرگنہ دہلی ضلع ہریانہ	۱۶۵۷۹۷۵	۶۹۶۱۴۷	-	۱۴/	۴/

ڈویژن اور ضلع کا نام	جملہ رقبہ ایکڑ زمین	مزروعہ رقبہ ایکڑ زمین	کاشت کی زمین پر سرکاری شرح مالگزاری بحساب فی بیگھہ		
			روپے	آنے	پائی
پرگنہ دہلی:—					
ضلع دہلی	۳۶۴۵۳۴	۱۷۴۶۰۵	عال	۱	۳
" رہتک	۸۴۴۶۶۶	۴۷۴۴۶۵	عہ	۵	۴
" گڑگاؤں	۱۱۶۰۴۳۷	۶۴۷۳۵۳	عہ	۹	
پرگنہ میرٹھ:—					
ضلع سہارنپور	۱۰۱۸۷۰۵	۲۰۶۸۴۷	عہ	۱۰	۶
" مظفرنگر	۶۹۱۷۰۶	۳۹۲۳۷۷	عہ	۱۱	۲
" میرٹھ	۱۷۷۶۴۳۰	۱۰۳۴۰۱۶	عال	۱	۹
" بلندشہر	۱۰۲۵۰۹۶	۵۹۲۶۳۰	عہ	۹	۸
" علیگڈھ	۱۱۱۹۲۳۸	۹۰۰۵۶۲	عہ	۴	۰
پرگنہ روہیلکھنڈ					
ضلع بجنور	۱۰۲۷۵۳۳	۴۵۹۲۰۹	عال	۲	۱۰
" مراد آباد	۰	۰	۰	۰	۰
" بدایوں	۱۴۵۰۴۱۸	۷۵۲۱۰۳	عہ	۷	۶
" پیلی بھیت	۰	۰	عال	۰	۱
" بریلی	۱۱۱۶۱۷۴	۶۳۹۵۷۹	عہ	۱۵	۷
" شاہجہاں پور	۱۳۰۹۲۱۱	۶۵۱۵۴۹	عہ	۹	۰
پرگنہ آگرہ:—					
ضلع متھرا	۰	۰	۰	۰	۰
" آگرہ	۹۳۵۸۱۵	۶۴۶۸۱۸	عال	۲	۵
" فرخ آباد	۱۲۴۷۲۸۸	۶۱۴۲۵۳	عال	۶	۰
" مین پوری	۱۲۸۰۹۲۷	۶۱۳۴۲۲	عال	۴	۰
" اٹاوہ	۱۰۷۱۷۵۶	۴۷۷۹۰۱	عال	۱۱	۱۰

ڈویژن اور ضلع کا نام	جملہ رقبہ ایکڑ میں	مزروعہ رقبہ ایکڑ میں	کاشت کی زمین پر سرکاری شرح مالگزاری بحساب فی ایکڑ		
			روپے	آنے	پائی
پرگنۂ الٰہ آباد :-					
ضلع کانپور	۱۴۹۷۷۹۵	۷۸۲۲۷۶	عال	۱ ر	۳ سر
" فتح پور	۹۹۰۵۸۴	۵۰۶۹۰۵	عال	۱۲ ر	۹ سر
" الٰہ آباد	۱۷۹۰۸۴۴	۹۹۷۵۰۸	عال	۲ ر	۶ سر
پرگنۂ بنارس :-					
ضلع گورکھ پور	۴۱۱۵۲۱۴	۱۹۲۷۲۳۴	عصہ	۱ ر	۳ مر
" عظیم گڈھ	۱۶۵۲۲۹۳	۷۷۳۶۱۶	۱عصہ	۱۵ ر	۴ سر

رابرٹ برڈ کی ہندوستان کے روانگی کی تاریخ تک اس کی کارگذاری کے عام نتائج یہی تھے جو اوپر مندرج ہیں اس کے دس سال کے بعد جب دارالعوام کی کمیٹی منتخبہ کے سامنے برڈ کی شہادت لی گئی تو اس نے صاف اور واضح طور پر وہ طریق کارروائی بیان کیا جس کی ہندوستان میں اس نے پابندی کی تھی۔ "سب سے پہلے میں نے جملہ اراضی کی پیمائش شروع کی ..... دوسرا کام نقشہ مرتب کرنا تھا جس میں ہر کھیت اس طریقہ پر آجائے جیسے انگلستان کے تعین وہ یکی کے نقشہ میں ہے ...... اس کے بعد کسی تعلیم یافتہ عہدہ دار سے حدود قایم کردہ کی پیمائش کرائی جاتی تھی جس سے مزروعہ اور غیر مزروعہ زمین اور قصبے کی اصل ہئیت جیسی ایک باقاعدہ پیمائش کے بعد ہوتی ہے معلوم ہو سکے اس کے بعد اس خطے کی زمینوں پر سرکاری محصول اراضی کی مقدار کیا ہوتی تھی اس کی تحقیقات کی جاتی تھی جب ہیں یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ محصول اراضی کی مقدار کیا تھی اس وقت ہم اس خطے کی تمام آراضی پر محصول سرکار مقرر کر دیتے تھے اور ہر قصبے سے کیا محصول وصول ہونا چاہیئے اس کا بھی تعین کر دیتے تھے۔ پھر رعایا کلکٹر کے سامنے پیش ہوتی تھی۔ اور جیسا کہ ہندوستان میں کاروبار کرنے کا ہمارا طریقہ ہے یہ لوگ عموماً کسی درخت کے سایہ میں یا ایک کھلے کھیت میں جمع ہوتے تھے۔

اکثر لوگوں کی طرف سے اعتراضات بھی ہوتے تھے۔ مثلاً لوگ کہتے تھے کہ "یہ محصول بہت زیادہ ہے ہمارا گانوں اس قدر نہیں دے سکتا کیونکہ ہمارا گانوں متمول نہیں"

اس پر ان لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ ہمارا ارادہ اس تمام خطے سے اس قدر مالگزاری وصول کرنا ہے اور اس خاص گانوں کے متعلق کوئی اعتراض ہے تو وہ بتائیں کہ دوسرا کونسا گانوں اور زیادہ دے سکتا ہے یہ سنکر وہ آپس میں اس معاملہ پر بحث کرنے لگتے تھے ...... تمام خطے پر بعینہ وہی محصول ہمیشہ برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔ اور نہ یہ ہمارا مقصد تھا۔ اگر کوئی وجہ پائی جاتی تھی تو ہم اس میں تخفیف کرنے کو بھی آمادہ تھے۔ لیکن یکمشت اتنی رقم طلب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو اپنے معاملات کے جانچ لینے کی ترغیب ہو اور وہ ایسی کمی وبیشی آپس ہی میں کرلیں جو ان کے باعث اطمینان ہو۔"

یہ طریق کار جس کو خود رابرٹ برڈ نے بیان کیا ہے کچھ ایسا مکمل نہ تھا لیکن بمبئی کے طریقے سے بہتر تھا۔ کیونکہ گولڈ فنچ کے بیان کے موافق بمبئی میں ایک دفعہ زر مالگزاری سرکار کے مقرر کر دینے کے بعد کاشتکار کو اس کے سوا کچھ چارہ نہ تھا کہ یا تو وہ اس زمین پر قبضہ قبول کرے یا اس سے بالکل دستبردار ہو جائے۔

رابرٹ برڈ سے جب یہ پوچھا گیا کہ پیداوار اراضی پر اس نے کس تناسب کے ساتھ سرکاری مالگزاری کا تعین کیا تھا تو اس نے یہ جواب دیا کہ "میرا عام خیال یہ ہے کہ مالگزاری پیداوار کے دسویں حصہ سے بڑھکر نہ تھی" اور اس نے یہ بھی کہا کہ :- "مدراس اور دوسرے مقامات میں یہ بات اب مشہور ہو گئی ہے کہ غلطی سے مالگزاری ابتدا ہی میں حد سے زیادہ مقرر کر دی گئی جس سے رعایا میں افلاس پھیل رہا ہے"

رابرٹ برڈ کے بندوبست کا تفصیلی بیان دوسری کتاب میں کیا جائیگا جس کا نام "ہندوستان عہد وکٹوریہ میں" ہے موجودہ باب میں شمالی ہند کی سرگزشت مالگزاری پوری کر دینے کے لئے ہم تھوڑا اور بیان کر دیتے ہیں۔

جب رابرٹ مارٹن برڈ ہندوستان سے روانہ ہوا تو وہ کام جس کی ابتدا اسی نے کی تھی اور جس کو قریب قریب وہ ختم کر چکا تھا۔ اس کے لایق قایم مقام کے زیر انتظام و نگرانی کر دیا گیا جیمیس ٹامسن شمالی مغربی ممالک کا ۱۸۴۳ء سے ۱۸۵۳ء تک لفٹننٹ گورنر تھا اور اس سے زیادہ رحم دل اور فیاض منش انگریز ہندوستان میں آیا ہی نہیں "عہدہ داران بندوبست کے لئے ہدایات" کے نام سے اس نے چند قواعد ۱۸۴۴ء میں ترتیب دیئے تھے اور یہ قوانین بندوبست کا پہلا مجموعہ تھا جو ہندوستان میں مرتب ہوا۔ یہ قواعد ان قواعد کے ساتھ جن کا نام "کلکٹروں کے لئے ہدایات" تھا پانچ سال کے بعد "عہدہ داران مالگزاری کے لئے ہدایات" کے نام سے شایع کئے گئے اور کئی سال تک امور سرکاری کا معیار رہے شمالی ہند کے انتظام اراضی کے اساسی اصول ان "ہدایات" کے دیباچہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

"اول۔ ملک کا تمام آباد حصہ کئی حصول پر منقسم ہے جن کے حدود مقرر ہیں ان حصوں کو "محال" کہا جاتا ہے ان محال میں سے ہر ایک پر بیس یا تیس سال کی میعاد تک ایک رقم اس حساب سے مقرر کر دی جاتی ہے کہ زمین کی خالص پیداوار کے علاوہ منافع کی فاضلات بھی ایک واجبی مقدار میں رعایا کے لئے چھوڑ دی جائے۔ اور اس رقم کے بر وقت ادا کرنے کے لئے زمین سرکار کے پاس دواماً مکفول سمجھی جاتی ہے۔

"دوم۔ کون کون اشخاص منافع کی فاضلات لینے کے مستحق ہیں اس کا تعین کیا جاتا ہے۔ استحقاق کا اس طرح تعین کرنے کے بعد یہ حق قابل ارث اور قابل انتقال قرار دیا جاتا ہے اور جن کو یہ استحقاق ہوتا ہے وہ مالک زمین سمجھے جاتے ہیں اور محال پر سرکار جو رقم مشخص کرتی ہے وہ انہی سے سالانہ وصول کی جاتی ہے۔

"سوم۔ محال پر سرکار جو رقم مشخص کر دیتی تھی اس کی ادائی کے لئے مجتمعاً اور منفرداً تمام مالکان محال کی ذات اور املاک پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے"

شمالی ہند میں لارڈ ولیم بنٹنک نے جس اہم کام کی ابتدا کی تھی اس کی تکمیل کے لئے دس سال تک ٹامس نے عرق ریزی کی اور اگر بنٹنک کے رفیق کار ایسے ممتاز اور قابل اشخاص تھے جیسے مٹکاف۔ ٹریولین اور مکالے تو ٹامس نے بھی اپنے تحت ان سے کم قابل و ممتاز منتظمین سلطنت تیار نہیں کئے تھے مثلاً جان لارنس رابرٹ منٹگمری اور ولیم میور۔ جیسا لارڈ ولیم بنٹنک کے دل میں رعایا کی مفاد کے کام کرنے کا ولولہ تھا اسی طرح ان لوگوں کو بھی شوق تھا مگر افسوس ہے کہ اس صدی کے آخر دس سال میں یہ جوش و خروش نظر نہیں آتا۔ ٹامسن کی دہ سالہ خدمات کا انگلستان میں اعتراف کیا گیا اور ۲۷ ستمبر ۱۸۵۳ء میں شمالی ہند کے اس دانشمند اور قابل منتظم مملکت کو گورنر مدراس کی اعلیٰ خدمت عطا کرنے کے لئے ملک معظم کے خاص حکم سے ایک فرمان جاری ہوا۔ مگر یہ صلہ کسی قدر بعد از وقت ملا۔ کیونکہ اسی روز یعنی ستمبر ۱۸۵۳ء کی ۲۷ تاریخ جیمس ٹامسن نے اسی ملک میں وفات پائی جہاں اس نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ رعایا کی خدمت میں گزارا تھا۔

اس کے دو سال بعد سرکاری مطالبے میں تخفیف کرنے کے بارے میں بنٹنک کی عاقلانہ حکمت عملی بالکل درست ثابت ہوئی۔ خود اس نے اس مطالبہ کو گھٹا کر لگان کا دو ثلث کر دیا تھا لیکن عملی طور پر یہ بھی موجب سختی اور ناقابل عمل تھا لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں ۱۸۵۵ء کے مشہور "قواعد سہارنپور" کی رو سے یہ تصفیہ کر دیا گیا کہ سرکاری مطالبہ آمدنی مالگزاری کے ایک ثلث سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

"کسی جائداد کا اثاثہ تفصیلی طور پر بہت کم معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن اوسط خالص اثاثے کے متعلق فی زمانہ زمانۂ سابق سے نسبتاً زیادہ معلومات حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس بنا پر حد سے زیادہ محصول لگا دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حقیقی اوسط اثاثے کا دو ثلث یا ۶۶ فی صد اس سے بھی بڑا حصہ متناسبہ ہے جو معمولاً کوئی مالک یا ملت ایک طویل میعاد تک ادا کر سکتی ہے۔ اسی وجہ سے حکومت نے "عہدہ داران بندوبست کے لئے

ہدایات" کے نام سے جو قواعد موسوم ہیں ان کے فقرۂ (۵۲) کی اس طرح ترمیم کرنے کا تصفیہ کر دیا ہے کہ سرکاری مطالبہ اوسط خالص اثاثے کے ۵۰ فی صدی سے نہ بڑھنے پائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جائداد کی جمع خالص اوسط اثاثے کی نصف مقرر کر دی جائے بلکہ دوسرے مواد کے ساتھ اس اثاثے پر غور کرتے وقت کلکٹر کو یہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ خالص اثاثے کے دو ثلث کی بجائے جیسا اب تک عمل تھا صرف تقریباً نصف تک سرکاری مطالبہ ہونا چاہئے۔ کلکٹروں کو چاہئے کہ وہ ان قواعد کے فقرات (۴۷) اور (۵۱) میں جو تنبیہات درج ہیں ان کو پیش نظر رکھیں اور جائداد زیر بندوبست اوسط خالص اثاثہ بلا کم وکاست معلوم کرنے کی بے سود کوششوں میں اپنا وقت رائگاں نکریں"

اس طرح نصف صدی تک مسلسل سخت غلطی میں پڑے رہنے کے بعد آخر کار حکومت نے اپنے مطالبے کو نصف لگان تک ہی محدود رکھنے کا تصفیہ کیا۔ ہندوستان میں جہاں مالگزاری کا دواماً تعین نہیں ہوا ہے اسی اصول کی اب ہر جگہ پابندی کی جاتی ہے۔ مدراس اور بمبئی میں سر چارلس ووڈ کے ۱۸۶۴ء کے مجریہ مراسلے کی رو سے محصول اراضی معاشی لگان کا نصف مقرر ہے شمالی ہند میں ۱۸۵۵ء کے "قواعد سہارنپور" کی رو سے آمدنی مالگزاری کا نصف مقرر کر دیا گیا ہے اگر ایمانداری کے ساتھ بعینہ اس اصول کی پابندی کی جائے تو ہندوستان میں اچھی حکومت کے قیام کے لئے یقیناً یہ مفید مطلب ثابت ہوگا۔

لیکن ایسے نظام حکومت کا جس میں "مالگزاری کے جمع کرنے والے (کلکٹر) ہی مالگزاری کی حکمت عملی حکومت کا ہاتھ پکڑ کے لکھواتے ہیں اور رعایا بالکل بے زبان ہے ناگزیر نتیجہ یہ ہے کہ ایسے صاف وصریح قواعد کے بھی (جن کی غلط فہمی کا کوئی امکان ہی نہیں) الفاظ پر زور ڈال ڈال کر غلط معنی نکالے جاتے ہیں یا ان کو لیت ولعل میں ڈال دیا جاتا ہے بمبئی اور مدراس میں یہ کس ڈھنگ سے کیا گیا تھا اس کا اور جگہ بیان ہو چکا ہے شمالی ہند میں یہ کس طرح کیا گیا اس کے معلوم کرنے سے افسوس

ہوتا ہے۔ لارڈ کیننگ نے تمام ہندوستان میں مالگزاری کا دوامی بندوبست کرنے کی ۱۸۶۲ء میں تجویز پیش کی تھی جس کی تائید لارڈ لارنس، سر چارلس وڈ، اور سر اسٹیفورڈ نارتھ کوٹ نے کی لیکن ۱۸۸۳ء میں اس تجویز کو رد کر دیا گیا خود "قواعد سہارنپور" بھی جن کی پابندی کلکٹران مالگزاری پر لازم تھی عملاً نظر انداز کر دئے گئے۔ "قواعد سہارنپور" کے مضمون و معنی سمجھنے میں غلطی نہیں کیجا سکتی تھی چنانچہ ایک قاعدہ اوپر بیان کیا گیا ہے جس کی رو سے حکومت کا مطالبہ "اوسط خالص اثاثے" اور حقیقی اوسط اثاثے" کے نصف حصے تک محدود کر دیا گیا تھا لیکن بعد کے بندوبست میں حکومت نے اس کے یہ معنی نکالے کہ اس سے جائداد کی "آیندہ کی اور امکانی" آمدنی مالگزاری کا نصف حصہ مقصود ہے مثالاً اگر کسی جائداد کی آمدنی" مالگزاری سالانہ ۱۲۰۰ پونڈ ہو تو حکومت ۶۵۰ پونڈ مالگزاری کی حقدار تھی۔ لیکن اس استدلال پر کہ آیندہ لگان بڑھ کر ۱۳۰۰ پونڈ یا ۱۴۰۰ پونڈ ہو جانا ممکن ہے ۷۰۰ پونڈ کا ابھی سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ محصول آراضی اب بھی اصولاً لگان کا کم سے کم نصف ہی ہے مگر تعلیمات ڈاک خانہ وغیرہ کے لئے متعدد جدید محصول لگائے گئے ہیں جن کا تعین لگان پر سے کیا جاتا ہے اس سے پیداوار آراضی کے حصۂ سرکار میں اور اضافہ ہو جاتا ہے ناظرین خود انصاف فرمائیں کہ کیا یہ ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ منافقانہ برتاؤ نہیں کہ ادھر تو ان سے وعدے کئے جائیں اور ادھر وعدہ خلافی کر کے ان کی سب امیدوں کا خون کیا جائے؟

تیئسواں باب

مالیات اور معاشی بدررو (۱۷۹۳ء-۱۸۳۷ء)

۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید اپریل ۱۸۳۴ء سے اور بیس سال تک کی گئی اس قانون کی رو سے جو کچھ انتظامات مالیہ عمل میں آئے وہ سب خاص طور پر قابل توجہ ہونے کی وجہ سے اس باب میں بیان کئے جاتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی پر یہ شرط عاید کی گئی تھی کہ وہ اپنا تمام تجارتی کاروبار موقوف کردے اور ہر قسم کی تجارت سے بالکل محترز رہے آیندہ اس کی حیثیت "ہندوستان کے محض ایک منتظم مملکت اور حکمراں" کی سی رہے گی۔ یہ حکم بھی نافذ کیا گیا تھا کہ کمپنی کے ملکی قرضے اور دوسرے سب قرضے کی ذمہ داری ہندوستان کی" مذکورہ علداریوں کے محاصل پر عاید ہوگی اور عاید ہونی چاہئے"۔ یہ بھی تصفیہ کردیا گیا تھا کہ ہندوستان کے محاصل سے کمپنی کو اس کے اصل سرمایے پر ہر سال دس پونڈ دس شلنگ کی شرح پر سالانہ مقسوم ادا ہونا چاہئے یہ بھی حکم صادر کیا گیا تھا کہ "کمپنی کا مقسوم مشروط ہوگا۔ اور ۱۸۷۴ء کے بعد کمپنی کو سو پونڈ اصل سرمایہ کے معاوضہ میں

دو سو پونڈ انگلشیہ دینے پر پارلیمنٹ کو اس مقسوم کی حد تک حق انفکاک حاصل رہیگا"۔ آخر میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر ۱۸۵۴ء کے بعد کمپنی معرض وجود میں نہ رہے یا بحکم پارلیمنٹ ہندوستان کو زیر قبضہ وزیر حکومت رکھنے سے محروم کردی جائے تو کمپنی کو اندرون سال انفکاک مقسوم کا حق ہوگا جس کا وہ مطالبہ کرسکتی ہے اور" ایسے مطالبے سے تین سال کے اندر اندر مذکورالصدر شرح پر مذکورہ مقسوم کے انفکاک کی گنجایش پیدا کردی جائے گی"۔

ان انتظامات کی مزید شرح غیر ضروری ہے۔ برطانوی قوم نے دنیا کے دیگر ممالک میں اپنی حکومت قایم کرنے کے لئے اپنے لکھوکھا روپے صرف کئے تھے لیکن ہندوستان میں ہندوستان کے لوگوں ہی کے خرچ سے ایک شاہنشہی اپنے زیر نگین لے لی جنگ وجدال بھی ہوئی نظم ونسق بھی جاری رہا اوران مصارف میں برطانوی قوم کا ایک حبہ نہ تھا اس تجارتی کمپنی کے ہاتھ ایک شاہنشہی آگئی اوراسی شاہنشہی کے محاصل سے کمپنی دوپشت تک اپنا مقسوم اور منافع نکال لیتی تھی ۱۸۳۴ء میں جب کمپنی کی تجارت بند کردی گئی تو حکم یہ دیا گیا کہ ہندوستان کے لوگوں پر جو محصول تھے ان کی آمدنی سے ہمیشہ کمپنی کو اس کے سرمایہ پر مقسوم ادا ہونا چاہئے جب آخر کار ۱۸۵۸ء میں کمپنی کا وجود ہی باقی نہ رہا تو اس کا سرمایہ رقم قرض لیکر ادا کردیا گیا۔ اور یہی قرضہ" ہندوستانی قرضے" کی بنیاد ہے اس طرح کمپنی سے تاج برطانیہ پر ایک شاہنشہی کے حقوق حکمرانی منتقل ہوئے لیکن ہندوستان کی رعایا نے ہی اس کا زرخرید ادا کیا اور آج تک بھی یہی رعایا سود کی شکل میں سرکاری قرضے پر نہیں بلکہ دراصل ایک غیر موجود کمپنی کے سرمایہ پر مقسوم ادا کر رہی ہے۔ ہندوستان کے ۱۷۹۲ء سے ملکہ وکٹوریہ کے سال جلوس تک کمپنی کے ہر سال کے اعداد جمع وخرچ ناظرین کی آگاہی کے لئے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں

		مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	۹۳-۱۷۹۲	پونڈ	پونڈ	پونڈ
بنگال		۳۰۹۱۶۱۶	۵۵۱۲۷۶۱	۳۸۷۳۸۵۹

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
بنگال ۹۳-۱۷۹۲	۳۰۹۱۶۱۷	۵۵۱۲۷۶۱	۳۸۷۳۸۵۹
مدراس	۷۴۲۷۶۰	۲۴۷۶۳۱۲	۲۲۲۲۸۷۸
بمبئی	۷۹۰۲۵	۲۳۶۵۵۵	۸۲۴۰۹۶
جملہ	۳۹۱۳۴۰۱	۸۲۲۵۶۲۸	۶۹۳۰۸۳۳
۹۴-۱۷۹۳			
بنگال	۳۱۷۷۰۲۸	۵۸۷۱۹۴۵	۳۷۱۴۱۶۰
مدراس	۷۸۹۰۵۰	۲۱۱۰۰۸۹	۱۹۷۲۲۲۴
بمبئی	۸۲۰۵۰	۲۹۴۷۳۶	۹۰۶۷۴۵
جملہ	۴۰۴۸۱۲۸	۸۲۷۶۷۷۰	۶۵۹۳۱۲۹
۹۵-۱۷۹۴			
بنگال	۳۲۳۵۲۵۹	۵۹۳۷۹۳۱	۳۸۶۳۵۶۶
مدراس	۸۹۱۶۴۰	۱۷۷۵۷۸۲	۱۸۸۰۳۳۲
بمبئی	۷۰۲۳۸	۳۱۲۴۸۰	۸۲۳۹۱۰
جملہ	۴۱۹۷۱۳۷	۸۰۲۶۱۹۳	۶۵۶۷۸۰۸
۹۶-۱۷۹۵			
بنگال	۳۱۳۰۶۹۷	۵۶۹۴۱۹۴	۳۹۸۶۷۴۴
مدراس	۹۴۹۲۰۰	۱۸۹۴۳۰۴	۲۱۱۹۱۹۶
بمبئی	۶۳۰۸۵	۲۷۷۵۹۶	۷۸۳۰۵۷
جملہ	۴۱۲۳۹۸۲	۷۸۶۶۰۹۴	۶۸۸۸۹۹۷

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۷۹۶ - ۹۷			
بنگال	۳۱۱۸۵۵۶	۵۷۰۳۹۰۶	۴۱۲۶۶۴۴
مدراس	۹۰۰۵۳۴	۱۹۹۶۳۳۸	۲۲۴۹۰۰۰
بمبئی	۳۹۷۲۴	۳۱۵۹۳۷	۹۳۲۳۹۴
جملہ	۴۰۵۸۸۱۴	۸۰۱۶۱۷۱	۷۵۰۸۰۳۸
۱۷۹۷ - ۹۸			
بنگال	۳۰۹۷۴۴۳	۵۰۸۴۷۴۱	۴۳۵۱۹۲۶
مدراس	۷۳۲۹۸۳	۱۹۳۸۹۵۰	۲۶۶۵۲۳۲
بمبئی	۳۸۸۷۲	۳۳۸۱۸۹	۹۹۸۱۹۶
جملہ	۳۸۶۹۲۹۸	۸۰۹۵۸۸۰	۸۰۱۵۳۲۷
۱۷۹۸ - ۹۹			
بنگال	۳۰۷۲۷۴۳	۶۱۵۳۶۱۵	۴۴۱۶۹۵۴
مدراس	۸۵۶۶۶۶	۲۱۲۳۸۳۱	۳۴۴۲۰۹۴
بمبئی	۳۷۰۰۷	۳۷۴۵۸۷	۱۲۸۰۳۱۵
جملہ	۳۹۶۶۴۱۶	۸۶۵۲۰۳۳	۹۱۳۹۳۶۳
۱۷۹۹ - ۱۸۰۰			
بنگال	۳۲۱۳۲۳۰	۶۴۹۸۴۷۳	۵۰۵۸۶۶۱
مدراس	۸۸۳۵۳۹	۲۸۲۲۵۳۶	۳۳۱۹۵۴۷
بمبئی	۳۱۳۶۴	۴۱۵۶۶۳	۱۵۷۷۱۸۲
جملہ	۴۱۲۸۱۳۳	۹۷۳۶۶۷۲	۹۹۵۵۳۹۰

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱ــ ۱۸۰۰			
بنگال	۳۲۱۸۷۶۶	۶۶۵۸۳۳۳	۵۴۲۰۹۶۶
مدراس	۹۵۷۷۹۹	۳۵۴۰۲۶۸	۴۶۱۴۳۸۷
بمبئی	۴۵۱۳۰	۲۸۶۴۵۷	۱۴۳۲۸۳۲
جملہ	۴۲۲۱۶۹۵	۱۰۴۸۵۰۵۹	۱۱۴۶۸۱۸۵
۲ــ ۱۸۰۱			
بنگال	۳۲۹۶۳۰۳	۷۱۲۷۹۸۸	۵۶۴۷۴۱۵
مدراس	۱۰۹۵۹۷۲	۴۷۲۹۶۰۹	۵۳۴۷۸۰۵
بمبئی	۵۴۵۷۱	۳۰۵۹۹۲	۱۴۱۴۸۲۵
جملہ	۴۴۴۶۸۴۶	۱۲۱۶۳۵۸۹	۱۲۴۱۰۰۴۹
۳ــ ۱۸۰۲			
بنگال	۳۲۹۵۷۶۱	۸۳۸۰۰۸۷	۵۷۹۸۸۵۸
مدراس	۹۳۳۱۹۸	۴۷۲۴۹۰۴	۵۱۱۷۷۶۹
بمبئی	۶۸۰۱۵	۳۵۹۵۴۶	۱۴۱۰۲۵۳
جملہ	۴۲۹۶۸۸۴	۱۳۴۶۴۵۳۷	۱۲۳۲۶۸۸۰
۴ــ ۱۸۰۳			
بنگال	۳۲۵۲۶۲۱	۸۰۶۰۹۹۳	۶۱۹۳۶۳۸
مدراس	۹۲۱۶۴۶	۳۶۵۱۷۳۴	۶۳۰۶۲۸۴
بمبئی	۳۰۵۸۶۱	۵۵۸۶۴۸	۱۸۹۵۸۴۳
جملہ	۴۴۸۰۱۲۸	۱۳۲۷۱۳۸۵	۱۳۳۹۵۴۰۵

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۰۳ - ۵			
بنگال	۳۲۲۵۴۳۶	۹۹۳۶۷۰۷	۷۴۶۴۲۹۱
مدراس	۹۹۳۸۴۹	۴۸۹۷۱۴۰	۶۳۱۲۶۱۳
بمبئی	۳۸۴۷۴۰	۷۱۵۵۴۸	۲۳۳۸۲۷۹
جملہ	۴۶۰۴۰۲۵	۱۴۹۴۹۳۹۵	۱۶۱۱۵۱۸۳
۱۸۰۵ - ۶			
بنگال	۳۳۱۱۶۷۳	۹۵۴۲۴۳۰	۸۹۳۱۹۵۸
مدراس	۱۰۹۷۴۱۶	۵۰۱۴۴۹۳	۵۷۲۸۱۶۴
بمبئی	۴۷۱۳۴۴	۸۴۶۳۸۶	۲۷۶۱۲۹۶
جملہ	۴۸۸۰۴۳۳	۱۵۴۰۳۴۰۹	۱۷۴۲۱۴۱۸
۱۸۰۶ - ۷			
بنگال	۳۲۹۶۶۸۴	۹۱۶۰۱۴۹	۹۲۹۱۸۲۶
مدراس	۹۶۳۴۴۰	۴۶۰۲۷۲۱	۵۷۴۲۸۲۹
بمبئی	۳۸۸۵۳۶	۷۷۲۸۶۹	۲۴۷۴۲۰۹
جملہ	۴۶۴۸۶۶۰	۱۴۵۳۵۷۳۹	۱۷۵۰۸۸۶۴
۱۸۰۷ - ۸			
بنگال	۳۷۲۹۰۹۸	۹۹۷۱۶۹۵	۷۷۶۰۹۲۰
مدراس	۱۰۳۹۶۷۱	۴۹۲۷۵۱۹	۵۷۱۷۲۲۸
بمبئی	۴۱۷۱۸۶	۷۷۰۶۹۱	۲۳۷۲۱۴۲
جملہ	۵۱۸۵۹۵۵	۱۵۶۶۹۹۰۵	۱۸۵۸۰۲۹۰

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۰۸ — ۹			
بنگال	۳۸۵۱۱۲۸	۹۸۱۶۴۵۸	۷۸۹۸۹۲۴
مدراس	۱۰۵۷۶۲۸	۴۹۶۸۳۲۱	۵۴۳۱۱۵۱
بمبئی	۴۲۷۰۳۳	۷۴۰۲۷۶	۲۰۶۴۸۱۴
جملہ	۵۳۳۵۷۸۹	۱۵۵۲۵۰۵۵	۱۵۳۹۴۸۸۹
۱۸۰۹ — ۱۰			
بنگال	۳۷۰۶۲۰۰	۹۵۹۰۸۸۰	۶۸۱۵۶۷۵
مدراس	۱۱۸۴۲۵۳	۵۳۷۳۱۹۱	۵۳۶۷۳۶۵
بمبئی	۳۹۶۴۸۲	۶۹۱۹۱۴	۲۰۸۱۶۷۱
جملہ	۵۲۸۶۹۳۵	۱۵۶۵۵۹۸۵	۱۵۵۳۴۷۱۱
۱۸۱۰ — ۱۱			
بنگال	۳۲۹۵۳۸۲	۱۰۶۸۲۲۴۹	۷۲۴۱۸۳۹
مدراس	۱۰۷۱۶۶۶	۵۲۳۸۵۷۶	۵۱۱۰۹۷۷
بمبئی	۴۳۷۱۰۸	۶۵۸۳۷۲	۱۵۵۷۱۶۵
جملہ	۴۸۰۴۱۵۶	۱۶۶۷۹۱۹۷	۱۳۹۰۹۹۸۱
۱۸۱۱ — ۱۲			
بنگال	۳۲۹۶۹۰۵	۱۰۷۰۶۱۷۲	۷۰۵۸۸۷۱
مدراس	۱۰۳۸۸۴۴	۵۱۵۶۴۱۷	۴۶۱۹۶۱۰
بمبئی	۴۳۳۷۸۵	۷۴۲۷۲۶	۱۵۴۲۴۸۵
جملہ	۴۷۶۹۵۳۴	۱۶۶۰۵۶۱۵	۱۳۴۲۰۹۶۶

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۱۲-۱۳			
بنگال	۳۳۱۰۸۷۳	۱۰۳۹۰۲۵۷	۷۴۲۲۹۳۶
مدراس	۱۱۵۹۷۷۸	۵۲۵۰۲۴۴	۴۷۹۹۶۳۰
بمبئی	۴۲۰۳۲۳	۶۸۷۷۸۹	۱۴۹۳۲۶۲
جملہ	۴۸۹۰۹۷۵	۱۶۳۳۶۲۹۰	۱۳۵۱۰۸۲۸
۱۸۱۳—۱۴			
بنگال	۳۳۱۰۶۱۷	۱۱۱۷۲۴۷۱	۷۱۳۵۱۷۲
مدراس	۸۹۲۷۹۳	۵۲۹۷۰۸۸	۴۸۹۳۲۲۴
بمبئی	۴۰۰۸۰۲	۷۵۹۱۵۲	۱۵۸۹۳۲۹
جملہ	۴۶۰۴۲۱۲	۱۷۲۲۸۷۱۱	۱۳۶۱۷۷۲۵
۱۸۱۴—۱۵			
بنگال	۷۳۷۰۷۴۱	۱۱۱۵۵۹۱۴	۹۱۴۵۵۶۰
مدراس	۳۸۸۹۵۵۵	۵۳۲۲۱۶۴	۵۱۳۴۲۴۶
بمبئی	۴۸۸۹۹۸	۸۱۹۲۰۴	۱۹۷۵۲۰۰
جملہ	۱۱۷۴۹۲۹۴	۱۷۲۹۷۲۸۰	۱۵۹۵۵۰۰۶
۱۸۱۵—۱۶			
بنگال	۷۵۶۶۴۳۹	۱۱۳۱۲۸۹۶	۹۸۳۳۰۶۲
مدراس	۳۶۰۹۶۶۸	۵۱۰۶۱۰۷	۵۲۸۹۴۷۶
بمبئی	۴۶۷۷۷۷	۸۱۸۸۱۶	۱۹۳۷۴۳۰
جملہ	۱۲۴۴۳۸۸۴	۱۷۲۳۷۸۱۹	۱۷۰۵۹۹۶۸

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۱۶—۱۷			
بنگال	۷۸۶۵۹۳۷	۱۱۸۵۶۹۵۳	۱۰۲۰۰۳۰۳
مدراس	۳۸۲۶۱۰۷	۵۳۹۰۲۲۰	۵۲۰۱۳۹۹
بمبئی	۴۹۸۱۰۲	۸۶۰۴۰۵	۱۹۰۲۴۶۰
جملہ	۱۲۱۹۹۸۵۶	۱۸۰۷۷۵۷۸	۱۷۳۰۴۱۶۲
۱۸۱۷—۱۸			
بنگال	۷۶۳۹۱۵۴	۱۱۶۹۲۰۷۸	۱۰۶۸۵۱۵۴
مدراس	۳۸۵۶۴۳۳	۵۳۸۱۳۰۷	۵۴۷۵۲۵۴
بمبئی	۸۶۸۰۴۷	۱۳۰۲۴۴۵	۱۸۸۵۷۸۶
جملہ	۱۲۳۶۳۶۳۴	۱۸۳۷۵۸۲۰	۱۸۰۴۶۱۹۴
۱۸۱۸—۱۹			
بنگال	۸۵۴۸۱۳۰	۱۲۴۳۷۳۸۵	۱۱۲۹۵۳۴۹
مدراس	۳۷۹۹۴۱۰	۵۳۶۱۴۳۲	۵۹۷۹۰۴۵
بمبئی	۱۱۴۳۰۴۱	۱۶۶۰۲۰۰	۲۴۹۲۱۹۳
جملہ	۱۳۴۹۰۵۸۹	۱۹۴۵۹۰۱۷	۲۰۳۹۶۵۷۸
۱۸۱۹—۲۰			
بنگال	۸۱۶۳۹۱۹	۱۲۲۴۵۵۲۶	۱۱۵۹۸۴۱۹
مدراس	۳۷۹۱۹۳۱	۵۴۰۷۰۰۴	۵۶۹۴۸۴۴
بمبئی	۱۰۷۸۱۶۴	۱۵۷۷۹۳۲	۲۳۹۵۸۴۴
جملہ	۱۳۰۳۴۰۱۴	۱۹۴۳۰۴۶۲	۱۹۶۸۹۱۱۷

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۲۰ — ۲۱			
بنگال	۸۱۳۹۴۱۵	۱۳۵۴۷۴۲۳	۱۱۲۸۷۳۹۷
مدراس	۳۷۳۸۴۷۰	۵۴۰۳۵۰۶	۵۵۷۲۴۸۹
بمبئی	۱۸۱۸۳۱۳	۲ ۴۰۳ ۱۲	۳۱۹۷۳۶۶
جملہ	۱۳۶۹۶۱۸۹	۲۱۳۵۲۲۴۱	۲۰۰۵۷۲۵۲
۱۸۲۱ — ۲۲			
بنگال	۸۲۵۸۹۰۳	۱۳۳۹۰۳۳۹	۱۰۸۴۱۰۰۳
مدراس	۳۷۰۸۴۰۴	۵۵۵۷۰۲۹	۵۴۰۵۵۹۲
بمبئی	۱۷۶۱۹۱۰	۲۸۵۵۷۴۰	۳۶۰۹۸۹۴
جملہ	۱۳۷۲۹۲۱۷	۲۱۸۰۳۱۰۸	۱۹۸۵۶۴۸۹
۱۸۲۲ — ۲۳			
بنگال	۸۲۶۱۸۴۳	۱۴۳۱۲۰۴۴	۱۰۷۴۶۳۰۱
مدراس	۳۷۶۹۳۶۹	۵۵۸۵۲۱۰	۵۰۷۲۹۹۲
بمبئی	۱۵۵۱۵۹۲	۳۲۷۴۴۴۷	۴۲۶۴۴۴۸
جملہ	۱۳۵۸۲۸۰۴	۲۳۱۷۱۷۰۱	۲۰۰۸۳۷۹۱
۱۸۲۳ — ۲۴			
بنگال	۸۲۱۱۲۵۱	۱۲۹۹۲۰۶۹	۱۱۳۹۷۰۲۴
مدراس	۳۷۴۱۱۰۰	۵۴۹۸۷۶۵	۶۶۲۸۸۲۳
بمبئی	۱۶۰۷۰۸۸	۲۷۸۹۵۵۰	۳۲۲۸۱۵۰
جملہ	۱۳۵۹۴۳۹	۲۱۲۸۰۳۸۴	۲۰۰۵۳۹۹۷

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۲۴–۲۵			
بنگال	۸۰۸۱۴۶۲	۱۳۵۲۴۲۲۳	۱۳۵۰۹۹۱۰
مدراس	۳۸۶۵۲۱۲	۵۴۴۰۷۴۳	۵۷۱۴۴۲۸
بمبئی	۱۲۰۸۷۳۵	۱۷۸۵۲۱۷	۳۲۷۹۳۹۸
جملہ	۱۳۰۵۵۴۰۹	۲۰۷۵۰۱۸۴	۲۲۵۰۴۱۵۶
۱۸۲۵–۲۶			
بنگال	۸۱۳۳۶۲۵	۱۴۱۵۱۰۸۰	۱۴۴۵۶۱۶۴
مدراس	۳۹۷۸۶۸۲	۵۰۱۴۹۱۵	۵۷۰۴۸۲۹
بمبئی	۱۶۴۷۲۳۷	۲۹۲۳۹۳	۳۰۰۷۰۲۰
جملہ	۱۳۷۳۹۵۴۴	۲۱۲۸۴۰۸	۳۴۱۶۸۰۱۳
۱۸۲۶–۲۷			
بنگال	۸۳۵۵۸۰۰	۱۲۸۱۲۸۳۳	۱۳۹۰۴۳۲۲
مدراس	۳۶۶۹۴۱۲	۵۹۰۱۶۸۱	۵۴۳۲۵۶۲
بمبئی	۱۸۷۱۶۴۲۷	۲۵۸۸۹۸۳	۳۹۷۵۴۱۱
جملہ	۱۳۸۹۸۵۳۹	۲۲۳۸۴۴۹۷	۲۳۲۱۲۲۹۵
۱۸۲۷–۲۸			
بنگال	۸۳۳۱۶۰۴	۱۴۹۷۳۱۱۰	۱۴۰۱۴۷۶۳
مدراس	۳۶۰۵۲۲۶	۵۳۴۷۸۲۸	۶۰۰۷۵۹۷
بمبئی	۱۸۱۷۸۷۳	۲۵۴۲۲۲۵	۴۰۳۴۲۷۷
جملہ	۱۳۷۵۴۷۰۳	۲۲۸۹۳۲۶۳	۲۴۰۵۳۸۳۷

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۲۹—۱۸۲۸			
بنگال	۸۲۰۰۷۷۹	۱۴۸۴۳۳۸۴۰	۱۲۵۶۳۵۵۰
مدراس	۳۶۴۹۰۱۲	۵۵۷۵۰۴۹	۵۵۰۲۲۲۴
بمبئی	۱۷۲۲۳۳۵	۲۲۳۳۱۸۰۲	۳۶۵۲۷۸۶
جملہ	۱۳۵۷۲۱۲۶	۲۲۷۴۰۶۹۱	۲۱۷۱۸۵۶۰
۳۰—۱۸۲۹			
بنگال	۸۱۹۷۵۶۳	۱۳۸۵۸۱۷۸	۱۱۷۱۰۸۷۰
مدراس	۳۵۲۲۱۰۰	۵۴۱۵۵۸۷	۵۲۵۶۶۴۷
بمبئی	۱۵۸۵۴۳۲	۲۲۲۱۴۴۳	۳۶۰۰۸۴۱
جملہ	۱۳۳۳۵۰۹۵	۲۱۶۹۵۲۰۸	۲۰۵۶۸۳۵۸
۳۱—۱۸۳۰			
بنگال	۸۲۲۸۱۶۱	۱۴۱۱۹۹۱۳	۱۱۵۳۲۳۹۸
مدراس	۳۴۶۰۲۳۹	۵۳۵۸۲۶۰	۵۱۰۷۰۲۰
بمبئی	۱۶۵۰۰۶۱	۲۵۴۱۱۳۶	۳۵۹۴۴۷۲
جملہ	۱۳۳۳۸۵۵۱	۲۲۰۱۹۳۱۰	۲۰۲۳۳۸۹۰
۳۲—۱۸۳۱			
بنگال	۶۹۴۲۳۲۴	۱۱۷۴۸۷۵۷	۱۳۴۶۴۵۲۰
مدراس	۳۲۵۲۱۱۷	۴۳۷۲۱۳۷	۲۱۶۷۵۷۴
بمبئی	۱۳۹۵۸۹۱	۲۰۹۶۳۴۳	۱۴۱۶۰۷۹
	۱۱۵۹۰۳۳۲	۱۸۳۱۷۲۳۷	۱۷۰۴۸۱۷۳

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۳۲ - ۳۳			
بنگال	۷۰۹۹۲۴۹	۱۲۲۴۴۵۲۳	۱۰۵۳۵۵۲۷
مدراس	۲۹۴۰۷۰۳	۴۱۰۸۰۶۱	۴۳۱۲۴۵۲
بمبئی	۱۳۴۱۹۸۶	۲۱۲۵۳۳۰	۲۶۶۲۷۴۱
جملہ	۱۱۳۸۱۹۳۸	۱۸۴۷۷۹۲۳	۱۷۵۱۲۴۲۰
۱۸۳۳ - ۳۴			
بنگال	۶۶۳۷۹۶۱	۱۱۶۱۶۹۵۴	۹۸۸۱۹۲۷
مدراس	۳۱۷۶۷۰۸	۴۳۵۸۲۰۷	۴۳۸۲۳۶۸
بمبئی	۱۶۲۹۵۸۰	۲۲۹۲۲۰۷	۲۶۶۰۰۳۷
جملہ	۱۱۴۴۲۴۹	۱۸۲۶۷۳۶۸	۱۶۹۲۴۳۳۲
۱۸۳۴ - ۳۵			
بنگال	۳۲۳۴۳۳۶	۱۵۲۹۰۴۱۴	۸۴۷۰۴۷۲
شمالی مغربی ممالک	۴۰۱۸۳۴۴	۴۸۹۹۲۷۴	۱۴۹۴۰۲۷
مدراس	۳۲۵۶۸۵۵	۴۴۸۰۰۲۵	۴۱۲۸۷۵۳
بمبئی	۱۵۴۴۱۸۳	۲۱۸۶۹۳۴	۲۵۹۱۲۴۴
جملہ	۱۲۰۵۳۷۱۸	۲۶۸۵۶۶۴۷	۱۶۶۸۴۴۹۶
۱۸۳۵ - ۳۶			
بنگال	۳۳۰۴۲۹۴	۸۲۸۶۲۸۷	۷۹۴۲۵۰۱
شمالی مغربی ممالک	۴۲۱۷۹۸۱	۴۸۳۸۱۳۳	۱۶۴۰۴۴۸
مدراس	۳۴۹۶۹۰۲	۴۵۹۹۲۶۱	۴۸۳۹۷۵۸
بمبئی	۱۷۱۹۰۹۵	۲۴۲۴۴۴۴	۲۵۷۲۰۶۷
جملہ	۱۲۵۳۹۷۷۲	۲۰۱۳۸۱۲۵	۱۵۹۹۴۸۰۳

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۳۷-۱۸۳۶			
بنگال (وشمول بنگی)	۳۵۷۵۰۵۹	۸۶۱۸۴۷۰	۸۳۵۵۲۸۷
شمالی مغربی ممالک	۴۴۷۸۳۱۷	۵۰۵۶۴۸۹	۱۷۳۵۴۱۹
مدراس	۳۱۶۱۴۹۰	۴۶۱۸۳۰۹	۳۱۷۲۷۸۴
بمبئی	۱۸۴۲۷۵۹	۲۷۰۵۸۶۲	۲۹۹۹۸۷۸
جملہ	۱۳۰۵۷۷۲۵	۲۰۹۹۹۱۳۰	۱۷۳۶۳۳۶۸
۳۸-۱۸۳۷			
بنگال (بشمول بنگی)	۳۶۱۵۹۷۵	۹۰۸۱۰۱۴	۸۵۳۶۴۲۳
شمالی مغربی ممالک	۳۷۶۵۹۷۳	۳۳۶۹۳۵۱	۱۸۰۷۲۰۹
مدراس	۳۴۳۱۲۷۰	۴۸۱۹۸۹۰	۴۲۹۵۰۳۶
بمبئی	۱۸۵۸۵۱۵	۲۵۸۸۵۶۵	۲۹۱۴۸۵۷
جملہ	۱۲۶۷۱۷۴۳	۲۰۸۵۸۸۲۰	۱۷۵۵۳۵۲۵

بظاہر محض اعداد کی طویل خانہ پُری بالکل خشک اور بے لطف ہوتی ہے لیکن جب ان اعداد سے نصف صدی کی سیاسی تاریخ اور سوانح نظم و نسق پر روشنی ڈالی جاتی ہے تو یہ پرمعنی اور مطلب خیز نظر آنے لگتی ہے برطانوی حکومت کی حکمت عملی میں جنگ وجدال کی طرف رجحان رہا یا امن و تخفیف مصارف کی طرف ان سب کا اثر ہندوستان کے مالیات پر بھی پڑا اور مذکورالصدر اعداد ان نظم و نسق کی اصلاحات پر جو کارنوالس اور بارلو کے زمانے سے بنٹنگ اور مٹکاف کے زمانے تک ہوئیں زبان حال سے شاہد و گواہ ہیں۔

لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۳ء میں اپنے ہندوستان سے روانہ ہونے سے

پہلے مالیات ایسے سلجھا دیئے تھے کہ جملہ خرچ ستر لاکھ کے اندر اندر ہو گیا تھا جس سے دس لاکھ پچاس ہزار کی جمع فاضلات نکلتی تھی۔ اس تاریخ سے بارہ سال کے اندر اندر مارکوئس ویلزلی کی بیتیابانہ جنگجو حکمت عملی سے خرچ بڑھ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ ہو گیا تھا۔ جس سے بیس لاکھ کی کمی واقع ہوئی یہی بات تھی جس پر مجلس نظما سخت ناراض ہو گئی۔ تجارتی جماعت کی واجب التعظیم قوت بالایعنی کمپنی اس عہد کی ہندوستانی صلح و جنگ کو جب اس کے فاضلات معرض خطر میں نہ تھے بالکل بے پروائی سے دیکھتی تھی اور نظم و نسق کے اچھے یا بُرے ہونے کا معیار اس کی نظر میں محض پیسہ ہی تھا جو اس کی عملداریوں سے وصول ہو سکتا تھا اس لئے فاضلات کا کمی سے بدل جانا کمپنی نے کبھی معاف نہیں کیا چنانچہ اس نے ولزلی کی لڑائیوں کو قطعاً ناپسند کیا اور محض اس لئے کہ جنگ میں مصارف بہت ہوتے تھے۔ اس نے اپنے "پروکونسل" وزیر اعظم کو بے قدری کے ساتھ واپس طلب کر لیا۔

۱۷۹۵ء سے ۱۸۱۰ء تک اس پانزدہ سالہ مدت میں بنگال میں فاضلات ہوتی تھی اور مدراس و بمبئی میں صرف کمی ہی کمی تھی یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ بنگالے ہی کی معاونت سے جہاں دوامی بندوبست کے تحت آراضی سے ایک مستقل اور غیر متغیر آمدنی ہوتی تھی برطانوی قوم نے اپنی شاہنشہی ہند قایم کر لی شمالی اور جنوبی ہند کی پر حوصلہ کشور کشائی و الحاقات کے جملہ مصارف بنگالے نے ہی ادا کئے ان سنین میں مدراس اور بمبئی دونوں خود اپنے انتظام مملکت کا پورا خرچ ادا نہیں کر سکتے تھے برطانیۂ عظمی نے ہندوستان کے حصول میں اپنی ایک پائی بھی صرف نہیں کی۔ لارڈ ولزلی کی روانگی کے بعد مالیات میں دوبارہ ایک توازن قایم ہو گیا ۱۸۱۰ء اور ۱۸۱۴ء کے درمیان ہندوستان کے پُر امن نظم و نسق سے سالانہ مصارف گھٹ کر ایک کروڑ ور تیس لاکھ سے کچھ زیادہ رہ گئے اور اسی طرح جب سالانہ بیس سے چالیس لاکھ تک فاضلات ہوئے تو نظما کی باچھیں کھل گئیں۔ لیکن مارکوئس ہیسٹنگز کے جنگجو نظم و نسق میں یہ فاضلات غایب ہو گئے اور ۱۸۲۵ء میں جب آخری جنگ

مرہٹہ اختتام پر پہنچی تو پھر کمی نکلی لارڈ ہیسٹنگز نے نظام کے عتاب سے بچنے کے لیے ۱۸۲۲ء میں بیس لاکھ کے فاضلات کر کے بتائے۔ بمبئی ہنوز اپنا پورا خرچ ادا نہیں کر سکا تھا پیشوا کی قلمرو کے الحاق سے پانچ سال بعد بمبئی میں دس لاکھ کی کمی تھی مگر بنگالے میں تیس لاکھ کے فاضلات تھے اس لئے کامل صداقت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لارڈ ویلزلی کی طرح لارڈ ہیسٹنگز کے فتوح کے مصارف بھی دوامی بندوبست شدہ بنگالے کے ہی راس المال سے ادا ہوئے۔

لارڈ مہرسٹ کی جنگ برما نے ہندوستان کے مالیات کو تہ وبالا کر دیا چنانچہ ۱۸۲۳ء سے ۱۸۲۷ء تک مسلسل کمی نکلتی رہی۔ شاہنشہی کی توسیع اور محصول آراضی کے استبداد کے ساتھ ساتھ ہندوستان کا محاصل بھی بڑھتے بڑھتے دو کروڑ بیس لاکھ پر پہنچ گیا۔ لیکن انھیں سالوں میں مصارف بھی بڑھتے بڑھتے دو کروڑ تیس لاکھ یا دو کروڑ چالیس لاکھ ہو گئے۔

اب اس حکمت عملی کے حیرت خیز نتائج نمایاں ہوئے جس کی لارڈ ولیم بنٹنک نے ابتدا کی تھی اور جو امن و تخفیف مصارف اور اصلاح پر مبنی تھی مصلح مالیات کی حیثیت سے بھی لارڈ ولیم بنٹنک ان سب برطانوی منتظمین مملکت میں جو مختلف اوقات میں ہندوستان بھیجے گئے ایک ہی شخص ہے کیونکہ ہندوستان میں اصلاح مالیہ یہ نہیں ہے کہ اجرائے محصول کے لئے ماخذ تلاش کر کے نکالے جائیں بلکہ تخفیف مصارف ہی ہے ہر جگہ محصول آراضی بے اندازہ تھا اس میں تخفیف کی گئی اور چھ سال کے اندر اندر (۱۸۲۵ء-۱۸۳۱ء) گھٹتے گھٹتے ایک کروڑ تیس لاکھ کا ایک کروڑ پندرہ لاکھ رہ گیا تھا لیکن تخفیف مصارف سے اس نقصان کی کافی سے زیادہ تلافی ہوگئی۔

۱۸۲۸ء میں جب لارڈ ولیم بنٹنک ہندوستان آیا ہے تو جملہ مصارف دو کروڑ چالیس لاکھ تھے اور اس طرح دس لاکھ سے کچھ زیادہ کی نکلتی تھی۔ لیکن ۱۸۳۵ء میں جب وہ ہندوستان سے چلا ہے تو جملہ مصارف ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تھے اور اس طرح چالیس لاکھ کے فاضلات ہوئے تھے۔

ہندوستان کے لئے کس قدر اچھا ہوتا اگر بنٹنک کی وضع کے

منتظمین مملکت اس کے جانشین ہوتے۔ لیکن ہندوستان میں مصارف کی تخفیف کا اثر ہر وقت ملک کے خاص خاص طبقات پر پڑتا تھا اور وہی لوگ بہت چیخ پکار کرتے تھے۔ اسی لئے لارڈ ولیم بنٹنک پر اس قدر لعن طعن ہوی کہ کمپنی کی حکمرانی میں کسی دوسرے گورنر جنرل پر کبھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ فطرت انسانی کا مقتضاء نہیں ہے کہ برطانوی منتظمین مملکت ہندوستانی لوگوں کے مفاد کے مطابق خدمات بھی کریں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ہم وطنوں کا غیظ و غضب بھی سہیں۔ موجودہ نظام حکومت میں تخفیف مصارف کے لئے مسلسل دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ لیکن تخفیف مصارف کو کوئی پوچھتا بھی نہیں لارڈ ولیم بنٹنک کے زمانے کے بعد سے سرکاری خرچ اور سرکاری قرضہ دونوں میں دیکھتے ہی دیکھتے توفیر ہوگئی اس روز افزوں خرابی کا کوئی علاج ممکن نہ تھا بجز اس کے کہ لوگوں کے اپنے معاملات کا انتظام کچھ نہ کچھ انھیں کے ہاتھ میں دیدیا جائے کیونکہ لوگ اپنے پیسے کے خیال سے ضرور تخفیف مصارف کی تائید کریں گے۔ قاعدہ ہے کہ جن لوگوں سے محض خرچ متعلق ہو اگر انتظام مالیہ بھی انھیں سے بالکلیہ متعلق رہے تو خرچ میں ضرور بیشی ہوگی اور جن سے محصول وصول کیا جاتا ہے اگر ان کو انتظامات مالیہ میں شریک کیا جائے تو خرچ میں ضرور احتیاط کی جائے گی۔ ساری دنیا کا یہی قاعدہ ہے جس سے ہندوستان مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ہندوستان کی متعدد جنگ و جدال اور نظم و نسق کے تمام اخراجات ہندوستان کے راس المال سے ہی ادا ہوئے اور یہ یاد رکھنا اہم ہے کہ ان سب اخراجات کے بعد بھی اس چہل سالہ میعاد میں جس کا اختتام ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی پر ہوتا ہے ہندوستان کے محاصل میں معتد بہ بچت رہی۔

مذکورالصدر اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر چودہ سال تک کمی نکلی بھی تو کیا بتیس سال تک تو فاضلات ہی ہے اور اگر جملہ کمی تقریباً

ایک کروڑ ستر لاکھ ہوئی تو فاضلات تقریباً چار کروڑ نوے لاکھ تھے اس لئے چالیس سال کے دوران میں ہندوستان کے انتظام مملکت کے مالیات کا خالص نتیجہ یہ نکلا کہ تین کروڑ بیس لاکھ فاضلات ہوئے لیکن یہ زر بچت کی شکل میں نہ تو ہندوستان میں رہا اور نہ آبپاشی یا دوسرے ترقی و اصلاح کے کاموں میں لگایا گیا بلکہ کمپنی کے حصہ داروں کو مقسوم ادا کرنے کے لئے خراج کی شکل میں مسلسل انگلستان ارسال ہوتا رہا چونکہ مقسوم ادا کرنے کے لئے ہندوستان سے کافی مقدار میں زر بھیجا جاتا تھا اس لئے ہندوستان کے قرضے میں جو ہندوستان کا سرکاری قرضہ کہلاتا ہے توفیر ہوتی چلی گئی جس سے محصول ادا کرنے والوں کے کندھوں کا بوجھ اور بڑھ گیا کیونکہ انھیں کو اس کا سود دینا پڑتا تھا۔ ہندوستان کی افسوسناک تاریخ مالیات کا سب سے زیادہ افسوسناک واقعہ یہی ہے۔

سنہ ۱۷۹۲ء میں ہندوستان کا قرض جس پر سود ادا ہوتا تھا ستر لاکھ سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ مگر سنہ ۱۷۹۹ء میں ایک کروڑ تک پہنچ گیا تھا۔ لارڈ ولزلی کی لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۰۵ء میں یہ قرضہ دو کروڑ دس لاکھ تک پہنچ گیا اور سنہ ۱۸۰۷ء تک دو کروڑ ستر لاکھ ہوگیا کئی سال تک تو اسی حد سے برقرار رہا لیکن سنہ ۱۸۲۹ء میں یہ تین کروڑ تک پہنچ گیا لارڈ ولیم بنٹنک کے انتظام مملکت کا اچھا اثر یہ ہوا کہ بتدریج قرض میں تخفیف ہوتی گئی اور ۳۰ اپریل سنہ ۱۸۳۶ء میں اس کی مقدار دو کروڑ ستر لاکھ رہ گئی۔

اگر یہ نظام دونوں قوموں کے مابین مساوات پر مبنی ہوتا تو ہندوستان پر لازم ہوتا کہ وہ اپنے انتظام مملکت کا خرچ خود اٹھائے اور انگلستان پر لازم ہوتا کہ ایک ایسی شاہنشاہی کے قیام پر جو انگلستان کی تجارت اور اقتدار کے لئے اس قدر سودمند تھی اور نوجوان افراد قوم کے لئے جو مشرق میں جویائے روزگار تھے مفید مطلب بھی تھی کمپنی کو معاوضہ ادا کرے اگر ہندوستان میں برطانوی شاہنشاہی کے قیام میں دونوں اقوام کا فائدہ تھا تو دونوں قوموں پر اس کے مصارف برداشت کرنا لازم تھا۔ ہندوستان اپنے انتظام مملکت کا خرچ خود اٹھاتا اور برطانیہ عظمیٰ اپنے مطالبات ملن

خود ادا کرتی لیکن ہندوستان میں انگریزی راج کے آغاز ہی سے ایک عجیب حکمت عملی کی پابندی کی گئی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان سے مسلسل معاشی سوتاؤ جاری رہا اور جتنا جتنا زمانہ گزرتا گیا اس کی مقدار بھی بڑھتی گئی جس سے جفاکشی اور امن پسند قوم پر جو کبھی متمول و خوشحال تھی ایک طرح کا افلاس چھا گیا۔ پُر مغز انگریزوں نے اس ابتدائی زمانے میں بھی جس کا ذکر ہم اس باب میں کر رہے ہیں ان نتائج کو قبل وقوع تاڑ لیا تھا۔

منٹگمری مارٹن نے ۱۸۳۶ء میں لکھا تھا کہ "برٹش انڈیا پر انگریزی راج میں ہندوستان سے تیس لاکھ پونڈ بدررو تیس سال میں ۱۲ فیصد سود در سود (یعنی ہندوستان کی معمولی شرح سود) پر ۷۲۳۹۹۷۹۱۷ پونڈ انگلشیہ کی کثیر المقدار رقم ہو گئی جیسے ۲۰۰۰۰۰ پونڈ ایک قلیل شرح سود پر پچاس سال میں ۸۴۰۰۰۰۰۰ پونڈ ہو جاتے ہیں اسی طرح کا مسلسل اجتماعی بدررو اگر انگلستان میں بھی ہو تو وہاں بھی افلاس آ جائے گا پھر اس کا اثر ہندوستان پر کس قدر شدید ہو گا جہاں مزدور کی روزانہ اجرت صرف دو پنس سے تین پنس تک ہے"۔

"نصف صدی سے بیس تیس اور بعض دفعہ چالیس لاکھ پونڈ انگلشیہ تک ہر سال ہم ہندوستان کا خزانہ دولت خالی کرتے رہے ہیں اور یہ دولت اس غرض سے انگلستان ارسال کرتے رہے ہیں کہ اس سے تجارتی تخمین کی کمی پوری ہو قرضے کا سود اور انگلستان کے ملکی عملے کے مصارف بھی ادا ہوں اور ان کی اجتماعی دولت سے جنھوں نے ہندوستان میں عمر گزاری تھی انگلستان میں کچھ شغل پیدا ہو۔ ہندوستان کے سے دور دراز ملک سے سالانہ تیس چالیس پونڈ کی مسلسل بدررو کا ہونا جس کی ایک پائی بھی ہندوستان کو کسی شکل سے واپس نہیں ملتی ایسے مضر اثرات پیدا کرتا ہے کہ میری رائے میں ان کو فراست انسانی سے بالکلیہ دور کرنا محال ہے"۔

"اس سالانہ معاشی سوتاؤ نے ہندوستانیوں کو اعلیٰ خدمات سے محروم رکھنے میں اور بھی مدد دی تھی اس مضمون پر جو کچھ تحریر و تقریر ہوئی اگر وہ سب یہاں بیان کی جائے تو اس کی ایک کتاب بن جائے اس لئے ان چار ممتاز

منتظمین مملکت کے خیالات بیان کرنے پر ہم قناعت کرتے ہیں جو ہندوستان کے چار بڑے صوبوں یعنی بنگالہ اور مدراس شمالی ہند اور بمبئی میں سرکاری خدمتوں پر رہ چکے تھے۔ آنریبل جان شور جس کا ہم نام پچھلی تاریخ میں مشہور ہے اٹھارویں صدی عیسوی کے پہلے تیس سال کے بہترین بنگالی منتظمین مملکت میں شمار ہوتا ہے اور اس نے خود اپنے مشاہدات کو مکمل طور پر نہایت وضاحت کیساتھ اپنی پر مغز کتاب میں جو ہندوستان پر لکھی گئی تھی درج کیا ہے۔

"جہاز سے اتر کر پہلی دفعہ میرے اس سرزمین پر قدم رکھنے کے وقت سے آج تک سترہ سال سے زیادہ گزر چکے ہیں لیکن میرے ورود پر اور کلکتہ میں تقریباً ایک سال کے قیام کے اثناء میں مجھکو خوب یاد ہے کہ اس زمانے میں انگریزی راج کا قیام دیسیوں کے حق میں موجب برکت ہونے کے متعلق بنگالے میں رہنے والے انگریزوں کے عقیدے اطمینان بخش و دل خوش کن اور پختہ تھے۔ دیسی حکومتوں کے مقابل جن کی جگہ ہم نے چھین لی تھی ہماری برتری عدل و انصاف کا ایک بہترین انتظام جس کی ابتدا ہم نے کی ہمارا اعتدال رعایا کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہمارا نزد و فکر مختصر یہ کہ ہماری ساری خوبیاں یوں گنائی جاتی تھیں گویا وہ مسلم الثبوت و برحق ہیں اور جن کے خلاف زبان ہلانا کفر و الحاد سے کم نہیں مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ گاہے ماہے اشارۃً کنایتہً اس کے خلاف باتیں کسی ایسے شخص سے میرے سننے میں آئی تھیں جس نے کئی سال ملک کے اندرونی حصے میں کاٹے تھے اگر اس مسلمہ عقیدے پر اعتراض کی کسی نے جسارت کی تو فوراً ایک طوفان بے تمیزی برپا ہوجاتا تھا اور اس بدنصیب کے سر پر طوفانی بادل گرجنے لگتے تھے جو ایک دلیر سے دلیر کا دل دہلانے کو کافی تھا۔

"اسی وجہ سے رفتہ رفتہ میں نے برطانوی ہند کے انتظام مملکت کے اصول و عمل کی تحقیقات شروع کردی اور ضمناً جتنا میں آگے بڑھتا گیا حکومت اور ہمارے متعلق رعایا کے احساسات کیا تھے وہ فوری میری سمجھ میں آنے لگے اگر حالت اس کے برخلاف ہو تو تعجب کی بات تھی۔ انگریزی حکمرانی کا اساسی اصول یہ رہا تھا کہ ہندوستان کی تمام قوم کو اپنے اغراض و مفاد کے لئے ہر ممکن

طریقہ سے اپنا حلقہ بگوش بنائے۔ چنانچہ رعایا پر انتہائی حد تک محصول لگائے گئے تھے۔ لیکن جیسے ہی کہ یکے بعد دیگرے مختلف صوبے ہمارے زیر اقتدار آتے گئے نئے نئے محاصل کے میدان وسیع ہونے لگے۔ ہمیشہ ہم نے فخریہ کہا ہے کہ دیسی والیان جس قدر مالگزاری زور وظلم سے وصول کرتے تھے اس سے بھی کہیں زیادہ ہم نے وصول کی ہے۔ ہندوستانیوں کو ان کے سارے مناصب ومراتب واعزاز سے محروم کر دیا گیا جن کے قبول کرنے کے لئے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ انگریز کو آمادہ کیا جا سکتا تھا۔"

ہندوستان سے دولت کا جو چشمہ جاری تھا اس کے متعلق شور نے کہیں لکھا ہے کہ "ہندوستان میں ایام دولت و کامرانی اب کہاں۔ اس کی دولت کے سب خزانے خالی ہو گئے اور اس ذلیل بدنظمی کے عہد میں جہاں لاکھوں کے مقاصد چند افراد کے مفاد پر قربان کر دئے گئے تھے قوم کے ہاتھ پاؤں شکنجے میں ہیں۔"

"جان سلیون ۱۸۰۴ء میں ہندوستان آیا مختلف ذمہ داری کے عہدوں مثلاً میسور کا رزیڈنٹ۔ کوئمبٹور کا کلکٹر، مجلس مدراس اور کونسل مدراس کا رکن رہا اس کے بعد ۱۸۴۱ء میں خدمت سے سبکدوش ہونے پر اس نے ہندوستان سے وطن کی جانب مراجعت کی۔ ۱۸۵۳ء میں کمپنی کے منشور کی تجدید کے موقع پر سلیون کا بھی اظہار لیا گیا۔ ہندوستان کے اعلیٰ سرکاری خدمات سے وہاں کے لوگوں کو بالکل محروم رکھنے پر بہت متاثر ہو کر اس نے اپنے خیالات یوں بیان کئے۔

"(۵۰۳) انگریزی راج میں وہ لامحدود دشواریاں کیا ہیں جن کو دیسی لوگ فی زمانہ سخت باعث زحمت و تکلیف سمجھتے ہیں۔

"اعتماد و آمدنی کے سب خدمات سے اور ملک کے نظم و نسق کے دیوانی اور فوجی عہدوں سے جن پر دیسی روساء کے عہد حکومت میں دیسی لوگ مامور تھے اب ان کا محروم رہنا"

"(۵۰۹) دیسی حکومت میں یہ لوگ جن سرکاری خدمات کا اپنے کو

مستحق سمجھتے تھے اور بلا شرکت غیرے جن پر مامور بھی تھے ان سے محروم ہو جانے کی تلافی بالکلیہ نہ سہی تو بیشتر کیا اس نظام سے نہیں ہوتی جو انگریزوں کی حکومت نے دیسیوں کے لئے قایم کیا ہے۔

"میں تو پھر بھی یہی کہوں گا کہ کوئی بات اس محرومی کی تلافی نہیں کر سکتی اس سے بیس سال کے بعد ۱۸۵۳ء میں جب کمپنی کے منشور کی تجدید کا وقت آیا تو پھر سلیوں کے بیانات لئے گئے تھے اور اس موقع پر بھی اس نے نہایت پر زور الفاظ میں اظہار دیا۔"

"(۴۸۶۶) آپ کے خیال میں کیا ہندوستانیوں کے پاس ایسے روایات موجود ہیں جن سے لوگوں پر یہ ظاہر ہوتا ہو کہ زمانہ سابق میں رعایا کی معاشی حالت جیسی دیسی روساء کے عہد میں بہتر تھی ویسی اب نہیں ہے؟"

"میرے خیال میں ایک عام نقطۂ نظر کے مطابق تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ ان کی حالت بہتر تھی اور قدیم سے قدیم زمانے کی تاریخ بتاتی ہے کہ ابتدا سے ہی یہ لوگ نہایت متمول و خوش حال رہے ہیں۔"

"(۴۸۶۹) جب یہ لوگ جنگ و جدال میں ہم سے بھی زیادہ دولت اور جانیں قربان کرتے تھے بالخصوص جبکہ ساری لڑائیاں ان کے حدود سے باہر ہونے کے بجائے خود ان کی سرزمین پر ہوتی تھیں تو پھر ان لوگوں کی معاشی حالت کی برتری کے آپ کیا اسباب سمجھتے ہیں جب کہ اس کے باوجود انھوں نے لکھوکھا روپے نہروں تالابوں اور آبپاشی پر صرف کر دئے؟"

"ہم میں ایک بیش خرچ عنصر ایسا ہے جو ان میں کبھی نہ تھا یہ یورپی عنصر ہے جو دیوانی اور جنگی سررشتہ جات میں مالگزاری کی کثیر المقدار رقم ہضم کر جاتا ہے اسی وجہ سے ہمارا انتظام مملکت بیش خرچ ہے اور میرے خیال میں اس کلا ہی ایک بڑا سبب ہے۔"

"جب جان سلیون سے پوچھا گیا کہ شاہنشہی کا فوجی انتظام انگریزوں ہی کے ہات میں رکھ کر انگریزوں کی عملداریوں کو دیسیوں کے زیر حکومت واپس دینے پر کیا وہ راضی تھا تو اپنے خیالات کا یوں صحیح نتیجہ نکالنے پر

وہ کچھ سٹپٹایا نہیں۔

"۹۰۴ - کیا آپ اصول معدلت پر دیسی رؤساء کو عملداری کا ایک بہت بڑا حصہ واپس دیدیں گے؟

"جی ہاں"

"کیا اس لئے کہ کسی استحقاق وحق کے بغیر محض زور وظلم یا دیگر ذرایع سے یہ عملداری ہمارے قبضے میں آئی ہے۔

"محض اصول معدلت واصول کفایت مالیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں اس طرح عمل کرنے پر تیار ہوں"

جان سلیون کے معاصرین میں چند ہی ایسے تھے جنھوں نے اتنا بھی کہا البتہ اکثر ایسے تھے جو خوب جانتے تھے اور اس کا احساس بھی رکھتے تھے کہ ہندوستانیوں کا خود اپنے معاملات کے انتظام سے محروم رہنا ان کے حق میں سخت ناانصافی تھی۔

ہولٹ میکنزی نے ۱۸۳۰ء میں ہندوستان کے عدالتی اور مالگزاری کی نظم ونسق پر ایک یادداشت قلم بند کی جس سے ذیل کے اقتباسات لئے گئے ہیں۔ یہ وہی ہولٹ میکنزی ہے جس کے ممتاز خدمات کا حوالہ جو شمالی ہند کے بند وبست سے متعلق تھے اس کتاب کے گیارھویں باب میں دیا گیا ہے اور یہ اس کی وہی یادداشت ہے جو ۱۸۳۲ء میں دارالعوام کی منتخبہ کمیٹی کی رپورٹ میں شامل کی گئی تھی۔

"اس سے بڑھکر کوئی اور تعجب کی بات نہیں ہے کہ رعایا نے ان اشخاص کے ہاتھوں بھی عماً ذلت اٹھائی جن کے دلوں میں رعایا کو انتہا درجہ فیض پہنچانے کے خیالات تھے۔ کیونکہ ابتدائے عالم سے آج تک کسی ایسی حکومت کی نظیر نہیں ملتی کہ دیوانی کے نظم ونسق کے ذریعے سے (اگر ہم ایسے نظم ونسق کو دیوانی کا نظم ونسق کہہ سکیں جس کی روح تک جنگی ہے) مطلق العنانی کے اصول کو اس کمال پر پہنچا دیا گیا ہو اور یہی نہیں بلکہ رعایا کو خود اپنے معاملات کا انتظام کرنے سے یوں علٰحدہ کر دیا گیا ہو۔ جیسے فوج کے انتظامات سے

سپاہیوں کو دور رکھا جاتا ہے وضع قانون کے اعلیٰ اختیارات کے استعمال سے لیکر ادنیٰ سے ادنیٰ سرکاری عہدہ دار کے تقرر کرنے میں بھی یہی اصول ہر عمل میں سرایت کر گیا تھا اگر ایک مرتبہ سرکاری عہدہ داروں کو لوگوں کے کاروبار کی ذرا ذرا سی تفصیل میں بے وقت مداخلت کا موقع یا اجازت دیدیں تو پھر یہ خیال محض بے فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی قانونی تدبیر سے ملت کو ان کی رشوت ستانی اور ایذا رسانی سے بچا سکیں گے۔ بد نصیبی سے ہم اس کے بالکل مخالف اصول پر کاربند رہے ہیں یعنی ہم نے ہر بات میں مداخلت کی اور جہاں عوام کے ادارات موجود تھے وہاں ان کی کچھ خبر نہ لی اور جہاں موجود نہ تھے وہاں ان کے قایم کرنے کی کبھی کچھ کوشش نہ کی،،

"لیکن جس شخص نے سب سے زیادہ مستند طور پر دارالعوام کی کمیٹی منتخبہ کے سامنے ۱۸۳۲ء میں بیانات پیش کئے وہ سر جان میلکم تھا جس کا شمار منرو اور الفنسٹن کی طرح ان لوگوں میں ہے جو برطانوی شاہنشاہی ہند کے بانی اور انیسویں صدی عیسوی کے پہلے پچاس سال میں سب سے بڑھکر قابل و ہمدرد حکمراں تھے۔ مرہٹوں کے جنگ میں سر جان ملکم نے داد مردانگی دی تھی اور فتح و نصرت حاصل کی تھی اس کے علاوہ اپنی خوش خلقی اور ملنساری سے سپاہیوں اور غیر سپاہیوں میں بڑا اعتبار پیدا کر لیا تھا۔ ایک ربع صدی تک حسن و خوبی کے ساتھ سرکاری خدمات انجام دینے کے بعد ۱۸۲۷ء میں گورنر بمبئی کے اعلیٰ عہدے پر یہ الفنسٹن کا قایم مقام مقرر ہوا تھا اس لئے جب ۱۸۳۲ء میں دارالعوام کے سامنے بہ حیثیت گواہ میلکم کا اظہار لیا گیا تو اس نے انگریزی راج کے زیر نگیں ہندوستان کے لوگوں کے حالات ایسی مستند واقفیت کے ساتھ بیان کئے جو اس کے انگریزی معاصرین یا مورخین میں ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھکر کسی میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی۔

"۴۷۰۳۔ جہاں دیسی روسا کی بدانتظامی رہی تھی وہاں، ہماری حکومت قایم ہونے سے کیا آپ کی رائے میں زرعی تجارتی آبادی کی خوش حالی زیادہ ہو گئی ہے۔

"ہندوستان کے ہر صوبے کے متعلق میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن جہاں تک
تجربہ میری مدد کر سکتا ہے میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس تغیر
سے اکثر دیسی ریاستوں کے تجارتی یا صاحب زر یا زرعی طبقات کو کچھ فائدہ
پہنچا ہے یا پہنچ سکتا ہے گو دوسروں کو پہنچا ہو۔ جب ۱۸۰۳ء میں موجودہ
ڈیوک ولنگٹن کی ہمراہی میں جنوبی اضلاع مرہٹہ کو میں گیا تو اس ملک میں
زمین کی بہترین کاشت پیداوار اراضی کی افراط اور تاجروں کی دولت کی
انباریں میں نے وہ وہ دیکھے ہیں جو پھر کہیں دیکھنے میں نہیں آئے مثلاً خاصکر
ان قطعات کی طرف میرا اشارہ ہے جو دریائے کرشنا کے کناروں پر واقع
ہیں پونہ جو پیشوا کا پایہ تخت تھا ایک بہت متمول اور سرسبز تجارتی شہر تھا
اور دکن میں بھی اتنی ہی کاشت تھی جتنی ایسی خشک اور بے ثمر زمین میں
ہو سکتی ہے۔

"مالوہ کے متعلق بحیثیت ایسے شخص کے جس کا تقرر اس عملداری
کو زیر قبضہ لینے اور اس کا دیوانی فوجی اور سیاسی نظم ونسق چلانے کے لئے
ہوا ہو جو کچھ سرکاری دفاتر سکھا سکتے ہیں وہ سب کچھ سیکھ لیتے اور دوسرے
ذرایع سے بھی پورے معلومات حاصل کرنے کے مجھکو بہت سارے
ذرایع حاصل تھے اور جب میں نے ان تمام فرائض کو اپنے سر لیا ہے
اس وقت درحقیقت میرا پختہ عقیدہ یہی تھا کہ یہاں تجارت ناپید ہوگی اور
ساکھ معدوم لیکن یہ دیکھکر میں حیران رہ گیا کہ راجپوتانہ، بندیلکھنڈ
اور ہندوستان (شمالی ہند) کے اور گجرات کے بھی چوٹی کے تجار اور صاحب زر
اشخاص اجین اور دوسرے شہروں کے ساہوکاروں کے ساتھ جس کا
اعتبار اور ساکھ بڑے فروغ پر تھا کاروبار کرتے تھے اور معاملہ زر کثیر
مقدار میں ہوتا تھا اور نہ صرف کثیر مال تجارت اس صوبے سے مسلسل گزرتا
تھا بلکہ دفاتر بیمہ کے کاروبار بھی جو ہندوستان کے اس حصے میں جگہ جگہ
موجود تھے اور جن میں بڑے بڑے روپے والے شریک تھے برابر
چلتے رہتے تھے البتہ خطرے کے زمانہ میں قسط بیمہ میں اضافہ ہوجاتا تھا"

مجھ کو یہ باور نہیں آتا کہ اس ملک میں ہماری براہ راست حکمرانی سے تجارتی اور زرعی سرسبزی اس سے زیادہ یا کم سے کم اتنی بھی ہوسکے جتنی کہ اس ملک کے سابقہ سرداروں اور رؤساء کی کار فرما حکومت میں تھی۔

"جنوبی اضلاع مرہٹہ کے متعلق جن کی سرسبزی کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں بلا پس وپیش یہ کہنا مجھ پر لازم ہے کہ "پٹواران" کے خاندان اور بعض دوسرے سرداروں کے زیر قبضہ لب کرشنا جو صوبے واقع ہیں انکی زرعی اور تجارتی سرسبزی ہندوستان کے کسی اور ملک سے جن سے میں واقف ہوں بہت بڑھی ہوئی ہے میں اس کے اسباب ووجوہ کو نظم ونسق کے نظام میں مضمر سمجھتا ہوں۔ باوجود اس کے گاہے ماہے وہاں ابھی استحصال بیجا کا ایک آدھ دورہ آجاتا ہے تاہم وہ مجموعی حیثیت سے نہایت شفیق وپدرانہ ہے دوسرے یہ کہ وہاں تغیرات بہت کم ہوتے ہیں اس کے علاوہ ہنود تمام زرعی پیشوں سے مکمل طور پر واقف اور ان میں پورے طور پر منہمک رہتے ہیں انتظام مملکت کے اکثر شعبوں میں وہ ہم سے بہتر واقفیت رکھتے ہیں یا کم از کم ہم سے بہتر عمل کرتے ہیں۔ خاصکر دیہات اور قصبات کو ترقی دیکر وہاں خوشحالی پھیلانے میں تو ان کو کمال حاصل ہے۔ روپے والوں کا وہ خوب دل بڑھاتے ہیں تاکہ اصل کا رواج ہو اور سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ جاگیردار اپنی اپنی جاگیروں میں ہی بودوباش رکھتے ہیں اور ان صوبوں کا انتظام مملکت ذی رتبہ اشخاص کے ہاتھوں میں رہتا ہے جن کی موت وزندگی اسی سرزمین سے وابستہ ہوتی ہے اور جن کے بعد ان کی اولاد یا اقارب انھیں عہدوں پر ان کی قائم مقامی کرتے ہیں اگر یہ لوگ گاہے ماہے من مانے طور پر استحصال زر بھی کرتے ہیں تو ان کا خرچ کرنا اور ان کا لینا دونوں اپنے ہی صوبے تک محدود رہتا ہے۔ لیکن سرسبزی کے ان اسباب وعلل میں سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ یہ دیہات اور دوسرے دیسی ادارات کی ہمیشہ مدد کرتے ہیں اور آبادی کے سب طبقات سے کام بھی لیتے ہیں ہمارے نظام میں

اس کی گنجائش نہیں ہے۔"

"سرجان میلکم اور دوسرے ممتاز گواہوں نے کمیٹی منتخبہ کو جن خرابیوں کی اطلاع دی تھی ان میں خاصکر یہ تھیں کہ ہندوستان کے لوگ خود اپنے ملک میں تمام اعلیٰ خدمتوں سے محروم تھے اور سال بسال ہندوستان کے محاصل کا ایک بڑا حصہ ہندوستان سے باہر ارسال ہوتا تھا۔ ان کے تدارک کا صحیح طریقہ وہی تھا جو چند سال قبل شیب ہیبر نے تجویز کیا تھا یعنی خود اپنے معاملات کے انتظام پر لوگوں کو اور زیادہ لگا دینا اور ہندوستانی محاصل کو ہندوستان میں ہی صرف کرنا۔ اول الذکر امر میں منرو، الفنسٹن اور بینٹنک نے بہت کچھ مدد کی اور ۱۸۳۳ء میں کمپنی کے منشور کی تجدید کے وقت برطانوی پارلیمنٹ نے وہ مشہور دفعہ نافذ کیا جس کا ذکر اس کے بعد کے باب میں آئے گا۔ اس دفعہ میں یہ درج تھا کہ بغیر امتیاز قوم و مذہب ہندوستان کے لوگوں کو سب سرکاری خدمتیں دی جا سکتی ہیں مگر موخر الذکر کے لئے پارلیمنٹ نے ہندوستانیوں کی کچھ مدد نہ کی بلکہ ان کے خلاف ہی کیا۔ چنانچہ پارلیمنٹ نے اپریل ۱۸۳۴ء سے کمپنی کی تجارت اگرچہ موقوف کر دی لیکن جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے یہ شرط بھی لگا دی کہ کمپنی کے سرمائے پر سود ۱۰½ فی صد شرح پر ہندوستان کے محاصل سے ادا کیا جائے۔ ہندوستان کے حق میں یہ بڑی ناانصافی تھی جس پر ایک اور ممتاز انگریز نے ۱۸۵۸ء میں جب شاہنشاہی کمپنی سے تاج برطانیہ میں منتقل ہو گئی تو نہایت پر زور اعتراض کئے تھے جیسا کہ ناظرین نے اکیسویں باب میں ملاحظہ فرمایا ہو گا۔

سرجان ونگیٹ نے بمبئی کے بندوبست مالگزاری میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ ایک بہت خراب نظام کے تحت کام کرنے کے باوجود اس نے اپنی فطری نرم دلی اور لوگوں کا خیال رکھنے کی وجہ سے اس نظام کو کامیاب کر دکھایا تھا۔ ونگیٹ ہندوستان کے لوگوں میں مل جل کر رہتا تھا اور ان کے لئے تقریباً تیس سال تک اس نے محنت شاقہ اٹھائی تھی اس طرح ہندوستانی معاملات کے تجربے اور معلومات میں پختہ ہونے کے بعد اپنے

وطن کو مراجعت کرنے پر حکومت برطانیہ نے اس کو اعزاز عطا کئے تھے۔ قوم نے بھی اس کو بمبئی کے بندوبست مالگزاری کا بانی تسلیم کر لیا تھا لیکن ہندوستان اور انگلستان کے درمیان جو مالی تعلقات قایم تھے وہ اس کے لئے باعث تردد و رنج تھے۔ اور جب شاہنشہی کا انتظام مملکت تاج برطانیہ کے زیر اقتدار آیا تو اس نے اپنے ہم وطنوں سے التجا کی کہ جدید انتظامات کے وقت ہندوستان کے ساتھ ایک منصفانہ اور واجبی برتاؤ کیا جائے۔

"اگر ہم نے ہندوستان پر محض ہندوستان کے دیسیوں کی خاطر نہیں بلکہ اپنی خاطر ہی حکومت کی ہے تو ہم خالق و مخلوق دونوں کی نظروں میں صاف طور پر قابل الزام ہیں کیونکہ ہم نے اس حکومت کے مصارف ادا کرنے میں ایک حبہ بھی نہیں دیا ہے اپنی ہندوستانی حکمت عمل کے طے کرنے میں ہم نے برطانوی اعراض و مفاد کو جس قدر پیش نظر رکھا ہے اسی کی مناسبت سے ہمیں اپنا واجبی حصہ خواہ وہ زیادہ ہو یا کم ادا کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا اور اب ایک بیش مقدار قرضہ ہم پر ہے جو کئی سال سے قابل ادا چلا آرہا ہے۔ لیکن انگلستان طاقتور ہے اور ہندوستان اس کے قدموں پر پڑا ہوا ہے اور اس کمزور ملک کو کوئی توقعہ حاصل نہیں ہے کہ ایک ایسی زبردست قوم کو واجب الادا قرضہ بے باق کرنے پر مجبور کر سکے"۔

"ہندوستان کے حالات پر اس خراج کا معاشی اثر جو انگلستان کو ادا کیا جاتا ہے بہت خراب پڑتا ہے اور ہماری موجودہ حکمت عملی میں سب سے زیادہ قابل اعتراض شکل یہی ہے۔ ان محصولات کا ایک کثیر حصہ آمدنی اسی ملک میں خرچ ہوتی ہے جہاں وہ وصول ہوتے ہیں ان محصولات سے بالکل مختلف ہے جو ایک ملک میں وصول ہوتے ہیں مگر دوسرے ملک میں خرچ ہوتے ہیں۔ اول الذکر شکل میں عوام سے محصول وصول کئے جاتے ہیں اور عوام کے ان افراد پر بھی خرچ کئے جاتے ہیں جو ملازم سرکار ہیں اور جب افراد اس رقم کو اپنے خرچ میں لاتے ہیں تو وہ کل رقم اس طریقے سے صنعت گروں کو پھر واپس چلی جاتی ہے۔ اس سے اگرچہ تقسیم دولت میں فرق ہو جاتا ہے

لیکن قومی آمدنی میں کوئی خسارہ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ متمدن ممالک میں جہاں انسان کی پیدا آور قوتوں میں طرح طرح کی مشینوں کے استعمال سے اور عاملین قدرت کو ٹھیک طور پر کام میں لانے کے باعث بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ کثیر المقدار محصولات وصول کرانے پر بھی قوم کو ان کا کچھ بار محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر محصولات جس ملک سے وصول کئے جائیں وہیں صرف نہ کئے جائیں تو صورت حال بالکل دگرگوں ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں قومی آمدنی کا کچھ حصہ باشندوں کے ایک طبقے کے پاس سے نکلکر دوسرے طبقے کے پاس منتقل نہیں ہوتا بلکہ محصول کی جملہ رقم ادا کرنے والی ملک سے باہر چلی جاتی ہے گویا وہ ہمیشہ کے لئے اس کے حق میں معدوم ہو جاتی ہے اس کا اثر قومی پیدا آوری پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ اس رقم کو دوسرے ملک میں منتقل کرنے کے بجائے اس کو کسی نے غرق دریا کر دیا۔ کیونکہ کسی شکل میں بھی اس کا کوئی حصہ اس ملک کو پھر واپس نہیں آتا جس پر یہ محصول عاید ہے۔ یہ ہے اس خراج کی اصلیت جو ہم ایک زمانہ دراز سے ہندوستان سے زبردستی وصول کر رہے ہیں"۔

"ہندوستان کے اس خراج کو اگر ہم انصاف کی ترازو میں تولیں یا اپنے حقیقی مفاد کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ یہ خراج مقتضائے انسانیت اور معمولی عقل نیز معاشیات کے مسلمہ قاعدوں کے بالکل خلاف ہے یہ صحیح دانشمندی کی بات ہوگی کہ ہندوستان کی حکومت کے اخراجات ادا کرنے کے لئے جو انگلستان میں عائد ہوتے اور حقیقی طور پر خراج ہی شکل رکھتے ہیں شاہنشاہی خزانہ سے آیندہ گنجائش نکالی جائے۔ یہ اخراجات غالباً حسب ذیل ہیں ایسٹ انڈیا سرمائے کا مقسوم وطنی قرضے کا سود، عہدہ داروں اور عملے کی تنخواہیں حکومت ہند کے سررشتہ دیوانی کے عمارات کی لاگت اور انتظام ہندوستان کے فوجی اور دیوانی سررشتوں کے ملازمین کے وظائف اور تنخواہیں جب وہ انگلستان میں ہوں مختلف قسم کے اخراجات جو اس ملک میں ادا کئے جاتے ہیں اور جو ہندوستان میں ملازمت کرنے والے

برطانوی سپاہیوں سے متعلق ہوتے ہیں اور برطانوی فوج کی ہندوستان کو آمد و رفت کے اخراجات کا کچھ حصہ"۔

"اگر ہندوستان کے سر سے خراج کا یہ بار سنگین ہلکا کر دیا جائے اور ہندوستان میں جو محصول وصول ہوتے ہیں وہ وہیں صرف کئے جائیں تو اس ملک کے محاصل میں اس درجہ فراخی پیدا ہو جائے گی جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے"۔

اس مذکورالصدر التجا، کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی کے وقت مطالبات وطن تیس لاکھ تھے مگر ملکۂ معظمہ کے سال وفات میں یہ اخراجات ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تک پہنچ گئے تھے۔ اگر روئے زمین پر کوئی سرسبز سے سرسبز اور خوش حال سے خوش حال ملک بھی ہو تو اس کے حدود میں سے اتنی رقم کا معاش سوتاؤں کی شکل میں باہر چلا جانا اس کو مفلس و قلاش بنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ڈریں ہی کی وجہ سے ہندوستان اس حالت پر پہنچ گیا تھا کہ وہاں اسے متواتر عالمگیر اور مہلک قحط نمودار ہو رہے تھے جو کبھی اس سے پہلے تاریخ ہند میں تو کیا تاریخ عالم میں بھی نہیں واقع ہوئے تھے۔

چوبیسواں باب

ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی ۱۸۳۷ء کا قحط

ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید کے وقت ۱۸۳۳ء میں بہت کچھ مالی انتظامات ہوئے تھے جو پچھلے باب میں سب بیان کر دیے گئے ہیں لیکن جس قانون کی رو سے منشور کی تجدید ہوئی تھی اسی میں اور شرائط بھی عائد کئے گئے اور یہ شرائط یہاں روشنی میں لائے جاتے ہیں۔

۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۳ء میں لارڈ ویلزلی کے شمالی ہند کے فتوحات اور الحاقات سے صوبۂ بنگالہ کے حدود میں جب وسعت ہوئی تو بنگالہ کے شمالی قطعات کو بنگالہ سے علیحدہ کر کے ایک دوسرا صوبہ قایم کیا گیا اسی زمانے سے ہندوستان میں تین صوبوں کے بجائے چار صوبے ہو گئے چنانچہ اس جمع وخرچ کے نقشے میں جو پچھلے باب میں دیا گیا ہے اسی تاریخ سے شمالی ہند کو ایک علیحدہ صوبہ بنایا گیا ہے۔

وارن ہیسٹنگز کے زمانے سے گورنر جنرل اصطلاح قانون میں گورنر جنرل بنگالہ تھے جن کو دوسرے صوبہ جات کی نگرانی وانتظامات کے بھی اختیارات تھے مگر ۱۸۳۴ء میں جو شخص اس عہدہ پر تھا وہ اس قانون کی رو سے

گورنر جنرل ہند بن گیا اس طرح لارڈ ولیم بنٹنک پہلا گورنر جنرل ہند ہوا تھا اب تک ہر صوبہ اپنے لئے ایک علیحدہ دستور العمل منضبط کرتا تھا۔ لیکن اب گورنر جنرل کو باجلاس کونسل ایسے قوانین کا اختیار نفاذ مل گیا جو سارے ہندوستان میں نافذ العمل ہو سکتے تھے۔ اب تک کونسل علاوہ گورنر جنرل کے چار ارکان پر مشتمل تھی لیکن اب اس میں ایک پانچواں رکن بھی شامل ہو گیا جس کو رکن قانونی کے لقب سے ملقب کیا گیا تھا۔ اور پہلے رکن قانونی کی حیثیت سے میکالے کو ہندوستان بھیجا گیا۔ ہندوستان کے قوانین مرتب کرنے کے لئے کمشنران قانون کے تقرر کا اختیار بھی گورنر جنرل کو دیا گیا اور انہی کمشنران قانون کے ممبر مجلس کی حیثیت سے میکالے نے اپنے مشہور قانون تعزیرات ہند کا مسودہ مرتب کیا جو اس سے پچیس سال کے بعد بشکل قانون نافذ ہوا۔

یورپی لوگوں کے ہندوستان میں بود باش رکھنے پر جو قیود عائد تھے وہ سب اٹھا دیئے گئے۔ کلکتہ کی قدیم "بشپرک" (اسقفی) کے علاوہ مدراس اور بمبئی میں بھی ایک ایک اسقفی قایم کی گئی۔ ہندوستانی ملازمت دیوانی پر جن امیدواروں کو نظماء کمپنی نامزد کرتے تھے ہندوستان سے ان کے روانہ ہونے سے پہلے "ہیلیبیری کالج" میں ان کی تعلیم کے انتظامات کئے گئے اور پٹ کے قانون ہند کے رو سے جو ۱۷۸۴ء میں نافذ ہوا تھا کمپنی کے انتظام مملکت پر نگرانی کرنے کے لئے تاج برطانیہ نے جن کمشنروں کا تقرر کیا تھا وہ برقرار رکھے گئے۔

خود ہندوستان کے لوگوں کی امداد کے بغیر ہندوستان پر بطور مناسب نظم و نسق قایم رکھنے کے عدم امکان کو کمپنی کے قابل ترین عمال نے محسوس کیا تھا اور جیسا کہ کسی پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے منرو، الفنسٹن اور بنٹنک نے تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو سر رشتۂ عدالت کی بڑے ذمہ دارانہ عہدوں پر مقرر کیا تھا۔ انہی فیاضانہ حکمت عملی کا اعلان پر زور طریقے پر اس قانون کی ایک مشہور دفعہ میں بھی ہوا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اور حکم دیا جاتا ہے کہ مذکورہ عملداریوں کے کسی پیدائشی باشندے کو

یا ملک معظم کے کسی پیدائشی فرد رعایا کو جو وہاں بود و باش رکھتا ہو محض اپنے مذہب، مقام پیدائش، نسل۔ یا رنگ کی وجہ سے کمپنی کے تحت کسی خدمت عہدے، یا نوکری سے محروم نہیں رکھنا چاہیئے"

جب یہ قانون منظور ہوا اس وقت میکالے دارالعوام کا رکن تھا۔ اور اس دفعہ پر اس نے وہ مشہور تقریر کی جس کا اکثر اعادہ کیا جاتا ہے اور جو یہاں بھی قابل ذکر ہے۔

"تاہم اس مسودہ قانون کا ایک خاص جز ایسا ہے جس پر حال حال میں جو کچھ کہیں اور گزرا ہے اس کے نظر کرتے ہوئے چند باتیں کہنا میرے لئے بھی ناگزیر بن گیا ہے اس جز و سے میرا منشاء وہ عاقلانہ اور فیاضانہ اور شریفانہ دفعہ ہے جس میں حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ ہماری ہندوستانی شہنشاہی کا کوئی باشندہ جس کی پیدائش وہیں کی ہو اپنے رنگ، نسل یا مذہب کی وجہ سے کسی سرکاری خدمت سے کبھی محروم نہیں کیا جا سکتا اس تحقیر و تذلیل کے اندیشے کے باوجود کہ کہیں میرا نام وہ نہ پڑ جائے جس کو خود غرض تنگ نظر لوگ بری سے بری گالی کے برابر سمجھتے ہیں یعنی اس خدشے کے باوجود کہ کہیں میں فیلسوف نہ کہلانے لگوں میں تو ضرور بالضرور یہی کہوں گا کہ اس مسودۂ قانون کی ترتیب میں مدد دینے والوں میں جس میں یہ خاص دفعہ شامل ہے میرا بھی شمار ہونا میرے لئے مرتے دم تک باعث فخر ہے۔

"برنیر یہ کہتا ہے کہ ہندوستان کے کمبخت خود سر بادشاہوں کا یہ طریقہ تھا جن کو ہم نے بھی دیکھا ہے کہ جب اپنی رعایا میں سے کسی ممتاز شخص کی قابلیت اور جولانی طبع سے ان کو خدشہ ہو جاتا تھا لیکن اس کے قتل کی جرأت نہیں ہوتی تھی تو اس کو پوستہ یعنی مرکب افیون کی ایک خوراک روزانہ پلائی جاتی تھی اس کا چند ہی مہینوں میں یہ اثر ہوتا تھا کہ جب کسی کو یہ مرکب پلایا جاتا تھا اس بیچارے بد نصیب کے قوائے دماغی و جسمانی فنا ہو جاتے تھے اور وہ ایسا دیوانہ بن جاتا تھا جس کا کوئی علاج نہیں۔ یہ قابل نفرین دغا جو قتل عمد سے بھی زیادہ دہشت ناک ہے انھیں لوگوں کو

ہزار وار تھی جو اس پر عمل پیرا تھے اور قوم انگلیشیہ کے لئے یہ نمونہ نہیں بن سکتی اس بات پر ہم کبھی راضی نہ ہوں گے کہ ایک ملت کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے کی ذلیل غرض سے کثیر التعداد عوام کو جن کی حفاظت خدا نے ہمارے ذمے کی ہے بلے ہوش و بے دست و پا کرنے کے لئے ساری ملت ہی کو پوستہ پلاتے رہیں۔ ایسے اقتدار کی قدر و قیمت ہی کیا جس کی بنیاد خباثت و خواری وجہالت پر ہو اور جس کو ہم اسی وقت اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں جب اُن فرائض خدمت کے خلاف عمل کریں جو محکوم کے مفاد میں حاکم پر عاید ہوتے ہیں یعنی ایسی قوم کے مفاد میں جس کی کردار تین ہزار سال تک مطلق العنانی کے زور و ظلم سے، مہنتوں اور گرؤوں کے مکر و فریب سے بدترین ہو گئی ہے یہ فریضۂ منصبی ہم پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم کو ایک غیر معمولی پیمانے پر سیاسی آزادی اور روشن دماغی کی برکتیں حاصل ہیں بیشک ہمیں آزادی نصیب ہے، لیکن یہ سب کچھ بیکار ہے اگر ہم نوع انسانی کے کسی حصے کو مساوی پیمانے پر آزادی دینے اور متمدن بنانے پر حسد کرنے لگیں۔ کیا ہم ہندوستان کے لوگوں کو محض مطیع و فرمانبردار رکھنے کے لئے جاہل ہی رکھیں؟ یا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی حوصلہ مندی کو میٹھی نیند سے بیدار کئے بغیر ان کو تعلیم دی جا سکتی ہے یا ہمارا انشاء یہ ہے کہ ان کی حوصلہ مندی کو یوں بیدار تو کریں لیکن اس کی جائز تکمیل کا کوئی سامان نہ کریں؟ کون شخص ایسا ہے جو ان سوالات کا اثبات میں جواب دے سکے تاہم ان سوالات میں ایک کا تو اثبات میں جواب دینا ہر اس شخص پر لازم ہے جو ہمیشہ اس بات پر قایم ہے کہ دیسی لوگوں کو اعلیٰ عہدوں سے ادواماً محروم رکھنا ہم پر فرض ہے۔ مجھ کو کسی بات کا خدشہ نہیں ہے۔ ہمارے سامنے فرض کی سیدھی راہ ہے اور یہی راہ دانشمندی قومی سرسبزی اور قومی عزت کی ہے۔

ہماری ہندوستانی شاہنشہی کا ستارہ بخت تاریکی میں چھپ گیا ہے یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ ایک ایسی مملکت کا انجام کیا ہو گا جو تاریخ عالم میں

کسی دوسرے ملک کے مماثل ہی نہیں اور جو سیاسی مظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے بالکل علیحدہ اور جدا شکل رکھتی ہے ان قوانین سے جن پر اس کے عروج و زوال کی بنیاد ہے ہم اب بھی ناواقف ہیں ممکن ہے کہ ہندوستان کے ذہن عامہ میں ہمارے زیر نظام ایسی وسعت پیدا ہو جائے کہ یہ نظام اس کے لئے موزوں نہ رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری رعایا ہمارے حسن انتظام سے بہتر طریقے پر حکومت کرنے کی قابلیت پیدا کرے اور یورپی علوم کی تحصیل کے بعد کسی آئندہ زمانے میں یورپی ادارات بھی مانگنے لگے یہ دن کب آئے گا یہ تو مجھ کو معلوم نہیں۔ لیکن میں تو کبھی اس آنے والے دن کا مزاحم یا سدّ راہ نہیں بنوں گا۔ اور جب کبھی ایسا دن آئے گا تو وہ انگلستان کی تاریخ میں ایک بڑا دن ہوگا۔ ہمارے لئے بڑے فخر و مباہات کی بات ہوگی کہ جب ہم نے ایک بڑی قوم کو غلامی اور توہمات کے قعر عمیق میں پڑا ہوا دیکھا تو اس پر اس وضع سے حکومت کی کہ وہ قوم شہریوں کے سب حقوق و مراعات کی نہ صرف خواہاں بلکہ سزاوار بھی بن گئی تاج و تخت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے حادثات ناگہانی ہماری حکمت عملی کے نہایت گہرے منصوبوں کو درہم و برہم کر دیں، فتح و نصرت ہماری فوج کا ساتھ چھوڑ دے لیکن دنیا میں ایسے فتوح بھی ہیں جو ہمیشہ قایم رہتے ہیں اور جن کے بعد شکست کبھی نہیں آتی ایک ایسی شاہنشہی بھی موجود ہے جو انحطاط و زوال کے فطری اسباب و علل سے بالکل پاک و صاف ہے۔ یہ فتوح وہ پرامن فتوح ہیں جو فہم و عقل، جہالت پر حاصل کرتی ہے۔ یہ شاہنشہی ہمارے فنون ہمارے اخلاق ہمارے ادبیات اور ہمارے قوانین کی شاہنشہی ہے۔"

جسطرح کہ مکالے کی تمام تحریرات و تقریرات میں غلو پایا جاتا ہے اسی طرح اس تقریر میں بھی مبالغے سے کام لیا گیا ہے مثلاً جب مکالے نے شاہان مغلیہ کو "کمبخت و خود سر" کہا ہے یا ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جیسے "تین ہزار سال کے مطلق العنانی کے زور و ظلم، بہتانوں اور

گروہوں کے مکر و فریب" اور غلامی اور توہمات کا قعر عمیق" لکھا ہے سو وہ بھی ایک انگریز کی عادتاً ناقدر شناسی کی وجہ سے لکھا ہے کیونکہ وہ دیسی اقوام کے ان رسم و رواج اور اداراتِ نیز ان کی کامیابی وکامرانی کی قدر نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ یہ چیزیں انگلستان کے نہایت مختصر حدود سے باہر تھیں۔

پھر بھی اس میں کچھ شک نہیں کہ جدید حکمت عملی جس کی مکالے نے پرزور تائید کی تھی وہی حکمت عملی تھی جس کو ۱۸۳۳ء میں انگریز مشاہیر نے بھی جنھوں نے قانون اصلاح اسی زمانے میں نافذ کیا تھا اس لئے پسند کیا تھا کہ ہندوستان میں اس کا آغاز اور اس کی پابندی کی جائے۔ اجارہ اور حقوق غیر مشترک اس زمانے کے انگریزوں کو ناپسند تھے اعلیٰ عہدوں اور مناصب سے خود وہیں کے باشندوں کو محروم رکھنا ان کو سخت ناگوار تھا کیونکہ ان لوگوں نے اسی زمانے میں حق رائے دہی کو وسعت دی تھی۔ ایک محکوم قوم کے ساتھ راست بازی سے پیش آنا نہ صرف سنجیدہ مصلحان قوم کا سب سے پہلا خیال تھا بلکہ جزائر برطانیہ کے عوام کا بھی اور جس دفعہ کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس سے عصر جدید کا نیا رنگ ڈھنگ ظاہر ہوتا ہے یعنی کہ برطانوی قوم ہندوستان میں کس حکمت عملی کو پسند کرنے لگی تھی وہ معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان کے لئے کیا ہی خوش نصیبی کی بات ہوتی کہ اس وقت سے آج تک اس ستر سال کے عرصے میں مسلسل کسی عاقلانہ اور فیاضانہ منصوبے کی پابندی کی جاتی۔ اگر ہندوستان کے نظم ونسق میں ہندوستانیوں کو بطور مناسب حصہ دیا جاتا تو انگلستان کی حکمرانی اس سے زیادہ ہر دلعزیز و کامیاب ہوتی جیسی آج ہے۔ اگر محاصل کا ایک بڑا حصہ تجارت و حرفت کو بارور کرنے کے لئے ملک میں بازگشت ہوتا تو لوگوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوتی لیکن ایسے ملک میں اجارہ بڑی مشکل سے ختم ہوتا ہے جہاں بے زبانوں کا کوئی نمائندہ نہیں۔ اور اس ستر سال کے دوران میں " وہ عاقلانہ فیاضانہ اور شریفانہ دفعہ" جس کی تعریف میں مکالے نے اپنی ساری فصاحت و بلاغت صرف کردی تھی

عملی طور پر ہمیشہ نظر انداز کر دیا گیا۔
اس کے نصف صدی کے بعد ایک وائسرائے ہند نے لکھا ہے کہ "جیسے ہی یہ قانون نافذ ہوا حکومت عملی طور پر اس کے نفاذ کو نظر انداز کرنے کی تدابیر سوچنے لگی اس قانون کے شرائط کی رو سے وہ تعلیم یافتہ دیسی اشخاص جو ان شرائط کو بغور پڑھ کر خوب دل میں رٹ لیتے ہیں اور جن کا طبقہ بھی روز بروز وسیع ہو رہا ہے (کیونکہ حکومت گو اس طبقے کے موجودہ ارکان کی توقعات پورے نہیں کرتی ہے لیکن تعلیم و تربیت ہر جگہ پھیلا رہی ہے) اگر ایک مرتبہ ان عہدوں تک پہنچ جائے جو سابق میں کوننٹڈ سروس کے لئے مخصوص تھے تو ایسے دیسی اشخاص کو توقع اور حق ہو سکتا ہے کہ وہ ایک معمولی ترقی کی طرح اعلیٰ ترین عہدوں پر بھی نامزد ہو جائیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ حقوق و توقعات کبھی پورے نہیں کئے جائیں گے ہمارے لئے ان دو طریقوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ناگزیر تھا یعنی یا تو ہم دیسیوں کی قطعی ممانعت ہی کر دیں یا ان کے ساتھ دغا بازی کریں۔ اور ہم نے ٹیڑھا راستہ ہی اختیار کیا امتحان مقابلہ جس طور پر انگلستان میں ہوتا ہے اس کا ہندوستانیوں پر اطلاق اور امیدواروں کے داخل امتحان ہونے کی قید عمر میں حالیہ تخفیف، یہ دونوں شرائط ہندوستانیوں پر اس لئے عائد کئے گئے تھے کہ اس قانون کو مہمل ثابت کر کے تقویم پارینہ بنا دیا جائے اور اسی کے لئے دیدہ و دانستہ اتنے کھلے حیلے حوالے کئے گئے تھے۔ جو کچھ بھی میں لکھ رہا ہوں چونکہ راز میں لکھ رہا ہوں اس لئے مجھ کو یہ کہنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہوتا کہ حکومت انگلیشیہ اور حکومت ہند دونوں اس وقت تک بھی اس الزام کا کوئی جواب شافی نہیں دے سکے کہ ان دونوں نے حتی الامکان ان وعدوں کا خون کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی جن کو خود دیسیوں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔"
یوں لیت و لعل میں اس دفعہ کو ڈال رکھنا جس کی تعریف دارالعوام میں بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ کی گئی تھی اور جس کو برطانوی قوم نے اس شد و مد کے ساتھ پسند کیا تھا ایک ایسی صورت حال تھی جو ۱۸۳۴ء میں

اس قانون کی منظوری کے وقت پیش نظر نہ تھی بلکہ اس کے برخلاف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے لوگوں کے دلوں میں ہندوستان میں اشاعت تعلیم کرنے کی اور بلا امتیاز نسل و مذہب و رنگ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو ان کے خود ان کے ملک میں اعلیٰ خدمات کی بجا آوری میں روز افزوں حصہ دینے کی حقیقی خواہش تھی۔ انگریز انصاف پسند رہنا چاہتے تھے اور ایک ایسے ایماندار اور حق شناس قوم کی امپیریل طاقت کے تحت ہندوستان کے لوگوں کو ترقی اور حکومت خود اختیاری پر پہنچنے کی بڑی بڑی توقعات ہوگئی تھیں"

اس کے چار سال بعد ۱۸۳۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی ہوئی تمام تاریخ ہند میں ایسے مختلف سنین کی نشاندہی کرنا بالکل ناممکن ہے جن میں انگریزوں کی حکمرانی اس سے زیادہ ہمدردو فیاضانہ رہی ہو یا لوگوں کے دلوں میں اس سے زیادہ احترام و وفاداری پیدا ہوی ہو جیسی کہ اس سنہ میں۔ لارڈ ویلزلی، لارڈ ہیسٹنگز اور امہرسٹ کے سب معرکے ختم ہو چکے تھے اور سارے ملک میں امن و امان کا دور دورہ تھا نظم ونسق کی نمایاں خرابیوں کا بہت کچھ استیصال ہو چکا تھا ہندوستان کے لوگوں کو خود اپنے معاملات کے انتظام میں بخوشی شریک کیا جاتا تھا مدراس میں منرو کی حکمرانی، بمبئی میں الفنسٹن کی، بنگالہ میں بنٹنک کی، غرض ان سب کی یاد لوگوں کے دلوں میں تازہ تھی۔ ہندوستان میں اشاعت تعلیم کی حکمت عملی مسلمہ تھی مصارف بیجا میں تخفیف ہو چکی تھی اور ہندوستان کے محاصل میں فاضلات ہوتے تھے۔ ظالمانہ و بے رحمانہ مطالبۂ مالگزاری میں بھی تخفیف ہو چکی تھی۔ شمالی ہند میں "برڈ" اور بمبئی میں "ونگیٹ" طویل المیعاد بندوبست نہایت نرمی کے ساتھ کر رہے تھے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حیثیت تاجرانہ نہیں رہی تھی بلکہ ایک منتظم مملکت کی ہوگئی تھی۔ برطانوی پارلیمنٹ نے بھی بلا امتیاز مذہب و رنگ ہندوستانیوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے دینے کا عہد و پیمان کیا تھا، ایک نوجوان ملکہ تخت شاہی پر جلوہ افروز تھی اور ہندوستانیوں کے دلوں میں وہ امیدیں اور امنگیں پیدا ہوگئی تھیں جو ایک

مہربان عورت کی کارفرمائی سے مشرقی لوگوں میں پیدا ہوسکتی ہیں۔
اور جیسا یہ دورروشن نظم ونسق کی اصلاحات کا زمانہ تھا اسی طرح یہ ادبی نشوونما کا بھی تھا۔ مکالے نے ہندوستان میں وہ وسیع النظری پیدا کردی تھی جو ارباب علم وحکمت کی خصوصیات میں داخل ہے۔ اس زمانے میں ہارس ہیمن ولسن ایک ممتاز مستشرق تھا جو بعد میں ایک ممتاز مورخ بھی ہوا۔ الفنسٹن بھی صاحب قلم تھا اور اپنی مشہور تاریخ ہند کو شایع کرنے کی تیاری میں تھا۔ برگز محصول اراضی ہند کے موضوع پر ایک مستند کتاب شایع کرنے کے بعد تاریخ فرشتہ کے ترجمہ میں مصروف تھا۔ کرنل ٹاڈ نے جس کو راجپوتوں سے ایک راجپوت کی سی ہمدردی تھی، وہ مشہور تاریخ راجستان لکھی جو عشق کے قصہ کہانیوں سے بھی زیادہ دلچسپ ودلفریب ہے۔ گرانٹ ڈف تاریخ مرہٹہ لکھ رہا تھا جس کی ہر زمانے میں قدر ہوگی۔ ہندوستان میں اس سے اعلیٰ ادبی مذاق اور لیاقت کا اظہار کسی زمانے کے انگریزوں نے کبھی نہیں کیا اور نہ رعایا کے ساتھ ایسی سچی ہمدردی کی۔ یہ ناممکن ہے کہ ان بڑے بڑے ہندوستان کے منتظمین مملکت اور مقننین کے بیانات پڑھنے پر جو انھوں نے ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۲ء کی پارلیمنٹی کمیٹیوں کے سامنے دیئے تھے یہ محسوس نہ ہو کہ اس زمانے میں یہ لوگ ہندوستانیوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی خوبیوں کی قدر کرتے تھے۔
چیاپلن جس کے بمبئی میں مالگزاری کے کارنمایاں کا ذکر کسی پچھلے باب میں آیا ہے لکھتا ہے کہ "میں عام طور پر دیسیوں کی کردار کے متعلق اچھی رائے رکھتا ہوں۔ میرے خیال میں دنیا کے کسی ملک کے رہنے والوں کا مقابلہ ان سے کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ انہی کو برتری حاصل ہے"۔
مدراس کی ملازمت دیوانی میں جو جان سلیون تھا اس سے یہ پوچھا گیا "کیا آپ ہندوستان کے باشندوں پر وہی اعتماد کرنا پسند فرمائیں گے جو آپ اپنے ہموطنوں پر کرتے ہیں؟" اس نے جواب میں یہ کہا "جی ہاں بشرطیکہ ان کے ساتھ بھی ویساہی اچھا برتاؤ کیا جائے۔

جیمس سدرلینڈ نے جو چند سال تک کلکتے کے اولیں انگریزی اخبار کا جس کا نام بنگالہ کا ہرکارہ تھا مدیر تھا تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ طبقہ اتنا ہی قابل اطمینان ہے جتنا کہ دنیا میں کوئی اور طبقہ"۔

لوگوں پر جو اس طرح اعتماد و اعتبار کیا جانے لگا تو اس میں بھی روح اعتماد پیدا ہوئی گئی۔ ہندوستان کے رہنمایان ملت، مصلحان معاشرت و مذہب، اور ممتاز طلبا جنھوں نے کلکتے کے ہندو کالج میں تعلیم پائی تھی انگریزی ادبیات اور تخیلات کو نہایت قدر کی نظر سے دیکھتے تھے اور برطانوی کردار اور برطانوی حکمرانی پر پورا پورا بھروسہ رکھتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ والاقدر نامور راجہ رام موہن رائے تھا جس نے برہما سماج قایم کیا اور اس زمانے کی تمام معاشری اور تعلیمی اصلاحات کی تکمیل میں مدد دی۔ ستی کی نہایت ظالمانہ رسم کے اٹھا دینے کی بھی دل کھول کر تائید کی جس کا لارڈ ولیم بنٹنک نے نہایت عمدہ طور پر اعتراف کیا اس کے بعد راجہ رام موہن رائے انگلستان پہنچا اور اس وقت دارالعوام میں موجود تھا جبکہ لارڈ ولیم کی تجویز کے خلاف وہاں ایک محضر پیش ہوا تھا۔ اس کو یہ دیکھکر خوش ہوئی تھی کہ برطانوی پارلیمنٹ نے بھی حکومت ہند کے فیصلے کی توثیق کر دی ہزارہا نوجوان ہندوستانیوں میں جنھوں نے ابھی ابھی انگریزی مدارس اور کالج چھوڑے تھے راجہ رام موہن رائے کی طرح قوم میں اصلاح کرنے کی نئی روح پڑ گئی مغربی ادبیات اور تخیلات سے دل بستگی پیدا ہو گئی برطانوی کردار اور برطانوی حکمرانی پر اعتماد کلی پیدا ہو گیا۔

چنانچہ جب ملکہ وکٹوریہ برطانوی شاہنشہی کے تخت پر جلوہ افروز ہوئیں تو ان کی تمام رعایا کے دلوں میں نہایت ہی گہری اور سچی وفاداری اور عقیدت کا پورا پورا احساس موجود تھا اور یہ اس لئے کہ انگلستان نے ہندوستانیوں کے ساتھ فیاضی اور اعتماد کا برتاؤ کیا تھا ہندوستان انگلستان دونوں کے لئے یہ بہت ہی اچھا ہوتا کہ یہی فیاضی اور یہی اعتماد ملکہ کے دراز عہد حکومت کے اختتام تک جاری رہتا کیونکہ انگلستان نے جتنے کام

ابتک اپنے سر لئے ہیں ان میں سب سے زیادہ ہندوستان کا انتظام مملکت اہم اور دشوار ہے اور یہ کام اس وقت تک تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ ہندوستان کے لوگوں سے کام نہ لیا جائے اور ان پر اعتبار و اعتماد نہ کیا جائے

جس سال ملکہ کی تخت نشینی ہوئی اسی سال ہندوستان کے نظم و نسق کی دشواریاں ظاہر ہوئیں۔ لارڈ ویلزلی کی ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۴ء کی لڑائیوں کے بعد متعدد قحط نمودار ہوئے۔ بمبئی میں ایک دوہرا قحط بھی ۱۸۱۳ء میں ہوا۔ مدراس میں بھی جہاں ظالمانہ اور کمبخت بندوبست اراضی پہلے سے موجود تھا ۱۸۰۷ء اور ۱۸۲۳ء پھر ۱۸۳۳ء میں قحط پر قحط پڑے ملکہ کے جلوس کے پہلے ہی سال شمالی ہند میں بھی جہاں مدراس کی طرح ظالمانہ بندوبست اراضی تھا ایک ایسا سخت عالمگیر قحط پڑا جو اس سے پہلے اس صدی میں کہیں نہیں پڑا تھا اور جس سے شمالی ہند اس سرے سے اس سرے تک بالکل بے چراغ ہو گیا۔ رابرٹ بائنس برڈ کا جدید بندوبست ابھی تکمیل کو نہیں پہنچا تھا لوگ بے وسیلہ تھے ہی اور قرض میں گرفتار۔ ۱۸۳۷ء میں بارش جو نہ ہوئی تو قحط کیا آیا کہ اپنی ساری مصیبتوں کو بھی ساتھ لیتا آیا۔

جان لارنس جو بعد میں لارڈ لارنس ہوا لکھتا ہے کہ:-

"میں نے اپنی ساری عمر میں ایسی ویرانی اور بربادی کہیں نہیں دیکھی جیسی پرگنہ ہوڈل اور پرگنہ پالوال میں تھی۔ اموات کی تعداد اتنی تھی کہ شمار سے باہر تھی۔ کانپور میں ایک خاص عملہ اس لئے مقرر تھا کہ وہ گلی کوچوں میں گشت لگا کر اور دریا پر جا کر لاشیں نکالے فتحپور اور آگرے میں بھی یہی تدابیر اختیار کی گئی تھیں سیکڑوں ہزاروں گمنام آدمی قصبوں میں مرے پڑے تھے جن کی تجہیز و تکفین کرنے والا کوئی نہ تھا سڑکوں پر لاشیں پڑی رہتی تھیں حتیٰ کہ جنگلی جانور ان کو کھا جاتے تھے کیونکہ ان کا دفن کرنے یا جلانے والا کوئی نہ تھا۔

وہ دشواریاں جو ہندوستان کے نظم و نسق کو درہم و برہم کرنے والی تھیں (یعنی ادھر آفت نازل ہوتی تھی ادھر افلاس پھیلتا جاتا تھا) اس

جدید حکومت کی ابتدا ہی میں نمایاں ہو گئی تھیں ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت میں متعدد تغیرات ملک میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔ سندھ اور پنجاب، اودھ اور ممالک متوسط، برما اور بلوچستان کے الحاقات سے شاہنشہی کے حدود وسیع تر ہو گئے تھے اس وسیع اقلیم میں چاروں طرف ریلیں دوڑنے لگی تھیں ڈاک اور تار برقی کا سلسلہ ہر جگہ پھیل گیا تھا۔ مختلف صوبوں میں عدالت العالیہ اور جامعہ قایم ہوئی تھیں شہروں کے حدود بھی وسیع ہو گئے تھے بڑے بڑے قطعات اراضی قابل زراعت بنائے گئے تھے مجالس وضع قوانین، مجالس ضلع، اور بلدیات پہلی دفعہ قایم ہوئے تھے۔ شہروں میں انگریزی تعلیم اور قصبوں میں ملکی زبان کی تعلیم خوب فروغ پر تھی۔

وہ دو اہم اصلاحیں جو اس عہد میں نہیں ہوئیں یہ ہیں کہ ہندوستان کے لوگوں کو خود اپنے معاملات کے انتظام و نگرانی میں کچھ حصہ نہیں ملا اور عامۃ الخلایق کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں ہوئی۔ اور نہ ملک ہی متعدد مہلک اور عالمگیر قحطوں سے محفوظ رہا جو متمدن نظم و نسق میں فی زمانہ کہیں نہیں پڑتے۔ انگریزی راج کی تاریخ بھی اسی سبق کو دہراتی ہے جو سبق ہم نے تاریخ عالم سے سیکھا ہے۔ یعنی رعایا کے حق میں مفید طور سے ملک پر حکومت کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ رعایا کو کچھ نہ کچھ حکومت خود اختیاری یا حکومت نیابتہ نہ دی جائے۔

تمت

صحت نامہ

معاشی تاریخ ہند جلد اوّل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲ دیباچہ	۱۶	کم سے	کم سے کم	۲۷۰	۲۵	سکے	کے
۲۶	۱۴	لرر ہے	کر رہے	۲۸۳	۲۴	اس	اس کا
۳۱	۱	انگھوٹے	انگوٹھے	۲۸۷	۱۷	نہ	×
۴۳	۲	صعب انگیز	صعوبت انگیز	۲۸۹	۱۱	یہ کہ	تیسرے یہ کہ
۷۴	۴	براج کشور	برج کشور	۲۹۲	۷	عقل تھی	عقل موجود تھی
۱۰۲	۱۸	ایسی	اسی	۲۹۳	۵	سینّے والے	بُنّے والے
۱۳۸	۲۴	کمار	کمھار	۳۰۱	۲۳	پاتے	پانے کی
۱۳۹	۲۳	مانو	منو	۳۰۹	۱۴	اتد اند	اندر اندر
۱۴۵	۱۵	رہ نو	روتر	۳۱۰	۱۴	کاتھ	کاٹھ
۱۴۷	۶	لال	اہل	۳۱۸	۲	یوپپ	یورپ
۱۶۷	۱۸	کی	کے	"	۵	سے سے	سے
۱۷۳	۲۵	گزدہم	گریہم	۳۲۲	۹	لے لیے	کے لئے
۱۸۲	۲۵	اباقی	باقی	۳۳۲	۱۱	بکانہیں	بکائن
				۳۳۲	۱۳	بکائن	بکلائن
۲۵۲	۱۵ و ۱۸	سکار گے	کر گئے	۳۳۳	۲	کاکمنی	کان کنی
۲۵۶	۸	آبشارمیں	آبشاریں	۳۳۹	۱۳	صدری	صدی
"	۲۴	تعمیر جاری	تعمیر و جاری	۳۴۷	۲۵	کرتی ہی	کرتی رہی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۵۴	۱۶	زرخیز بھی	زرخیز بھی ہے	۴۴۱	۱۷	میں	ہمیں
۳۵۸	۲۵	اس قسدر سیع	اس قدر وسیع	۴۴۳	۱۲	حصول	حصول
۳۷۵	۱۰	میزان دہ	میزانِ دہ	۴۶۲	۲۳	سائتھ	ساٹھ
۳۹۴	۱۲	نادار الوجود	نادر الوجود	۴۶۵	۳	جفاکشی	جفاکش
۳۹۹	۱۳	فصول مقدمات	فصل مقدمات	۴۶۹	۱۳	بیکیٹری	میکنزی۔
۴۰۴	۱	بعض کا صورتوں	بعض صورتوں	۴۷۲	۹	دجوہ دکو	وجوہ کو
۴۰۴	۱۳	کونی پڑتی	کرنی پڑتی	۴۷۳	۱۱	دفع	دفعہ
۴۰۵	۱۲	چپاپلن	چیاپلن	۴۷۴	۱۰	حکمۃ عمل	حکمت عملی
۴۰۷	۱۳	پیہ ادر	پیداوار	۴۷۵	۸	ادا کرنیوالی	ادا کرنے والے
۴۱۴	۱۳	دخیل کار	دخیل کار	۴۷۶	۱۲	معاش	معاشی
۴۱۴	۱۶	اپر	اوپر	۴۸۷	۱۴	۱۳۳۷ء	۱۸۰۳ء
۴۲۲	۱۰	شاد مابی	شادابی	۴۸۸	۷و۸	محابس	مجالس